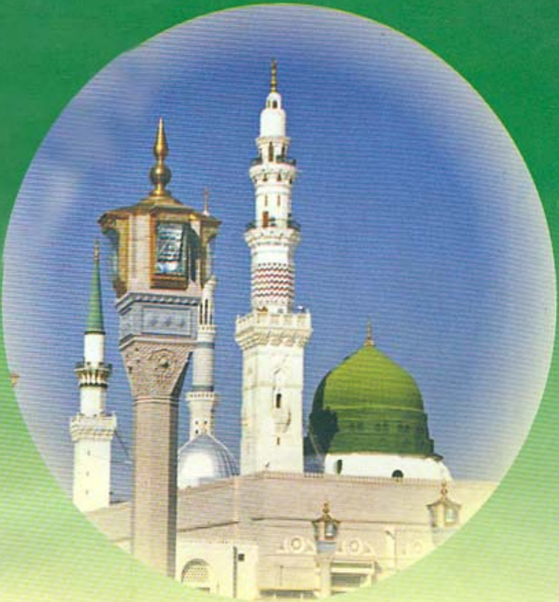

عشق نبوی ﷺ سے لبریز

خُطَبَات
سِیرۃُ النّبی ﷺ

علماء خطباء واعظین
و مبلغین اور سب
مسلمانوں کیلئے
یکساں مفید

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
فون: 4540513-4519240

عُلماء خُطباء واعظین و مُبلّغین کیلئے نعمتِ عُظمیٰ

خُطبَات

سِیرۃُ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم

سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر اکابر اہل اللہ کے
عام فہم مؤثر خطبات جو دل میں حقیقی محبتِ رسول
اور اتباع سنت کا جذبہ بیدا کرتے ہیں

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ
۱۳۷۰

تاریخ اشاعت..................صفر المظفر ۱۴۲۷ھ
ناشر...................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادراہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ہم نے اس کتاب کو حرف بحرف پڑھنے کے بعد اس میں درج قرآنی آیات احادیث مبارکہ اور دیگر عربی عبارات کو غور سے پڑھنے اور سمجھنے کے بعد انکی صحت کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ کتاب ہماری کوشش کے مطابق ہمہ قسم کی اغلاط سے پاک ہے۔

قاری محمد ابوبکر رحیمی عفرلہٗ
فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان

مولانا محمد طلحہ عفرلہٗ
فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ....اُردو بازار....لاہور
مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
ادارۃ الانور....نیو ٹاؤن کراچی نمبر 5
ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب و ناشر

خطبات سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ کے فضل وکرم سے آج موجودہ معاشرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعظمت کی کمی نہیں۔ لیکن اس محبت وعظمت کا اظہار جس طریقے سے کیا جاتا ہے بالخصوص ربیع الاوّل میں وہ اسلامی مزاج سے بعید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، عظمت اور اتباع تینوں کا تقاضا تو یہی ہے کہ ہر مسلمان ہر وقت ہر آن اپنی شکل وصورت، تہذیب وتمدن، اعمال واخلاق اور گفتار وکردار سے امتی محمدی ہونے کا ثبوت دے نہ یہ کہ صرف ربیع الاول میں چند مظاہرے کر کے یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے حقوق رسالت ادا کر دیے ہیں۔

زیر نظر کتاب ”خطبات سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ میں اپنے اکابر کے وہ خطبات ترتیب دیئے گئے ہیں جو مذکورہ تینوں حقوق کی نشاندہی کے بعد ان کی صحیح ادائیگی کیلئے رہنما ثابت ہونگے جن کا مطالعہ صرف ربیع الاول تک ہی محدود کرنے کی بجائے ہر دن کیا جائے تو دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت بھی بیدار ہوگی اور اتباع رسول کا صحیح طریقہ کار بھی واضح ہو کر دعوت عمل دیگا۔ الحمد للہ اپنے اکابر کے مستند خطبات کا یہ مجموعہ عصر حاضر کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مرتب کیا گیا ہے جس میں عقیدہ ختم نبوت اور مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام جیسے بنیادی مسائل پر بھی سیر حاصل معلومات یکجا کی گئی ہے اور عصر حاضر کے ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے ان خطبات سے طویل عربی عبارات اور بعض جگہ غیر متعلقہ

مضامین حذف کر دیئے گئے ہیں تا کہ عوام الناس بسہولت اس مجموعہ سے مستفید ہو سکیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے سیرت پر خطبات کا مجموعہ "میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے علیحدہ مطبوعہ ہے اس لیے اس مجموعہ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا کوئی خطبہ شامل نہیں کیا گیا اس کے علاوہ دوران ترتیب اکابر کے جو جو خطبات مل سکے انہیں جزو کتاب بنالیا گیا اور بعض جگہ کتاب کی طوالت کے خوف سے کچھ خطبات کو حذف کرنا پڑا۔ دوران مطالعہ ترتیبی حوالہ سے کوتشنگی رہ گئی ہو تو وہ مرتب ہی کی طرف سے سمجھی جائے حضرات اکابر اس سے بری ہونگے۔

ربیع الاول کے حوالہ سے معاشرہ میں جو غیر شرعی چیزیں رائج ہیں ان سے متعلق بھی اکابر کی تحریرات جمع کر کے جگہ جگہ اتباع سنت کی اہمیت وفضیلت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عوام الناس لاعلمی کی وجہ سے بعض چیزوں کو کار ثواب سمجھتے ہوئے مرتکب ہو جاتے ہیں لیکن غور وفکر اور صحیح علم سامنے آ جانے پر بھی اس پر مصر رہنا اہل دانش کا شیوہ نہیں۔

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم کا ایک مطبوعہ مضمون (جو اپنے موضوع پر کافی شافی ہے) حضرت کی اجازت اور دعاؤں سے مقدمہ کے طور پر شروع کتاب میں دیا گیا ہے۔

اس مبارک کتاب کی تیاری میں عزیزم مولوی حبیب الرحمٰن سلمہٗ (فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان) نے از ابتدا تا انتہا معاونت کی ہے۔ اللہ پاک انہیں مزید علمی و عملی ترقی سے نوازیں۔ آمین

اللہ پاک ادارہ کی اس سعی کو شرف قبولیت سے نوازیں اور روز محشر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے احقر مرتب کارکنان ادارہ اور جملہ قارئین کو مشرف فرمائیں۔ آمین

والسلام
محمد اسحٰق عفی عنہ
صفر المظفر ۱۴۲۷ھ بمطابق مارچ 2006ء

آپ اس کتاب کو اس طرح پڑھئے

زیر نظر کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ، اسوہ حسنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "مومن کی (اچھی) نیت اسکے (اچھے) عمل سے بہتر ہے"۔ یہ حدیث محتاج تشریح نہیں۔ اگر آپ ان خطبات کے مطالعہ سے قبل عمل کرنے کی مبارک نیت کا استحضار کرلیں اور دل میں یہ جذبہ ہو کہ "میں بھی اپنی زندگی کو ایسی عظیم شخصیت کی سنتوں کے مطابق ڈھال کر اللہ کا قرب حاصل کرلوں" تو ان شاء اللہ اس نیت کی برکت سے اللہ تعالیٰ خود ہمت وقوت نصیب فرما دیتے ہیں کہ مسلمان کیلئے اس پرفتن دور میں بھی اتباع سنت کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔

ربیع الاول کے مہینے میں ہر مسلمان کے دل میں یہ جذبہ ہوتا ہے کہ محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سنی اور سنائی جائے۔ عوام وخواص کے اسی دینی جذبہ کی قدر کرتے ہوئے زیر نظر کتاب میں اپنے اکابر علماء حق کے تقریباً چالیس عشق ومحبت سے معطر خطبات جمع کیے گئے ہیں۔ جن کے انفرادی مطالعہ کی بجائے اگر مقررہ وقت پر تمام اہل خانہ، احباب مسجد، شرکاء کاروبار، اور مجلس احباب میں ایک خطبہ یومیہ سنایا جائے تو دینی جذبہ کی تسکین کا سامان بھی ہو جائیگا اور عصر حاضر میں اسوہ حسنہ پر عمل کا آسان طریقہ کار بھی نمایاں ہوگا۔

مطالعہ کیلئے ایسا وقت مقرر کیا جائے۔ جو پرسکون ہو اور پریشانیوں سے ذہن فارغ ہو۔ اسوہ حسنہ پر مشتمل یہ سدا بہار مجموعہ صرف ربیع الاول تک ہی کارآمد نہیں بلکہ ہر لمحہ ہر دن اس کے مطالعہ کو حرز جان بنانے کی کوشش کی جائے۔ کہ یہی ایک مسلمان کا سرمایہ حیات ہے۔

دوران مطالعہ قلم اپنے ساتھ رکھیں اور جن امور میں خود کو عملی اعتبار سے کوتاہ جانیں ان کو نشان زدہ کرلیں اور دعا کے اہتمام کیساتھ بار بار اس مضمون کا اعادہ کریں ان شاء اللہ عمل کی توفیق نصیب ہوگی۔

آخر میں گذارش ہے کہ جن اکابر حضرات کے خطبات سے استفادہ کر کے اس مجموعہ کو مرتب کیا گیا ہے ان حضرت کیلئے بطور خاص دعاؤں کا اہتمام فرمائیں اس سے خود آپ کو بھی فائدہ ہوگا لہذا اپنی دعاؤں میں اراکین ادارہ کو بھی مت بھولیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

فہرست

خطبات سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جب عالم انسانیت میں بہار آئی
از فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم........... ۲۵

محبت نبوی کے چند جواہر پارے
از مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ..................... ۲۳

محبت رسول کی ایمان افروز جھلکیاں
از حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ................. ۶۰

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
از حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ......................... ۶۵

نبوت و رسالت
از حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ..................... ۶۹

سیرت طیبہ
از مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ.................... ۷۷

نبوت کی علامت و اثبات رسالت
از شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ............................ ۸۰

محبت نبوی و فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ..................... ۸۶

ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
از مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ........ ۹۲

خاتم النبیین کی تفسیر

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ...... ۱۲۰

ختم نبوت اور امت محمدیہ

از امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ.......... ۱۸۸

میلاد النبی اور ختم نبوت

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ ۱۹۸

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

از ولی کامل شیخ التفسیر حضرۃ مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ ۲۰۵

سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی پہلو

از مورخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ.................. ۲۲۲

سیرت نبوی کی عصر حاضر میں معنویت وافادیت

از مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ...................... ۲۴۶

سب سے پیارا لفظ رحمۃ للعالمین

از مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ...................... ۲۵۹

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

از مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ...................... ۲۶۳

نبی رحمت کی مخلوق پر غیر معمولی شفقت

از مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ...................... ۲۶۸

اتباع سنت ہی دین ہے

از عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ............... ۲۷۳

اتباع سنت کا صحیح طریق کار

از مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ.......... ۲۷۹

اتباع مجتبیٰ ہی ہے رضائے مصطفیٰ

از مرتب.................................... ۲۸۷

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

از حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ.................. ۲۹۵

عظمت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

از عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم.......... ۳۱۲

اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

از داعی کبیر حضرت مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہٗ.............. ۳۲۸

امتی ہونے کا حق

از شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ.......... ۳۵۵

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات

از مرتب–جدید سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم.......................... ۳۶۴

تبرکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

از شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ.......... ۳۸۸

قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فائدہ

از شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ........ ۳۹۳

محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام

از حضرت مولانا طفیل قیوم صاحب رحمہ اللہ............................ ۴۰۶

اتباع رسول کے چند نمونے

از مولانا حبیب الرحمٰن مدظلہ (ناظم ماہنامہ "محاسن اسلام").......... ۴۳۲

غازی علم الدین شہید رحمہ اللہ

از مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہٗ.............. ۴۴۷

سیرۃ النبی اور ہماری زندگی

از شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم ۴۵۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے انقلابی اثرات

از شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم ۴۷۰

جشن عید کا شرعی جائزہ

از شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ........ ۴۸۰

سیرت جلسے چند اصلاح طلب امور

از مولانا ابن الحسن عباسی مدظلہٗ ۴۹۴

سیرت النبی کی تاریخی و زمانی ترتیب

از مولانا مفتی عمر فاروق قریشی مدظلہٗ ۴۹۸

نبی اقدس بحیثیت مثالی شوہر

از مولانا مفتی عمر فاروق قریشی مدظلہٗ ۵۰۷

حضور کی عام بچوں سے بے انتہاء محبت

از مولانا ابوطلحہ اظہار الحسن محمود صاحب مدظلہٗ ۵۱۵

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر آخرت

از خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ............ ۵۳۸

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

از مولانا مفتی محمد جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ........................ ۵۵۳

حیات الانبیاء علیہم السلام

از حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب رحمہ اللہ............ ۵۸۹

بسم الله الرحمن الرحيم

إن الله وملئكته يصلون على النبي
يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

اللهم
صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
إنك حميد مجيد

اللهم
بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
إنك حميد مجيد

كتبه العبد الفقير نفيس الحسيني اللاهوري غفر الله ذنوبه وستر عيوبه في رمضان المبارك سنة ١٤١٢

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن العزیز الحکیم

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن

رسول اللہ وخاتم النبیین (الاحزاب)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖن لَا نَبِیَّ بَعْدِی

مثنوی مولانا جامی علیہ الرحمۃ

فضائل درود شریف میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں: کہ حضرت مولانا جامی نور اللہ مرقدہٗ یہ "نعت" کہنے کے بعد...... جب ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے...... تو اُن کا ارادہ یہ تھا...... کہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے...... جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا...... تو امیر مکہ کو خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں...... امیر مکہ نے ممانعت کردی...... مگر اُن پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے...... امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آرہا ہے اُس کو یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے آدمی دوڑائے اور اُن کو راستے پکڑوا کر بلایا...... اُن پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا...... اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لئے ہاتھ نکلے گا۔

اس پر اُن کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز واکرام کیا گیا۔ (نعتیہ اشعار یہ ہیں)

زمہجوری برآمد جانِ عالم ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق سے کائنات عالم کا ذرّہ ذرہ جاں بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے اے رسولِ خدا نگاہِ کرم فرمائیں اے ختم المرسلیں رحم فرمایئے۔"

نہ آخر رحمۃ للعالمین زمحروماں چرا غافل نشینی

"آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں ہم حرماں نصیبوں اور ناکامان قسمت سے آپ کیسے تغافل فرما سکتے ہیں۔"

زخاک اے لالہ سیراب برخیز چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

"اے لالۂ خوش رنگ اپنی شادابی وسیرابی سے عالم کو مستفید فرمایئے اور خوابِ نرگسیں سے بیدار ہو کر ہم محتاجانِ ہدایت کے قلوب کو منور فرمایئے۔"

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

بروں آور سراز بُرۡدِ یمانی   کہ روئے تست صبح زندگانی

”اپنے سرِ مبارک کو یمنی چادروں کے کفن سے باہر نکالئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور صبح زندگانی ہے۔“

شب اندوہ مارا روزگرداں   زرویت روز ما فیروز گرداں

”ہماری غمناک رات کو دن بنا دیجئے اور اپنے جمال جہاں آراء سے ہمارے دن کو فیروزمندی و کامیابی عطا کر دیجئے۔“

بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ   بسر بربند کافوری عمامہ

”جسم اطہر پر حسبِ عادت عنبر بیز لباس آراستہ فرمایئے اور سفید کافوری عمامہ زیب سر فرمایئے۔“

فرود آویز از سر گیسواں را   فگن سایہ بپاسروِ رواں را

”اپنی عنبر بار و مشکیں زلفوں کو سر مبارک سے لٹکا دیجئے تا کہ ان کا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت قدموں پر پڑے (کیونکہ مشہور ہے کہ قامت اطہر و جسم انور کا سایہ نہ تھا لہٰذا گیسوئے مشکبوں کا سایہ ڈالئے)“

ادیم طائفی نعلین پاکن   شراک از رشتۂ جا نہائے ماکن

”حسبِ دستور طائف کے مشہور چمڑے کے مبارک نعلین (پاپوش) پہنئے اور ان کے تسمے اور پٹیاں ہمارے رشتۂ جاں سے بنائیں“

جہانے دیدہ کردہ فرش راہ اند   چو فرش اقبالِ پابوس تو خواہند

تمام عالم اپنے دیدہ و دل کو فرش راہ کئے ہوئے اور بچھائے ہوئے ہے اور فرش زمیں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے۔“

زحجرہ پائے در صحن حرم نہ   بفرق خاکِ رہ بوساں قدم نہ

”حجرہ شریف یعنی گنبدِ خضرا سے باہر آ کر صحن حرم میں تشریف رکھئے راہِ مبارک کے خاک بوسوں کے سر پر قدم رکھئے۔“

بدہ دستی زپا افتادگاں را   بکن دلدارئے دِل دادگاں را

”عاجزوں کی دستگیری بے کسوں کی مدد فرمایئے اور مخلص عشاق کی دلجوئی و دلداری کیجئے۔“

اگرچہ غرق دریائے گناہم   فتادہ خشک لب برخاک راہم

''اگرچہ ہم گناہوں کے دریا میں از سرتا پا غرق ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہِ مبارک پر تشنہ وخشک لب پڑے ہیں۔''

تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے   کنی برحال لب خشکاں نگاہے

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابرِ رحمت ہیں شایانِ شان گرامی ہے کہ پیاسوں اور تشنہ لبوں پر ایک نگاہِ کرم بار ڈالی جائے۔''

خوشا کز گردرہ سویت رسیدیم   بدیدہ گرداز کویت کشیدیم

''ہمارے لئے کیسا اچھا وقت ہوتا کہ ہم گردراہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں پہنچ جاتے اور آنکھوں میں آپ کے کوچہ مبارک کی خاک کا سرمہ لگاتے

وہ دِن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم
خاکِ در رسول کا سُرمہ لگائیں ہم

بمسجد سجدۂ شکرانہ کردیم   چراغت را زجاں پروانہ کردیم

''مسجد نبوی میں دوگانہ شکر ادا کرتے، سجدہ شکر بجالاتے روضۂ اقدس کی شمعِ روشن کا اپنی جانِ حزیں کو پروانہ بناتے۔''

بگردِ روضہ ات گشتیم گستاخ   دلم چوں پنجرۂ سوراخ سوراخ

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر اور گنبدِ خضرا کے اس حال میں مستانہ اور بیتابانہ چکر لگاتے کہ دل صدمہائے عشق اور وفورِ شوق سے پاش پاش اور چھلنی ہوتا۔''

زدیم از اشک ابرِ چشم بے خواب   حریم آستاں روضہ ات آب

حریم قدس اور روضۂ پُر نور کے آستانہ محترم پر اپنی بے خواب آنکھوں کے بادلوں سے آنسو برساتے اور چھڑکاؤ کرتے۔''

گہے رفتیم زاں ساحت غبارے   گہے چیدیم زو خاشاک و خارے

''کبھی صحنِ حرم میں جھاڑو دیکر گرد وغبار کو صاف کرنیکا فخر اور کبھی وہاں کے خس و خاشاک کو دُور کرنے کی سعادت حاصل کرتے۔''

ازاں نورِ سواد دیدہ دادیم   وزیں بر ریش دل مرہم نہادیم

"گو گرد و غبار سے آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے مگر ہم اس سے مردمک چشم کیلئے سامانِ روشنی مہیا کرتے اور گو خس و خاشاک زخموں کیلئے مضر ہے مگر ہم اس کو جراحتِ دل کیلئے مرہم بناتے۔"

بسوئے منبرت رہ برگرفتیم   زچہرہ پایہ اش در زرگرفتیم

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے پاس جاتے اور اس کے پائے مبارک کو اپنے عاشقانہ زرد چہرہ سے مَل مَل کر زریں وطلائی بناتے"

زمحرابت بسجدہ کام جستیم   قدم گاہت بخونِ دیدہ شستیم

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلائے مبارک ومحراب شریف میں نماز پڑھ پڑھ کر تمنائیں پوری کرتے اور حقیقی مقاصد میں کامیاب ہوتے اور جس مصلے میں جس جائے مقدس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک ہوتے تھے اس کو شوق کے اشک خونیں سے دھوتے۔"

بپائے ہر ستون قد راست کردیم   مقام راستاں در خواست کردیم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد اطہر کے ہر ستون کے پاس ادب سے سیدھے کھڑے ہوتے اور صدیقین کے مرتبہ کی درخواست کرے۔"

زداغ آرزویت بادِل خوش   زدیم از دل بہر قندیل آتش

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آویز تمناؤں کے زخموں اور دلنشیں آرزوؤں کے داغوں سے (جو ہمارے دل میں) انتہائی مسرت کے ساتھ ہر قندیل کو روشن کرتے۔"

کنوں گرتن نہ خاک آں حریم ست   بحمد اللہ کہ جاں آں جا مقیم ست

"اب اگرچہ میرا جسم اس حریم انور وشبستان اطہر میں نہیں ہے لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روح وہیں ہے۔"

بخود در ماندہ ام از نفس خودرائے   ببیں در ماندۂ چندیں بہ بخشائے

"میں اپنے خود بین وخود رائے نفسِ اَمارہ سے سخت عاجز آچکا ہوں ایسے عاجز وبیکس کی جانب التفات فرمائیں اور بخشش کی نظر ڈالیے۔"

اگر نہ بود چو لطف دست یارے   زدست ما نیاید ہیچ کارے

”اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الطافِ کریمانہ کی مدد شامل حال نہ ہوگی تو ہم عضو معطل ومفلوج ہوجائیں گے اور ہم سے کوئی کام انجام نہ پاسکے گا۔“

قضا می افگند ازراہ مارا   خدارا از خدا در خواہ مارا

”ہماری بدبختی ہمیں صراط مستقیم وراہِ خدا سے بھٹکا رہی ہے خدارا ہمارے لئے خداوند قدوس سے دُعاء فرمایئے۔“

کہ بخشد از یقیں اوّل حیاتے   دہد آنگہ بکاردیں ثباتے

”(یہ دُعاء فرمایئے) کہ خداوند قدوس اولا ہم کو پختہ یقین اور کامل اعتقاد کی عظیم الشان زندگی بخشے اور پھر احکام دین میں مکمل استقلال اور پوری ثابت قدمی عطا فرمائے۔“

چوہول روز رُستا خیز خیزد   بآتش آبروئے ما نہ ریزد

”جب قیامت کی حشر خیزیاں اور اس کی زبردست ہولناکیاں پیش آئیں تو مالک یوم الدین رحمٰن ورحیم ہم کو دوزخ سے بچا کر ہماری عزت بچائے۔“

کند با ایں ہمہ گمراہی ما   ترا اذنِ شفاعت خواہی ما

”اور ہماری غلط روی اور صغیرہ کبیرہ گناہوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری شفاعت کیلئے اجازت مرحمت فرمایئے کیونکہ بغیر اس کی اجازت شفاعت نہیں ہوسکتی ہے۔“

چو چوگاں سرفگندہ آوری روئے   بمیدانِ شفاعت اُمتی گوے

”ہمارے گناہوں کی شرم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر خمیدہ چوگاں کی طرح میدان شفاعت میں سر جھکا کر (نفسی نفسی نہیں بلکہ) یارب اُمتی اُمتی فرماتے ہوئے تشریف لائیں۔“

بحسن اہتمامت کارِ جامی   طفیلِ دیگراں یابد تمامی

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اہتمام اور سعی جمیل سے دوسرے مقبول بندگانِ خدا کے صدقہ میں غریب جامی کا بھی کام بن جائے گا۔

(فضائل درود شریف)

گھر گھر اُجالا

حضورِ محمد ﷺ سے گھر گھر اُجالا
ظہورِ محمدؐ سے گھر گھر اُجالا
بنایا خدا نے سِراجاً مُنیرًا
ہے نورِ محمدؐ سے گھر گھر اُجالا
ہے ذاتِ محمد ﷺ سے گھر گھر اُجالا
صفاتِ محمدؐ سے گھر گھر اُجالا
یہ انوارِ ذات و صفات ، اَللہ اَللہ!
حیاتِ محمدؐ سے گھر گھر اُجالا

(۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء)

حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری

اُداس راہیں

(طریقِ ہجرت سے متأثر ہو کر)

حَرَم سے طَیبہ کو آنے والے ! تجھے نِگاہیں تَرس رہی ہَیں
جِدھر جِدھر سے گُزر کے آئے ! اُداس راہیں تَرس رہی ہَیں

رسُولِ اَطہر جہاں بھی ٹھہرے ، وُہ مَنزلیں یاد کر رہی ہَیں
جَبینِ اَقدس جہاں جُھکی ہے ، وُہ سَجدہ گاہیں تَرس رہی ہَیں

جو نُور افشاں تھیں لحظہ لحظہ ، حضورِ انور کے دَم قدَم سے
وُہ جلوہ گاہیں تڑپ رہی ہَیں ، وُہ بارگاہیں تَرس رہی ہَیں

صبائے بَطحا غموں سے پُر ہے ، فَضائے اَقصیٰ بھی دُکھ بھری ہے
اب ایک مُدّت سے حال یہ ہے ، اَثر کو آہیں تَرس رہی ہَیں

خیال فرما کہ چشمِ عالَم تِری ہی جانب لگی ہُوئی ہے
نِگاہ فرما ، کہ ساری اُمّت کی مِیٹھی چاہیں تَرس رہی ہَیں

نفیسؔ کیسا یہ وقت آیا ، سُلوک و اِحساں کے سِلسلوں پر
جہاں مشائخ کی رونقیں تھیں ، وُہ خانقاہیں تَرس رہی ہَیں

حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

لب پُر درُود

لَب پر درُود ، دِل میں خیالِ رسُولؐ ہے
اب مَیں ہُوں اور کیفِ وصالِ رسُولؐ ہے

دائم بہارِ گُلشنِ آلِ رسُولؐ ہے
سینچا گیا لہُو سے نہالِ رسُولؐ ہے

حُسنِ حَسنؓ کو دیکھ ، حُسینِؓ حَسیں کو دیکھ
دونوں میں جلوہ ریز جمالِ رسُولؐ ہے

بُوبکرؓ ہوں ، عُمرؓ ہوں ، وہ عثمانؓ ہوں یا علیؓ
چاروں سے آشکار کمالِ رسُولؐ ہے

اِسلام نے غُلام کو بخشی ہیں عظمتیں
سردارِ مؤمنین ، بلالِؓ رسُولؐ ہے

ہاں نقشِ پائے خَتمِ رُسُل میرا تخت ہے
اور سَر کا تاج خاکِ نعالِ رسُولؐ ہے

جامِ جَم اُس کے سامنے کیا چیز ہے نفیسؔ
جس کو نصیب جامِ سفالِ رسُولؐ ہے

(شوال المکرم ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء)

واللہ میں کہاں درِ خیر البشر کہاں

واللہ میں کہاں در خیر البشر کہاں
لے آئی آج مجھ کو میری چشمِ تر کہاں
جاگے نصیب خفتہ مدینے میں آ گئے
شب بھی یہاں سحر ہے سحر کی سحر کہاں
تاب نظر بھی دیتے ہیں وہ اذن نظر کیساتھ
ورنہ بشر کہاں درخیر البشر کہاں
پہلے پہل وہ گنبد خضراء کا دیکھنا
حیرت سے دیکھتی تھی نظر ہے نظر کہاں
کھوئے ہوئے سے پھرتے ہیں ہم جلوہ گاہ میں
ان کی خبر کے بعد اب اپنی خبر کہاں
اے ساکناں شہر حرم جاگتے رہو
شب بھی یہاں سحر ہے سحر کی سحر کہاں
یوسف انہوں نے سن لیا ورنہ حقیقتاً
میری دُعاء میں میری زباں میں اثر کہاں

یارسول اللہ

صلی اللہ علیک وسلم

عطا قدموں میں ہو دائم حضوری، یارسول اللہ
ہے اب نا قابلِ برداشت دُوری، یارسول اللہ
عنایت ہو اگر اِک لمحہ، اپنی خاص خلوت کا
مجھے اِک عرض کرنی ہے ضروری، یارسول اللہ
اجازت ہو تو کچھ چشمانِ تر سے بھی بیان کرلوں
ابھی ہے داستانِ غم اُدھوری، یا رسول اللہ
مری غایت تمنا ہے، درِ اقدس کی دربانی
زہے عزت، اگر ہو جائے پوری، یارسول اللہ
مدینے ہی میں آ کر راحت و تسکین پاتی ہے
دِل فرقت زدہ کی ناصبوری، یا رسول اللہ
دمِ رخصت نفیس اشکوں سے تر ہے رحم فرماؤ
خُدارا اِک جھلک ہلکی سی، نُوری، یارسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم

اضطرارِ مدینہ

مُبارک ہو اے بے قرارِ مدینہ
بُلاوا ہے یہ اضطرارِ مدینہ
ہو طے جلد اے رہ گذارِ مدینہ
بہت سخت ہے انتظارِ مدینہ
اِلٰہی دِکھا دے بہارِ مدینہ
کہ دِل ہے بہت بیقرارِ مدینہ
یہ دِل ہو اور انوار کی بارشیں ہوں
یہ آنکھیں ہوں اور جلوہ زارِ مدینہ
ہوائے مدینہ ہو بالوں کا شانہ
ہو آنکھوں کا سُرمہ غبارِ مدینہ
وہاں کی ہے تکلیف راحت سے بڑھ کر
مجھے گل سے بڑھ کر ہے خارِ مدینہ
کبھی گردِ کعبہ کے ہوں میں تصدق
کبھی جا کے ہوں میں نثارِ مدینہ
کبھی لطف مکہ کا حاصل کروں میں
کبھی جا کے لوٹوں بہارِ مدینہ
رہے میرا مسکن حوالی کعبہ
بنے میرا مدفن دیارِ مدینہ
پہنچ کر نہ ہو لوٹنا پھر وہاں سے
وہیں رہ کے ہوں جاں سپارِ مدینہ
بصد عیش سوؤں میں تا صبح محشر
جو ہو میرا مرقد کنارِ مدینہ
مجھے چپہ چپہ زمیں کا ہو طیبہ
میں ایسا بنوں راز دارِ مدینہ
میں پسماندہ ہوں کیوں نہ حسرت سے دیکھوں
سوئے عازمانِ دیارِ مدینہ
وہاں جلوہ فرما حیات النبی ؐ ہیں
زہے زائرین مزارِ مدینہ
نمک بر جراحت ہے اُف ذکرِ طیبہ
کہ ہوں آہ میں دِلفگارِ مدینہ
میں جاؤں وہاں نیک اعمال لے کر
کہ یا ربّ نہ ہوں شرمسارِ مدینہ

اِلٰہی بصد شوق مجذوب پہنچے
یہ ناکام ہو کامگارِ مدینہ

(حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ)

ہدیہ سلام

از عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ

السلام اے رازِ حسنِ زندگی

السلام اے ذکرِ تو روحِ رَواں   السلام اے یادِ تو جَانانِ جَاں
السلام اے جلوۂ نُورِ اَحَد   السلام اے مظہرِ ذاتِ صَمَد
السلام اے مایۂ رازِ حَیات   السلام اے وجہ خلقِ کائنات
السلام اے رحمۃ للعالمین   السلام اے ہادی دنیا و دِیں
السلام اے عالمِ اُمّی لقب   السلام اے سیدوالانسب
السلام اے پیکرِ خلقِ عظیم   السلام اے آیت ربِّ کریم
السلام اے رہبرِ راہِ صَفا   السلام اے مجتبٰی و مصطفٰے
السلام اے رونقِ بزمِ زمیں   السلام اے نازِ عجز و بندگی
السلام اے مونسِ بیچارگاں   السلام اے دستگیر بے کساں
السلام اے مامن و ماوائے ما   السلام اے والی و مولائے ما
آنکہ در عقلم و گنجد شانِ تُست   درگمانم اُنچہ ناید آنِ تُست
ایں قدر دانم کہ رَبِّ ذُوالجَلال   آفریدت منتہائے ہر کمال

یا رسول اللہ بر تو صبح و شام
بے شمار از من دَرُو داست و سلام

نطق و بیاں کھو گئے

تم سے کیفِ حضوری بیان کیا کروں جا کے بطحا میں قلب اور جاں کھو گئے
روح پر وجد کچھ ایسا طاری ہوا اپنی ہستی کے سارے نشاں کھو گئے
بے طلب ہی مرادوں سے دامن بھرا چار جانب ہے اِک بحر جود و سخا
جب خموشی ہی بننے لگی مدعا پھر تو الفاظ نطق و بیاں کھو گئے
اہلِ دِل تو سبھی مست و مدہوش تھے اور اہلِ نظر خود فراموش تھے
ہوش والوں کو بھی میں نے دیکھا یہی دیکھتے دیکھتے جالیاں کھو گئے
جب نگاہیں اُٹھیں سوئے بابُ السلام چھا گیا روح پر ایک کیفِ تمام
آ گیا برلبِ دل درود و سلام میری نظروں سے کون و مکاں کھو گئے
مسجد پاک میں جب جبیں جھک گئی فخر بہزؔاد کرنے لگی بندگی
کیا بتائیں ہمیں کیسی لذت ملی ان کا نقش قدم تھا جہاں کھو گئے

(حضرت بہزاد لکھنوی)

بَلَغَ العُلیٰ بِجَمالِہٖ
خصال خاتمیت سے وہی سب سے حسیں بڑھ کر

کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمالِہٖ
ذات خاتمیت پر درود اور آل اطہر پر

حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِہٖ
کمال خاتمیت سے گئے عرش معلیٰ پر

صَلُّوا عَلَیْہِ وَآلِہٖ
جمال خاتمیت سے اجالے ہو گئے یکسر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى رُوْحِ مُحَمَّدٍ
فِى الْاَرْوَاحِ وَصَلِّ عَلٰى جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَجْسَادِ
وَصَلِّ عَلٰى قَبْرِ مُحَمَّدٍ فِى الْقُبُوْرِ

جو شخص یہ درود شریف پڑھے گا اُس کو خواب میں حضور کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت ہوگی۔ (ص ۴۷)

ہزار دن تک ثواب ملنا

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَجَزَاهُ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ

جو شخص یہ درود شریف پڑھے تو ثواب لکھنے والے ستر فرشتے ایک ہزار دن تک اُس کا ثواب لکھیں گے۔ (ص ۱۷۷)

اَسی سال کے گناہ معاف

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جو شخص اَسی ۸۰ مرتبہ یہ درود شریف پڑھے اللہ تعالیٰ اِس کے اَسی ۸۰ سال کے گناہ معاف فرما دیں گے۔ (ص ۱۶۶)

(تحفہ درود و سلام)

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلامٌ على عباده الذين اصطفى

نَحمدُهٗ ونستعينُهٗ ونستغفِرهٗ ونُؤمن بهٖ ونتوكَّلُ عليهِ

ونعوذُ بالله مِن شرورِ انفُسِنا ومِن سيأٰتِ أعمالِنا

من يّهدِهِ الله فلا مُضِلّ لهٗ ومن يُّضلِله فلا هادِيَ لهٗ

ونشهد اَن لآ اِلٰه اِلّا الله وحدهٗ لا شريك لهٗ

ونشهد اَنّ سيّدنا ومولانا مُحمّدًا عبدهٗ ورسُوله

صلى الله تعالىٰ عليهِ وعلىٰ آلهٖ واصحابهٖ اجمعين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

مُقَدِّمَہ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم

جب عالم انسانیت میں بہار آئی

خوشیاں، نوحہ، شکایت، فریضہ، پیغام

ماہ مبارک:۔ ربیع الاول کی آمد آمد ہے یہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا مہینہ ہے فلک منتظر تھا فرش زمین چشم براہ، کائنات راہ تک رہی تھی، کسی آنے والے کا جس کے لئے آسمان و زمین بنے، چاند و سورج روشن ہوئے۔ ستاروں کو تابانی ملی، گلزاروں نے شادابی پائی، پھولوں کو مہک دستیاب ہوئی۔

پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیاں، سمندروں کی ہولناک لہریں، صحراؤں کی وسعتیں، فضاؤں اور ہواؤں کی پہنائیاں اس کے لئے وجود میں آئیں۔ مگر بایں ہمہ گلشن انسانیت پر اداسی چھا رہی تھی۔ چمنستان لالہ زار پژمردہ تھے۔ بہاریں بے رونق تھیں۔ کائنات کے چہرے پر مرجھاہٹ تھی گلشن عالم کی بہاروں کا رنگ پھیکا تھا۔ آخر بہاروں کی بہار آئی جس سے جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی ملی۔ فلاح عالم کے اعلیٰ ترین نظام کے حامل فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

انسانیت کے لئے آخری خیر مقدر لیکر مبعوث ہوئے اور اس خیر وہدایت سے عالم کو بھر دیا۔

انسانیت غیر اللہ کی پرستش میں غرق تھی، کروڑوں دیوتاؤں شجر، حجر، آگ، پانی، چاند سورج وغیرہ کی پوجا کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ خدائے وحدہ لاشریک کے گھر مسجد حرام میں معبودان باطلہ کی قطاریں لگ رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو ان تمام جھوٹے خداؤں کی غلامی سے آزاد کر کے توحید خداوندی کی حقیقت کو آشکارا کیا اور اعلان کیا کہ پرستش اور حاجت روائی کے لائق یہ کائنات کی عجیب وغریب اشیاء نہیں بلکہ معبود برحق وہ ذات ہے جس نے ان اشیاء کو خلعت وجود سے سرفراز کیا۔ آپ نے خالق اور مخلوق کے مابین ٹوٹے ہوئے رشتہ عبودیت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ انسان کو اس کے صحیح مقام اور اس کی حقیقی منزل کا تعین کرتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن کیا۔

نسلی، لسانی، قومی گروہی تعصبات کو کالعدم قرار دیتے ہوئے پوری انسانیت کو ایک کنبہ قرار دیا۔ اعلان فرمایا **کلکم بنو آدم آدم من تراب**. اور حریت، مساوات، اخوت، ایثار ہمدردی کے ایسے نمونے چھوڑے کہ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانیت کے لئے نعمت عظمیٰ ہے جس پر جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ جتنی خوشیاں منائی جائیں بجا ہیں مگر اس طرح سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی یا توہین کا موجب نہ ہوں۔ ربیع الاول میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ جلوس نکالے جاتے ہیں۔ بینڈ باجے چراغاں، راگ گانے سبھی کچھ ہوتا ہے اگر کچھ نہیں تو وہ نہیں ہوتا جس کے لئے آپ کی بعثت ہوئی تھی ہماری زندگیوں میں انقلاب محمدی کی کوئی جھلک محسوس ہو، شرک سے نکل کر توحید کی طرف آجائیں۔ گھر میں، بازار میں، منڈی میں عدالت میں اسمبلی میں غرضیکہ پوری انفرادی واجتماعی زندگیوں میں اللہ کا قانون شریعت محمدیہ کو بالادستی حاصل ہو۔ ہماری خواہشات، ہماری رسوم ورواج، آئین وقوانین دین محمدی کے تابع ہوں جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔ ”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہوجائیں“۔

ہماری وضع قطع فرنگیت کا اشتہار ہونے کے بجائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوا ایسا نہیں ہے۔

ہم نے کبھی سوچا کہ ربیع الاول کیا پیغام لے کر آتا ہے اور ہماری بے حسی' اغیار پرستی ہمارے افتراق و انتشار' نکبت و ادبار پر ماتم کرتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ اسے شکایت ہے کہ کبھی تم ایسے نہ تھے چار دانگ عالم میں تم نے عظمت اسلام کے جھنڈے گاڑے تھے۔ کفر و شرک ایرانی مجوسیت اور یورپ کی صلیبی و صیہونی طاقتوں کو شکست فاش دے کر غلبہ دین حق کی قرآنی پیش گوئی کو سچا کر دکھایا تھا۔

قیصر و کسریٰ کی شاہی عبا تار تار کرتے ہوئے انکے زریں جواہرات سے مرصع تاجوں کو تم نے نوچا تھا۔ تمہاری عظمتوں' رفعتوں اور قوت و شوکت سے یورپ لرزہ براندام تھا۔ عرب کے ریگستانوں سے اٹھے اور پوری دنیا پر چھا گئے۔

اس ماہ مبارک کو شکایت ہے کہ تمہاری عظمت رفتہ کیا ہوئی؟ عروج و ترقی کے آسمان سے ذلت و پستی کے اسفل السافلین میں کیسے گر گئے؟ اقوام عالم لقمہ تر سمجھ کر تمہیں نگل جانے کے لئے کیوں بے تاب ہیں؟

تمہارے وجود ملی سے روح اسلام نکل چکی؟ مردہ لاشیں بن چکے یورپ کے کفن چور تمہارے کفن چھیننے کی فکر میں ہیں سفید گدھیں تمہارے گوشت نوچنے کے لئے تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہیں۔

باہمی صدہا اختلافات کے باوجود نئی و پرانی دنیا ایشیا اور یورپ کا کفر تمہاری دشمنی پر متفق ہے۔ اسلامی ایٹم بم نے جیسے اسرائیل اور واشنگٹن کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں اسی طرح ماسکو اور دلی بھی اس سے لرزہ براندام ہے۔

ربیع الاول کو شکایت ہے کہ وہ عظمت کے مینار تھے۔ تم اسلام کی ذلت کے شاہکار ہو۔ وہ رحماء بینھم کے مصداق باہمی ایک دوسرے کے مال جان و عزت و آبرو کے محافظ و جانثار تم اپنوں کے گلے کاٹ کر بھیڑیے خونخوار ہو۔

وہ حق کے پرستار تم اغیار کے آلہ کار' اپنی جہالت' غفلت اور اغیار کی سازشوں کے

سبب تم اپنے ماضی سے کٹ چکے۔ آسمانی نور ہدایت اسلامی افکار و نظریات' اخلاق و کردار تم سے گم ہو گئے تم ذلت کا نشان اور تمہارا اسلام ایک گالی اور تہمت بن کر رہ گیا ہے۔

فرنگی قزاقوں نے پہلے ہندوستان کے دارالاسلام کو اپنی عیاری' مکاری' فریب کاری' سفاکی و خونخواری سے دارالکفر میں تبدیل کیا۔ پھر ''قومیت'' اور ''ترقی'' کے نام پر عظمت و وحدت ملی کے نشان اسلامی خلافت کے دامن کو تار تار کیا۔ ایک ترقی خلافت کے زیر نگیں علاقوں کو چودہ حکومتوں میں تقسیم کر کے اسلام کی متحدہ قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔

تقسیم در تقسیم کا عمل پھر متحدہ پاکستان پر دہرایا گیا اور مفاد پرست ہوس اقتدار کے بھوکے لیڈروں کے ذریعہ اسے دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ابھی یہ سازشیں جاری ہیں۔ وہی سازشی عناصر پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اپنے آلۂ کار ایجنٹوں کے ذریعے بچے کھچے پاکستان کے حصے بخرے کر کے اپنے تقسیم در تقسیم کے ناپاک عمل کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ باقی اسلامی ممالک بھی صیہونی واشتراکی سازشوں کی وجہ سے کم وبیش اسی صورتحال سے دوچار ہیں۔

عالمی تخریب کاروں کی گہری سازشوں کو بھانپ کر ان کا مقابلہ کرنے والا اگر کوئی مرد حق ''دیدہ ور'' چمن میں پیدا ہوتا ہے اور ان کے جال میں پھنسنے سے انکار کر دیتا ہے تو کھلی دہشت گردی سے اسے ختم کرا دیا جاتا ہے۔ جس کے سبب معاشرہ کا صحیح سمت پر جو سفر شروع ہوا تھا مجبوراً وہیں رک جاتا ہے ان مظالم اور ہماری بے حسی' بے کسی اور بے بسی پر ماہ ربیع الاول ماتم کناں ہے اور قلم کا جگر شق ہے۔

نوحہ: مجلسوں' محفلوں' جلسوں' جلوسوں' باجوں' گاجوں کے شور میں ہم ربیع الاول کا یہ نوحہ نہیں سن رہے۔ کان بہرے ہو گئے ہیں۔ دیدہ عبرت نہیں کہ دیکھیں کہ اسلام پر یہ کیا قیامت گزر گئی۔

آیئے۔ تھوڑی دیر کے لئے ربیع الاول کا یہ نالہ وشیون بھی سن لیں اور صاحب ربیع الاول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد غلامی کی تجدید کرتے ہوئے اپنی زندگیوں میں اور معاشرے میں انقلاب لائیں۔ عہد حاضر کے صنم خانوں میں سجائے گئے ایک ایک بت کو چکنا چور کر کے خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت اور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی

مکمل طاعت اور ہدایت کے انوار سے پورے عالم کو بھر دیں اور پھر سے اسلام کی سربلندی کے پھریرے چار دانگ میں لہرا دیں۔

علمائے کرام اور مشائخ عظام

چودہ صدیاں پہلے یہ انقلاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کمال کو پہنچا تھا۔ دور حاضر میں اس محمدی انقلاب کی سب سے بڑی ذمہ داری علماء کرام اور مشائخ عظام پر عائد ہوتی ہے کیونکہ اسی گروہ کو انبیاء علیہم السلام کا وارث قرار دیا گیا ہے۔

یہ وراثت ایک آدھ چیز میں نہیں بلکہ نبوت کے علاوہ باقی تمام چیزوں میں ہے۔ افکار و نظریات میں، اخلاق و عادات، جذبات و ملکات میں تعلیم قرآن وسنت تزکیہ اور اصلاح باطن میں بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ ہدایت پر لانے میں اور تمام طاغوتی نظام ہائے حیات کا سر کچل کر اس کی جگہ دین حق کے غالب کرنے میں، اس کے لئے اپنی انفرادی اصلاح کے علاوہ گہرے غور و فکر کے بعد ایسے تعلیمی و تبلیغی نظام کی ضرورت ہے جس کے تحت ایسے افراد تیار ہوتے رہیں جو خدا تعالیٰ شانہ کی مکمل عبدیت و عبادت کے ساتھ ساتھ امت کی قیادت کی بھرپور صلاحیتوں کے حامل ہوں۔ ان کی راتیں مصلوں پر خدائے ذوالجلال کے سامنے نماز اور گڑگڑانے میں گزرتی ہوں تو دن میدان کارزار میں گھوڑوں کی پشتوں پر اور وہ ٹھیک اس تاریخی جملے کے آئینہ دار ہوں۔ **هم بالليل رهبان وبالنهار فرسان**

ہمارے قابل فخر زریں ماضی میں جب امت کی قیادت علماء و مشائخ کے ہاتھ میں تھی تو صرف مساجد ہی میں نہیں بلکہ معاشرے کا ہر فرد قرآن وسنت کی تعلیمات سے آراستہ، قلوب ایمان و یقین اور خشیۃ خداوندی سے لبریز اور جذبہ جہاد سے سرشار اور معاشرہ اس اٹل حقیقت پر ایمان رکھتا تھا۔ خدا تعالیٰ سے گہرا تعلق ذکر اللہ اور انابت الی اللہ اسلامی معاشرے اور لشکر کی فتح و کامرانی کے لئے ایسا موثر ترین اسلحہ ہے جس کا کوئی توڑ دشمن کے پاس موجود نہیں۔

سلطان صلاح الدینؒ (اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں) نے ایک مرتبہ دشمن کی عددی برتری وغیرہ کو دیکھ کر کچھ عرصہ کے لئے عارضی صلح کا ارادہ کیا مگر

ایک رات سلطان لشکر کے حالات کا تجسس کرنے کے لئے نکلے۔ ایک خیمے کے پاس سے گزرے تو اس میں قرآن پاک کی تلاوت ہو رہی تھی۔

یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین.

ترجمہ:۔ آپ سے غنیمتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دو یہ اللہ اور رسول کی ہیں۔ تم اللہ سے ڈرو اور اپنے تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اختیار کرو اگر تم مومن ہو۔

آگے دوسرے خیمے کے پاس پہنچے تو آہ وبکا کی آوازیں سنائی دیں ذرا بڑھ کر دیکھا تو اہل خیمہ سجدے میں پڑے ہوئے خوف وخشیت خداوندی سے رو رہے ہیں۔ تیسرے کی طرف تشریف لے گئے تو محسوس کیا کہ اہل خیمہ ذکر اللہ میں مشغول ہیں اور قرآن پاک کی تلاوت بھی جاری ہے۔

یایھاالذین آمنوا اذا لقیم فئۃً فاثبتوا واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون.

ترجمہ:۔ ایمان والو! جب تم دشمن کے مقابلہ میں جاؤ تو ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اور دیکھا ہے کہ رات کے اندھیروں کے اندر یہ لوگ مسلسل ذکر اللہ میں مشغول ہیں۔ آگے بڑھے تو دیکھا کہ چوتھے خیمہ والے کامل عاجزی انکساری کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ پاک سے دعائیں مانگنے میں مشغول ہیں اس وقت ان کے ایمان ویقین کی یہ کیفیت ہے گویا وہ جنت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جنت اور ان کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ لشکر کے یہ مناظر دیکھ کر سلطان رو دیئے اور کہا:

اللہ کی قسم ایسے لشکر کو جس کا یہ حال ہو کبھی شکست نہ ہوگی۔ یہ عددی برتری یا اسلحہ کی کثرت کی وجہ سے نہیں بلکہ ذکر میں مشغول دلوں میں خوف خداوندی سے کھڑے رہنے کے سبب سوج جانے والے پاؤں، رکوع وسجدے میں ناک رگڑنے والے نفوس اور پروردگار عالم کے سامنے دعا وزاری میں منہمک ومشغول ہونے والوں کے سبب ہے۔ آخر میں کہا۔

واللّٰہ ان جیشنا ھذا حالہ لن یھزم باذن اللہ

بخدا جس لشکر کا یہ حال ہو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کبھی شکست نہیں کھا سکتا۔ (تربیۃ اسلامیہ بغداد)

یہ میدان جنگ اور مجاہدین کے خیموں کا نقشہ تھا۔ جس میں تعلق باللہ، تلاوت، ذکر اللہ، خوف وخشیت خداوندی، دعاؤں میں ابتہال وتضرع الی اللہ کا یہ عالم ہے اور ماضی میں ہماری کامرانیوں کا یہی راز تھا۔ جبکہ آج کا ہمارا معاشرہ، ہماری مساجد، ہمارے مدارس، ہماری دینی تربیت گاہیں تک ان ایمان پرور مناظر سے خالی ہو چکی ہیں۔ امت خدا کو بھول گئی خدائے تعالیٰ اسے بھول چکا۔

اغیار پر بھروسہ واعتماد اور خداوند قدوس جل وعلا مالک ارض وسماء سے ناامیدی؟ کسی نے خوب کہا ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتاؤ تو سہی اور کافری کیا ہے؟

فرض: علمائے امت اور مشائخ کا فرض ہے کہ افکار واخلاق واعمال نبوت سے آراستہ ہو کر علمی وعملی میدانوں میں ایسی مفید سنجیدہ انقلابی تبدیلیاں لائیں جس کے نتیجے میں کفر وزندقہ یا الحاد ودہریت، شک وتذبذب، اغیار پرستی، مادیت اور لسانی ونسلی تعصبات کی تباہ کن دلدلوں میں پھنسی ہوئی امت ان آفات سے نجات حاصل کر کے صحیح معنی میں امت مسلمہ بن سکے۔ یعنی ہم خدا کے بن جائیں اور خدا ہمارا بن جائے۔ خدا ہمارا کیسے بنے گا؟ اس کا جواب سنئے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

پیغام: صاحب ربیع الاول فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور سچی وفاداری اس جہاں کی سیادت وقیادت کا آزمودہ نسخہ اور کامیاب حکمت عملی ہے۔ ربیع الاول کا یہی پیغام ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو اپنی رضائے عالی اور خدمت دین کے لئے قبول فرماویں۔ آمین۔ (از عصر حاضر کے لئے مشعل ہدایت)

دل سے دعا ہے کہ اللہ پاک اکابر کے ان خطبات کی جدید ترتیب کو
اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں اور ہم سب کو ربیع الاوّل
کے حوالہ سے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں پورا
کرنے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین

بندہ: عبدالستار عفی عنہ

محبت رسالت کے

چند جواہر پارے

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور شریعت کے مخالفوں کے ساتھ عداوت و بغض وسختی کرنے کی ترغیب۔

حق تعالیٰ آپ کو نبی امی قرشی ہاشمی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی میراث کی خلعت سے بھی مشرف فرمائے جیسے کہ آپ کو ظاہری میراث کی خلعت سے مشرف فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے آمین کہا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری میراث عالم خلق سے تعلق رکھتی ہے اور باطنی میراث عالم امر سے جہاں کہ سراسر ایمان ومعرفت ورشد وہدایت ہے۔

میراث ظاہری کی بڑی نعمت کا شکر یہ ہے کہ باطنی میراث سے آراستہ ہوں۔ اور باطنی میراث سے آراستہ ہونا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل تابعداری کے سوا حاصل نہیں ہوتا۔ پس آپ پر واجب ہے کہ اوامر ونواہی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و اطاعت بجالائیں کیونکہ کمال متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال محبت کی فرع ہے۔

ان المحب لمن هواه مطيع کہ عاشق تابع معشوق ہوتا ہے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ حضور کے دشمن کے ساتھ کمال بغض رکھیں اور ان کی شریعت کے مخالفوں کے ساتھ عداوت کا اظہار کریں۔ محبت میں مداہنت وچاپلوسی روا نہیں ہے کیونکہ محب اپنے محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا اور اپنے محبوب کے مخالفوں کے ساتھ کسی طرح بھی صلح پسند نہیں کرتا دو مختلف اور متفرق محبتیں اکٹھی نہیں ہوتیں اور محبت و بیگانگت باہم جمع نہیں ہوتی دو ضدوں کا جمع ہونا محال ہے ایک کی محبت دوسرے کی عداوت کو مستلزم ہے۔ اس بات میں بخوبی غور وتامل کرنا

چاہئے کیونکہ ابھی کچھ نہیں بگڑا آج گذشتہ کا تدارک کر سکتے ہیں لیکن کل جب کہ کام ہاتھ سے نکل چکا تو سوائے ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت   کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

ترجمہ:

بوقت صبح قیامت ہو جائیگا معلوم   کہ کالی رات یہ دنیا کی کس طرح گزری

متاع دنیا سراسر غرور وفریب ہے اور آخرت کا ابدی معاملہ اسی پر مترتب ہے۔ چند روزہ زندگانی کو اگر سید الاولین وآخرین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری میں بسر کیا جائے تو نجات ابدی کی امید ہے ورنہ کچھ نہیں۔ خواہ کوئی ہو اور عمل خیر ہی کیوں نہ بجالایا ہو۔

محمد عربی کا بروے ہر دوسرا ست   کسیکہ خاک درش نیست خاک برسراو

ترجمہ: محمد سید کونین عزت دوجہاں کی ہیں
پڑے خاک اس کے سر پر جو نہیں ہے خاک اس در کی

متابعت کی اس بڑی دولت کا حاصل ہونا پورے طور پر دنیا کے ترک کرنے پر موقوف نہیں ہے تاکہ مشکل نظر آئے بلکہ اگر زکوٰۃ مفروضہ بھی بالفرض ادا ہو جائے تو مضرت کے نہ پہنچنے میں کل ترک کا حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ مال مزکی ضرر سے نکل جاتا ہے۔

پس دنیاوی مال سے ضرور دور کرنے کا علاج اس مال سے زکوٰۃ نکالنا ہے۔ اگرچہ ترک کلی افضل ہے لیکن زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی اس کا کام کر جاتا ہے۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود   ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

ترجمہ:

عرش سے نیچے ہے گرچہ آسماں   لیکن اونچا ہے زمین سے اے جواں

پس لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت احکام شرعی کے بجالانے میں صرف کرنی چاہئے اور اہل شریعت علماء وصلحاء کی تعظیم وعزت بجالانی چاہیے اور شریعت کے رواج دینے میں کوشش کرنی چاہیے اور اہل ہوا وبدعتیوں کو خوار رکھنا چاہئے جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے گویا اسلام کے گرانے میں اس کی مدد کی اور کفار کے ساتھ جو خدا اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے دشمن ہیں۔ دشمن ہونا چاہئے اور ان کی ذلت وخواری میں کوشش کرنی چاہئے اور کسی وجہ سے ان کو عزت نہ دینی چاہئے اور ان بدبختوں کو اپنی مجلس میں داخل نہ ہونے دینا چاہئے اور ان سے انس ومحبت نہ کرنی چاہئے اور ان کے ساتھ شدت وسختی کا طریق برتنا چاہئے اور جہاں تک ہو سکے کسی امر میں ان کی طرف رجوع نہ کرنا چاہئے اور اگر بالفرض کوئی ضرورت پڑ جائے تو قضائے حاجت انسانی کی طرح چار وناچار اپنی ضرورت ان سے پوری کرنی چاہئے۔

وہ راستہ جو آپ کے جد بزرگوار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ تک پہنچا دیتا ہے یہی ہے اگر اس راستہ پر نہ چلیں تو اس پاک جناب تک پہنچنا مشکل ہے۔ ہائے افسوس

كيف الوصول الىٰ سعاد و دونها   قلل الجبال دونهن خيوف

ترجمہ:

ہائے جاؤں کس طرح یار تک   راہ میں ہیں پر خطر کوہ اور غار

زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم   کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است
غم دل اس لئے تھوڑا کیا اظہار ہے میں نے   کہ آزردہ نہ ہو جائے بہت سن سن کے دل تیرا

امت محمدیہ کی فضیلت اور اتباع سنت کی ترغیب

حضرت خیر البشر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں اور اس بیان میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر اور اس کے جھٹلانے والے تمام بنی آدم سے بدتر ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشن سنت کی تابعداری کی ترغیب۔

آپ کا بزرگ مرحمت نامہ بڑے اچھے وقت میں صادر ہوا۔ اور اس کے مطالعہ سے شرف حاصل ہوا۔ **للہ الحمد سبحانہ والمنة** اللہ تعالیٰ کا حمد! اور اس کا احسان ہے کہ آپ کو فقر محمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث حاصل ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ فقراء کے ساتھ ملتے جلتے اور ان سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ بے سروسامان فقیر نہیں جانتا کہ اس کے

جواب میں کیا لکھے۔ سوائے اس کے کہ چند فقرے عربی عبارت میں جو آپ کے بزرگوار خیر العرب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل میں ماثور ہیں۔ لکھے اور اس سعادت تامہ کو اپنی آخرت کی نجات کا وسیلہ بنائے۔ نہ یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرے بلکہ اپنی کلام کو حضور علیہ السلام کے نام سے آراستہ کرے۔ شعر

ماان مدحت محمد امقالتی　　　لکن مدحت مقالتی بمحمد

ترجمہ:

غرض سخن سے نہیں مدح صاحب لولاک　　　سوائے اس کے کہ میرا سخن ہو جائے پاک

فاقول و باللہ سبحانہ العصمة و التوفیق ۔ پس میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے عصمت اور توفیق ہے۔

تحقیق حضرت محمد اللہ کے رسولؐ اور حضرت آدم کی اولاد کے سردار ہیں اور قیامت کے دن اور لوگوں کی نسبت زیادہ تابعداری والے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب اولین وآخرین سے بزرگ ہیں اور پہلے ہیں جو قبر سے نکلیں گے اور اول ہیں جو شفاعت کریں گے اور اول ہیں جن کی شفاعت قبول ہو گی اور اول ہیں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے دروازہ کھول دے گا اور قیامت کے دن لواء حمد کے اٹھانے والے ہیں۔ جس کے نیچے آدم اور باقی انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور وہ ذات مبارک ہیں جنہوں نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہم ہی آخرین ہیں اور ہم ہی آگے بڑھنے والے ہیں اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا کہ میں اللہ کا دوست ہوں اور میں پیغمبروں کا پیشرو ہوں اور کچھ فخر نہیں اور میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور کچھ فخر نہیں اور میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو ان میں سے بہتر خلقت میں مجھے پیدا کیا پھر ان کو دو گروہ بنایا اور مجھے ان میں سے اچھے گروہ میں کیا پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے بہتر قبیلے میں بنایا۔ پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں سے بہتر گھر والوں میں پیدا کیا۔ پس میں از روئے نفس اور گھر کے ان سب سے بہتر ہوں اور میں سب لوگوں سے اول نکلوں گا۔ جب وہ قبروں سے نکالے جائیں گے۔ اور میں ان کا رہنما

ہوں جب کہ وہ گروہ گروہ بنائے جائیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں۔ جب وہ خاموش کرائے جاویں گے اور میں ان کا شفیع ہوں جب وہ روکے جائیں گے اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں جب وہ ناامید ہو جائیں گے اور کرامت اور جنت کی کنجیاں اور لواء حمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولاد آدم سے بزرگ ہوں ہزار خادم میرے گرد طواف کریں گے جو خوشنما آبدار موتیوں کی طرح ہوں گی (یعنی حور وغلماں) اور جب قیامت کا دن ہوگا میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ اور مجھے اس بات کا فخر نہیں ہے اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا اور آپ نبیؐ تھے جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ میں تھے۔ یعنی ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سید پیشرو

ترجمہ

عوض گناہ کے پکڑا نہ جائیگا وہ کبھی
کہ جس کا رہنما پیشوا ہو ایسا نبیؐ

پس ناچار ایسے پیغمبر سید البشر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر ہیں۔ **کنتم خیر امۃ اخرجت** ان کے حال کے مصداق ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانے والے سب بنی آدم سے بدتر ہیں۔ **الاعراب اشد کفراً ونفاقاً** ان کے احوال کا نشان ہے۔

دیکھئے کس صاحب نصیب کو حضور کی سنت سنیہ کی تابعداری سے نوازش کرتے ہیں اور حضور کی پسندیدہ شریعت کی متابعت سے سرفراز فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی حقیقت کو تصدیق کرنے کے بعد تھوڑا سا عمل بھی بجالانا عمل کثیر کے برابر ہے۔

اصحاب کہف نے اتنا بڑا درجہ صرف ایک ہی نیکی کے باعث حاصل کیا اور وہ نور ایمانی کے ساتھ دشمنوں کے غلبہ کے وقت خدائے تعالیٰ کے دشمنوں سے ہجرت کر جانا تھا۔ مثلاً سپاہی دشمنوں اور مخالفوں کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑا سا بھی تردد کریں تو اس قدر نمایاں ہوتا ہے اور اس کا اتنا اعتبار ہوتا ہے کہ امن کی حالت میں اس سے کئی گنا اعتبار میں نہیں آسکتا۔

اور نیز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدائے تعالیٰ کے محبوب ہیں تو حضور کے تابعدار بھی آپ کی تابعداری کے باعث محبوبیت کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں کیونکہ محب اور عاشق اس آدمی کو بھی جس میں اپنے محبوب کی عادتیں اور خصلتیں دیکھتا ہے اپنا محبوب ہی جانتا ہے اور مخالفوں کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔

محمد عربی کا بروئے ہر دو سراست   کسے کہ خاک درش نیست خاک برسراو

ترجمہ:۔

وسیلہ دو جہاں کی آبرو کا ہیں نبی سرور   پڑے خاک اسکے سر پر جو نہیں ہے خاک اس در پر

اگر ہجرت ظاہری میسر نہ ہو سکے تو باطنی ہجرت کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ خلقت کے درمیان رہو ان سے الگ رہنا چاہئے۔ **لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً** امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی امر پیدا کردے گا۔

موسم نوروز آ گیا ہے اور معلوم ہے کہ ان دنوں میں وہاں کے رہنے والے معاملہ کو پراگندہ رکھتے ہیں۔ اس ہنگامہ کے گزر جانے کے بعد اگر خدائے تعالیٰ نے چاہا تو امید ہے کہ آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوگا۔ زیادہ لکھنا موجب تکلیف ہے۔ **ثبتکم اللہ سبحانہ' علیٰ جادۃ ابائکم الکرام السلام علیکم و علیھم الیٰ یوم القیمۃ** اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے بزرگ باپ دادوں کے طریق پر ثابت قدم رکھے آپ پر اور ان پر قیامت تک سلام ہو۔

مقام صدیقیت اور اتباع سنت کی ترغیب

حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن اور بزرگ سنت کی تابعداری کی ترغیب طریقت اور حقیقت شریعت کو کامل کرنے والی ہیں۔ علوم شرعیہ اور علوم صوفیہ کے درمیان جو مقام صدیقیت میں جو ولایت کے مرتبوں میں سے اعلےٰ مرتبہ ہے فائض ہوتے ہیں۔ ہرگز مخالفت نہیں ہے۔

حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی بزرگوار آل صلے اللہ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی طفیل ظاہر و باطن کو حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی متابعت سے آراستہ پیراستہ کرے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق تعالیٰ کے محبوب ہیں اور جو چیز کہ

خوب اور مرغوب ہے وہ حق تعالیٰ کے مطلوب اور محبوب کے لئے ہے۔ اسی واسطے حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ **انک لعلیٰ خلق عظیم** بے شک تو بڑے خلق پر ہے اور نیز فرماتا ہے۔ **انک لمن المرسلین علےٰ صراط مستقیم** تو مرسلین میں سے ہے اور راہ راست پر ہے۔ اور نیز فرماتا ہے۔ **ان ھٰذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل** بیشک یہ میرا راستہ سیدھا ہے تم اس پر چلو اور راستوں پر نہ چلو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملت کو صراط مستقیم کہا اور اس کے ماسوائے کو ٹیڑھے راستوں میں داخل فرمایا اور ان کی تابعداری سے منع فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کا شکر کرتے ہوئے اور خلق کو ہدایت کا نشان بتلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ **خیر الھدی ھدی محمد** سب ہدایتوں سے بہتر ہدایت محمدؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا ہے **ادبنی ربی فاحسن تادیبی** مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور میری تعلیم اور تادیب اچھی طرح کی اور باطن ظاہر کو پورا کرنے والا ہے اور بال بھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتے۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور ولی سے جھوٹ کا خطرہ دور کرنا طریقت اور حقیقت ہے۔ یعنی اگر یہ نفی تکلف اور بناوٹ سے ہے تو طریقت ہے اور اگر تکلف کے بغیر حاصل ہے تو حقیقت ہے۔ پس حقیقت میں باطن جس کو طریقت اور حقیقت کہتے ہیں ظاہر کو جو شریعت ہے پورا اور کامل کرنے والا ہے۔

پس اگر طریقت وحقیقت کی راہ پر چلنے والوں سے اثنائے راہ میں ایسے امور سرزد ہوں جو بظاہر شریعت کے مخالف ہیں تو وہ سکر وقت اور غلبہ حال پر مبنی ہیں اور اگر اس مقام سے گزار کر صحو میں لے آئیں تو وہ مخالفت رفع ہو جاتی ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کے مخالف علوم سب کے سب دور ہو جاتے ہیں۔

مثلاً صوفیہ سکر کے باعث احاطہ ذاتی کے قائل ہوئے ہیں اور بالذات حق تعالیٰ کو عالم کا محیط جانتے ہیں۔ یہ حکم اہل حق لوگوں کی راؤں کے مخالف ہے کیونکہ یہ لوگ احاطہ علمی کے قائل ہیں حقیقت میں علماء کی رائیں بہت ہی بہتر ہیں۔ اور اگر یہی صوفیہ اس بات کے قائل ہوں کہ حق تعالیٰ کی ذات کسی حکم کے ساتھ محکوم نہیں ہوتی اور کسی علم سے معلوم نہیں ہوتی تو

اس میں احاطہ اور سریان کے ساتھ حکم کرنا اس قول کے مخالف ہے اور واقعی حق تعالیٰ ذات بیچون اور بچگون ہے اور کسی حکم کو اس کی طرف راہ نہیں۔ وہاں حیرت و نادانی ہے اور اس مقام میں جہل صرف اور محض سرگردانی ہے۔ اس پاک جناب میں احاطہ و سریان کی کیا مجال ہے ہاں ایک بات ہے جس کے سبب ان صوفیہ کی طرف سے جو ان احکام کے قائل ہیں عذر خواہی کی جائے اور کہا جائے کہ ذات سے ان کی مراد تعین اول ہے اور چونکہ اس کو متعین پر زائد نہیں جانتے۔ اس لئے اس تعین کو عین ذات کہتے ہیں اور وہ تعین اول جو وحدت تعبیر کیا گیا ہے تمام ممکنات میں جاری و ساری ہے۔ تو اس لحاظ سے احاطہ ذاتی کے ساتھ حکم کرنا درست ہے یہاں ایک اور دقیقہ ہے جس کا جاننا ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی ذات علمائے اہل حق کے نزدیک بیچون اور بچگون ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے اس پر زائد ہے۔ اور وہ تعین بھی اگر ان کے نزدیک ثابت ہو جائے تو زائد ہوگا اور اس کو حضرت ذات بیچون کے دائرے سے باہر جائیں گے۔ پس اس کے احاطہ کو ذاتی نہ کہیں گے۔ پس علماء کی نظر صوفیہ کی نظر سے بلند ہے اور صوفیہ کے نزدیک جو ذات ہے وہ ان علماء کے نزدیک ماسوائے میں داخل ہے اور قرب و معیت ذاتی بھی اسی قیاس پر ہیں اور باطنی معارف و شریعت کے ظاہری علوم کے درمیان پورے اور کامل طور پر موافقت کا ہونا یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے امور میں بھی مخالفت کی مجال نہ رہے۔ مقام صدیقیت میں ہے جو تمام مقام ولایت سے بالاتر مقام ہے اور مقام صدیقیت سے بڑھ کر مقام نبوت ہے جو علوم نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے پہنچے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو الہام کے طور پر منکشف ہوئے ہیں ان دونوں علموں کے درمیان صرف وحی اور الہام کا فرق ہے پھر مخالفت کی کیا مجال ہوگی اور مقام صدیقیت کے سوا اور جس قدر مقام ہیں ان میں ایک قسم کا سکر متحقق ہے صحو تام صرف مقام صدیقیت ہی میں ہے۔

دوسرا فرق ان دونوں علموں کے درمیان یہ ہے کہ وحی میں قطع ہے اور الہام میں ظن کیونکہ وحی بذریعہ فرشتہ کے ہے اور فرشتے معصوم ہیں ان میں خطا کا احتمال نہیں اور الہام اگرچہ محل عالی رکھتا ہے جسے قلب کہتے ہیں اور قلب عالم امر سے ہے لیکن قلب کا عقل اور

نفس کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ثابت ہے اور نفس اگرچہ تزکیہ کے ساتھ مطمئنہ ہو جائے لیکن اپنی صفات سے ہرگز نہیں بدلتا۔ اسی واسطے اس مقام میں خطا کی مجال ظاہر ہے۔

جاننا چاہیئے کہ نفس کے مطمئنہ ہو جانے کے باوجود اس کی صفات کے باقی رکھنے میں بڑے فائدے اور نفعے ہیں اگر نفس بالکل اپنی صفات کے ظہور سے روکا جائے تو ترقی کا راستہ بند ہو جائے اور روح فرشتہ کا حکم پیدا کر لے اور اپنے مقام میں بند رہ جائے کیونکہ ترقی کا حاصل ہونا نفس کی مخالفت کے باعث ہے اگر نفس میں مخالفت نہ رہی تو ترقی کیسی ہوگی۔

سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کفار کے جہاد سے واپس آئے تو آپ نے فرمایا **رجعنا من الجهاد الا صغر الی الجهاد الاکبر** نفس کے جہاد کو جہاد اکبر فرمایا اور نفس کی مخالفت اس مقام میں عزیمت و اولےٰ کے ترک سے ہے بلکہ ترک عزیمت کے ارادہ کرنے سے ہے کیونکہ اس مقام میں نفس کی مخالفت ترک عزیمت کے تحقق و ثبوت سے ناممکن ہے اور اسی ارادہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدر ندامت اور پشیمانی اور التجا اور عاجزی حاصل ہوتی ہے کہ ایک سال کا کام ایک گھڑی میں حاصل ہو جاتا ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں یہ بات مقرر اور ثابت ہے کہ جس چیز میں محبوب کے اخلاق اور خصلتیں پائی جاتی ہیں محبوب کے تابع ہونے کی وجہ سے وہ چیز بھی محبوب ہو جاتی ہے۔ یہ اس رمز کا بیان ہے جو اس آیت کریمہ میں ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری میں کوشش کرنا مقام محبوبیت تک لے جانے والا ہے پس ہر ایک دانا اور عقل مند پر واجب ہے کہ ظاہر و باطن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال تابعداری میں کوشش کرے۔ بات بہت لمبی ہوگئی ہے امید ہے کہ معذور فرمائیں گے۔

سخن کا جمال جب جمیل مطلق کی طرف سے ہے تو جس قدر لمبا ہو جائے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ **لو کان البحر مداداً لکمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً** اگر اللہ کی باتیں لکھنے کے لئے سمندروں کی سیاہی بنائی جائے تو سمندر ختم ہو جائیں مگر اللہ کے کلمات نہ لکھے جائیں اگرچہ اتنے سمندر اور اس کے ساتھ ملائے جائیں۔

سب سے بہتر چیز سنت کی تابعداری

اس بیان میں کہ دل کی حقیقت جامع سے ماسوائے اللہ کی محبت کے زنگار کو دور

کرنیوالی سب سے بہتر چیز نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی تابعداری ہے۔

سلمکم اللہ سبحانہ وابقاکم اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت اور قائم رکھے جب تک انسان کے دل پراگندہ تعلقات سے آلودہ ہے تب تک محروم اور مہجور ہے دل کی حقیقت جامع کے آئینے سے ماسوائے اللہ کی محبت کے زنگار کو دور کرنا ضروری ہے اور دل سے زنگار کو دور کرنے والی بہتر چیز حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگ وروشن سنت کی تابعداری ہے جس کا مدار نفسانی عادتوں کے رفع کرنے پر ہے۔ یعنی جس سے تمام نفسانی عادتیں اور رسمیں دور ہوجاتی ہیں۔ **فطوبیٰ من شرف بھٰذہ النعمۃ العظمیٰ وویل من حرم من ھٰذہ الدولۃ القصویٰ** پس اس شخص کے لئے مبارکبادی ہے جس کو اس بھاری نعمت کا شرف حاصل ہوا اور افسوس ہے اس شخص پر جو اعلےٰ دولت سے محروم رہا۔

اتباع سنت کے ساتھ درجات

اس بیان میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے سات مرتبے اور درجے ہیں۔ اور ہرایک درجہ کی تفصیل۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفےٰ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے کتنے درجے اور مرتبے رکھتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا پہلا درجہ

عوام اہل اسلام کے لئے ہے یعنی تصدیق قلبی کے بعد اور اطمینان نفس سے پہلے جو درجہ ولایت سے وابستہ ہے احکام شرعیہ کا بجالانا اور سنت سنیہ کی متابعت ہے اور علماء ظاہر اور عابد وزاہد جن کا معاملہ ابھی تک اطمینان نفس تک نہیں پہنچا سب متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں۔ اور اتباع کی صورت کے حاصل ہونے میں برابر ہیں چونکہ اس مقام میں نفس ابھی کفر وانکار ہی پر اڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ درجہ متابعت کی صورت پر مخصوص

ہے۔ متابعت کی یہ صورت متابعت کی حقیقت کی طرح آخرت کی نجات اور خلاصی کا موجب ہے اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی اور جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے۔ بیت

اے کہ در ساختہ قطرۂ بادانی را　　　　مے توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول

ترجمہ بیت

عجب نہیں میرا رونا کرے قبول نظر　　　　بنایا قطرۂ باراں کو جس نے ہے گوہر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا دوسرا درجہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال واعمال کا اتباع ہے۔ جو باطن سے تعلق رکھتا ہے مثلاً تہذیب اخلاق اور بری صفتوں کا دور کرنا اور باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا رفع کرنا وغیرہ وغیرہ جو مقام طریقت کے متعلق ہیں۔ اتباع کا یہ درجہ ارباب سلوک کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو طریقہ صوفیہ کو شیخ مقتدا سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا تیسرا درجہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ان احول واذواق ومواجید کی اتباع ہے۔ جو مقام ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ درجہ ان ارباب ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہیں۔ جب مرتبہ ولایت ختم ہو جاتا ہے اور طغیان و سرکشی سے ہٹ جاتا ہے۔ تو اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے متابعت کی حقیقت ہوتی ہے اگر نماز ادا کرتا ہے تو متابعت کی حقیقت بجالاتا ہے اور اگر روزہ ہے یا زکوۃ اس کا بھی یہی حال ہے غرض تمام احکام شریعت کے بجالانے میں متابعت کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔

سوال:۔ نماز وروزوں کی حقیقت کے کیا معنے ہیں۔ نماز وروزہ افعال مخصوصہ ہیں۔ اگر یہ افعال فرمان کے بموجب ادا ہو جائیں تو حقیقت پائی جائے گی۔ پھر صورت وحقیقت کے کیا معنے؟

جواب:۔ مبتدی چونکہ نفس امارہ رکھتا ہے جو ذاتی طور پر آسمانی احکام کا منکر ہے اس

لئے احکام شرعی کا بجالانا اس کے حق میں باعتبار صورت کے ہے اور منتہی کا نفس چونکہ مطمئنہ ہو جاتا ہے اور رضا و رغبت سے احکام شرعی کو قبول کر لیتا ہے اس سے احکام شرعی کا صادر ہونا باعتبار حقیقت کے ہے۔

مثلاً منافق و مسلم دونوں نماز کو ادا کرتے ہیں۔ منافق چونکہ باطن کا انکار رکھتا ہے اس لئے نماز کی صورت بجالاتا ہے اور مسلمان باطنی اتباع کے باعث نماز کی حقیقت سے آراستہ ہے پس صورت و حقیقت باعتبار اقرار اور انکار باطن کے ہے۔

مذکورہ بالا درجہ یعنی کمالات ولایت خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد (جو اتباع کا تیسرا مرتبہ ہے) نفس کے مطمئن ہونے اور اعمال صالحہ کی حقیقت کے بجالانے کا درجہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا چوتھا درجہ

پہلے درجہ میں اس متابعت کی صورت تھی اور یہاں اتباع کی حقیقت ہے۔ اتباع کا یہ چوتھا درجہ علمائے راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینان نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اگرچہ اولیاء اللہ کو بھی قلب کی تمکین کے بعد تھوڑا سا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے لیکن کمال اطمینان نفس کو کمالات نبوت کے حاصل کرنے میں ہوتا ہے۔ جن کمالات سے علماء راسخین کو وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہوتا ہے پس علماء راسخین نفس کی کمال اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے متحقق ہوتے ہیں اور دوسروں کو چونکہ یہ کمالات حاصل نہیں ہوتے۔ اس لئے کبھی شریعت کی صورت سے اور کبھی اس کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں۔ علماء راسخین کا میں ایک نشان بتاتا ہوں تاکہ کوئی ظاہردان رسوخ کا دعویٰ نہ کرے اور اپنے نفس امارہ کو مطمئنہ خیال نہ کرے۔

عالم راسخ وہ شخص ہے جس کو کتاب و سنت کی متشابہات کی تاویلات سے بہت سا حصہ حاصل ہو اور حروف مقطعات کے اسرار کو جو قرآنی سورتوں کے اول ہیں۔ بخوبی جانتا ہو۔ متشابہات کی تاویل پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔ تو خیال نہ کرے کہ یہ تاویل بھی اسی طرح ہے جس طرح ید کی تاویل قدرت سے اور وجہ کی تاویل ذات سے کرتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق علم ظاہر سے ہے اسرار کے ساتھ اس کا کچھ واسطہ نہیں ان اسرار کے مالک انبیاء علیہم الصلوٰۃ

والسلام ہیں اور ان رموز واشارات سے انہی بزرگواروں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے یا وہ لوگ جن کو وراثت وتبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ متابعت کا یہ درجہ جو نفس کے اطمینان اور صاحب شریعت کی متابعت کی حقیقت تک پہنچنے پر موقوف ہے کبھی فناء و فنا اور سلوک وجذبہ کے وسیلہ کے بغیر حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ احوال و مواجید اور تجلیات وظہورات میں سے کچھ بھی درمیان نہیں آتا۔ اور یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے لیکن دوسرے راستہ کی نسبت ولایت کے راستہ سے اس دولت تک پہنچنا آسان اور اقرب ہے اور وہ دوسرا راستہ اس فقیر کے خیال میں سنت سنیہ کی متابعت اور بدعت کے اسم ورسم سے اجتناب کرنا ہے۔ جب تک بدعت حسنہ سے بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں۔ تب تک اس دولت کی بو جان کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔ آج بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہے اور بدعت کے اندھیرے میں پھنسا ہوا ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے اور سنت کے زندہ کرنے کا دعویٰ کرے۔

اس زمانہ کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے اور سنتوں کو محو کرتے ہیں۔ شائع اور پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف ومشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں تعامل جو معتبر ہے وہ وہ ہے جو صدر اول سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہے۔ جیسے کہ فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے:۔

شیخ الاسلام شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم بلخ کے مشائخ کے استحسان پر فتویٰ نہیں دیتے بلکہ ہم اپنے متقدمین اصحاب کے استحسان کے موافق فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا بلکہ وہ تعامل جواز پر دلالت کرتا ہے۔ جو صدر اول سے استمرار کے طور پر ہوتا چلا آیا ہے تاکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تقریر پر دلیل ہو اور لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تمام شہروں میں بہت لوگوں سے بطریق اجماع ثابت ہو تو اس وقت جائز ہو گا کیونکہ اجماع حجت ہے کیا نہیں جانتے کہ اگر وہ شراب کی بیع اور سود پر تعامل کریں تو اس کے حلال ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائے گا۔ اور اس بات میں کچھ شک نہیں کہ تمام

مخلوقات کے تعامل اور تمام شہروں اور قصبوں کے عمل کا علم انسان کی طاقت سے خارج ہے۔

باقی رہا تعامل صدر اول کا جو در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ہے اور سنت سنیہ کی طرف راجع ہے اس میں بدعت کہاں اور بدعت حسنہ کجا۔ اصحاب کرام کے لئے تمام کمالات کے حاصل ہونے میں حضرت خیر البشر صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کافی تھی اور علماء سلف میں سے جو لوگ اس رسوخ کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں بغیر اس بات کے کہ طریق صوفیہ کو اختیار کریں اور سلوک و جذبہ سے مسافت کو قطع کریں وہ لوگ سنت سنیہ کی متابعت اور بدعت نامرضیہ سے پورے طور پر بچنے کی بدولت اس رسوخ فی العلم کی دولت سے سرفراز ہوئے ہیں۔ **اللّٰھم ثبتنا علیٰ متابعة السنة وجنبنا عن ارتکاب البدعة بحرمة صاحب السنة علیه و علیٰ اٰله الصلوٰة والسلام** (یا اللہ تو صاحب السنّت صلے اللہ علیہ وسلم کی طفیل ہم کو سنت کی متابعت پر ثابت رکھ اور بدعت کے بجالانے سے بچا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا پانچواں درجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم وعمل کا دخل نہیں بلکہ ان کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے محض فضل وکرم پر موقوف ہے۔ یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے اس درجہ کے مقابلہ میں پہلے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ کمالات اصل میں اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو تبعیت ووراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا چھٹا درجہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں جس طرح پانچویں درجہ میں کمالات کا فیضان محض فضل واحسان پر تھا۔ اس چھٹے درجہ میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے۔ جو تفضّل واحسان سے برتر ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجہ کے سوا متابعت کے یہ پانچ درجے مقامات عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں

ان کا حاصل ہونا صعود پر وابستہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا ساتواں درجہ

وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقام نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے تمکین قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی اور اجزاء قالب کا اعتدال بھی جو طغیان و سرکشی سے باز آ گئے ہوتے ہیں۔ پہلے درجے گویا اس متابعت کے اجزاء ہیں اور یہ درجہ ان اجزا کا کل ہے۔ اس مقام میں تابع اپنی متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ تبعیت کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع و متبوع کی تمیز دور ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تابع متبوع کی طرح جو کچھ لیتا ہے اصل سے لیتا ہے۔ گویا دونوں ایک چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش و ہمکنار اور ایک بستر پر ہیں۔ اور شیر و شکر کی طرح ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون اور تبعیت کس کے لئے ہے۔ نسبت کے اتحاد میں تغائر کی نسبت کچھ گنجائش نہیں۔

عجب معاملہ ہے۔ اس مقام میں جہاں تک غور کی نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے تبعیت کی نسبت کچھ نظر نہیں آتی اور تابعیت و متبوعیت کی امتیاز ہرگز مشہود نہیں ہوتی۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ اپنے آپ کو اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا طفیلی اور وارث جانتا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیل و وارث اور اگرچہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا پردہ درکار ہے اور طفیلی و وارث میں کوئی پردہ درکار نہیں۔ تابع پس خوردہ کھانے والا ہے اور طفیلی ضمنی ہمنشین غرض جو دولت آئی ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے آئی ہے اور یہ امتوں کی سعادت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طفیل اس دولت سے حصہ پاتے ہیں اور ان کا پس خوردہ تناول کرتے ہیں۔ بیت

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

ترجمہ بیت

جس قافلہ میں یار ہے جا سکتا نہیں میں
بس دور سے آواز جرس سنتا ہوں یہیں میں

کامل تابعدار وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور وہ شخص جس

میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں ہیں درجوں کے اختلاف کے بموجب مجمل طور پر تابع ہے۔ علماء ظاہر پہلے درجہ پر ہی خوش ہیں۔ کاش یہ لوگ درجہ اول کو ہی سرانجام کرلیں۔ انہوں نے متابعت کو صورت شریعت پر موقوف رکھا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور امر خیال نہیں کرتے اور طریقہ صوفیہ کو جو درجات متابعت کے حاصل ہونے کا واسطہ ہے بیکار تصور کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر علماء ہدایہ اور بزودی کے سوا کسی اور امر کو اپنا پیر و مقتدا نہیں جانتے۔

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است زمین و آسمان او ہمان است

ترجمہ بیت

وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے وہیں اس کا زمین و آسمان ہے

حققنا اللہ سبحانہ و ایاکم بحقیقة المتابعة المرضیة المصطفویة علی صاحبها الصلوة والسلام والبرکة والتحیة و علی جمیع اخوانه من الانبیاء الکرام والملئکة العظام و جمیع اتباعهم الیٰ یوم القیام.

(اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسندیدہ متابعت کی حقیقت سے واقف کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بھائی تمام پیغمبروں اور فرشتوں اور تمام تابعداروں پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام وبرکت وتحفے نازل ہوں۔

قرب نبوت کا راستہ

قرب نبوت اور قرب ولایت اور ان راہوں کے بیان میں جو قرب نبوت تک پہنچانے والے ہیں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ نبوت سے مراد وہ قرب الٰہی ہے جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے اور اس کا عروج حق تعالیٰ کی طرف میلان رکھتا ہے اور اس کا نزول خلق کی طرف۔ یہ قرب بالاصالت انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہے اور یہ منصب انہی بزرگواروں کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ منصب نبوت حضرت سید البشر علیہ و علےٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے۔ حضرت عیسےٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد حضرت خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوں گے۔

حاصل کلام یہ کہ تابعداروں اور خادموں کو اپنے مالکوں اور صاحبوں کی دولت اور پس خوردہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے۔ پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قرب سے ان کے کامل تابعداروں کو بھی حصہ حاصل ہوتا ہے اور اس مقام کے علوم و معارف اور کمالات بھی بطریق وراثت کامل تابعداروں کو نصیب ہوتے ہیں۔

خاص کند بندۂ مصلحت عام را

ترجمہ:۔ خاص کر لیتا ہے اک کو تا بھلا ہو عام کا۔

پس خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد اس کے کامل تابعداروں کو بطریق تبعیت و وراثت کے کمالات نبوت کا حاصل ہونا اس کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے۔ فلا تکن من الممترین کچھ شک نہ کر۔

اے فرزند! خدا تعالیٰ تجھے سعادت بخشے تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ راستے جو کمالات نبوت کی طرف پہنچانے والے ہیں دو ہیں۔ ایک وہ راستہ ہے جو مقام ولایت کے مفصل کمالات کے طے کرنے پر موقوف ہے اور ان تجلیات ظلیہ اور معارف سکریہ کے حاصل ہونے پر وابستہ ہے جو قرب ولایت کے مناسب ہیں۔ ان کمالات کے طے کرنے اور ان تجلیات کے حاصل ہونے کے بعد کمالات نبوت میں قدم رکھا جاتا ہے۔ اس مقام وصول میں ظلیت کی طرف التفات نہیں ہوتی۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ ولایت کے ان کمالات حاصل ہونے کے ذریعے کمالات نبوت تک پہنچنا میسر ہو جاتا ہے اور یہ دوسرا راستہ شاہ راہ ہے اور کمالات نبوت تک پہنچنے کے لئے زیادہ قریب راستہ ہے۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب میں سے بہت کم بطریق تبعیت و وراثت اس راستہ سے کمالات نبوت تک پہنچے ہیں۔ پہلا راستہ بہت دور دراز ہے اور اس کا حاصل ہونا دشوار اور اس کا وصول ناممکن ہے۔

بعض ان اولیاء نے جو مقام ولایت میں شرف نزول سے مشرف ہوئے ہیں ان کمالات کو جو مقام نزول سے تعلق رکھتے ہیں کمالات نبوت خیال کیا ہے اور خلق کی طرف

متوجہ ہونے کو جو مقام دعوت کے مناسب ہے مقام نبوت کی خصوصیتوں میں سے سمجھا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ نزول عروج کی طرح ولایت ہی سے ہے اور وہ عروج و نزول جو مقام نبوت سے تعلق رکھتا ہے وہ اور ہے جو مقام ولایت سے برتر ہے اور وہ توجہ بخلق جو نبوت کے مناسب ہے اس توجہ بخلق کے ماسوا ہے اور یہ دعوت اس دعوت سے جدا ہے جس کو انہوں نے کمالات نبوت سے سمجھا ہے۔

یہ لوگ کیا کریں انہوں نے دائرہ ولایت سے باہر قدم رکھا ہی نہیں۔ اور کمالات نبوت کی حقیقت کو سمجھا ہی نہیں۔ انہوں نے ولایت کے نصف حصہ کو جو اسکے عروج کی جانب ہے تمام ولایت خیال کیا ہے اور دوسرے نصف حصے کو جو اسکے نزول کی جانب ہے مقام نبوت تصور کیا ہے۔

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است　　زمین آسمان او ہمان است

ترجمہ

وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے　　وہی اس کا زمین و آسماں ہے

اور ممکن ہے کہ کوئی شخص راہ اول سے وصول پیدا کر لے اور ولایت و نبوت کے مفصلہ کمالات کو جمع کر لے اور ان دونوں مقاموں کے کمالات کے درمیان کما حقہ تمیز حاصل کر لے اور ہر ایک کے نزول و عروج کو جدا کر دے اور اس بات کا حکم کرے کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے بہتر ہے۔

جاننا چاہئے کہ راہ دوم کے وصول کے بعد اگرچہ مقام ولایت کے مفصلہ کمالات حاصل نہیں ہوئے لیکن ولایت کا زبدہ وخلاصہ بخوبی میسر ہوا تو اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ اہل ولایت کو کمالات ولایت کا پوست ہاتھ آیا ہے۔ اور اس واصل نے اس کے مغز کو حاصل کیا ہے۔ ہاں بعض ان علوم سکریہ اور ظہورات ظلیہ سے جو ارباب ولایت کو حاصل ہیں وہ واصل بے نصیب ہے۔ لیکن یہ امر بھی زیادتی یا برتری کا باعث نہیں ہے۔ کیونکہ اس واصل کو ان علوم وظہورات سے ننگ و عار آتی ہے بلکہ مناسب ہے کہ وہ ان کو اپنے حق میں گناہ اور سوء ادب جانے۔ ہاں اصل کا واصل اس کے ظلال سے بھاگتا اور پناہ مانگتا ہے ظل کی گرفتاری تب تک ہی ہے جب تک اصل سے واصل نہ ہوں۔ ظل سراسر لا حاصل ہے اور

ظل کی طرف توجہ کرنا بے ادبی ہے۔

اے فرزند! کمالات نبوت کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کی محض بخشش اور اس کے فضل وکرم پر وابستہ ہے۔ کسب وعمل کو اس دولت کے حاصل ہونے میں کچھ دخل نہیں۔

بھلا وہ کسب وعمل کونسا ہے جس کے کرنے سے یہ دولت عظمےٰ پیدا ہو اور وہ کونسی ریاضت ومجاہدے ہیں جن سے یہ نعمت اعلیٰ حاصل ہو۔ برخلاف کمالات ولایت کے کہ جن کا حصول کسب پر ہے اور ان کا حاصل ہونا ریاضت ومجاہدہ پر منحصر ہے۔ اگرچہ ہوسکتا ہے کہ بعض کو کسب وعمل کی تکلیف کے بغیر بھی اس دولت کی طرف رہنمائی کریں۔ اور فنا وبقا بھی کہ جس سے مراد ولایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے اور مقدمات کے کسب کے بعد محض فضل وکرم سے جس کو چاہتے ہیں فنا وبقا کی دولت سے مشرف کرتے ہیں۔

آنحضرت علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلے ملائکۃ المقربین وعلےٰ اہل طاعۃ اجمعین الصلوات والتسلیمات کی ریاضتیں اور مجاہدے بعثت سے اول یا پیچھے اس دولت کے حاصل کرنے کے لئے نہ تھے بلکہ ان سے اور کئی قسم کے فائدے اور نفع منظور تھے۔ مثلاً نیکیوں کی کمی اور بشریت کی لغزشوں کا کفارہ اور درجات کا بلند ہونا اور فرشتہ مرسل کی صحبت کا مدنظر رکھنا جو کھانے پینے سے پاک ہے اور خوارق کا بکثرت ظاہر ہونا جو مقام نبوت کے مناسب ہے وغیرہ وغیرہ۔

جاننا چاہئے کہ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں اس موہبت وبخشش کا حاصل ہونا بے توسط وبے وسیلہ ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے حق میں جو تبعیت ووراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے ہے۔

انبیائے علیہم الصلوۃ والسلام اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد اور لوگ بہت کم اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اگرچہ جائز ہے کہ تبعیت اور وراثت کے طور پر دوسروں کو بھی اس دولت سے سرفراز فرمائیں۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید　　دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ

فیض روح القدس کا گر دے مدد تو اور بھی　　کر دکھائیں کام جو کچھ کہ مسیحا نے کیا

میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت نے تابعین بزرگواروں پر بھی اپنا پرتو ظاہر کیا ہے اور تبع تابعین بزرگواروں پر بھی اپنا سایہ ڈالا ہے۔ بعد ازاں یہ دولت پوشیدہ ہوگئی ہے حتےٰ کہ آنسرور علیہ الصلواۃ والسلام کی بعثت سے الف ثانی (دو ہزار سال) تک نوبت آ گئی اور اس وقت پھر وہ دولت تبعیت و وراثت کے طور پر ظاہر ہوگئی اور آخر کو اول سے مشابہ کردیا۔

اگر پادشاہ بر در پیرزن   بیاید تو اے خواجہ سلت مکن

ترجمہ

اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطاں   تواے خواجہ نہ ہو ہرگز پریشاں

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعة المصطفیٰ علیه وعلیٰ اله الصلوات والتسلیمات اتمها واکملها

سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

اقسام ولدیت اور انکے معارف

ولایت سہ گانہ یعنی ولایت اولیاء اور ولایت انبیاء اور ولایت ملاء اعلےٰ کے فرق اور اس بیان میں کہ نبوت ولایت سے افضل ہے اور بعض ان خاص معارف کے بیان میں جو نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔

خدا تجھے ہدایت دے تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ ولایت سے مراد وہ قرب الٰہی ہے۔ جس میں ظلیت کی آمیزش و ملاوٹ ہو اور حجابوں اور پردوں کے حائل ہونے کے بغیر حاصل نہ ہو۔ اگر اولیاء کی ولایت ہے تو وہ ضرور ظلیت کے داغ سے داغدار ہے۔ اور انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت اگرچہ ظلیت سے نکل چکی ہے لیکن اسماء وصفات کے حجاب کے حائل ہونے کے بغیر متحقق نہیں اور ملاء اعلےٰ کی ولایت اگرچہ اسماء وصفات کے حجابوں سے بلند و برتر ہے لیکن شیون داعت بارات ذاتیہ کے حجابوں سے چارہ نہیں۔ وہ نبوت و رسالت ہی ہے۔ جس میں ظلیت کی کوئی آمیزش نہیں ہے اور صفات واعتبارات کے حجاب سب راستہ ہی میں رہ جاتے ہیں پس ناچار نبوت ولایت سے افضل ہوگی اور قرب نبوت ذاتی اور اصلی ہوگا اور جن

لوگوں کو ان دونوں کی حقیقت پر اطلاع نہیں ہے انہوں نے اس کے برعکس اور برخلاف حکم کیا ہے۔ پس وصول مرتبہ نبوت میں ہے اور حصول مقام ولایت میں کیونکہ حصول ظلیت کے سوا ناممکن ہے برخلاف وصول کے اور نیز کمال حصول میں دوئی دور ہو جاتی ہے اور کمال وصول میں دوئی باقی رہتی ہے۔ پس دوئی کا دور ہونا مقام ولایت کے مناسب ہے اور دوئی کا باقی رہنا مقام نبوت کے مناسب اور چونکہ دوئی کا دور ہونا مقام ولایت کے مناسب ہے۔ اس لئے سکر ہر وقت مقام ولایت کو لازم ہوگا اور مرتبہ نبوت میں چونکہ دوئی باقی رہتی ہے اس لئے صحو اس مرتبہ کے ساتھ خاص ہے اور نیز تجلیات کا حاصل ہونا خواہ صور و اشکال کے لباس میں ہو خواہ پردۂ انوار و الوان میں۔ سب مقامات ولایت اور اس کے مقدمات اور مبادی کے طے کرنے میں ظاہر ہوتے ہیں۔ برخلاف مرتبہ نبوت کے کہ اس مقام میں اصل کے ساتھ وصول ہے اور ان تجلیات وظہورات سے جو اس اصل کے ظلال ہیں۔ استغناء ولاپروائی ہوتی ہے اور ایسے ہی اس مرتبہ کے مبادی ومقدمات کے طے کرنے میں بھی ان تجلیات کی حاجت نہیں ہوتی۔ مگر جب کہ ولایت کی راہ سے عروج واقع ہو لیکن اس وقت بھی ان تجلیات کا حاصل ہونا ولایت کے باعث ہے نہ کہ نبوت کی راہ وصول کی مسافت طے کرنے کے سبب سے غرض تجلیات وظہورات ظلال کی خبر دیتے ہیں اور وہ چیز جو ظلال وتجلیات کی گرفتاری سے آزاد ہے وہ نبوت ہے۔ مازاغ البصر کا سرمہ اس جگہ طلب کرنا چاہئے۔

اے فرزند! عشق کا ولولہ اور محبت کا طنطنہ اور شوق انگیز نعرے اور درد آمیز آواز اور وجد ورقص سب مقامات ظلال اور ظہورات وتجلیات ظلیہ کے وقت ہوتے ہیں۔ اصل سے واصل ہونے کے بعد ان امور کا حاصل ہونا متصور نہیں اس مقام میں محبت کے معنے ارادہ طاعت کے ہیں۔ جیسے کہ علماء نے فرمایا ہے نہ کہ اس سے اور کوئی زائد معنے جو شوق وذوق کا منشا ہیں جیسے کہ بعض صوفیہ نے گمان کیا ہے۔

اے فرزند! غور سے سن چونکہ مقام ولایت میں دوئی کا دور ہونا مطلوب ہے اس واسطے اولیاء ارادہ کے زوال اور دور کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔

شیخ بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اریدان لا اریدا میرا ارادہ یہ ہے کہ کوئی ارادہ

نہ رہے) اور مرتبہ نبوت میں چونکہ دوئی کا اٹھ جانا درکار نہیں۔ اس واسطے نفس ارادہ کا زوال مطلوب نہیں اور کس طرح مطلوب ہو جب کہ ارادہ فی حد ذاتہ ایک کامل صفت ہے اگر کوئی نقص اس میں پایا جاتا ہے تو اس کے متعلق کی حیثیت کے باعث ہے۔ پس چاہئے کہ اس کا متعلق کوئی نامناسب اور ناپسندیدہ امر نہ ہو بلکہ اس کی تمام مرادیں حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور ایسے ہی مقام ولایت میں تمام صفات بشریت کی نفی میں کوشش کرتے ہیں اور مرتبہ نبوت میں ان صفات کے برے متعلقات کی نفی کرتے ہیں نہ کہ ان صفات کی اصل کی نفی جو فی حد ذاتہ کامل ہیں مثلاً صفت علم جو فی حد ذاتہ ایک کامل صفت ہے اگر اس میں کوئی نقص آ گیا ہے تو اس کے برے متعلق کے باعث ہے پس اس صفت کے برے متعلق کی نفی ضروری ہے نہ کہ اس صفت کے اصل کی نفی علیٰ ہذا القیاس۔

پس وہ شخص جو ولایت کی راہ سے مقام نبوت میں آیا ہے اس کے لئے اثنائے راہ میں اصل صفات کی نفی سے چارہ نہیں اور وہ شخص جو ولایت کی راہ کے بغیر مرتبہ نبوت میں پہنچا ہے اس کے لئے اصل صفات کی نفی ضروری نہیں۔ اس کو صرف ان صفات کے برے متعلقات کی نفی کرنی پڑتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس ولایت سے جو مذکور ہوئی ہے مراد ظلی ولایت ہے جس کو ولایت صغریٰ اور ولایت اولیاء سے تعبیر کرتے ہیں لیکن انبیاء کی ولایت جو ظل سے گزر گئی ہے وہ اور ہے۔ وہاں صفات بشریت کے برے متعلقات کی نفی ہے نہ کہ ان صفات کے اصل کی نفی اور جب صفات کے برے متعلقات کی نفی حاصل ہو گئی تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت حاصل ہو گئی اس کے بعد جو عروج واقع ہوگا وہ کمالات نبوت کے متعلق ہوگا۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ نبوت کے لئے اصل ولایت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ولایت اس کے مبادی اور مقدمات میں سے ہے لیکن کمالات نبوت تک پہنچنے میں ظلی ولایت کا حاصل ہونا درکار نہیں بعض کے لئے اس کا اتفاق پڑ جاتا ہے۔ اور بعض کے لئے ہرگز اس میں عبور واقع نہیں ہوتا۔ فافہم۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اصل صفات کا دور کرنا ان صفات کے برے متعلقات

کے دور کرنے کی نسبت بہت مشکل ہے پس کمالات نبوت کا حاصل ہونا کمالات ولایت حاصل ہونے کی نسبت زیادہ آسان اور اقرب ہوگا اور ہر امر میں جو اپنے اصل کے ساتھ وصول رکھتا ہے۔ اسی آسانی اور قرب کی نسبت ہے برخلاف ان امور کے جو اپنی اصل سے جدا ہیں۔ کیا نہیں دیکھتا کہ اصل کیمیا نہایت آسان عمل سے میسر ہے اور نہایت ہی اقرب طریق سے حاصل ہے۔ اور وہ جو اصل سے جدا ہے وہ محنت میں ہے اور تمام عمر اس کے حاصل کرنے میں فانی کر دیتا ہے پھر بھی حرمان و مایوسی اس کو حاصل ہوتی ہے اور وہ چیز جو اس کو بڑی کوشش کے بعد حاصل ہوتی ہے اس اصل کے مشابہ اور مانند ہوتی ہے اور بسا اوقات وہ عارضی شکل و شباہت اس سے دور ہو جاتی ہے۔ اور اپنے اصل کی طرف رجوع کر جاتی ہے اور مکر و دغا تک پہنچ جاتی ہے۔ برخلاف اصل کے واصل کے جو باوجود عمل کی آسانی اور راہ کی نزدیکی کے مکر و دغا سے محفوظ ہے اس راہ کے بعض سالک جو سخت ریاضتوں اور مشکل مجاہدوں کے ساتھ ظلال میں سے کسی ظل تک پہنچ جاتے ہیں گمان کرتے ہیں کہ مطلب تک پہنچنا سخت ریاضتوں اور مشکل مجاہدوں پر منحصر ہے اور نہیں جانتے کہ اس راہ کے سوا ایک اور راہ ہے جو زیادہ قریب ہے اور نہایت النہایت تک پہنچانے والا ہے۔ وہ اجتبا (برگزیدہ اور پسندیدہ کرنے) کا راستہ ہے۔ جو محض فضل و کرم پر وابستہ ہے اور وہ راستہ جو انہوں نے اختیار کیا ہے وہ انابت (توبہ ورجوع کا راستہ ہے۔ جو مجاہدوں پر موقوف ہے اور اس راہ کے واصل اقل قلیل یعنی بہت کم ہیں اور راہ اجتبا کے واصل جم غفیر یعنی بیشمار ہیں۔

تمام انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام اجتبا کے راستہ پر چلے ہیں اور ان کے اصحاب بھی تبعیت و وراثت کے طور پر اجتبا کی راہ سے واصل ہوئے ہیں۔ ارباب اجتبا کی ریاضتیں نعمت وصول کا شکر ادا کرنے کے لئے ہیں۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے جواب میں جس نے آپ سے عرض کیا کہ جب آپ کے اول و آخر گناہ بخشے ہوئے ہیں تو پھر آپ کیوں اتنی تکلیف اور ریاضت برداشت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ **افلا اکون عبداً شکوراً** (کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور انابت والوں کے مجاہدے وصول کے لئے ہیں اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

راہ اجتبا راہ بردن یعنی دوسرے کو لے جانے والا راستہ ہے اور راہ انابت راہ رفتن یعنی خود چل کر طے کرنے والا راستہ ہے۔ بردن سے رفتن تک بڑا فرق ہے جلدی جلدی لے جاتے ہیں اور جلدی ہی پہنچا دیتے ہیں اور دیر دیر سے چلتے ہیں اور راہ ہی میں رہ جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم فضلی یعنی فضل والے ہیں۔ بیشک سچ ہے جب تک فضل نہ ہو دوسروں کی نہایت ان کی ہدایت میں کس طرح مندرج ہو۔ **ذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم** یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اس فقیر نے ان عریضوں میں جو اپنے پیر بزرگوار قدس سرہ کی خدمت اقدس میں لکھے ہیں لکھا ہے کہ تمام مرادیں مرتفع ہوگئی ہیں لیکن نفس ارادہ ابھی قائم ہے کچھ مدت کے بعد وہ بھی مرادات کی طرح دور ہوگیا۔ جب حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت سے مشرف فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس ارادہ کے برے متعلق کا رفع ہوا ہے نہ کہ نفس ارادہ کا۔ کیونکہ لازم نہیں ہے کہ اصل کے رفع ہونے کے بعد برے متعلق کا رفع ہونا پورے اور کامل طور پر حاصل ہو۔ بلکہ بسا اوقات محض فضل سے اس قدر میسر ہو جاتا ہے کہ تعمل وتکلف سے اس کا سواں حصہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

اے فرزند! مقام ولایت میں دنیا وآخرت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح سمجھنا پڑتا ہے اور آخرت کے درد کو دنیا کے طرح نامناسب جاننا پڑتا ہے۔

امام داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ان اردت السلامة سلم علی الدنیا و ان اردت الکرامة کبر علی الاخرة** اگر تو بچاؤ چاہتا ہے تو دنیا کو سلام دے اور اگر تو کرامت چاہتا ہے تو آخرت پر تکبیر کہہ دے۔

اور اسی گروہ میں سے کوئی اور بزرگ اس آیت کے موافق فرماتا ہے۔ **منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرة** بعض تم میں سے دنیا چاہتے ہیں اور بعض تم میں سے آخرت۔ گویا فریقین سے شکایت ہے۔

غرض فنا جو ماسوائے حق کے نسیان سے مراد ہے دنیا وآخرت کو شامل ہے اور فنا وبقا

دونوں ولایت کے اجزا ہیں پس ولایت میں آخرت کا نسیان ضرور ہے اور کمالات نبوت کے مرتبہ میں آخرت کی گرفتاری بہتر اور محمود ہے اور دار آخرت کا درد پسندیدہ اور مقبول ہے۔ بلکہ اس مقام میں آخرت کا درد اور آخرت کی گرفتاری ہے۔

آیت کریمہ **یدعون ربھم خوفاً و طمعاً** (اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارتے ہیں) اور آیت کریمہ **ویخشون ربھم و یخافون عذابہ** (اپنے اللہ سے ڈرتے اور اس کے عذاب سے خوف کرتے ہیں اور آیت کریمہ **الذین یخشون ربھم بالغیب وھم من الساعۃ مشفقون** اپنے اللہ تعالیٰ سے غیب کے ساتھ ڈرتے ہیں اور قیامت کے ڈر سے کانپتے ہیں اس مقام والوں کے لئے نقد وقت ہے ان کا نالہ وگریہ احوال آخرت کے یاد کرنے سے ہے اور ان کا الم واندوہ احوال قیامت کے ڈر سے ہے۔ ہمیشہ قبر کے فتنے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے اور زاری کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا وردان کے نزدیک درد آخرت ہے۔ اور ان کا شوق ومحبت آخرت کا شوق ومحبت ہے تو اس کا وعدہ بھی آخرت پر ہے اور اگر رضا ہے تو اس کا کمال بھی آخرت پر موقوف ہے۔ دنیا حق تعالیٰ کی مبغوضہ اور آخرت حق تعالیٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ ہے۔ مبغوضہ کو مرضیہ کے ساتھ کسی امر میں برابر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مبغوضہ کی طرف سے منہ پھیر لینا چاہئے اور مرضیہ کی طرف شوق سے بڑھنا چاہئے۔ مرضیہ کی طرف سے منہ پھیرنا عین سکر اور حق تعالیٰ کی مرضی موعود کے برخلاف ہے۔ آیت کریمہ **واللہ یدعوا الیٰ دار السلام** اللہ تعالیٰ دار السلام کی طرف بلاتا ہے۔ ان معنوں پر شاہد ہے حضرت حق سبحانہ تعالیٰ بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ آخرت کی ترغیب فرماتا ہے۔ پس آخرت کی طرف سے منہ پھیرنا درحقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ معارضہ یعنی لڑائی کرنا اور اسکی مرضی کے رفع کرنے میں کوشش کرنا ہے۔

امام داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اس بزرگی کے کہ ولایت میں قدم راسخ رکھتے تھے ترک آخرت کو کرامت کہا مگر نہ جانا کہ اصحاب کرام سب کے سب درد آخرت میں مبتلا تھے اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے تھے۔

ایک دن حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ پر سوار ہوئے ایک کوچہ میں سے گزر

رہے تھے کہ کسی قاری نے اس آیت کو پڑھا **ان عذاب ربک لواقع ماله من دافع** (بیشک تیرے رب کا عذاب آنے والا ہے اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں) اس کو سنتے ہی آپ کے ہوش جاتے رہے اور اونٹ سے بے خود ہو کر زمین پر گر پڑے وہاں سے اٹھا کر ان کو گھر لے گئے اور مدت تک اسی درد سے بیمار رہے۔ اور لوگ ان کی بیمار پرسی کو آتے رہے وہاں احوال کے درمیان مقام فنا میں دنیا و آخرت کا نسیان میسر ہو جاتا ہے اور آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح سمجھتے ہیں لیکن جب بقا سے مشرف ہو جائیں اور کام کو انجام تک پہنچائیں اور کمالات نبوت اپنا پرتو ڈالیں تو پھر سب درد آخرت اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگنا لاحق حال ہوتا ہے۔ بہشت اور اس کے درختوں اور نہروں اور حور و غلمان کو دنیا کی اشیاء کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے نقیض ہیں جیسے کہ غضب و رضا ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ اشجار و انہار وغیرہ جو بہشت میں ہیں سب اعمال صالحہ کے نتائج اور ثمرات ہیں۔

حضرت پیغمبر علیہ و علےٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بہشت میں کوئی درخت نہیں ہے اس میں خود درخت لگاؤ یاروں نے عرض کیا کہ ہم کس طرح درخت لگائیں فرمایا کہ تسبیح اور تحمید اور تحلیل کے ساتھ یعنی سبحان اللہ کہو تا کہ بہشت میں ایک درخت تمہارے لئے لگ جائے پس بہشت کا درخت تسبیح کا نتیجہ ہے۔ اور جس طرح اس کلمہ میں حروف و اصوات کے لباس میں کمال تنزیہ مندرج ہے اسی طرح ان کمالات کو بہشت میں درخت کے لباس میں پوشیدہ فرمایا ہے۔ علےٰ ہذا القیاس جو کچھ بہشت میں ہے عمل صالح کا نتیجہ ہے اور جو کمالات وخوبی کہ نہایت تقید میں ہے اور قول و عمل صالح کے لباس میں مندرج ہے بہشت میں وہی کمالات لذتوں اور نعمتوں کے پردہ میں ظہور کریں گے پس وہ لذت و نعمت ضرور حق تعالیٰ کی پسندیدہ اور مقبول اور بقاء وصول کے لئے وسیلہ ہو گی۔

رابعہؒ بیچاری اگر اس سر سے آگاہ ہوتی ہرگز بہشت کے جلانے کا فکر نہ کرتی اور اس کی گرفتاری کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے ماسوا نہ جانتی۔ برخلاف دنیاوی لذتوں اور نعمتوں کے جن کا منشا خبث و شرارت ہے اور ان کا انجام آخرت میں مایوسی اور ناامیدی ہے۔ **اعاذنا الله**

منه ۔ یہ لذت ونعمت اگر مباح شرعی ہے تو محاسبہ درپیش ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مرحمت نے دستگیری نہ کی تو پھر افسوس صد افسوس۔ اور اگر مباح شرعی نہیں تو وعید کا مستحق ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنكونن من الخاسرين

یااللہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم پر مہربانی اور بخشش نہ کرے تو ہم خسارہ والوں میں سے ہوں گے۔

پس یہ لذت اس لذت کے ساتھ کیا نسبت رکھتی ہے یہ لذت زہر قاتل ہے اور وہ لذت تریاق نافع۔ پس آخرت کا درد یا عام مومنوں کو نصیب ہے یا اخص الخواص کے نصیب۔ خواص اس درد سے پرہیز کرتے ہیں اور کرامت اور بزرگی اس کے خلاف میں سمجھتے ہیں۔

آں ایشانند و من چنینم یارب

ترجمہ:۔ یہ ایسے ہیں میں ایسا ہوں خدایا

والسلام والاکرام

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان افروز جھلکیاں

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق وعشق

نواب نور الحسن خان مرحوم لکھتے ہیں: ایک صاحب نے دو کتابیں تصوف کی حضرت قبلہؒ کی خدمت میں پیش کیں، حضرت نے فرمایا کہ میں کوئی کتاب تصوف کی نہیں دیکھتا، اور میرا دل خود تصوف ہے اور میرا تصوف یہ ہے پھر سورہ مزمل کی پہلی آیت پڑھ کر ترجمہ فرمایا اور شعر نعت کا پڑھا

تر ہوئی باران سے سوکھی زمین   یعنی آئے رحمۃ للعالمین

اتباع سنت اور احترام شریعت

اس عشق ومحبت ذوق وشوق کے باوجود اس درجہ کا اتباع سنت اور احترام شریعت تھا کہ مبصر اور صاحب نظر دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس درجہ کا متبع سنت ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ ان دو چیزوں کا اجتماع ایسا نادر ونایاب ہے کہ کہنے والوں نے بہت پہلے کہا ہے

در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق   ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

لیکن مولانا کی زندگی ''سندان عشق'' اور ''جام شریعت'' کے اجتماع کا اس دور آخر میں بہترین نمونہ ہے۔

علو مرتبہ کا سبب

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ حضور نے کون سا عمل عمدہ فرمایا ہے کہ اس درجہ کو پہنچے، ارشاد ہوا کہ ''سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے سے''

شریعت کے بغیر کچھ نہیں

فرمایا کہ: غوث ہو یا قطب، جو خلاف شرع کرے، وہ کچھ بھی نہیں

اتباع سنت کا درجہ

نواب نورالحسن خان صاحب لکھتے ہیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ اتباع سنت یہی غوثیت اور قطبیت ہے۔

اتباع کے معنی

ایک جلسہ میں یہ ارشاد ہوا کہ فاتبعونی یحببکم الله اس کا ترجمہ کہو، پھر خود ہی فرمایا کہ: ہماری چال چلو، تب پیار کرے گا اللہ تم لوگوں کو۔

اتباع شریعت کی تاثیر

مولانا سید محمد علیؒ لکھتے ہیں: مشائخ تصور شیخ کی بھی تعلیم کرتے ہیں اور اس کو نہایت موثر اور سہل ترین راہ بتاتے ہیں، مگر ہمارے حضرت مدظلہم العالی بسبب کمال احتیاط کے اس کی تعلیم نہیں فرماتے، میں نے مکرر تصور شیخ کی نسبت دریافت کیا، ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ ہمارے حضرت کے یہاں یہ تعلیم نہیں تھی۔ شیخ کی محبت اور اس کا اتباع چاہیے اور محبت کی وجہ سے بے اختیار تصور آ جانا اور بات ہے، خود صحابہ کو ایسا ہوتا تھا، چنانچہ بعض صحابہ کا مقولہ ہے کانّی انظر الیٰ وبیص ساقیه

ارشاد ہوا کہ تصور یا بے تصور شیخ کی محبت ہونی چاہیے، ہم نے کبھی نہیں کیا، ہم تو وہی باتیں کرتے تھے جو حدیث میں آتی ہیں، اسی سے کلمہ لا الله الّا الله جاری رہتا تھا، یاد رکھو کہ جو بات شریعت کے اتباع اور ان اعمال سے حاصل ہوتی ہے، جو حدیث میں آئے ہیں وہ کسی سے نہیں ہوتی۔

اذکار و اوراد میں حدیث کی پیروی

مولانا سید محمد علیؒ لکھتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ بعد ظہر انا فتحنا پڑھنا چاہیے؟ ارشاد ہوا کہ حدیث میں نہیں آیا، پھر عرض کیا کہ بعد عصر عم یتساء لون پڑھنا چاہیے؟ ارشاد ہوا کہ یہ بھی حدیث میں نہیں آیا، مگر میں کبھی بعد عصر اور کبھی قبل عصر پڑھ لیتا ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت قبلہؒ نے یہ دعا پڑھی ''**اَللّٰھُمَّ اغفرلی ذنبی ووسّع لی فی داری وبارک لی فی رزقی**'' اور ارشاد ہوا کہ وضو کے اندر اسی دعا کا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور کسی دعا کا پڑھنا حدیث میں نہیں آیا۔

میں نے عرض کیا کہ پیشتر حضور فلاں آیت پڑھ دیتے تھے، ارشاد ہوا کہ حدیث میں نہیں آیا، معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف حالت کی وجہ سے معمول میں اختلاف ہوا، آخر میں اتباع سنت کو غلبہ ہو گیا، اس وجہ سے انہیں اعمال پر مدار رہا جو بہ تخصیص حدیث میں آئے ہیں، اگرچہ کسی اور آیت کا پڑھ دینا خلاف حدیث نہیں ہے۔ مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ فقیر نے عرض کیا کہ ہم نماز ظہر میں **الله الصمد** پانچ سو مرتبہ پڑھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ: حدیث میں **قل هو الله احد الله الصمد** پوری سورہ تک پڑھنے کو فرمایا ہے اور **الله الصمد** تو نہیں فرمایا کسی اور دعا کو ہم نے پیش کیا، آپ نے فرمایا کہ پڑھنے کو تھوڑی منع کرتے ہیں، ذکر اس کا ہے کہ سنت نہیں ہے، حضرت کو سنت کا بڑا لحاظ تھا۔

ماثور دعائیں

نواب نورالحسن خان مرحوم لکھتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ''مشائخ سے جو دعائیں منقول ہیں ان میں وہ تاثیر نہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں فرمائی ہیں، ان میں ہے۔

درود شریف کی اہمیت

ارشاد فرمایا ''درود بکثرت پڑھو جو کچھ ہم نے پایا درود سے پایا''

اتباع سنت کا مفہوم

آپ نے فرمایا کہ: اتباع سنت یہی ہے کہ جیسا آنحضرت ﷺ نے کیا ہے اسی طرح کرے، گھٹائے بڑھائے نہیں، اور یہ قطعہ پڑھا:

گرد نعل اسپ سلطان شریعت سرمہ کن   تا شود نور الٰہی با دو چشمت مقترن

فنا فی الرسول ﷺ کا مطلب

مولانا محمد علی صاحب لکھتے ہیں کہ: ارشاد ہوا کہ افعال ظاہری رسول اللہ ﷺ بسہولت

اور بے تکلف ہونے لگنا، یہی فنافی الرسول ہے، اور کچھ نہیں۔

شغل حدیث

مولانا اشرف علی صاحبؒ راوی ہیں کہ ایک بار حدیث شریف کا سبق پڑھا کر یہ شعر پڑھا:

ماہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الاحدیث دوست کہ تکرار می کنیم

حدیث سے خوشی

مولوی سید تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ: بعض وقت بلکہ کتنی مرتبہ ہم نے خود رخصت ہونا چاہا، آپ فرماتے تھے کہ جلدی کیا ہے، ٹھہرو، حدیث ابوداؤد شروع ہوئی ہے، اور کبھی پہنچنے کے ساتھ ہی آپ بہت خوش ہو کر مجھ سے فرماتے تھے کہ اچھا ہوا کہ تم آئے، حدیث شروع ہوئی ہے۔

حدیث پڑھنے میں توجہ الٰہی

ایک محدث صاحب تشریف لائے تو حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ: تم جانتے ہو کہ حدیث پڑھنے میں اللہ کو کیسی محبت ہوتی ہے، اور کیسا پیار ہوتا ہے، جیسے کسی عورت کا لڑکا مر جائے اور اس کی کوئی کتاب پڑھنے کی ہو، اور اس لڑکے کے مرنے کے بعد اس کی ماں کسی طالب علم کو دے، کہ یہ میرے لڑکے کی کتاب ہے، اس کو پڑھو اور ہم کو سناؤ، اب اس وقت پڑھنے میں جو کیفیت اور جوش محبت اس کی ماں کو ہوتا ہے، ویسا ہی بعد رسولؐ کے ان کی حدیث پڑھوانے سے ایک محبت کا جوش اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔

حدیث کا فیضان

ایک بار آپ نے حدیث کے فیضان کو فرمایا کہ: شیخ عبدالحق محدث جہاں حدیث پڑھاتے تھے، ایک بزرگ نے دیکھا کہ وہاں انوار آسمان سے زمین تک نازل ہو رہے ہیں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہاں درس حدیث ہوتا تھا، اب وہاں گنوار رہتے ہیں۔

حدیث وقرآن کی مزاولت کے اثرات

مولوی سید تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ: تعلیم امور باطنی کے باب میں جو طریقہ

مروّجہ ہے، اس بارہ میں آپ سے عرض کیا اس پر ارشاد ہوا کہ: یہی طریقہ شریعت عمدہ ہے، اسی حدیث و قرآن کی مزاولت، اور اسی کی محبت کی برکت سے بڑے مراتب حاصل ہوئے، اور اصل دل کی درستگی ہے اور شریعت کی پابندی۔ (فضل رحمانی ص ۸۳)

درس حدیث کے وقت سرور و فیض

آخر عمر میں آپ کو اکثر استغراق رہتا تھا، مگر نماز کے وقت آپ کو استغراق کی کیفیت نہیں ہوتی تھی اور حدیث کے وقت آپ خوش ہوتے اور حاضرین پر فیض کا نزول ہوتا، بعد ختم حدیث کے دعا فرماتے۔ (ذکر رحمانی ص ۱۳۰۷)

درس حدیث کی کیفیت

مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری اپنی حاضری کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، میں حاضر ہو کر ادب سے بیٹھنا چاہتا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ: بخاری لاکر انہیں دو، میں نے پڑھنا شروع کیا، اس وقت کی کیفیت کو نہیں عرض کر سکتا ہوں، ما دانیم و دل، مختصر اس کا یہ ہے کہ مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اور میں خاص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ رہا ہوں، اس وقت حضوری کی ایک ایسی لذت تھی کہ الفاظ کا بالکل خیال ہی نہ ہوتا تھا، اور حضرتؒ کبھی کبھی مسکراتے تھے اور کبھی آہ آہ فرماتے تھے، کبھی کوئی اشعار پڑھتے تھے، کبھی ہندی کے گیت ارشاد فرماتے تھے، کہ پھر حضرت نے فرمایا کہ **صلّی الله علیه وسلّم** کا ترجمہ زبان عشق سے کہو، پھر آپ نے خود فرمایا کہ **صلّی الله علیه وسلّم** یعنی پیار کرے ان کو اللہ اور سلامت رکھے، اس جملہ سے مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور میں نے نعرہ مارا، حضرت نے فرمایا کہ مولوی ہو کر اتنا چلاتے ہو۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فخر المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا۔

قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت اور رسالت آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ہی محدود ہو گئی تھی چنانچہ بعد میں جو نبی آیا ان ہی کی اولاد میں آیا، آپ کے دو فرزند تھے، اسحاق اور اسماعیل علیہ السلام دونوں کا تذکرہ تورات میں موجود ہے، حسب بیان تورات حضرت اسماعیل علیہما السلام کی نسل میں صرف ایک ہی نبی کی بشارت تھی۔ حضرت خلیل علیہ السلام جب بناء بیت اللہ سے فارغ ہو چکے تھے تو انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام جو بناء بیت اللہ میں ان کے شریک تھے) کی اولاد کے حق میں ایک رسول مبعوث ہونے کی دعا فرمائی تھی جو اسی بلدہ مبارکہ میں پیدا ہوں جہاں انہوں نے خدا تعالیٰ کا گھر تعمیر فرمایا تھا۔

چنانچہ دعائے ابراہیمی کے مطابق آپ تشریف لائے، نسب میں سب سے عالی، حسب میں سب سے برتر، اپنے عہد طفولیت ہی سے ہمیشہ ممتاز سیرت، ممتاز صورت، عادات وشمائل میں قوم سے علیحدہ، عبادات ورسوم میں ان سے الگ، لہو ولعب سے مجتنب، شرک وکفر سے متنفر، صدق وصفاء احسان وسلوک سے مزین، ظلم وعدوان اور جملہ فواحش سے کوسوں دور جنگ وجدال سے نفور، مال وجان کی محبت سے بالاتر، عدل وانصاف کے شہزادے غرض جملہ اخلاق فاضلہ سے محلی اور جملہ اخلاق رذیلہ سے معریٰ جوانی میں عصمت وعفت کے فرشتے، پیری میں وقار ورعب کا پیکر، بال بال سے حسن ٹپکتا، کلمہ کلمہ سے پھول جھڑتے، روئیں روئیں سے فہم وفراست چمکتی، غصہ ومحبت اور جدل وہزل سے یکساں حق گو، عفو ودرگزر کرنے والے، مخلوق خدا کے سب سے بڑے ہمدرد، عہد وپیمان کے سب سے پکے، سب سے زیادہ راست گو، سب سے بڑھ کر امانتدار لطف یہ کہ خود امی اور قوم بھی سب امی، تورات وانجیل کو آپ جانتے نہ آپ کی قوم جانتی، نہ کسی سے کوئی

حرف پڑھا، نہ اہل علم کے پاس نشست و برخاست رکھی قیاص اور رہبان آپ کے موعود نبی ہونے پر سب متفق اور مشرکین عرب سے ہی آپ کی ان صفات کے معترف۔

اسی حالت میں چالیس سال گزرے، کبھی نبوت کا ایک حرف زبان سے نہ نکلا، جب عمر چالیس سال کو پہنچی تو ایک عجیب وغریب دعویٰ کیا جس سے نہ ملک آشنا، نہ باپ دادا آشنا، اور ایک ایسا کام لوگوں کے سامنے پیش کیا جو آج تک نہ کسی نے سنا اور نہ آئندہ اس کی نظیر ممکن، صحف سماویہ سب اس کے سامنے سرنگوں، نہ الٰہیات و عملیات میں کوئی اس کے ہم پلہ، نہ سیاسیات و معاشیات میں کوئی اس کا ہم عصر اسرار کا مخزن، علوم کا سمندر، قصص و امثال و نصائح و عبر کا دریا، طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرنے والے بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے، کوئی بھلی چیز ایسی نہ تھی جس کو عقول سلیمہ برا جانیں مگر اس سے روک نہ دیا ہو، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جس کا آپ حکم دیں اس کے لئے طبائع سلیمہ کی خواہش یہ ہو کہ آپ اس کا حکم نہ دیتے اور نہ کبھی اس بات سے روکا جس کے متعلق طبائع سلیمہ کی تمنا یہ ہو کہ آپ نہ روکتے۔

اس پر ریاست و سرداری سے بیزار دشمنوں اور مخالفوں سے لاپرواہ، احباب و انصار سے بے نیاز نہ ہاتھ میں کوئی دولت نہ پشت پر کوئی طاقت، نہ قبضہ میں کوئی ملک، زن، زر کی کوئی دولت نہیں جو قدموں پر نہ ڈال دی گئی ہو اور آپ نے اس کو ٹھکرا دیا ہو، حبس و قید، جلاوطنی، حتیٰ کہ قتل کی کوئی تدبیر اٹھا کر نہیں رکھی گئی جس کو پورا نہ کیا گیا ہو مگر آپ دشمنوں کے جھرمٹ میں اسی طرح خدا کے دین کے بے خوف و ہراس منادی کوچوں میں، بازاروں میں، ایام حج میں کوئی جگہ نہ چھوڑی جہاں پہنچ کر اعلان نہ کر دیا، تنہائی میں بھی اور محفلوں میں بھی عوام میں بھی اور خواص میں بھی، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اپنے دین کو قبول کرنے کے لئے کسی کو قتل کی دھمکی دی ہو یا کسی قسم کا طمع لالچ دیا ہو۔

تیرہ سال اسی طرح گزار دیئے، نہ ساز و سامان اور نہ کوئی یار و مددگار، مگر دل میں کسی کا خوف نہ چہرہ پر کچھ ہراس، جب اقتدار ملا تو دشمنوں سے درگزر اور ایذا رسانوں کے لئے عفو کا اعلان، کسی پر ذرا ظلم و تعدی ہو کیا مجال، تمام عمر کانٹے پر تلی ہوئی امن ہو یا خوف، فراغت ہو یا تنگی، شکست ہو یا فتح اپنے متبعین کی قلت ہو یا کثرت ہر حال میں وہ استقامت کہ قدم ایک

انچ بھی ادھر سے ادھر نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ جب دنیا میں تشریف لائے تو فضائے عالم تاریک' نہ دنیا سے باخبر نہ ہدایت سے آشنا' بت پرستی سے خدا کی زمین ناپاک' خونریزی اور قتل وغارت سے نالاں' نہ مبداء کی خبر نہ معاد کا علم اور جب آپ تشریف لے گئے تو وہی سب سے بڑھ کر عالم' سب سے زیادہ مہذب' سب میں ممتاز دیندار' انصاف وامن کے قائم کرنے والے اور دنیا کی نظروں میں ایسے سربلند کہ اگر ان پر بادشاہوں کی نظر پڑتی تو وہ مرعوب ہو جاتے اور اگر اہل کتاب ان کو دیکھتے تو بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حوار بھی بھلا ان سے کیا افضل ہوں گے؟ اس اقتدار وقبول کے ساتھ جب آپ نے دنیا کو چھوڑا تو ترکہ میں نہ درہم نہ دینار نہ کوئی ملک وخزانہ نہ صرف خچر اور زرہ مبارک کہ وہ بھی ایک یہودی کے ہاتھ صاع جو کے عوض میں مرہون۔

معزز سامعین! جب آپ کے خلفاء پر نظر کیجئے تو ان میں خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ وہ جو سب میں مشہور عاقل' اخلاق میں برتر' قوم میں محبوب' بستی کے بزرگ جس دن سے آپ کا دامن پکڑا آخر دم تک کسی خطرناک سے خطرناک جگہ نہ چھوڑا اور ہر موقعہ پر اپنی جان قربان کی' اپنا سارا مال آپ کی حمایت میں لٹا دیا اور جب آپ کے بعد خلیفہ ہوئے تو شروع میں مزدوری کر کے اپنا اور گھر والوں کا پیٹ پالتے آخر جب مجبوری وظیفہ قبول کیا تو وہ بھی صرف اتنا کہ بمشکل گزران کے لئے کافی ہو اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو بیت المال کے یہ محدود مصارف بھی بے باق کر گئے۔

حضرت عمرؓ کا کہنا ہی کیا' روم وفارس کی سلطنتیں فتح کیں' بیت المال ادھار لے کر کھایا' آخر جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو بیت المال کا حبہ حبہ ادا کر گئے اور اس کے لئے ایک گھر جو اپنی ملکیت تھا اس کی فروختگی کی وصیت فرما گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ کی بات ہی کیا خود غنی مگر ان کا سارا مال ہمیشہ مسلمانوں کے لئے بے حساب لٹتا رہا پورے اقتدار کے ساتھ مسلمانوں کے خون کا ایک قطرہ بہنا گوارا نہ فرمایا آخر اپنی جان قربان کر دی۔

حضرت علیؓ اور صاحبزادگان اطہار کا کیا پوچھنا، کس مظلومیت میں دین پر جانیں دیں اور حق کی خاطر سچی قربانی کی جو مثالیں قائم کیں وہ تاریخ میں ہمیشہ کے لئے اپنی یادگار رہ گئیں۔

حضرات! امت پر نظر کیجئے تو وہ امت جس کی دیانتداری، بے لوثی اور بے طمعی بھی مدتوں تک ضرب المثل، اپنے مذہب کے اتنے بڑے نگراں اور اپنی سماوی کتاب کے بلکہ اپنے رسولؐ کے حرف حرف کے بھی ایسے محافظ جس پر جہاں ششدر، نہ ان سے قبل اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے نہ ان کے بعد ممکن ہے، حکمرانی میں اتنے ممتاز کہ صدیوں تک اطراف عالم پر حکمران، رعایا میں یگانہ و بیگانہ سب یکساں براح اور اپنی پستی میں بھی اتنے بھاری کہ ان سے خائف قوموں نے جتنا ان کو مٹایا، اتنے ہی وہ ابھرے، الغرض اس دور پستی میں بھی ان کی دھاک کہ عالم کفر کو اگر کچھ خطرہ ہے تو صرف ان سے ہے گویا کوئی طریقہ عدل وانصاف کا نہیں کہ جس کسی قوم پر نظر ڈالی جائے تو صرف اس کے انحطاط ہی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے دیکھنا یہ ہے کہ اس دور عروج کی تاریخ دیگر اقوام کے بالمقابل کیا تھی؟

> اب آپ حضرات اس رسول مقبولؐ کی یہ اجمالی صفات اور ان کی آمد کے عظیم انقلابات سامنے رکھ کر خود ہی فیصلہ فرمالیجئے کہ نبوت کیا ہے؟ اور انبیاء علیہم السلام کیا ہوتے ہیں اور ان میں افضل الرسول اور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام رفیع کیا ہے؟

اللھم صل علیہ وسلم الہ و اصحابہ اجمعین.

نبوت ورسالت

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

”حمد ہے اس خداوند ذوالجلال کی جس نے ہم کو دین حق کی ہدایت دی اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا بے شک ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر آئے ہیں“۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبعوث ہونا اہل جہان کے لئے حق تعالیٰ شانہ کی رحمت کبریٰ اور منت عظمٰی ہے اگر ان بزرگواروں کا واسطہ اور ذریعہ نہ ہوتا تو ہم بے سمجھوں کو اس واجب الوجود جل مجدہ کے وجود اور اس کی وحدت کی طرف کون ہدایت کرتا اور ہمارے مولیٰ جل شانہ کے احسانات اور انعامات بے غایات و بے نہایات کے شکر کے طریقے کون بتاتا اور اس کے اوامر اور نواھی اور مرضیات اور نامرضیات میں کون تمیز کرتا اور ہمارے مبداء اور معاد سے اور دنیا اور آخرت کے احکام سے ہم کو کون آگاہ کرتا۔ یونان کے حکماء اور فلاسفہ نے باوجود کمال فہم وفراست وکمال دانائی صانع عالم کے وجود کی طرف ہدایت نہ پائی اور کائنات کے وجود کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا اور کہا۔

وما یھلکنا الا الدھر ”اور ہم کو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے“۔

لیکن حضرات انبیاء کرام کے دلائل اور براہین جب آفتاب کی طرح جلوہ گر ہوئے تو متاخرین فلاسفہ طوعاً وکرہاً وجود صانع جل شانہ کے قائل ہوئے اور اپنے متقدمین کے مذہب کو رد کیا۔

ہماری ناقص عقلیں دنیا اور آخرت کے بارے میں بغیر انبیاء کرام کی رہنمائی کے معزول اور بے کار بلکہ مخذول اور خوار ہیں۔

عالم میں جدھر بھی نظر ڈالئے ایک عظیم اختلاف نظر آتا ہے ایک ہی فعل اور ایک ہی نظریہ ہے کہ ایک ہی شخص اس کو مستحسن بتلا رہا ہے اور دوسرا اس کو غایت درجہ قبیح سمجھتا

ہے۔ دونوں طرف عقلاء کی جماعت ہے اور یہ اختلاف اس درجہ شدید ہے کہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے۔

عقلاء کا اشیاء کے حسن وقبح میں اختلاف یہ اس امر کی دلیل ہے کہ خیر وشر اور حسن وقبح کی تقسیم پر تو اتفاق ہے اختلاف فقط تعین میں ہے کہ کون سی شے اچھی ہے اور کون سی بری اور اس پر بھی تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ عقول میں بڑا تفاوت ہے کسی کی عقل شمع اور چراغ کی طرح ہے کسی کی ستاروں کی طرح اور کسی کی چاند اور سورج کی طرح ہے پھر یہ کہ بعض رنگ ایسے ہیں کہ دن ہی میں ان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ رات میں ان کا فرق محسوس نہیں ہوتا۔ کشمشی اور عنابی اور مکوہی رات کو ایک ہی رنگ معلوم ہوتے ہیں۔ دن میں فرق معلوم ہوتا ہے اور دن میں بھی فرق اس وقت معلوم ہوتا ہے جب کوئی گرد وغبار نہ ہو۔ ایسا ہی ہر عقل سے اعمال کے صحیح حسن وقبح کا ٹھیک فرق نہیں معلوم ہو سکتا جب تک کہ وہم اور غرض اور نفسانی خواہش کا گرد وغبار بالکلیہ سامنے سے نہ ہٹ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ محبت میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔

محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ آدمی کو اپنی پارٹی کے عیب نظر نہیں آتے اور دوسروں کی بھلائی بھی برائی دکھائی دیتی ہے۔

معلوم ہوا کہ اشیاء کے حسن وقبح اور حسن قبح کے فرق مراتب معلوم کرنے کے لئے ایسی کامل عقل چاہئے کہ جو آفتاب کا حکم رکھتی ہو اور ہزاراں ہزار میل تک کسی ادنیٰ وہم اور کسی نفسانی خواہش کا ذرہ برابر نام ونشان بھی نہ ہو۔ ایسی کامل عقل حضرات انبیاء کی ہوتی ہے اسی وجہ سے حق جل شانہ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام کو عباد مخلصین اور مصطفین الاخیار کے الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔ مطلب ان کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ جن کو اپنا سفیر یعنی نبی اور رسول بنا کر بندوں کی طرف بھیجتے ہیں وہ من کل الوجوہ پسندیدہ اور برگزیدہ اور خدا کے مخلص بندے ہوتے ہیں اور مخلص کے معنی خالص کے ہیں جس میں کسی دوسری چیز کا شائبہ نہ ہو۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کو عبادت مخلصین اس معنی میں کہا گیا ہے کہ ان کا ظاہر وباطن خالص

اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے۔ نفس اور شیطان کے شائبہ سے بالکل پاک ہوتا ہے۔ عقل اگرچہ ایک درجہ میں حجت ہے مگر ناتمام ہے مرتبہ بلوغ کو نہیں پہنچی ہے حجت بالغہ انبیاء کرام کی بعثت ہے۔

خلق اطفالند جز مست خدا　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

اے میرے دوستو! خوب سمجھ لو کہ عقل عالم ہے حاکم نہیں۔ حق تعالیٰ نے عقل اس لئے دی ہے کہ احکم الحاکمین کے جو احکام تم کو اس کے وزراء یعنی انبیاء ورسل کے ذریعہ سے پہنچیں ان کو سمجھو اور ان کا اتباع کرو تم کو عقل اس لئے نہیں دی گئی کہ تم احکام خداوندی اور اس کے وزراء اور خلفاء پر تبصرہ کرو۔

حق جل شانہ، جس طرح ہمارے وجود کے مالک ہیں اسی طرح ہماری عقلوں کے بھی مالک ہیں وہ اگر چاہیں تو ایک سرسام طاری کر کے عقل کو سلب کر لیں۔ یا یکا یک بلا کسی سبب کے کسی کو دیوانہ بنا دیں۔ پس جب کہ عقل خداوند ذوالجلال کی مملوک اور اس کا عطیہ ہے اور اس درجہ لاچار اور درماندہ ہے تو اس کو احکم الحاکمین کے احکام پر نکتہ چینی کرنے سے کچھ تو شرمانا چاہیئے۔

مارشل لاء کی عدالت سے جب حکم جاری ہوا کہ مارشل لاء کے احکام پر کسی کو تبصرہ اور رائے زنی کی اجازت نہ ہوگی تو اس ناچیز کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

مارشل لاء چہ بود اے ارجمند　　چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
حکم فانی را چو شد ایں حرمتے　　ہم باقی را بدان چوں رفعتے

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہماری دنیا اور آخرت کے احکام کو ہماری عقلوں پر نہیں چھوڑا۔ ورنہ ہر بوالہوس اپنی عقل کی برتری کا مدعی ہوتا بلکہ ہماری دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کے احکام دے کر انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا تا کہ تمام بندے ایک ہی مرکز پر متفق اور جمع ہو جائیں۔ اس لحاظ سے نبی کی بعثت حق تعالیٰ کی عجیب رحمت ہے اگر انبیاء کرام مبعوث نہ ہوتے تو خیر و شر اور نیک و بد میں کوئی تمیز نہ رہتی اور عدل اور ظلم کی حقیقت ملتبس ہو جاتی۔ ظالم ظلم کو عدل بتلاتا اور عدل کو ظلم اس ذات بابرکات نے جو دستور اور جو قانون بندوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام کے توسط سے نازل فرمایا سب کو مل کر اس کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اس سے اختلاف اور افتراق نہ کرنا چاہیئے۔

قال اللہ تعالیٰ۔ واعتصموا بحبل الله جميعا ولاتفرقوا

اس آیت میں حق تعالیٰ جل شانہ نے اتفاق کا حکم دیا اور تفرق اور اختلاف سے منع فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قانون اتارا ہے سب مل کر اس پر عمل کرو۔ اس کے خلاف مت چلو۔

تمام عقلاء اور وزراء یہ خوب جانتے ہیں کہ تمام عالم کا کسی شے پر متفق ہونا ناممکن اور محال ہے۔ لیکن باوجود اس علم کے پھر یہ تلقین کرتے ہیں کہ سب متفق ہو کر رہو۔ معلوم ہوا کہ مطلب یہ ہے کہ قانون حکومت کا مل کر اتباع کرو اور قانون کے خلاف نہ کرو۔ مطلق اتفاق مقصود نہیں بلکہ قانون حکومت کے ساتھ متفق ہونا مقصود ہے۔ مطلق نااتفاقی کسی قانون میں جرم نہیں۔ حق سے نااتفاقی یہ جرم ہے بلکہ حق کے مقابلہ میں جرم ہے۔ حکومت کے نزدیک تفرقہ کا مجرم وہ شخص ہے جو قانون حکومت کے خلاف کرے یا قانون حکومت کے عجیب وغریب معنی بیان کرے جو اب تک کسی وزیر یا کسی حاکم یا کسی جج کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزرے ہوں۔

اسی طرح جو شخص کتاب وسنت اور شریعت کے کسی حکم کے خلاف کرے یا کسی حکم شرعی میں ایسی تاویل کرے کہ جو آج تک چودہ صدی کے علماء ربانیین اور قضاۃ اور حکام کے وہم وخیال میں بھی نہ گزرے ہوں تو ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں ملحد اور زندیق کہتے ہیں۔

حضرات انبیاء دنیا میں تشریف لائے اور توحید کی دعوت دی کوئی ایمان لایا اور کوئی بت پرستی اور آتش پرستی اور صلیب پرستی پر قائم رہا اور اس طرح ہر گھر میں اختلاف قائم ہو گیا۔

معاذ اللہ! کیا یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرات انبیاء تفرقہ کا سبب بنے۔ تفرقہ کے مجرم وہ ہیں جنہوں نے توحید کے مقابلہ میں بت پرستی اور صلیب پرستی کو اختیار کیا اور آب زمزم کے مقابلہ میں گائے کے پیشاب کو متبرک سمجھا۔

نبی اور رسول کی تعریف

ہمارے اس بیان سے نبی اور رسول کی تعریف بھی واضح ہو گئی وہ یہ کہ نبی اور رسول خداوند ذوالجلال کے اس برگزیدہ اور پسندیدہ بندے کو کہتے ہیں کہ جو ہر اعتبار سے یعنی عقل اور علم اور اخلاق اور اعمال کے اعتبار سے من کل الوجوہ پسندیدہ اور برگزیدہ ہو اور جس کو اللہ

تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف سفیر مقرر کر کے بھیجا ہوتا کہ بندوں کو معاش اور معاد دین اور دنیا کے ان احکام اور مصلحتوں اور ہدایتوں سے آگاہ کر دے کہ جہاں عقل اور تجربہ کی رسائی نہیں تا کہ بندے ان احکام پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو درست کریں اور خدائے ذوالجلال کی رضا اور خوشنودی کو حاصل کریں اور اس کے قہر سے بچ جائیں۔

جو چیزیں عقل سے معلوم ہو سکیں جیسے حساب اور اقلیدس یا جو چیزیں تجربے سے معلوم ہو سکیں جیسے صنعت و حرفت حضرات انبیاء ان چیزوں کے بتلانے کے لئے مبعوث نہیں ہوتے ان کا کام احکام خداوندی سے آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ یہ چیز حق تعالیٰ کے قانون میں جائز یا ناجائز ہے جیسے حکومت کا دستور اور قانون جمع اور تفریق اور صنعت و حرفت سے بحث نہیں کرتا بلکہ جمع اور تفریق اور صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کے احکام بتانا ہوتا ہے اسی طرح قانون شریعت کو سمجھو وزراء کا کام احکام صادر کرنا ہے اور یہ بتلانا کہ جوتا کیسے بنتا ہے اور کپڑے کو کیسے بنا جاتا ہے یہ ان کا کام نہیں بلکہ ان کی شان کے لائق بھی نہیں۔

انتم اعلم بامور دنیاکم

”تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ جانتے ہو“ کا مطلب بھی یہی ہے زراعت اور تجارت کے طریقوں کو تم زیادہ جانتے ہو میرا کام تو احکام خداوندی بتلا دینا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جس وقت درخت میں سے انی انا اللہ یعنی بے شک میں ہی خدا ہوں کی آواز سنی تو وہ آواز درخت کی نہ تھی وہ درخت تو محض ایک فون تھا جس کے پس پردہ خداوند ذوالجلال کلام فرما رہا تھا۔ اسی طرح نبی کی زبان اور حلق کو خدا تعالیٰ کا ٹیلی فون سمجھو کہ جو آواز نبی کی منہ سے نکل رہی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی آواز ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ

”اور وہ۔ (نبی صلے اللہ علیہ وسلم) ہوائے نفسانیہ سے نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو (خدا کی طرف سے) نازل کی جاتی ہے“۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

وقال تعالیٰ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

’’یعنی وہ کنکریاں آپ نے نہیں پھینکیں۔ بلکہ اللہ ہی نے پھینکیں‘‘۔

وقال تعالیٰ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم

یعنی بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے‘‘۔

اور جو لوگ اس کے رسولوں کے درمیان تفرقہ کرتے ہیں ان کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے۔

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا اولٰئک ھم الکافرون حقا واعتدنا للکافرین عذاباً مھینا. (النساء)

’’بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض سے کفر کریں گے اور وہ اس کے بین بین راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں یہی لوگ ہیں پکے کافر اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے‘‘۔

شریعت محمدیہ اللہ تعالیٰ کا آخری قانون ہے۔ حق جل شانہ نے ہر نبی کو ایک شریعت اور قانون عطا کیا۔

لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھا جا

’’ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور راہ بتائی‘‘

اسی طرح نبی آخر الزمان سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کامل اور مکمل شریعت عطا فرمائی کہ جو تمام شریعتوں سے اکمل اور اجمع ہے اور تمام گزشتہ قوانین کی ناسخ ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

ثم جعلنک علیٰ شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لایعلمون

’’یعنی پھر ہم نے آپ کو ایک ایسی شریعت پر قائم کر دیا جو خدا کی طرف سے ہے۔

پس اس کا اتباع کیجئے اور جاہلوں کی خواہشات کا اتباع نہ کیجئے’’۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ کی مخالف عقل نہیں بلکہ ہوائے نفسانی ہے کیونکہ اس آیت میں شریعت کے اتباع کا حکم فرما کر یہ نہیں فرمایا کہ عقل کا اتباع نہ کرنا بلکہ یہ فرمایا گیا کہ ہوائے جہلاء کا اتباع نہ کرنا معلوم ہوا جاہلانہ خواہشات نفسانیہ ہی شریعت سے متصادم ہوتی ہیں ورنہ عقل ہر حکم شریعت کو قبول کر لیتی ہے اور صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۲۸ آیت ۱۳ میں ہے۔

سو خداوند کا کلام ان سے یہ ہوگا کہ حکم پر حکم قانون پر قانون تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں......اھ۔

چنانچہ قرآن عزیز اسی طرح تھوڑا تھوڑا نازل ہوا اور انجیل، علماء نصاریٰ کے نزدیک منزل من اللہ ہی نہیں بلکہ وہ حواریین کی تصنیف ہے قال تعالیٰ۔

وقرآنا فرقناه لتقرأه على الناس على مكث و نزلناه تنزيلا

‘‘قرآن کو ہم نے متفرق کر کے نازل کیا تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا’’۔

وقال تعالیٰ وقال الذين كفروا لولا نزل عليه القرآن جملة واحدة كذالک لنثبت به فؤادک و رتلناه ترتيلا

‘‘اور کافروں نے اعتراض کیا کہ یہ قرآن آپ پر ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کر دیا گیا (سو) یہ اسی طرح نازل کیا گیا تا کہ ہم اس کے ذریعے سے آپ کے قلب کو مضبوط رکھیں اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ نازل کیا’’۔

اور انجیل یوحنا باب چہارم ۱۶ میں ہے۔

‘‘میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے تا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے’’۔

اور آیت ۲۹ میں ہے۔

‘‘اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر ہی کہا تھا کہ جب وہ وقوع میں آئے تو تم ایمان لاؤ’’۔

اور آیت ۳۰ میں ہے۔

‘‘بعد اس کے میں تم بہت کلام نہ کروں گا اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے’’۔

جہان کے سردار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام پیغمبروں کا سردار ہوگا اور ابد تک

تمہارے ساتھ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کتاب اور اس کی شریعت قیامت تک باقی اور محفوظ رہے گی اس میں ایک حرف کا بھی تغیر اور تبدل نہ ہو سکے گا۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون

مصطفےٰ را وعدہ کرد الطاف حق گر بمیری تو نمیرد ایں سبق
من کتاب و معجزت را حافظم بیش و کم کس از قرآن را رافضم
کس نتاند بیش و کم کردن درو تو بہ از من حافظے دیگر مجو
تاقیامت باقیش داریم ما تو مترس از نسخ دین اے مصطفےٰ
اے رسول ما تو جا دو نیستی صادقی ہم خرقہ مو نیستی
ہست قرآن مر ترا ہمچو عصاء کفر ہار درکشد چوں اژدہا

نصیحت اور دعا

اب میں اول اپنے نفس کو اور داعیان جلسہ اور حاضرین مجلس کو نصیحت کرتا ہوں کہ فقط اس پر اکتفا نہ کریں کہ سال بھر میں ایک مرتبہ سیرت مبارکہ کے نام سے جلسہ کر لیا کریں بلکہ دل و جان سے اس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کا یہ سمجھ کر اتباع کریں کہ آپ کا اتباع خداوند ذوالجلال کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

اے اللہ! ہم کو اور ہماری اولاد کو ہمارے احباب کو اور تمام مسلمانوں کو اور ہمارے حکام اور وزراء کے ظاہر و باطن اور صورت و سیرت کو دین اسلام کے رنگ میں رنگ دے اور ہماری اس اسلامی حکومت کو محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کی حکومت کا نمونہ بنا اور قائداعظم اور قائد ملت اور ان کے اعوان و انصار کے درجے بلند فرما۔ جنہوں نے اس اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی اور مسلمانوں کو قومیت اور وطنیت کے فتنہ سے نکال کر اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع کیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی الہ واصحابہ اجمعین وعلینا معہم یا ارحم الراحمین.

سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

یہ مبارک مجلس جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے لئے منعقد کی گئی جس میں سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر متعدد مقالات وافکار پیش ہوں گے۔ مجلس اس لحاظ سے اپنی نوعیت کی منفرد مجلس ہے کہ اس میں تمام ممالک اسلامیہ کے علماء فضلاء اور دانشور اسی مقصد کے لئے جمع ہوئے ہیں اس مقدس مجلس کا موضوع کلام رسول کریم کی سیرت طیبہ ہے جس میں کسی کو حصہ مل جانا دین ودنیا کی بڑی سعادت ہے۔

جامی ازاں لب سخن آغاز کرد   شد لقبش جامی شیریں مقال

اور اس پر مقالات لکھنے' پڑھنے والے اطراف عالم کے ممتاز علماء وفضلاء موجود ہیں ظاہر ہے کہ اس مجلس میں دنیا کے بہتر سے بہتر مقالے پیش ہوں گے اس احقر نے بھی اپنی بساط کے مطابق ایک مقالہ ''پیغمبر امن وسلامت'' کے عنوان سے لکھ لیا تھا مگر باوجود اختصار کے وہ ایسا مختصر نہ رہا کہ اس مجلس کے تھوڑے وقت میں پیش کیا جاسکے۔

اس لئے مقالہ کو چھوڑ کر میں حاضرین مجلس اور اعضاء موتمر حضرات کی خدمت میں ایک دردمندانہ گزارش پر اکتفا' کرتا ہوں جو قرآن کریم کی ایک آیت سے ماخوذ ہے' یعنی **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ومقالات پڑھنے اور سننے کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے حالات ومقالات کو عام دنیا کے بادشاہوں' فلاسفروں' دانشوروں کی سوانح عمری کے طور پر ایک تاریخ اور سوانح نہ سمجھا جائے۔

بلکہ سیرت طیبہ درحقیقت ایک عملی قرآن کا نام ہے جس میں پوری اسلامی تعلیمات ہوئی ہیں وہ ایک صبغۃ اللہ (خدائی رنگ) لئے ہے جس میں پوری دنیا کو رنگنے کے لئے آخر

الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ یہ وہ صبغۃ اللہ ہے جس کی معجزانہ تاثیرات نے بڑی طاقتوں کے مقابلے میں اور ہزاروں مخالفوں کے نرغہ میں رہتے ہوئے عرب کے امیوں کی وہ کایا پلٹ کی کہ جنگجو ظلم وستم کے عادی ڈاکوؤں کو امن عالم کا بہترین علمبردار بنا دیا بدوؤں کو علم وحکمت کا معلم بنا دیا۔ بے حیاؤں کو عفت وعصمت اور شرم کا پیکر بنایا۔

صرف ۳۲ سال کے عرصہ میں پورے جزیرہ عرب کو مسخر کر لیا اور خود حضورؐ کے عہد مبارک میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد مرد وعورت چھوٹے بڑے اس رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ ان کو دیکھنے والوں پر پہلی نظر میں یہ رنگ چڑھنے لگتا تھا ان کی یہ شان تھی جب ان پر نظر پڑتی ہے تو خدا یاد آتا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں اس کے واقعات بیشمار ہیں کہ دنیا کے اطراف میں جب اس نرالے رنگ کے مسلمان کسی سلسلہ تجارت مزدوری میں بھی کہیں پہنچ گئے تو وہاں کے لوگ ان کے حالات ومعاملات کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ مالیبار میں اسلام کے پھیلنے کی تاریخ یہی ہے وہاں کوئی تبلیغی مشن نہیں گیا تھا نہ کوئی بڑی کانفرنس منعقد ہوئی چند تاجر مسلمان اور چند مزدور پہنچے تھے معاملات میں ان کی صفائی سچائی اور عصمت وعفت کے حیرت انگیز واقعات دیکھ کر لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ ان سے پوچھا گیا تمہارا مذہب سیکھنا ہے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا پتہ دیا۔

یہی وہ صبغۃ اللہ ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار وگفتار طاعت وعبادت‘ حسن معاملہ‘ حسن اخلاق‘ حسن صورت‘ حسن سیرت‘ حسن معاشرت‘ عدل وانصاف‘ رحم وکرم‘ عفت وعصمت دیانت ومتانت کے ہر ہر حرکت وسکون سے مترشح ہوتا تھا۔

صحابہ کرامؓ جن پر یہ رنگ بلاواسطہ اور سب سے پہلے چڑھا ان کی پوری زندگیاں سیرت رسولؐ کے رنگ کا نمونہ تھیں ان کی بیشتر مجلسیں اور باہمی ملاقات وگفتگو اسی سیرت کا رنگ تازہ اور قوی کرنے کے لئے ہوتی تھیں حضرت ابوالدرداء صحابیؓ اپنی حکیمانہ تعلیمات کی بنا پر صحابہ کرام میں حکیم الامت کا لقب رکھتے تھے۔ ان سے خود دوسرے صحابہؓ یہ کہا کرتے تھے۔

اجلس بنا نومن ساعة تھوڑی دیر ہمارے ساتھ بیٹھ جایئے تا کہ ہم ایمان تازہ کر لیں۔

حضرات صحابہؓ میں ایک ایک فرد کا یہ حال تھا کہ اپنے رہن سہن نشست وبرخاست‘

سونے جاگنے، کھانے پینے کے تمام احوال میں ان کو کوئی ایسی چیز برداشت نہیں تھی جو سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو۔ ان کا اپنا کیسا ہی کوئی پروگرام ہو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سیرت مصطفیٰ کے خلاف ہے اس کے چھوڑنے میں ایک منٹ کا بھی تامل نہ ہوتا تھا۔

دنیا میں نامور اور بڑے لوگوں کی سوانح اور حالات لکھنے کی رسم کوئی نئی نہیں، بہت پرانی ہے جس میں نیک خصلت عدل وانصاف پھیلانے والے خدمت خلق کرنے والے نامور بادشاہ بھی بے شمار ہیں علم وحکمت اور فلسفہ ونکتہ دانی کے معروف حکماء بھی کئی ہیں۔ عبادت وریاضت علم وکرم، جودوسخا، حسن اخلاق، حسن معاملات کے حالات وواقعات بھی دنیا کی تاریخ میں کچھ کم نہیں ہیں لیکن وہ ہستی جس کے طاعات وعبادات اور حسن اخلاق ومعاملات حسن معاشرت خدمت خلق کے لئے ہر طرح کی قربانی کی جذبات کا رنگ دوسرے لوگوں پر اپنے دوستوں دشمنوں پر ایسا چڑھا ہوا ہو جیسا خاتم الانبیاء ﷺ کی سیرت کا رنگ اپنوں اور غیروں پر چڑھا اور پھر یہ ایسا متعدی ہوا کہ دنیا کی کایا پلٹ دی۔ پچیس سال حضور ﷺ کی وفات پر نہ گزرے تھے کہ دنیا کے مشرق ومغرب میں یہ رنگ پھیل گیا کہ اس کی نظیر عالم میں کہیں نہیں ملتی۔

اس لئے میری اس مختصر گزارش کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ رسول مقبول ﷺ کی سیرت طیبہ اور حالات ومقالات کا پڑھنا ہر حال میں نور ہی نور اور نفع ہی نفع ہے اس کے لئے جتنے اجتماعات اور کانفرنسیں کی جائیں کم اور ناکافی ہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ اس کو نہ صرف ہر اسکول کالج اور مکتب ومدرسہ میں بلکہ ایک ایک مسلمان کے گھر پہنچانے کی فکر کریں۔

لیکن یہ سمجھ کر کریں کہ ہم دنیا کے کسی شخص کی تاریخ نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح کا ایک نسخہ اکسیر لے اور دے رہے ہیں جس کا صرف پڑھ لینا کافی نہیں اپنے جسم اور قلب وروح پر اس کا استعمال ضروری ہے۔ اور بہت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو سیرت کے جلسوں میں سیرت طیبہ سے متعلق مقالات کے پڑھنے سننے میں اس کا دھیان رکھیں کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ کی زندگی کے ہر گوشہ سے متعلق حالات سننے کے وقت اپنی زندگی کا محاسبہ کریں کہ ہم اس معاملہ میں کس مقام پر ہیں اور کیا کر رہے ہیں اور ہمیں فلاح دنیا وآخرت کے اس نسخہ اکسیر سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

نبوت کی علامت
اور اثبات رسالت
سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

یہ مضمون دراصل حضرت مرحوم کی تقریر کا ایک جزو ہے جو آپ نے
موتمر الانصار دیوبند کے پہلے اجلاس واقع مراد آباد میں ارشاد فرمائی تھی۔

کسی شخص کو رسول برحق ماننا کن شرائط پر موقوف ہے آیا جو کوئی بھی دعویٰ نبوت زبان سے کرنے لگے یا جو کوئی بھی دنیا کو چند عجیب وغریب تماشے دکھلا دے یا جو کوئی بھی دو چار ہزار مرید جمع کر لے اس کو ہم نبی اور پیغمبر مان لیں یا نبوت کے واسطے کوئی معیار ایسا تجویز کیا گیا ہے جس کے ذریعے سے ماہر طبیبوں کو اشتہاری حکیموں سے جدا کیا جا سکے رہبر اور رہزن کے پہچاننے میں دھوکہ نہ لگے اور محافظوں کی جماعت پر لٹیروں کا اشتباہ نہ ہو۔ بلاشبہ غور سے یہ معلوم ہوا جب انبیاء علیہم السلام خدا کے معتمد اس کی دلیل اس کے راز دار اور اس کے نائب ہیں تو اس کی ذات میں ایسے پاکیزہ اوصاف اور حقیقی خوبیاں مجتمع ہونی چاہئیں جو ایک ایسے باخبر شہنشاہ اعظم کا قرب حاصل کرنے کے لئے درکار ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ سلاطین دنیا بھی جن کو کچھ عقل ہو باوجود اس مجازی حکومت کے اپنی مسند قرب پر ان لوگوں کو نہیں بٹھاتے جو بے عقل کج خلق، پست حوصلہ یا حکومت کے دشمن ہوں۔ چہ جائیکہ خدائے برتر اپنے منصب وزارت کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب کر کے جن کی اخلاقی حالت نہایت پست، عملی حیثیت نہایت ذلیل اور عقلی قوتیں نہایت کمزور ہوں۔ وہ بجائے ہدایت کرنے کے گمراہی پھیلانے میں زیادہ مشتاق ہوں اور لوگوں سے بمقابلہ خدا کی عبادت کرانے کے اپنی پرستش کے زیادہ متمنی ہوں۔

اگر نعوذ باللہ خدائے عزوجل ایسا کرے تو یوں کہو کہ وہ خدا بالکل سفید جاہل یا بندوں

سے عداوت رکھنے والا ہے جس کو اتنی بھی خبر نہیں ہے کہ میں جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہوں وہ اس کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس صورت میں یہ واجب ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں اولاً خدا کی محبت اور اخلاص اس درجہ ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجائش ہی نہ نکلے۔

دوسرے یہ کہ اخلاق پسندیدہ جو اعمال حسنہ کی جڑ ہیں ان کے اندر فطری طور پر راسخ ہوں تا کہ جو کام بھی وہ کریں قابل اقتدار اور جو فعل بھی ان سے سرزد ہو باعث ہدایت سمجھا جائے۔ تیسرے یہ کہ فہم و فراست ان کی امتیوں کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی ہوں کیونکہ کم فہمی فی نفسہ عجیب ہونے کے علاوہ اس وجہ سے بھی ان کے حق میں مضر ہے جو کہ کلام خداوندی کے اسرار عارضہ کا سمجھنا اور رقیق علل پر مطلع ہونا اور ہر ایک ذکی و غبی کو احکام الٰہی دلنشین طریقے سے سمجھا دینا بغیر عقل صحیح اور فہم کامل کے ہرگز متصور ہی نہیں۔ یہی تین اصول ہیں جو ایک مدعی نبوت کی صداقت کا ہم کو ایک ایسے زمانے میں پتہ دے سکتے ہیں جن میں کسی نبی کی بعثت کا احتمال ہو سکتا ہے باقی معجزات وہ اگرچہ اصل نبوت کے اعتبار سے ضروری نہیں لیکن مدعی نبوت سے ان کا صادر ہونا بیشک اس کی راست بازی کی دلیل ہے کیونکہ اگر ایک شخص مثلاً سلطان روم کے روبرو لوگوں سے یہ کہے کہ میں سلطان کا معتمد اور محبوب ہوں اس کی دلیل یہ بیان کرے کہ دیکھو میں جس طرح ان سے کہوں گا معتمد اور محبوب ہوں اس کی دلیل یہ بیان کرے کہ دیکھو میں جس طرح ان سے کہوں گا برابر وہ ان کے موافق کریں گے اور جو فرمائش کروں گا اس کو پورا کر کے دکھلائیں گے۔ یہ کہہ کر سلطان کو کھڑا ہونے کی طرف اشارہ کرے اور وہ اس کو پورا کر کے دکھلائیں یعنی کھڑے ہو جائیں پھر ان سے بیٹھنے کو کہے اور وہ معاً بیٹھ جائیں تو اسی طرح لگاتار بہت سے کاموں کی فرمائش کرتا رہے اور وہ بھی ایک ذرہ اس کے خلاف نہ کریں اور فرض کرو کہ وہ سب کام سلطان کی عادت مستمرہ اور مزاج کے خلاف بھی ہوں تو کیا کسی جاہل کو بھی ایسی حالت میں اس شخص کے دعویٰ کی تصدیق میں کچھ تردد رہے گا اور کیا کوئی بے وقوف بھی یہ حجت کرے گا کہ دعویٰ تو اس کا محبوب اور معتمد رہنے کا تھا اور اس کے معتمد ہونے اور سلطان کے کھڑے ہونے میں کوئی مناسبت نہیں۔ اس لئے اس سے اس پر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ سلطان اپنی زبان سے اس کے معتمد ہونے کا اقرار نہ کرے ایسے ہی مہمل سے کہنا چاہئے کہ تصدیق دعویٰ

دو پر ہوتی ہے ایک حالی اور دوسری مقالی تو گو اس جگہ زبانی اور قولی تصدیق سلطان کی جانب سے نہیں پائی گئی مگر حالی تصدیق اس سے بھی بڑھ کر حاصل ہو گئی یہی حال بعینہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی نسبت خدا کے وزیر اور معتمد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور خدا ہر وقت اور ہر جگہ ان کے دعویٰ کو سنتا ہے پھر وہ عادت اللہ تعالیٰ کے خلاف بہت سے کاموں کی فرمائش کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے دعویٰ کی سچائی دنیا پر ظاہر ہو جائے اور خدا تعالیٰ ان پر ان کے لئے حسب مدعا کو پورا فرماتا رہتا ہے تو کیا منجانب اللہ تعالیٰ یہ ان کے دعویٰ کی حالی تصدیق نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ جھوٹے آدمی کی تصدیق کرنا خود جھوٹ کی ایک قسم ہے اس سے (اس مدعی کے کاذب ہونے کی صورت میں خدائے برتر کا کاذب ہونا ثابت ہوا نعوذ باللہ منہ) حالانکہ خدا تعالیٰ کا خالق کذب ہونا تو ضروری لیکن قولاً و عملاً کاذب ہونا محال ہے۔ اب اگر کسی کو وہم گزرے کہ یہ سب تقریر اس وقت قابل تسلیم ہے جبکہ معجزہ یا خوارق عادت کا وجود ممکن ہو حالانکہ اس کا امکان ابھی محل تردد میں ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہم معجزہ اس کو کہتے ہیں کہ جو عقلاً محال نہ ہو لیکن خلاف عادت ضرور ہو اور خلاف عادت کے بھی یہی معنی ہیں کہ تمام عادت کے خلاف ہو کیونکہ معجزہ بھی ہمارے نزدیک خدا کی خاص عادت ہے جو خاص خاص اوقات میں خاص خاص مصلحتوں سے ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ مثلاً زید ہمیشہ سے قمیض پہننے کا عادی ہو مگر عید کے دن ہمیشہ اچکن پہنا کرے تو اچکن پہننے کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زید کی عام عادت کے خلاف ہے مگر ایک حیثیت سے یہ بھی اس کی عادت میں داخل ہے اسی طرح آگ سے کسی چیز کا جلا دینا اگرچہ خداوند تعالیٰ کی عادت ہے لیکن بعض مواقع میں جبکہ کسی نبی کی تصدیق یا کوئی اور مصلحت ملحوظ ہو تو آگ سے وصف احراق سلب کر لینا بھی اس کی عادت ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمام اسباب و مسببات میں جو کچھ تاثیر ہے وہ خدا کے ارادے سے ہے سبب کے وجود کو مسبب سے اور مسبب کے وجود کو سبب سے علیحدہ کر سکتا ہے تو جب مشاہدہ سے یا نہایت ثقہ راویوں کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص نے دعویٰ نبوۃ کا کیا اور بہت سے معجزات دکھلائے اور تمام عمر میں کسی ایک بات میں بھی اس کے کہنے کے خلاف نہ ہو تو بے شک و شبہ ایسے شخص کو نبی سمجھنا چاہئے کیونکہ نبی کاذب کی تصدیق خدائے برتر قولاً و عملاً ہرگز نہیں کر سکتا اور اگر وہ ایسا کرے

تو دین منجملہ رحمت نہ ہوگا مجھ کو افسوس ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض عقلاء کو معجزات کے ممکن الوقوع ہونے سے انکار ہے اور طرفہ تماشہ یہ وقوع کی صورت میں وہ ان کے نزدیک دلیل نبوت بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کو اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ موسیٰ کے نبی ہونے اور لاٹھی کے سانپ بن جانے میں کیا تعلق نظر آتا ہے جو ایک سے دوسرے پر استدلال ہو سکے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

اس بدیہی معیار رسالت کے مان لینے کے بعد میں ابھی عرض کر چکا ہوں حضور کی رسالت کا ثبوت بالکل آسان ہو جاتا ہے کیونکہ آپ کے بے شمار علمی اور عملی کارنامے اس وقت بھی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہیں اور نہ تمام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے معجزات مل کر آپ کے معجزات کی ہمسری کر سکتے ہیں۔ آپ کے فہم و اخلاق کا موافق و مخالف کو اعتراف کرنا پڑتا ہے اور چار دانگ عالم میں آپ کی صداقت کا سکہ بیٹھ گیا ہے اور دنیا کے ہر خطہ میں آپ کا آفتاب فیض لمعہ افگن ہے۔ جب ایک غیر متعصب اور عقلمند آدمی آپ کے احوال کا انبیاء سابقین کے احوال کا اور آپ کی تعلیم کا ان کی تعلیم سے اور ان کی قوت و ہمت کا ان کی قوت و ہمت سے مقابلہ کرے گا تو یہی اس کے لئے ضروری ہوگا کہ آپ کی محض صداقت کا ہی نہیں بلکہ رسالت کا اور رسالت کا ہی نہیں بلکہ ختم رسالت کا زبان سے اقرار کرے۔

عرب کی جہالت، درشت مزاجی اور گردن کشی کو کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی کتاب ان کے پاس آسمانی ہو نہ زمینی اور ان کے اخلاق کا یہ حال کہ قتل و غارت وغیرہ ایک معمولی حرکت ہو، عقل و فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے گردن کشی کی یہ حالت کہ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کریں، جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے ملک میں شاد و خرم عمریں گزاریں ایسے جاہلوں اور خودسروں کو راہ راست پر لانا دشوار تھا چہ جائیکہ علم الٰہیات علم معاملات علم عبادات علم اخلاقیات علم سیاست مدن میں رشک حکماء نامدار بنا دیا یہاں تک کہ دنیا نے ان کی اور ان کے شاگردوں کی پیروی کی۔

ڈاکٹر لیبان کہتا ہے اس پیغمبر اسلام اس نبی امی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگذشت ہے

جس کی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہیں آئی تھی رام کیا اور اس درجہ تک پہنچایا اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا۔ اس وقت بھی وہی نبی امی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان خدا کو کلمہ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہیں۔

اگر انصاف کرو تو آپ کے حسن واخلاق کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نہ کہیں کے بادشاہ تھے نہ بادشاہ کے گھرانے میں سے تھے۔ نہ کوئی مال ودولت آپ نے جمع کر رکھا تھا نہ باپ دادا نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا۔ نہ آپ کے پاس تنخواہ دار فوج تھی نہ اہل وطن آپ کے ہمراہ تھے نہ قبیلہ والوں کو آپ سے ہمدردی تھی ایسی بے کسی وبے بسی کی حالت میں آپ نے تندخو گنواروں کو ایک صدائے ناموس سے مخاطب کیا جس سے بڑھ کر اس وقت ساری دنیا میں کوئی مہیب آواز نہ تھی اور نہ ایسی صدا دینے والے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی شخص ان کا دشمن اور بدخواہ سمجھا جاتا تھا یہ وہی لا الٰہ الا اللہ کی آواز تھی کہ جس نے دفعتاً تمام عرب میں تہلکہ ڈال دیا جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہو گیا اور جس کی چمک سے اس کفر اور جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوند گئی۔ گویا وہ ایک زور وشور کی ہوا تھی جس کے چلتے ہی شرک وبت پرستی کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب توحید ابر کے پردے سے باہر نکل آیا' یہ ابابیل رحمت کہ جس کی بوچھاڑ نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھیوں کے پرخچے اڑا دیئے اور خدا کے گھر کو ان کے زور سے بچا لیا۔

غرض یہ کہ ایک ایسے بے یار ومددگار نے ایسی سخت قوم کو ایسے ظلمت کے زمانہ میں ایسے اجنبی مضمون کی طرف ابھارا اور چند عرصہ میں ان سب کو ایسا مسخر اور گرویدہ بنا لیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں خون گرانے کے لئے تیار ہوئے۔ گھر بار کو ترک کر دیا زن وفرزند بگاڑ لی' مال ودولت کو سنگریزوں سے زیادہ حقیر سمجھا' اپنے بیگانے سے آمادہ جنگ وپیکار ہوئے کسی کو مارا اور کسی کے ہاتھ سے مارے گئے پھر دو چار روز کا ولولہ نہ تھا بلکہ آپ کے بعد بھی اس حالت پر استقلال کے ساتھ جمے رہے۔ یہاں تک کہ قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ دیئے' فارس وروم کو تہ وبالا کر دیا اور اس پر معاملات وشائستگی رہی کہ کسی لشکر نے سوائے مقابلہ جہاد کے کسی ایذا رسانی یا ہتک ناموس کو گوارا نہ کیا۔ یہ تسخیر خلائق بتایئے اس سے پہلے زمانے میں بھی کسی سے ظاہر ہوتی ہے اس پر بھی اگر یہ کوئی کہے کہ نہیں اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے تو فی

الواقع اس سے زیادہ کور چشم تنگدل متعصب کوئی نہیں ہو سکتا کاش کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو یہ لوگ حضرت عمرؓ سے پوچھتے اور وہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ ان کے سامنے بیان فرماتے یا سلمان فارسیؓ سے جا کر ان کی داستان سنتے یا عبداللہ بن سلام کی خدمت میں اپنا اعتراض پیش کرتے اور وہ ان کو اس کا جواب سمجھا دیتے۔

مگر یہ تو آپ کے اخلاق کی حالت تھی' باقی آپ کے علم وفہم کا سب سے بڑا نشان یہی ہے کہ آپ بذات خود امی محض جس ملک میں پیدا ہوئے جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گزاری علوم سے ایک لخت خالی' نہ وہاں علوم دینی کا پتہ' پھر اس پر ایسا دین' ایسے آئین' ایسی کتاب لاجواب اور ایسی ہدایت بینات لائے کہ آج تک بڑے بڑے حکماء اس کا جواب نہیں لا سکے بلکہ بڑے بڑے مدعیان عقل وتہذیب نے اس کی داد دی' قرآن جیسا زندہ اور علمی معجزہ کس پیغمبر کو دیا گیا جس کا مقابلہ کیا بہ اعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا بہ اعتبار علوم و معارف کے اور کیا بہ اعتبار تحریف وتبدیل سے محفوظ رہنے کے دنیا کی کوئی کتاب نہیں رہ سکتی اور نہ انشاءاللہ تعالیٰ رہ سکے گی۔

قرآن مجید کے حق میں ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ خود قرآن مجید تیرہ سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یعنی یہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھ دے مگر آج تک کسی کو حوصلہ نہ ہوا اور نہ ہوگا کہ اس کی ایک چھوٹی سی صورت کی مثال بھی پیش کر سکے۔ اب میں اس کے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنی عادات واخلاق میں تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ لائق تھے ایسے علوم کے بھی سارے مراتب آپ پر تمام کر دیئے گئے کیونکہ انبیاء صادقین میں نہ ایسا اعجاز علمی کسی کو دیا گیا نہ ان کے اتباع میں کسی نے ان علوم کے خوبصورت دریا بہائے جو اہل اسلام نے بہائے ہیں اور جب کہ صفت علم تمام ان صفات کی قائم ہے جو مربی عالم ہیں تو جس کا اعجاز علمی ہوگا گویا اس پر تمام کمالات علمی کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور اس کو ہمارے نزدیک تمام خاتم الانبیاء کہنا مناسب ہوگا اور چونکہ اس کا دین قیامت تک رہے گا اس لئے اس کی کتاب بھی قیامت تک باقی رہے گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ

خطبہ ماثورہ کے بعد فرمایا کہ

علماء نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی مختلف علامات لکھی ہیں قاضی عیاض رحمہ اللہ (محدث) فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کو ماسوئی پر ترجیح دیتا ہے یہی معنی محبت کے ہیں ورنہ محبت نہیں محض دعوئی محبت ہے۔

پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی علامات میں سب سے مہتم بالشان یہ ہے کہ آپ کا اقتداء کرے آپ کے طریقہ کو اختیار کرے اور آپ کے اقوال وافعال کی پیروی کرے آپ کے احکامات کی بجا آوری کرے اور آپ نے جن چیزوں سے روک دیا ہے ان سے پرہیز کرے خوشی میں رنج میں تنگی میں وسعت میں ہر حال میں آپ کے طریقے پر چلے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم.

ترجمہ:۔ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو تم میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں بڑے رحم والے ہیں۔

ایک ضروری تنبیہ

اس آزادی کے زمانے میں جہاں ہم مسلمانوں میں دین کے اور بہت سے امور میں کوتاہی اور آزادی کا رنگ ہے وہاں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی حق

شناسی اوران کے ادب واحترام میں بھی حد سے زیادہ کوتاہی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بعض دین سے بے پرواہ لوگ تو ان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگتے ہیں حالانکہ صحابہ کرام دین کی بنیاد ہیں دین کے اول پھیلانے والے ہیں۔ ان کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے ان پاک نفوس پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائیں کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دین حاصل کیا اور ہم لوگوں تک پہنچایا اس لئے اس خاتمہ میں قاضی عیاض کی شفاء کی ایک فصل کا مختصر ترجمہ جو اس کے مناسب ہے درج کرتا ہوں اور اسی بنا پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں داخل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اعزاز و اکرام کرنا اور ان کے حق پہنچاننا اور ان کا اتباع کرنا اور ان کی تعریف کرنا اور ان کے لئے استغفار اور دعائے مغفرت کرنا اور ان کے آپس کے اختلافات میں لب کشائی نہ کرنا اور مورخین، شیعہ، بدعتی اور جاہل راویوں کی ان خبروں سے اعراض کرنا جو ان حضرات کی شان میں نقص پیدا کرنے والی ہوں اور اس نوع کی کوئی روایت اگر سننے میں آئے تو اس کی کوئی اچھی تاویل کرے اور کوئی اچھا محمل تجویز کرے کہ وہ اس کے مستحق ہیں اور ان حضرات کو برائی سے یاد نہ کرے بلکہ ان کی خوبیاں اور ان کے فضائل بیان کرے اور عیب کی باتوں سے سکوت کرے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میرے صحابہ کا ذکر کرو (یعنی برا ذکر) تو سکوت کیا کرو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت وارد ہیں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا سیماهم فی وجوههم من اثر السجود ذلک مثلهم فی التوراة ومثلهم فی الانجیل. کزرع اخرج شطأه فازره فاستغلظ فاستویٰ علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار وعداللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت منهم مغفرة واجراً عظیماً. (سورہ الفتح)

(ترجمہ) ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان اور اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کرنے والے ہیں کبھی سجدہ کرنے والے ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی عبدیت کے آچار بوجہ تاثیر ان کے سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ ان کے اوصاف تورات میں ہیں اور انجیل میں ان کی مثال یہ ذکر کی ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اول اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا (یعنی وہ کھیتی موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوئی کہ کسانوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگی) (اسی طرح صحابہ میں اول ضعف تھا پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو اس لئے یہ نشوونما دیا) تاکہ ان کافروں کو حسد میں جلادے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

یہ ترجمہ اس صورت میں ہے تو راۃ بر آیت ہو اور آیت کے فرق سے ترجمہ میں فرق ہو جائے گا جو تفاسیر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس سورۃ میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبا یعوندک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحا قریباً و مغانم کثیرۃ یاخذونھا و کان اللہ عزیزاً حکیماً.

(ترجمہ) تحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے (جو کہ آپ کے ہمسفر ہیں) خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (اخلاص وعزم) تھا اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اطمینان پیدا کر دیا تھا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی (مراد اس سے فتح خیبر ہے جو اس کے قریب ہی ہوئی) اور بہت سی غنیمتیں بھی دیں اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

یہ ہی وہ بیعت ہے جس کو بیعت الشجرۃ کہا جاتا ہے صحابہ کے بارے میں ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

رجال صدقوا ماعاهدوا اللہ علیہ فمنھم من قضٰی نحبہ ومنھم من ینتظر و مابدلوا تبدیلاً.

ترجمہ۔ ان مومنین میں ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے ہیں پھر ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں (یعنی شہید ہو چکے ہیں) اور بعض ان میں اس کے مشتاق و منتظر ہیں (ابھی شہید نہیں ہوئے) اور اپنے ارادہ میں کوئی تغیر و تبدیل نہیں کیا۔

والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعدلھم جنت تجری تحتھا الانھر خلدین فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم. (پ ۱۱ سورۃ التوبۃ)

اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں سب امت سے) مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے صحابہ کی تعریف اور ان سے خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے اسی طرح احادیث میں بھی بہت کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کا اقتداء کیا کرو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ "میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کا اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے محدثین کو اس حدیث میں کلام ہے اور اسی وجہ سے قاضی عیاض پر اس کے ذکر کرنے میں اعتراض ہے مگر ملا علی قاری۔ (حنفی محدث) نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ تعدد طرق کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل اعتبار ہو یا فضائل میں ہونے کی وجہ سے ذکر کیا ہو (کیونکہ فضائل میں معمولی ضعف کی روایتیں ذکر کر دی جاتی ہیں) حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہو سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو ان کو ملامت

کا نشانہ نہ بناؤ جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھتا ہے۔ جو شخص ان کو اذیت دے اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آ جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو گالیاں نہ دیا کرو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص احد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے صحابہ کے ایک مد یا آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص صحابہ کو گالیاں دے اس پر اللہ کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ کو چھانٹا ہے اور ان میں سے چار کو ممتاز کیا ہے۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی ان کو میرے صحابہ سے افضل قرار دیا ہے۔ ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ جس شخص نے ابوبکر سے محبت کی اس نے دین کو سیدھا کیا اور جس نے عمر سے محبت کی اس نے دین کے واضح راستے کو پالیا اور جس نے عثمان غنی سے محبت کی وہ اللہ کے نور کے ساتھ منور ہوا اور جس نے علی سے محبت کی اس نے دین کی مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو صحابہ کی تعریف کرتا ہے وہ نفاق سے بری ہے اور جو صحابہ کی بے ادبی کرتا ہے وہ بدعتی، منافق، سنت کا مخالف ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا کوئی عمل قبول نہ ہو یہاں تک ان سب کو محبوب رکھے اور ان کی طرف سے دل صاف ہو۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے لوگو میں ابوبکر سے خوش ہوں تم لوگ بھی ان کا مرتبہ جانو۔ میں عمر سے، عثمان سے علی سے، طلحہ سے، زبیر سے، سعد سے، عبدالرحمٰن بن عوف سے، ابوعبیدہ سے خوش ہوں، تم لوگ ان کا مرتبہ جانو۔ اے لوگو! اللہ جل شانہ نے بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی اور حدیبیہ کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی مغفرت فرما دی۔ تم میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت کیا کرو اور ان لوگوں کے بارے میں جن کی بیٹیاں میرے نکاح میں ہیں یا میری بیٹیاں ان کے نکاح میں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ قیامت میں تم سے کسی قسم کے ظلم کا مطالبہ کریں کہ وہ معاف نہیں کیا جائے گا ایک جگہ ارشاد ہے کہ میرے صحابہ اور میرے

دامادوں میں رعایت کیا کرو۔ جو شخص ان کے بارے میں میری رعایت کرے گا اللہ تعالیٰ جل شانہ دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت فرمائیں گے اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بری ہیں اور جس سے اللہ تعالیٰ بری ہیں کیا بعید ہے کہ کسی گرفت میں آ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص صحابہ کے بارے میں میری رعایت کرے گا میں قیامت کے دن اس کا محافظ بنوں گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت رکھے گا وہ میرے حوض کوثر کو پہنچ سکے گا اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا وہ میرے پاس حوض تک نہیں پہنچ سکے گا اور مجھے دور ہی سے دیکھے گا سہل بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہ کرے وہ حضور پر ایمان نہیں لایا۔

اللہ جل شانہ اپنے لطف و فضل سے اپنی گرفت سے اور اپنے محبوب کے عتاب سے مجھ کو اور میرے دوستوں کو اور میرے محسنوں کو اور ملنے والوں کو، میرے مشائخ کو میرے تلامذہ کو اور سب مومنین کو محفوظ رکھے اور ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھر دے۔

آمین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

والصلٰوۃ والسلام الاتمان الاکملان

علٰی سید المرسلین وعلی آلہ

واصحابہ الطیبین الطاھرین

وعلٰی اتباع واتباعھم

حملہ الدین

المتین

ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یایھاالذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیماً

اس آیت کریمہ کے متعلق جو مضمون بیان کرنا ہے اس کے قبل ایک تمہیدی مضمون عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تا کہ پھر آیت کے مضمون کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ ہمیشہ بادشاہ کی نظر انتخاب کسی عالی اوصاف (بلند اخلاق) ہی پر پڑا کرتی ہے وہ جس کو اپنا مقرب بناتا ہے ضرور اس میں کچھ ایسے اوصاف وکمالات اور محامد ومحاسن کے فطری جوہر موجود ہوتے ہیں جنہیں بادشاہ کی نظر انتخاب پرکھ لیتی ہے اور انہیں اوصاف کی وجہ سے اس کو بادشاہ اپنے قرب خاص سے نوازتا ہے پھر وہ صاحب اوصاف قرب خاص کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ بادشاہ کا محرم راز (رازدار) ہو جاتا ہے شاہی احکام وفرامین کو پوری طرح ٹھیک سمجھ لیتا ہے ہر حکم کی غرض وغایت اور اس کے حدود بادشاہ کے اشارہ کنائے اس کی مرضی اور نا مرضی کو بخوبی جان لیتا ہے پھر دوسرے لوگ جب بادشاہ کا اس درجہ قرب اس کے ساتھ دیکھتے ہیں تو بادشاہ کے مقرب خاص ہونے کی وجہ سے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کی عظمت، قدر ومنزلت قائم ہو جاتی ہے۔

بادشاہ جو احکام اس کے ذریعہ اپنی رعایا کو پہنچاتا ہے ان میں اس کی پوری اتباع کرتے ہیں اور بادشاہ کا مقرب بننے کے لئے اس کو نمونہ بنا کر ہو بہو اس کی نقل کرتے ہیں اور جن اوصاف کی وجہ سے وہ بادشاہ کا مقرب بنا ہے انہیں اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے میں پوری کوشش صرف کرتے ہیں تا کہ وہ بھی اس کی اتباع کر کے بادشاہ کا قرب حاصل کر لیں یہ ایک تمدنی، فطری وعقلی دستور ہے جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے اور پورا عالم انسانیت بلا تفریق مذہب وملت اس کو تسلیم کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہے۔

یہ حال تو دنیوی بادشاہوں کے مقربین کے ساتھ محبت وعظمت اور اتباع وطاعت کا

ہے جب کہ نہ ان بادشاہوں کا علم کامل اور نہ ان کی قدرت کامل نہ وہ اپنے احکام وفرامین کے نفاذ میں مستقل اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے علم کے ناقص ہونے کی وجہ سے اپنے ایک دشمن اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے علم کے ناقص ہونے کی وجہ سے اپنے ایک دشمن کو اپنا خیر خواہ سمجھ لیں غیر مخلص ان کی نظروں میں سما جائے ظاہری فریب کاری سے دھوکہ کھا جائیں اور نہ ان کی قدرت نفاذ کامل اس لئے ممکن ہے کہ بادشاہ جانتا بھی ہو کہ فلاں شخص جو ہمارے قرب کا مقام پائے ہوئے ہے وہ میرا حقیقی خیر خواہ نہیں ہے مگر کسی سیاسی مصلحت کے دباؤ کی وجہ سے باوجود جاننے کے اس کو اپنے سے علیحدہ کرنے پر قادر نہ ہو۔

لیکن حق تعالیٰ (جل شانہ وعز برھانہ) کی شان اس سے بلند وبالا ہے، وہ شہنشاہ حقیقی علیم وخبیر ہے قادر مطلق ہے جس کا علم اور قدرت جمیع کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے وہ لوگوں کے مخفی راز پتھروں کے اندرونی ذرات سمندروں کی تہہ کے اندر ایک چھوٹے سے چھوٹے جانور کو بھی اسی طرح جانتا ہے جس طرح سورج کو نصف النہار کے وقت جانتا ہے۔ اس کا علم ماضی، حال، مستقبل سب کو یکساں اور محیط ہے اس کی قدرت ایسی کامل کہ تمام عالم کائنات کو ایک حکم سے فنا کردے (چو سلطان عزت علم در کشد جہاں سر بجیب عدم در کشد، ترجمہ جب عزت والا بادشاہ جھنڈا بلند کرتا ہے تو تمام جہاں فنا کے گریبان میں سر کھینچتا ہے یعنی فنا ہو جاتا ہے) اور پھر بلا شرکت غیر اسی طرح ایک حکم سے دوبارہ پیدا کردے۔

وہ شہنشاہ حقیقی عالم الغیب والشہادۃ جب کسی کو منتخب فرما کر اپنا مقرب بنائے گا اور اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان پیغامبری کے منصب جلیل پر فائز کرے گا تو ضروری ہے کہ وہ واقعی بڑے اوصاف جمیلہ، کمالات جلیلہ اور محامد ومحاسن جزیلہ (بڑے) کا حامل ہوگا جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خاص مقرب بندہ بنایا ہے۔

جب یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوگئی تو اب سمجھئے کہ ذات باری تعالیٰ نے سرور کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع کائنات پر افضلیت کا مقام عطا فرما کر اپنے قرب کے اخص الخاص مقام عبدیت پر سرفراز فرمایا ہے جو جمیع مراتب قرب پر فوقیت رکھتا ہے اسی لئے دعوت معراج میں حق تعالیٰ نے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد فرما کر دعوت دی۔

معلوم ہوا کہ عبدیت کا مقام سب سے اعلیٰ مقام ہے تو ضروری ہے کہ آپ کے کمالات بھی جمیع مخلوقات پر فوقیت رکھنے والے ہوں جن کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فضیلت اور قرب کا شرف عطا فرمایا۔

چنانچہ جب ہم آپ کے کمالات اور محاسن کو دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ واقعی آپ اپنے کمالات میں جمیع مخلوق پر فائق ہیں اور آپ کے وہ کمالات مخفی نہیں بلکہ اظہر من الشمس ہیں جنہیں دوست اور دشمن سب جانتے ہیں ایسا نہیں کہ آپ کے کمالات کو کسی جماعت نے صرف معتقد بن کر دنیا میں مشہور کر دیا ہو بلکہ واقعی طور پر آپ کے کمالات کو دنیا نے دیکھ برت کر تسلیم کیا ہے۔

الصادق الامین کا لقب کسی مخصوص معتقدین کی جماعت کا دیا ہوا نہیں تھا' عامۃ الخلائق نے اپنے پورے تجربہ کی کسوٹی پر رکھ کر مدتوں دیکھ بھال کر آپ کو یہ لقب دیا تھا آپ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک غیر مسلموں نے کمالات کا اعتراف کیا اور مستقل کتابیں آپ کے کمالات لانہایۃ پر لکھیں۔

یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ہے کہ آپ کے تمام محیر العقول (عقلوں کو حیرت میں ڈالنے والے) کارنامے حیرت انگیز کمالات اور فوق العادت (خلاف عادت) اوصاف من حیث الرسول تھے۔ (رسول ہونے کے اعتبار سے)

ایسا نہیں تھا جیسا کہ بعض کوتاہ فہم (کم فہم) حضرات نے سمجھ لیا کہ آپ بہت بڑے ریفارمر تھے۔ یا ہمدرد قوم اور ایک مدبر لیڈر تھے اور بحیثیت ایک ریفارمر اور لیڈر قوم ہونے کے آپ نے یہ انقلاب عظیم برپا فرمایا اور اپنی پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ قوم کو نہایت خوب صورتی کے ساتھ باہمی اتحاد و اتفاق پیدا کر کے ایک اونچے مقام انسانیت پر لے گئے۔

اب میں ایسا سمجھنے والے حضرات سے پوچھتا ہوں کہ اس دنیا میں ہزاروں ریفارمر لاکھوں لیڈر اور ہمدرد قوم پیدا ہوئے ہیں اگر آپ کے یہ تمام حیرت انگیز کارنامے تمہارے نزدیک محض ایک ریفارمر کے کارنامے تھے تو تم دنیا والوں کی زندگی سے زیادہ نہیں تو دو چار ہی ایسی مثالیں پیش کرو جنہوں نے ایسا ہمہ گیر انقلاب برپا کر کے ایک ظاہری تہذیب و تمدن علم و اخلاق سے

عاری اور تمام جرائم کی عادی قوم کو اتنی سی مدت میں ایسا معلم الاخلاق، عادل و نرم دل، بامروت، خوش خلق اور ایثار شعار، بہترین مدبر حکمراں، علوم و حکم کا علمبردار بنا دیا ہو جن کے نام سے ایک طرف دنیا کی عظیم طاقتیں لرزتی ہوں اور دوسری طرف وہ راتوں کو مخلوق خدا کی خدمت کرتے ہیں اور رات کو مدینہ کی ایک بڑھیا کا سارا کام کر جانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہوں۔

کیا نہیں معلوم! مدینہ میں ایک نابینا اپاہج بڑھیا تھی حضرت عمرؓ اس کے گھر کا کام کاج کر جایا کرتے تھے، ایک دن جا کر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس بڑھیا کا کام تو کسی نے ان سے بھی پہلے کر دیا ہے۔ بالآخر ٹوہ میں بیٹھ کر پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ جو شخص ان سے پہلے اس بڑھیا کے گھر کا کام کر جاتے ہیں وہ تو خلیفہ وقت حضرت صدیق اکبر ہیں، کیا دنیا کی تاریخ ایسے حکمرانوں کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟ کیا ایسا انقلاب بھی کسی ریفارمر نے کیا ہے کہ جو لوگ پہلے لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا فخر سمجھتے تھے اب وہ ان کی پرورش کرنے کو باعث فخر سمجھنے لگے، دنیا جب سے بسی ہے آج تک اس میں بڑے بڑے بادشاہ فاتح و حکمراں عقلمندوں فیلسوف زماں، ریفارمر و لیڈر پیدا ہوئے ہیں مگر تاریخ جواب دے کہ تاجدار مدینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتوں کے سوا اس کے سفینہ میں کیا ایسے مصلحین کے کچھ نمونے ہیں کہ جن کی اصلاح سے ایسی جاہل قوم ایسی امت عادلہ، بے عدیل، بے مثال، بامروت، صاحب ایثار بن گئی ہو۔

بیشک دنیا کی تاریخ میں ایسے بادشاہوں کے بیشمار واقعات ملیں گے جنہوں نے ملکوں کو فتح کیا، بلند و بالا قلعے تعمیر کئے اور ان پر اپنی فتح کے جھنڈے نصب کر دیئے مگر کیا دنیا میں کوئی ایسا بھی فاتح گزرا ہے جس نے ملکوں کو فتح کرنے سے پہلے دلوں کو فتح کیا اور جس نے قلعوں اور محلات کو تعمیر کرنے کے بجائے سیرت و کردار کی تعمیر کی ہو اور رحماء بینهم کی صفت والی بااتحاد باتفاق باایثار جماعت بنا دی ہو کہ ان کے اتحاد و اتفاق کا ان کے انصاف و عدل کا اثر بھیڑیئے اور بھیڑ پر بھی ایسا ہو کہ دونوں بھیڑ اور بھیڑیا ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہوں۔ (چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ ہے جن کو عادل و منصف ہونے کی وجہ سے عمر ثانی کہا جاتا ہے کہ آپ عدل و انصاف کا اثر حیوانات تک پر یہ تھا کہ آپ کے زمانہ سلطنت میں حقیقۃً بھیڑ اور بھیڑیا ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے اور بھیڑیا بھیڑ کو آنکھ اٹھا

کر نہیں دیکھتا تھا ایک مرتبہ ایک بزرگ نے دیکھا کہ ایک بھیڑیا نے بھیڑ کو پھاڑ ڈالا یہ دیکھ کر ان بزرگ کی زبان سے بے ساختہ نکلا مات عمر بن عبدالعزیز، عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوگیا چنانچہ تحقیق کی گئی تو واقعی اس حادثہ سے قبل ہی آپ کا انتقال ہوا تھا)

جب آپ ان حقائق وشواہد کی روشنی میں غور کریں گے تو لامحالہ اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کام یہ کارنامہ ہرگز کسی بادشاہ، لیڈر یا ریفارمر کا نہیں بلکہ ایک نبی مرسل موصوف بالرسالۃ کا تھا جس کے ہر کام میں تائید حق کارفرما تھی دنیا امن وسلامتی کی متلاشی ہے دنیا میں بڑے بڑے لیڈر اور ریفارمر ہوئے اور آج بھی موجود ہیں جو بزعم خود امن وسلامتی اور انسانوں کی اصلاح وترقی کے بڑے بڑے منصوبے باندھتے اور پیش کرتے ہیں مگر انصاف سے بتلایئے کیا یہ لوگ ذرہ برابر بھی دنیا میں بسنے والے انسانوں کو سکون قلب اور امن و اطمینان سلامتی وایمانداری کی دولت دے سکے؟ کیا ان کی تجاویز اور تعلیمات خود ان کے اپنے نفسوں کی بھی اصلاح کرسکی؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو آپ کو یہ باور کرنا ہوگا کہ یہ انقلاب عظیم ایک نبی امی **فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم** ہی کا تھا جس کی تعلیم کی برکت سے پورے عالم انسانیت کو الفت، اخوت، امن واطمینان کی دولت نصیب ہوئی جس کی تعلیم سے جہالت ختم ہوئی اور نور ایمان سے قلب جگمگا اٹھے۔ جو قبائل پہلے مدتوں سے باہم برسرپیکار تھے وہ شیر وشکر ہوگئے، ٹوٹے ہوئے دل پھر مل گئے۔ شر وفساد ظلم وسفاکیت (خون ریزی) ختم ہوگئی اور اس کی جگہ امن وسلامتی، عدل وانصاف، رحم وشفقت کے اوصاف پیدا ہوگئے یہ سب واقعات وحالات شہادت دے رہے ہیں کہ ایسا عجیب وغریب تمدن باحسن (عمدہ) کسی ریفارمر سے صادر تو کیا ہو خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتا۔ یہ کام صرف اسی کا ہوسکتا ہے جس کو پروردگار عالم نے رحمۃ للعالمین بشیر ونذیر اور سراج منیر (روشن چراغ) بنا کر تمام دنیا کے انسانوں کے پاس بھیجا تھا، جس کے سامنے چھوت چھات، تعصبانہ مسئلہ نہ تھا تمام انسان برابر تھے جس کے نزدیک عرب وعجم کالے اور گورے، وطنی وغیر وطنی، امیر وغریب کی کوئی تقسیم نہیں تھی۔

وہ ایسی ذات تھی جو صاف تمام انسانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ جمیع عالم کائنات کے لئے

رحمۃ للعالمین تھی اور انسانوں اور جنات کے لئے نبی، مرسل، رسول بنا کر مبعوث فرمائی گئی تھی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ نعوذ باللہ آپ محض ایک ہمدرد قوم لیڈر یا کامیاب ریفارمر تھے، حقائق سے چشم پوشی اور ظلم عظیم ہے درحقیقت یہ آپ کی تعریف نہیں بلکہ آپ کے اوپر ایک افتراء اور بہتان عظیم ہے۔

ذرا غور کیجئے! کہ کتنی تحریکیں ہیں جو پیدا ہوتی ہیں اور ختم ہو جاتی ہیں، کتنے منصوبے ہیں جو نامساعد (ناموافق) حالات سے دوچار ہو کر خاک میں مل جاتے ہیں کتنے لیڈر ہیں جو اپنی تحریک کو مٹتے ہوئے دیکھ کر شکست خوردہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے جیتے جی ہی بے نام و نشان ہو جاتے ہیں اور بہت جلد دنیا پر ان کا دجل وفریب (مکر) آشکارا ہو جاتا ہے، ابھی قریب کے زمانہ کی مثال موجود ہے کہ ایک شخص نے دعوائے نبوت کیا اور بہت سے لغویات واباطیل کا مدعی ہوا، کبھی کہا کہ مجھ پر وحی آئی ہے کہ فلاں عورت سے میرا نکاح ہوگا وغیرہ ذلک، مگر دنیا نے دیکھا کہ اس کے سب دعوے باطل اور فریب تھے نبوت اور کذب کا جمع ہونا محال عقلی ہے۔

ان سب جھوٹے مدعیوں، لیڈروں، بادشاہوں اور ریفارمروں کے حالات کے بعد اب آپ ایک نظر نبی الصادق الامین کے حالات پر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ نے ابتداء نبوت میں جو اعلان فرمایا تھا، کوہ صفا پر جو آپ نے قوم کے سامنے دعوت پیش کی تھی تاحیات آپ اسی پر قائم رہے، زندگی میں کتنے حوصلہ شکن واقعات پیش آئے اگر آپ محض لیڈر یا ریفارمر ہوتے اور تائید حق آپ کے ساتھ نہ ہوتی اور آپ کو اپنے نبی مرسل ہونے کا حق الیقین نہ ہوتا تو حالات بتلا رہے ہیں کہ آپ کو تھک کر بیٹھ جانا چاہئے تھا بتلایئے آخر وہ کونسی قوت تھی وہ کونسا وصف تھا جو آپ کو تنہا یا بمعیۃ زیدؓ طائف لے گیا اور پتھروں کی بارش میں آپ نے اعلان حق فرمایا وہ کونسی قوت تھی جس نے جنگ بدر میں بے سروسامانی کے باوجود آپ کو ایک ایسے لشکر جرار کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا جو ہر طرح کیل کانٹوں سے لیس تھا وہ کونسی طاقت تھی جو آپ سے غزوۂ خندق کے ایسے نازک ترین موقعہ پر جب کہ خود مسلمانوں کی جانیں نرغے میں آ چکی تھیں، پورے وثوق کے ساتھ یہ اعلان کرا رہی تھی کہ ملک شام وفارس اور یمن فتح ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آ دیں گے وہ کونسی دوربین تھی جس کے ذریعہ آپ گہری خندق میں کھڑے ہو کر ان ممالک کے محلات کو دیکھ رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کی

فتح ہونے کی بشارت سنا رہے تھے وہ کونسی صداقت تھی جس کی بناء پر آپ غزوۂ حنین میں چند جاں نثاروں کے ساتھ کفار کے لشکر کے مقابلہ میں ڈٹ جاتے ہیں اور اعلان فرماتے ہیں۔

انا النبی لاکذب، انا ابن عبدالمطلب. کہ میں سچا رسول ہوں اس میں ذرہ برابر جھوٹ نہیں اور بڑے بہادر و دلیر صاحب شرف و عظمت خاندان عبدالمطلب کا چشم و چراغ ہوں۔

غور تو کرو! وہ کون سا اعتماد، کونسا توکل تھا جس کی بناء پر ہجرت کے موقع پر جب کہ آپؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ غار ثور میں چھپے ہوئے ہیں اور دشمن غار ثور کے دہانے پر بالکل اتنے قریب آجاتے ہیں کہ اگر وہ اپنے پیروں کی طرف نظر کرلیں تو آپ کو دیکھ لیں ایسے موقعہ پر عین اس وقت جب موت بالکل سر پر کھڑی ہے، آپ اپنے ساتھی ابوبکر صدیق سے پورے اعتماد و توکل کے ساتھ بلا کسی گھبراہٹ کے فرماتے ہیں۔

لاتحزن ان اللہ معنا گھبراؤ مت اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔

جو لوگ آپ کو محض ریفارمر یا لیڈر کہتے ہیں وہ بتلائیں کہ کہیں دنیا کے لیڈروں کے بھی ایسے حالات ہوا کرتے ہیں؟ کیا وہ بھی اس طرح ایسی غیب کی خبریں بتلایا کرتے ہیں کہ سب صحیح ثابت ہوں؟ کیا وہ بھی شام و روم و یمن کے محلات کو خندق کے اندر کھڑے ہوکر دیکھتے ہیں؟ کیا وہ بھی چاند کے دو ٹکڑے کرسکتے ہیں؟ کیا وہ بھی ایسا کلام پیش کرسکتے ہیں جیسا کہ امی محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا جس کی ایک سطر کے مثل بھی دنیا کے اولین و آخرین مل کر نہ لاسکیں فصاحت و بلاغت کے علاوہ ہزاروں برس قبل کے واقعات نقل فرمائیں اور کتب سابقہ کے مطابق پائیں۔

جب ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ محیر العقول کارنامے اور حیرت انگیز کمالات اور فوق العادت اوصاف، آپ کے لیڈر یا ریفارمر ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ بحیثیت رسول ہونے کے تھے جس میں کسی سلیم الفطرت و صاحب عقل صحیح کو ذرہ برابر بھی انکار یا تامل و تاویل کی گنجائش نہیں نکل سکتی، صاحبو! آپ کی شخصیت ایک تاریخی شخصیت ہے تاریخی حیثیت سے بھی آپ کا نبی ہونا ناقابل انکار طریق پر بتواتر ثابت ہے۔

کیا نہیں معلوم کہ آپ رسالت مآب کی صداقت رسالت کی شہادت کا اعلان، بلند

آوازی کے ساتھ دن رات میں پانچ مرتبہ۔ پوری دنیا کے گوشہ گوشہ میں ملک در ملک شہر در شہر قریہ در قریہ، چودہ سو سال سے لے کر آج تک برابر اذان میں کیا جا رہا ہے۔ جہاں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ ہے وہیں اشھد ان محمداً رسول اللہ بھی ہے۔ اللہ کی توحید اور آپ کی رسالت ساتھ ساتھ ہے کہ بدوں تسلیم رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق توحید بھی عند اللہ تسلیم و قبول نہیں۔

جب آپؐ ایسے صاحب رسالت اور با کمالات ہیں کہ دوست و دشمن سب نے آپ کے ان کمالات کا اعتراف کیا ہے اور انہیں کمالات و محامد اور اوصاف و محاسن کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کو ایسا مقام قرب حاصل ہوا ہے جو تمام مخلوقات میں سے کسی کو حاصل نہیں، تو ضروری ہے کہ ہم آپ کے ان اوصاف و محامد کا تذکرہ کریں اور انہیں معلوم کریں کہ وہ کیا اوصاف عالیہ تھے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا منتخب، مصطفیٰ مجتبیٰ بندہ نبی آخر الزماں اور رسول بنایا۔ تاکہ آپؐ کے ان اوصاف کو سن کر ہمارے قلوب آپ کی محبت اور عظمت سے لبریز ہوں اور آپ کی اس سچی محبت و عظمت کا یہ تقاضا ہو کہ ہم آپ کی کامل اطاعت کریں تاکہ آپ کی اطاعت کر کے ہم اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے بن جائیں، مقرب و محبوب ہو جائیں کیونکہ بندوں کا محبوب خدا بننا منحصر و موقوف ہی ہے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع و اطاعت پر ارشاد خداوندی یہی ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اور

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جس نے رسول کا کہنا مانا اس نے اللہ کا کہنا مانا۔

اس تمہید کے بعد اب اصل مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں جو آیت کریمہ ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً میں نے شروع میں تلاوت کی تھی اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ آپ کی طرف توجہ خاص فرماتے ہیں اور فرشتے آپ کی طرف اللہ کی اس توجہ خاص کی تمنا اور درخواست کرتے رہتے ہیں سوائے ایمان والو تم بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ آپ کی طرف ہوتے رہنے کی

برابر درخواست کرتے رہو کہ اس میں تمہارا بہت بڑا نفع ہے، چونکہ اس طرح تم پر بھی اللہ تعالیٰ کی توجہ خاص ہوتی رہے گی جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص (مسلمان) مجھ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ وسلام بھیجے گا حق تعالیٰ اس پر دس بار صلوٰۃ وسلام بھیجے گا۔

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حق بیان فرمائے ہیں ایک محبت دوسرا عظمت، تیسرا اطاعت اور یہ تینوں حقوق ایسے ہیں کہ اگر ان کو حق تعالیٰ بیان بھی نہ فرماتے تب بھی فطری و عقلی تقاضہ سے ہمارے اوپر لازم تھا کہ ہم آپ کے ساتھ محبت و عظمت و اطاعت کا معاملہ رکھتے کیونکہ کسی سے محبت کرنے کی تین ہی وجہ ہوسکتی ہیں ایک جمال جیسے کسی صاحب جمال وخوبصورت خوبرو چیز سے محبت ہوتی ہے۔

دوسرے کمال جیسے عالم سے کمال علمی کے سبب اور شجاع سے کمال شجاعت کے سبب محبت ہوتی ہے اور کمال مقتضی عظمت کو بھی ہوتا ہے۔

تیسرے نوال یعنی عطاء اور احسان، جیسے اپنے محسن ومربی سے، اس کے احسان وانعام وداد ودہش کے سبب محبت ہوتی ہے اور یہ نوال مقتضی اطاعت بھی ہے۔

یہی تین چیزیں کسی سے محبت کرنے کا سبب ہوا کرتی ہیں اور جب یہ فطرت کا تقاضا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ تینوں وصف بدرجہ اتم واکمل پائے جاتے ہیں جسکی تفصیل یہ ہے کہ کمال کی چھ قسمیں ہیں کمال وجود کمال بصارت کمال علم کمال بصیرت وعقل کمال وجاہت کمال شجاعت ہر ایک کا الگ الگ بیان ملاحظہ فرمائیے۔

کمال وجود کا بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تمام خلائق ومخلوقات میں صفات خداوندی **هو الاول والاخر والظاهر والباطن** کا مظہر اتم ہے کہ آپ رحمت عالمین سب سے اول وجود میں آئے اور ظہور آپ کا سب سے آخر میں ہوا۔ ارشاد ہے **اول ما خلق الله نوری** تمام مخلوق سے اول آپ کا نور پیدا ہوا اور وہ نور قدرت الٰہی سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا، اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا نہ بہشت تھی نہ دوزخ نہ فرشتہ تھا نہ زمین وآسمان نہ

سورج تھا نہ چاند نہ جن تھا نہ انسان، پھر اس کے بعد اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے، ایک حصہ سے قلم ایک سے لوح ایک سے عرش پیدا کیا اور ایک سے باقی مخلوق۔

چنانچہ کتابوں میں تفصیل موجود ہے حتیٰ کہ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی خمیر ہی میں تھے۔ پتلا بھی نہ بنا تھا کہ آپ خاتم النبیین ہو چکے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس قبل میں اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا۔

جس وقت عالم میثاق میں اللہ تعالیٰ نے الست بربکم فرما کر اپنی ربوبیت کا عہد لیا تو آپ ہی کے اول اقرار بلیٰ سے سب نے فیض لیا اور یک زبان ہو کر سب نے بلیٰ کہہ کر ربوبیت حق کا اقرار ایمانی کیا۔

اللہ اللہ وجود موجودات میں بھی واسطہ اور حصول ایمان (ایمان ازلی اور پھر شرعی) میں بھی آپ واسطہ۔

حضرات! آپ ہی کا وہ فیض وجود نور تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں مامون رہے، اور یہی وہ نور تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نار نمرودی میں محفوظ رہے اور یہی وہ نور تھا جس کے سبب حضرت اسماعیل علیہ السلام پر چھری نہ چلی۔

غرض مقصود آپ کا ہی وجود تھا اور تمام عالم کا وجود میں آنا آپ ہی کے فیض سے ہے اس لئے تمام مخلوقات میں آپ اول المخلوقات بھی ہیں اور افضل المخلوقات بھی ہیں۔ آپ تمام اولین و آخرین میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مکرم ہیں زیادہ معظم ہیں جس وقت شب معراج میں براق لایا گیا اور وہ سوار ہونے کے وقت شوخی کرنے لگا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تو (حضرت رسول معظم) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایسا کرتا ہے جن سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی معظم نہیں، یہ سن کر براق شرم سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

جب آپؐ شب معراج میں بیت المقدس میں تشریف لائے اور نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو تمام انبیاء علیہ السلام آپ کے ہمراہ کھڑے ہو کر مقتدی بن کر نماز پڑھنے لگے اور فرشتے بھی مقتدی ہوئے معراج شریف آپؐ کی رفعت اور شرف و عظمت کے لئے ایک مستقل دلیل و سند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ملاقات وہمکلامی کے لئے خاص تزک و احتشام اور عجیب انداز و استقبال کے ساتھ شرف و اعزاز بخشا، راز و نیاز کی باتیں ہوئیں ملک آسمان

کی سیر کرائی جنت کے محلات بھی دکھلائے اور جیل خانہ دوزخ کو بھی نظر سے گزارا کہ شہنشاہ حقیقی مالک ہر دو عالم کے فضل و عدل کا بھی نظارہ ہو جائے چنانچہ آپ ایک مقام سے گزرے تو دیکھا کہ ان کے سر پتھر سے پھوڑے جا رہے ہیں اور جب کچل جاتے ہیں تو پھر اصلی حالت پر ہو جاتے ہیں اسی طرح برابر ہو رہا ہے۔ آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ جو فرض نماز سے روگردانی کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں۔ آپ آگے چلے ایک قوم پر گزر ہوا کہ ذرا سا چیتھڑا شرم گاہ پر باندھے ہوئے ہیں اور جانور کی طرح چر رہے ہیں اور زقوم اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کرتے، اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں پھر آگے چلے ایک قوم پر گزر ہوا جن کے پاس پکا ہوا گوشت رکھا ہوا ہے اور ایک ہانڈی میں کچا سڑا ہوا گوشت رکھا ہے وہ لوگ سڑے ہوئے کچے گوشت کو کھا رہے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ مرد ہیں جن کے حلال طیب بیوی ہو اور پھر غیر عورت کے پاس آویں اور یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے حلال طیب مرد کے پاس سے اٹھ کر غیر مرد کے پاس آویں۔ غرض چلتے رہے اور مختلف مناظر سامنے آتے رہے یہاں تک کہ ایک وحشت ناک آواز سنی اور بدبو محسوس ہوئی، آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ جہنم کی آواز ہے کہتی ہے کہ اے رب مجھے دوزخیوں سے بھرنے کا جو وعدہ ہے مجھ کو عطا فرما۔ کیونکہ میری زنجیریں اور طوق اور شعلے اور گرم پانی اور پیپ اور عذاب بہت کثرت کو پہنچ گئے اور میرا قعر بہت دراز اور گرمی بہت تیز ہو گئی۔ حق تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہوا کہ تیرے لئے تجویز کیا گیا ہے ہر مشرک، مشرکہ، کافر کافرہ ہر معاند جو یوم الحساب پر یقین نہیں کرتا دوزخ نے کہا میں راضی ہو گئی۔

اسی طرح سب واقعات دیکھتے سنتے رہے، ایک وادی پر گزر ہوا وہاں ایک پاکیزہ ٹھنڈی ہوا اور مشک کی خوشبو آئی اور ایک آواز سنی، آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ جنت کی آواز ہے، کہتی ہے کہ اے رب جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے مجھ کو عطا فرما،

کیونکہ میرے بالا خانے اور استبرق و حریر اور سندس و عبقری اور موتی و مرجان اور چاندی و سونا گلاس، طشتریاں، دست دار کوزے، مرکب یعنی سواریاں شہد و پانی اور دودھ اور خمر لطیف و پاک خوشبو دار بہت کثرت کو پہنچ گئے تو مجھے اہل جنت سے بھر دیجئے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تیرے لئے تجویز کیا گیا ہے ہر مسلم، مسلمہ مومن، مومنہ جو مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاوے اور میرے ساتھ شرک نہ کرے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور جو مجھ سے ڈرے گا، مامون رہے گا جو مجھ سے مانگے گا میں اس کو دوں گا جو مجھ کو قرض دے گا میں اس کو جزا دوں گا جو مجھ پر بھروسہ کرے گا میں اس کی کفالت کروں گا میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں وعدہ خلافی نہیں کرتا، بیشک مومنوں کو فلاح حاصل ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ **احسن الخالقین** ہے۔ بابرکت ہے جنت نے کہا کہ میں راضی ہو گئی۔

صاحبو! یہ بزرگی اور مرتبہ کسی دوسری مخلوق کو کہاں حاصل! یہ آنحضرتؐ کی عظمت پر کس درجہ واضح دلیل ہے، مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء پر فضیلت دی اور آسمان والوں یعنی فرشتوں پر بھی فضیلت دی، پھر قرآن پاک سے استدلال کیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء اور آسمان والوں (فرشتوں) پر فضیلت دی ہے، صحابہؓ نے عرض کیا اے ابن عباسؓ آسمان والوں پر کس چیز کے ساتھ فضیلت دی ہے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آسمان والوں کے لئے تو فرمایا ہے ''ان (فرشتوں) میں سے جو یہ کہے گا کہ میرے علاوہ بھی کوئی معبود ہے تو ہم ان کو جہنم کی سزا دیں گے ہم ظالمین کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں''۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے فرمایا ''ہم نے آپ کو کھلی فتح دی تاکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیں'' صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ کی انبیاء پر فضیلت کیا ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے (ہر نبی کے لئے) تو فرمایا کہ ہم نے ہر ایک رسول کو اس کی قوم کی زبان لے کر ہی بھیجا ہے تاکہ وہ نبی ان کے سامنے احکام بیان کرے پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا کہ ''ہم نے تو آپ کو تمام انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔'' تو آپ کو تمام انسان و جن

کی طرف مبعوث فرمایا ہے (مشکوٰۃ باب فضل سید المرسلین ص ۵۱۵)

شب معراج میں بیت المقدس میں انبیاء علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور سب نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد اپنے اپنے فضائل بیان کئے، آخر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کی نوبت آئی تو آپ نے رحمۃ للعالمین ہونا، تمام لوگوں کے لئے بشیر ونذیر ہونا بیان کیا اور یہ کہ مجھ پر قرآن نازل ہوا، جس میں ہر امر دینی ضروری کا بیان ہے خواہ صراحۃً خواہ اشارۃً اور میری امت کو بہترین امت بنایا کہ لوگوں کے نفع دین کے لئے پیدا کی گئی **قال اللہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس.** تم بہترین امت ہو لوگوں کی ہدایت کے لئے پیدا کی گئی ہو۔

میری امت کو امت عادلہ بنایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وجعلنکم امۃ وسطاً ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا ہے۔

میری امت مرتبہ میں اول ہے اور زمانہ میں آخر ہے اور اپنا خاتم النبیین ہونا بیان فرمایا۔

اس کو سن کر حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام انبیاء علیہم السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ بس ان فضائل کے سبب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سب سے بڑھ گئے۔

حدیث شریف میں ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے ایک بار اپنے کلام میں فرمایا کہ بنی اسرائیل کو خبر کر دیجئے کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منکر ہوگا، میں اس کو دوزخ میں داخل کروں گا خواہ کوئی ہو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ ارشاد ہوا، اے موسیٰ قسم ہے اپنے عزت وجلال کی! میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو ان سے زیادہ میرے نزدیک مکرم ہو میں نے ان کا نام عرش پر اپنے نام کے ساتھ آسمان و زمین اور شمس وقمر پیدا کرنے سے تیس لاکھ برس پہلے لکھا تھا۔ قسم ہے اپنی عزت وجلال کی جنت میری تمام مخلوق پر حرام ہے جب تک کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت اس میں پہلے داخل نہ ہو جاویں، پھر امت کے فضائل بیان فرمائے یہ سن کر حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام نے عرض کیا اے رب مجھ کو اسی امت کا نبی بنا دیجئے ارشاد ہوا کہ اس امت کا نبی اسی میں سے ہوگا عرض کیا مجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بنا دیجئے ارشاد ہوا کہ تم

پہلے ہو گئے وہ بعد میں ہو گی البتہ تم کو اور ان کو دار الجلال میں داخل کروں گا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی عرش پر لکھا دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا (رواہ الحاکم فی صحیحہ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام سے چوک ہو گئی تو انہوں نے جناب باری میں عرض کیا کہ اے رب میں آپ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری غلطی معاف فرما دیجئے اور مغفرت ہی کر دیجئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ میں نے ان کو ابھی پیدا نہیں کیا۔

عرض کیا اے رب! میں نے اس سے پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا اور اپنی شرف دی ہوئی روح میرے اندر پھونکی تو میں نے جو سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اس سے میں نے جان لیا کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ ایسے ہی کا نام ملایا ہو گا جو آپ کے نزدیک وہ تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے وسیلہ سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کر دی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ (رواہ الطبرانی والحاکم)

اللہ اکبر کیا خوب آپ کا مرتبہ ہے۔ جس وقت آدم علیہ السلام کا نکاح حواء علیھا السلام سے ہوا اور حواء علیھا السلام نے قربت کے وقت آدم علیہ السلام سے مہر طلب کیا تو آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ حواء (علیھا السلام) کو میں کیا مہر دوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم میرے حبیب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیس دفعہ درود پڑھو یہی مہر ہے انہوں نے ایسا ہی کیا۔

غرض حق تعالیٰ کے فرمان سے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اور انبیاء علیہم السلام کے بیان سے، صحابہؓ کے کلام سے تصریحاً اور امامت انبیاء علیہم السلام سے اور ختم نبوت و خیر امت سے دلالۃً آپ کا اول الخلائق اور افضل المخلوقات ہونا ثابت و محکم ہے۔

یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود جو کہ تمام خلق کا منبع و مصدر ہے۔

اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد وبارک وسلم
کما تحب و ترضیٰ عددما تحب و ترضیٰ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال علم

آپؐ کے کمال علم کا اس طرح بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص جس نے آپ سے فیض علم حاصل کیا ہو دیکھا جائے کہ اس کا زمانہ جاہلیت کس رنگ میں تھا پھر آپ کی تعلیم سے کس رنگ کے ساتھ جگمگایا اور اس سے کیسے کیسے علوم کی نہریں دریا سمندر بہے وہ انسان جو براعظم عرب میں جہالت بداخلاقی کے جس انتہائی شراروں میں گھر چکا تھا اس کا تصور کیجئے وہ شرک کی گندگی میں اس درجہ ملوث تھا کہ آج کا شرک‘ آج کی بت پرستی اس پر ہنستی ہے حضر کا بت اور تھا اور سفر کا بت اور تھا تین سو ساٹھ بت خود خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے جو اچھا صاف ستھرا پتھر نظر آتا اسی کو تراش کر بت گھڑ لیتے ناپاکی بے حیائی اور بے غیرتی قساوت قلبی (دل کی سختی) جنگ وجدل شراب نوشی اور اس کے لوازمات غرض کوئی عیب اور انسانیت سوز چلن ایسا نہ تھا جو ان میں نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے علم و اخلاق اور شرف ومجد کے اس اونچے منار پر پہنچا دیا کہ اس کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ بدو گاؤں والے جو شریعت کے ابجد اور الف‘ با‘ تا سے بھی ناواقف تھے اور وہ جاہل جو مبادیات انسانیت سے ناآشنا تھے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت سے امور جہانبانی کے ماہر ہو گئے اور اپنے زمانہ کی متمدن اقوام قیصر وکسریٰ کے تخت وتاج کے مالک بن گئے اور دین کے ساتھ دنیا کے علوم کی کلیدیں ان کے ہاتھ آ گئیں۔

انسانیت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر بلند کیا‘ اس کو عمر فاروقؓ کے ایک واقعہ سے غور فرمائیے کہ ایک روز عمرؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ایک پہاڑ کے دامن سے گزر کر اچانک کھڑے ہو گئے اور فرمایا **بخ بخ یا ابن الخطاب** اے خطاب کے بیٹے ٹھہر جا‘ ٹھہر جا تو جانتا ہے کہ تو کون ہے اور کیا تھا؟ تو وہ تھا جو اس پہاڑ کے دامن میں اونٹ چرایا کرتا تھا اور اونٹوں کا پیشاب تیرے گھٹنوں تک بہا کرتا تھا اور آج تو ہے کہ دین دنیا پر حکومت کر رہا ہے یہ صدقہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ ابن مسعودؓ کن یونیورسٹیوں میں پڑھے تھے کہ آج تک انسان ان کے علم و فضل کا لوہا مانتے ہیں یہ وہ قوم تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ان کا وطن عرب جہالت اور قوم پرستی کا گہوارہ بنا ہوا تھا، علم کا فقدان اپنی آخری حد پر پہنچ چکا تھا، عرب کے وسیع ملک میں بمشکل سترہ افراد ایسے تھے جن کو علم سے مناسبت تھی اور ان کو لکھنا پڑھنا آتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد آپؐ نے جو اسلام کا پیغام دیا، اس نے ان کی کایا پلٹ دی پھر وہی عرب کے بادیہ نشیں بکری اور اونٹوں کے چرواہے جن کو کل تک پڑھنے سے چڑ تھی اسلام کی ضیا پاشیوں کے بعد آج وہ علم و ہنر کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ صرف ایک ایک بات ایک ایک حدیث سننے کے لئے سینکڑوں ہزاروں میل کا سفر طے کرنا اور علم سیکھنے کے لئے ہزاروں مشقتیں و مصیبتیں برداشت کرنا ان کا ایک محبوب مشغلہ بن گیا، یہاں تک کہ جہاں جہالت کی تاریکی منڈلایا کرتی تھی وہاں آپ کی تعلیم کے بعد ایسے جلیل القدر علم و فن کے ماہرین پیدا ہوئے کہ رہتی دنیا تک ان کا نام علمی دنیا میں روشن و اجاگر رہے گا آج یورپ کو اپنی ایجادات، اپنے علوم، اپنی اختراعات اپنی سائنس اور ریسرچ پر ناز ہے لیکن اس حقیقت سے لوگ بہت کم آشنا ہیں کہ یورپ کے استاد اس سائنس اور ریسرچ کے اولین موجد اسلام کے وہ خادم اور وہ مجاہد ہیں جن کا سرمایہ زندگی اور فخر، علوم و معارف کی اشاعت تھا انہوں نے ہی دنیا کو ایسے علوم بخشے جن کی اس وقت دنیا کو ہوا بھی نہ لگی تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام یعنی معرفت توحید و صفات و افعال ذات حق جیسے مہتم بالشان فنون کے ساتھ ساتھ ان مسلمانوں نے علم رجال، تاریخ، ریسرچ اور ایجادات کے میدان میں جو کامیاب خدمات انجام دی ہیں وہ تا قیامت دوش انسانیت پر احسان عظیم ہیں علوم ملکی و پاسبانی، حفاظت سرحد، طریق سپہ گری فوجی نشیب و فراز، ملکی داخلہ اور ان کے ساتھ معاملہ و معاشرت کے اصول، دیوانی اور فوجداری کے قوانین، انتظام مسافرین، راستوں پر راہگیروں کی حفاظتی تنظیم، پولیس کا انتظام، خزانہ کے اندراجات و ضوابط، اس کی مدات آپس کی معاشرت کی تعلیم، اغیار کے ساتھ حسن سلوک کا طریق اور اس کے حدود، چوری، ڈاکہ، قتل، اغوا کے قوانین، نکاح، طلاق، خلع، مہر، نان، نفقہ، فسخ

کے قواعد، بیع صرف، بیع سلم وغیرہ اقسام بیوع، کفالت، وکالت، شہادت، ضمانت شراکت رہن وقف، ہبہ کے مفصل احکامات الگ تعلیم کیے۔

یہ بات خودستائی یا خود پسندی کی نہیں بلکہ تاریخ کی واضح حقیقت ہے جسے غیر مسلم مورخوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مشہور فرانسیسی مورخ ''گال لیام'' نے لکھا ہے کہ ٹھیک اس وقت جب کہ ساری مسیحی دنیا کا منہ کالا ہو رہا تھا اور شمال وسطیٰ اور مغربی یورپ کی قوموں کے مابین وحشیانہ جنگ آزمائی کا سلسلہ جاری تھا، دفعۃً پیغمبر اسلام کا ظہور اقدس ہوا، اور مسلمان علم وتہذیب وتمدن کے رہنما بن کر نمودار ہوئے۔

اس کے علاوہ فرنچ اکاڈمی کے صدر ''موسیو سیدیو'' نے اپنی تاریخ عرب میں لکھا ہے کہ عربوں نے ایجادات کے میدان میں قدم رکھا تو فن کیمسٹری باقاعدہ ایجاد کیا، گندھک اور پارہ نکالنے کی ترکیب دنیا کو بتائی، پانی کا تجزیہ وتحلیل اور دودھ پھاڑ کر طبی طریق کے مطابق استعمال کرکے ترکیب انہوں نے پیش کی الکحل کے جوہروں کا خمیر اٹھانے اور دوسری کیمیائی باتوں کا انکشاف ابوموسیٰ جعفری کی تالیفات سے ہوا، یہی نہیں بلکہ سرجری اور ڈاکٹری پیشوں کا استعمال محمد بن زکریا اندلسی نے ایجاد کیا۔ رازی نے چیچک اور خسرہ پر کتاب لکھی جو آج تک یورپ کے ڈاکٹروں کے سامنے ہوتی ہے۔ تشریح جو آج ڈاکٹری کی بنیاد ہے رازی نے ہی اس کی طرف توجہ دلائی اسپین کے عالم ابوالقاسم خلف ابن عباس فن جراحی اور سرجری کے اولین موجد تھے، یورپ کے اہل فن آپ کو لوتائیس کے نام سے پکارتے ہیں۔ انہوں نے سرجری کے آلات ایجاد کیے۔ ان کے استعمال کی ترکیب بھی بتائی۔ مثانہ کی پتھری نکالنے کے آپریشن کی جگہ انہوں نے ہی مقرر کی جس پر آج کے ڈاکٹر عمل کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ علم ہندسہ، حساب، الجبرا، مقابلہ اور روشنی نظر کی رفتار کے متعلق علوم وفنون کے اندر عربوں نے چار چاند اپنی ایجادات سے لگا دیئے۔

یہ میں نے علوم وفنون پر ایک اجمالی اور نہایت مختصر طریقہ پر روشنی ڈالی ہے اور اس میں میں نے آپ کو یہ بتایا ہے کہ وہ جاہل قوم اور وحشی عرب جو ظہور اسلام سے قبل جہالت اور بربادی، حیاسوز حرکات، اور بے غیرتی وخانہ جنگی کا گہوارہ اور سرچشمہ تھا۔ قبول اسلام کے

بعد اس نے علم و ہنر اور پاکیزہ اخلاق کو کس درجہ اپنایا اور کتنی عظیم الشان خدمات انجام دیں تاریخ اقوام میں کس قدر بلند مقام حاصل کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے صرف نماز، روزہ وغیرہ ہی نہیں بلکہ ایسی جامع اور مکمل تعلیم دی ہے کہ لوگ جہالت کی تاریکی کے بجائے علم و تحقیق کی روشنی میں بہتر زندگی اخلاق خانہ آبادی، اتحاد، امن عامہ، ملک گیری، ملک داری کی پرضیاء، پرفضاء، بہار کی زندگی بسر کریں۔

لیکن آہ! آج پھر وہی جہالت اور خونریزی، جنگ جوئی، وحشیانہ جنگ جاری ہے دوسروں کو کیا کہنا رونا اپنا ہے کہ جس علم نے اس وحشی قوم میں چار چاند لگا دیئے تھے آج ہم نے اس کو بھلا کر وہی حالت بنالی کہ آج ہم علم سے بے بہرہ ہنر مندی سے بھی محروم خانہ جنگی بھی ہمارا کام آپ مسلمان بستیوں کا جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ جہالت کی تاریکی ایسی بلا ہو کر چھائی ہوئی ہے کہ گویا ان مسلمانوں کی زندگی کا حاصل، قابل فخر سرمایہ جہالت ہی ہے مسلمانوں کی زندگی کا یہ طور بڑا ہی غمگین اور المناک ہے۔

اگر آپ کو اسلام سے الفت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو آپ کی تعلیمات کی طرف اپنی لاڈلی اولاد کو اپنی نئی نسلوں کو علم میں لگائیے۔ خاص کر اس دور میں اپنی اولاد کو اسی دین محمدی پر قائم رکھنا چاہئے جس پر نجات موقوف ہے اور جس پر عیش و امن موقوف ہے تو اس لازمی تعلیم زمانہ پر نہ رہئیے۔ مہلک اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے بجز اس کے کہ دینی تعلیم ہو اور کیا صورت ہے؟

عرب میں جو عیوب انسانیت سوز، چوپایوں اور درندوں جیسے تھے اس کا سبب بجز جہالت اور کیا تھا؟ پھر تعلیم اسلام سے آپ نے دیکھا کہ کیسے کامل انسانیت کے ہیرو ہوئے اتحاد ایسا، ایثار ایسا، محبت ایسی کہ **رحمآء بینھم** (آپس میں بہت رحم دلی رکھنے والے) کا لقب دیا گیا اور مدح کے طور پر ان کا قول حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ذکر فرمایا۔

انما نطعمکم لوجه الله لانرید منکم جزاء ولاشکوراً کھلاتے ہیں، ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لئے نہیں چاہتے تم سے بدلہ اور نہ شکریہ اور مروت، ہمدردی، تواضع، انکساری، فنائیت، عدل و انصاف، عفو و کرم، جود و سخا، بخشش و عطا کے وہ جوہر عالم کے سامنے

نمودار ہوئے کہ اس کا نمونہ رہتی دنیا تک دوسری کسی قوم میں ملنا محال ہے ان کی توحید کا یہ رنگ کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مصر کا دریائے نیل خشک ہو گیا جس سے اہل مصر بڑے پریشان ہوئے اہل مصر کا دستور تھا کہ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا تھا تو وہ لوگ ایک جوان کنواری لڑکی کو بناؤ سنگار کر کے دریائے نیل کی نذر کیا کرتے تھے حضرت عمرو بن العاصؓ والی مصر تھے اہل مصر کو اس رسم بد سے یہ فرما کر روک دیا کہ اسلام نے تمام جاہلی رسومات کو مٹا دیا ہے اور حضرت عمر بن الخطابؓ کو سارے واقعہ کی اطلاع فرمائی تو حضرت عمرؓ نے دریائے نیل کے نام خط تحریر فرمایا، جس میں تحریر فرمایا کہ یہ خط اللہ کے بندہ امیر المومنین عمر کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام ہے پس اے نیل اگر تو خود بخود جاری ہے تو جاری مت ہو۔ ہمیں تیری ضرورت نہیں اور اگر تو خدا کے حکم سے جاری ہوتا ہے تو میں خدائے واحد قہار سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری کر دے جب آپ کا یہ خط دریائے نیل میں ڈالا گیا تو دریا پہلے سے کہیں زیادہ بھرپور و لبریز جوش مار کر رواں دواں ہو گیا اور اس دن سے لے کر آج تک برابر جاری ہے درمیان میں کبھی بند نہیں ہوا۔

ان کے ایثار کا یہ حال کہ مہاجرین و انصار کے درمیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھائی چارہ فرما دیا تو انصاری بھائی نے اپنے مال و جائیداد کا آدھا حصہ اپنے مہاجر بھائی کی خدمت میں پیش کر دیا حتیٰ کہ حضرت سعید ابن الربیع انصاریؓ جن کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مہاجرؓ کا بھائی بنایا گیا تھا ان کی دو بیویاں تھیں تو انہوں نے اپنے بھائی عبدالرحمان بن عوف سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجئے مگر عبدالرحمٰن بن عوف نے احسان مندی کے ساتھ انکار فرما دیا۔

اسی طرح ابو جہمہ بن حذیفہؓ کہتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی کے موقع پر میں اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں نکلا، وہ لڑائی میں شریک تھے اور پانی کا مشکیزہ اپنے ساتھ لیا کہ ممکن ہے کہ وہ پیاسے ہوں تو میں ان کو پانی پلاؤں اتفاق سے وہ ان کو ایک جگہ ایسی حالت میں پڑے ہوئے ملے کہ جان کنی (جان نکالنا) شروع تھی دم توڑ رہے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ تم کو پانی کا گھونٹ دوں، انہوں نے اشارہ سے ہاں کہا، اتنے میں ایک دوسرے صاحب نے جو قریب ہی

پڑے تھے آہ کی اور وہ بھی مرنے کے قریب تھے، جب میرے چچازاد بھائی نے ان کی آواز سنی تو مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا، چنانچہ میں ان کے پاس پانی لے کر گیا، وہ ہشام ابن العاص تھے میں ان کے پاس ابھی بس پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ایک تیسرے صاحب نے جو اسی حالت میں دم توڑ رہے تھے آہ کی۔ ہشام نے مجھے ان کے پاس پانی لے جانے کا اشارہ کر دیا، میں ان کے پاس پانی لے کر پہنچا تو ان کا دم نکل چکا تھا۔ جب ہشام کے پاس واپس آیا تو وہ بھی واصل بحق ہو چکے تھے ان کے پاس سے جب میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس لوٹ کر آیا تو اتنے میں وہ بھی انتقال فرما چکے تھے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

یہ ایثار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے ان میں پیدا ہو گیا تھا۔ جن کا پیشہ لوٹ مار اور غارت گری تھا کیا کہیں تاریخ میں اس کی مثال مل سکتی ہے اسی طرح ان کے تمام اخلاق اور اوصاف کا حال تھا ان کے عدل و انصاف کا یہ عالم کہ ایک مسلمان منافق اور یہودی کا مقدمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا آپ نے اس کا فیصلہ یہودی کے حق میں فرما دیا، چونکہ یہودی حق بجانب تھا، جب یہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آ گئے تو مسلمان منافق نے یہ سمجھ کر کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کے حق میں بہت شدید ہیں لہٰذا امید ہے کہ وہ میرے حق میں فیصلہ کر دیں گے اس یہودی سے کہا کہ چلو حضرت عمرؓ سے فیصلہ کرا لیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ گو میں کافر ہوں اور یہ مسلمان ہیں مگر حضرت عمرؓ جانبداری بالکل نہیں برتیں گے فیصلہ بالکل عدل کے ساتھ فرمائیں گے چنانچہ دونوں حضرت عمرؓ کی خدمت میں گئے اور یہ واقعہ بیان کر دیا یہودی نے یہ بھی کہہ دیا کہ اس کا فیصلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا ہے انہوں نے پھر یہ کہا کہ چلو ہم عمرؓ سے فیصلہ کرائیں گے یہودی کے کہنے پر حضرت عمرؓ نے اس کی اس مسلمان منافق سے تصدیق کرائی کہ کیا واقعی یہودی سچ کہتا ہے اس نے اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا کہ ٹھہرو ابھی آ کر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں چنانچہ آپ اندر تشریف لے گئے اور تلوار لے کر نکلے اور اس مسلمان منافق کی گردن اڑا دی اور فرمایا کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو نہ مانے عمر کے ہاں اس کا فیصلہ یہ ہے جب اس کی اطلاع سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپؐ نے بھی حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی تصویب فرمائی چونکہ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوص قطعی حکم کو جس کو وہ خود اپنے کانوں سے سن چکے تھے انہوں نے رد کر دیا جو کہ یہ علامت ارتداد کی تھی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما

سو قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے فیصلہ کرا دیں پھر آپ کے اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔

اسی طرح ان کی عبدیت و توکل کا حال حضرت خالد بن ولیدؓ جو مسلمانوں کے لشکر کے سپہ سالار اعظم تھے جن کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا اور جن کے ہاتھوں فضل الٰہی سے فتوحات ہو رہی تھیں ان کو عین جنگ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے معزول کر کے لشکر کا سپاہی بنا دیا اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو ان کی جگہ سپہ سالار بنا دیا، مگر اس پر خالد بن ولیدؓ کو ذرہ برابر ناگواری نہیں ہوئی یہ تھی حضرت خالد کی عبدیت و فنائیت اور وہ تھی حضرت عمرؓ کی شان توکل کہ فتوحات میں خالد پر نظر نہ ہو جائے اللہ ہی پر نظر ہو حضرت خالدؓ اسی بشاشت و جاں نثاری سے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ ایک عام سپاہی کی طرح لشکر میں شریک رہے۔

یہ حال ان کا کیوں تھا اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کا کام محض اللہ کے لئے تھا۔ اپنی کسی جاہ طلبی اور دنیوی غرض کے لئے نہ تھا جس حال میں بھی اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہو اس میں وہ راضی رہتے تھے یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کا اثر تھا جس سے وہ حضرات عبدیت کے اس کمال کو پہنچ گئے ورنہ آپ اول سے لے کر آخر تک دنیا کے فوجی جرنلوں اور سپہ سالاروں کی تاریخ دیکھ جایئے کہیں بھی آپ کو ایسی بے نفسی اور عبدیت کی مثال غلامان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ نہیں مل سکے گی۔

بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات علمی کا چل رہا ہے کہ جن حضرات نے آپ کے علم نبوت سے فیض پایا وہ اس درجہ کمال انسانیت کو پہنچ گئے جو خود جاہل تھے وہ دوسرے اقوام عالم کے استاذ بن گئے بقول ایک شاعر کے

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اور آج ہم اس علم سے دور ہو کر جہالت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس اپنی جہالت کی وجہ سے ہر قسم کے ادبار اور تنزل سے دوچار ہیں۔ اے کاش ہم اپنی آنکھیں کھول لیں اور بیدار ہونے کی فکر کریں اور صحیح علم و عمل کی راہ پر آ جائیں تو اپنی گمشدہ شے پھر پا جائیں۔ یہ تھا کمال علم اور اس کے یہ آثار تھے اب کمال بصیرت و بصارت کو خیال فرمایئے۔

بیان کمال بصیرت و بصارت

آپ بصیرت یعنی عقل میں سب سے اعلیٰ تھے بڑے بڑے عقلاء آپ سے مشورہ لیتے تھے اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کی ایک مثال نبوت سے قبل کی ہے جس کا یہ واقعہ ہے کہ جب قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور حجر اسود کے رکھنے کا موقعہ آیا تو حجر اسود کے رکھنے پر اختلاف ہوا کہ اس کو کون رکھے' ہر ایک قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ فخر مجھے حاصل ہو جائے۔ اختلاف کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا کہ ان میں تلوار کھنچ جائے آخر اہل الرائے نے یہ مشورہ دیا کہ مسجد حرام کے دروازہ سے جو شخص سب سے پہلے آوے اس کے فیصلہ پر سب عمل کریں سب سے اول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے سب دیکھ کر کہنے لگے محمدؐ ہیں' امین ہیں' قریشی ہیں' آپ کو نبوت سے پہلے بھی امین کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

الغرض آپ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا گیا تو آپ نے یہ تجویز فرمائی کہ اپنی چادر مبارک کو بچھا کر حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے اس میں رکھ دیا اور فرمایا ہر قبیلہ کا آدمی اس چادر کا ایک پلہ تھام لے اور خانہ کعبہ تک لاویں جب حجر اسود کے رکھنے کا موقع آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم سب مجھے اجازت دو کہ سب کی طرف سے حجر اسود کو اس کی جگہ رکھ دوں' یہ میرا رکھنا سب کا رکھنا ہوگا سب نے اجازت دیدی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی طرف سے وکیل بن کر اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس جگہ رکھ دیا یہ واقعہ نبوت سے قبل کا ہے۔ جس کے اندر آپ کے کمال عقل و تدبر کی بین شہادت ہے اور اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ قبل نبوت بھی لوگ کس درجہ آپ پر اعتماد کرتے تھے' اور

آپ کی صداقت وامانت وعدل وانصاف کے قائل تھے اتنے مہتم بالشان امر میں جس میں اس درجہ اختلاف ہورہا تھا سب نے آپ کے اس احسن فیصلہ کو بخوشی قبول کرلیا۔

توجب قبل نبوت آپ کے کمالات کا یہ حال تھا تو اس سے اندازہ لگایئے کہ بعد نبوت آپ کے کمالات وفضائل کس درجہ اعلیٰ اور اکمل وافضل ہوں گے نیز آپ کے فہم وتدبر کی خبر پہلی کتابوں میں بھی موجود تھی چنانچہ وھب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے اکہتر کتابوں میں پڑھا ہے اور سب میں یہ مضمون پایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عقل میں سب پر ترجیح رکھتے ہیں اور رائے میں سب سے افضل ہیں۔ اس حدیث سے بھی صراحۃً آپ کو کمال عقل وتدبر میں تمام انسانوں پر فضیلت ثابت ہے، یہ تھا آپ کے اندر کمال عقل وبصیرت کہ تمامی خلائق پر فائق اور اقصائے مراتب پر فائز تھے۔

رہا آپ کے اندر کمال بصارت، سو آپ کے کمال بصارت کا یہ حال تھا کہ آپ اندھیرے میں اسی طرح دیکھتے تھے، جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے، آپؐ دور سے بھی ایسا ہی دیکھتے تھے جیسا کہ نزدیک سے دیکھتے تھے آپؐ پیچھے سے اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے۔

چنانچہ نجاشی بادشاہ کا جنازہ حبشہ میں تھا آپؐ نے اسے مدینہ سے دیکھ لیا اور اس پر نماز پڑھی، آپؐ نے بیت المقدس کو مکہ معظمہ سے دیکھ لیا تھا اور قریش کے سامنے اس کا نقشہ بیان فرمادیا تھا یہ واقعہ معراج کے واقعہ کے بیان پر ہوا۔

اسی طرح جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی اس وقت آپ نے خانہ کعبہ کو دیکھ لیا تھا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ثریا میں گیارہ ستارے نظر آیا کرتے تھے۔

کمال شجاعت ووجاہت کا بیان

آپ کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے بصیرت اور بصارت میں کمال عطا فرمایا تھا، اسی طرح شجاعت ووجاہت میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو درجہ کمال عطا فرمایا۔ چنانچہ آپ کی قوت کا یہ حال تھا کہ رکانہ پہلوان کو جو کہ ہزار آدمیوں کا مقابلہ کیا کرتا تھا، آپؐ نے کشتی میں پچھاڑ دیا، اور یہ اس وقت ہوا جب کہ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور اس نے کشتی میں جیت جانے پر موقوف رکھا تین بار مقابلہ ہوا آپ نے اس کو تینوں مرتبہ پچھاڑ دیا۔

آپؐ بلا اہتمام اس قدر تیز چلتے تھے کہ صحابہ کرامؓ بڑی کوشش کے باوجود آپ کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے آپؐ کے ساتھ دوڑتے دوڑتے تھک جاتے تھے۔ آپؐ سولہ ہزار بیویوں کے رکھنے کی قوت اور طاقت رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں لوہے کی دو دو زرہ پہن کر پہاڑی اور ٹیلے پر چڑھ جاتے تھے اور نہایت بہادری کے ساتھ مقابلہ فرماتے تھے۔

غزوۂ خندق کا واقعہ ہے کہ آپ بھوک کی وجہ سے دو پتھر پیٹ پر باندھے ہوئے تھے اور خندق کھود رہے تھے۔ جب ایک مقام پر ایک سخت چٹان پتھر کی آ جانے کی وجہ سے صحابہؓ کرام سے کھدائی کا کام نہ چل سکا تو آپ نے اس کو تین کدالوں میں کھود کر صاف کر دیا۔

آپؐ کی شجاعت کا یہ کمال تھا کہ غزوۂ حنین کے موقعہ پر جب ایک دفعہ مسلمانوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور میدان جنگ سے قدم اکھڑ گئے، اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی بہادری کے ساتھ میدان جنگ میں جمے رہے اور دشمن کا مقابلہ کرتے رہے، اس وقت کا حال حضرت عباسؓ جو اس وقت آپ کے ساتھ موجود تھے اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ مسلمان جب پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے اور دشمن کی جانب بڑھا رہے تھے میں نے لگام اور ابوسفیان نے رکاب پکڑ لی اس ارادے سے کہ ہم حضورؐ کو آگے بڑھنے سے روک دیں۔ ایک راویت میں ہے کہ پھر بھی آپ اپنے خچر سے اتر پڑے اور حضرت براءؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ اس وقت یہ فرما رہے تھے۔

انا النبی لا کذب انا بن عبدالمطلب

یعنی میں سچا نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

اس واقعہ سے دیکھئے آپ کی کس قدر بہادری اور شجاعت ثابت ہو رہی ہے کہ تمام لشکر پھر جانے اور لوٹ جانے کے باوجود آپ برابر دشمن کے مقابلہ میں جمے رہے اور مقابلہ فرماتے تھے، چنانچہ آپ کی شجاعت کے بارے میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ گھمسان کا رن پڑتا تھا اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ لیا کرتے تھے اور ہم میں سب سے آگے دشمن کی طرف آپؐ ہوتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ

کر نہ کوئی شجاع دیکھا اور نہ مضبوط دیکھا اور نہ کوئی فیاض دیکھا اور نہ دوسرے اخلاق کے اعتبار سے ہی آپؐ سے زیادہ پسندیدہ کسی کو دیکھا اور ہم جنگ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں پناہ لیتے تھے اور بڑا شجاع وہ شخص سمجھا جاتا تھا جو میدان جنگ میں آپ کے قریب رہتا تھا یہ شہادتیں ہیں آپ کی شجاعت، دلیری و بہادری کی۔

اور یہی حال آپ کی وجاہت کا تھا کہ باوجود مسکینی و غریبی کی زندگی بسر کرنے کے لوگ جب حاضر ہوتے تو ہیبت کے مارے کانپنے لگتے، چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ نمونہ کے طور پر ملاحظہ فرمائیے کہ عقبہ بن عامر سامنے کھڑے ہوئے تو خوف ہیبت کے مارے کانپنے لگے آپ نے ان سے فرمایا کہ اپنی طبیعت پر آسانی کرو میں کوئی جابر بادشاہ نہیں ہوں۔

اسی طرح قیلہ نے جب آپ کو دیکھا تو مارے ہیبت کے کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔ تو آپ نے فرمایا اے غریب اپنے دل کو تسلی دے اور ڈرے مت، تب ان کو سکون ہوا آپ کی ہیبت و رعب کا یہ عالم تھا کہ قیصر و کسریٰ باوجود اپنی عظیم سلطنتوں اور عظیم طاقتوں کے اپنی جگہ آپؐ سے مرعوب اور خائف رہتے تھے چنانچہ ایک حدیث میں آپؐ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ مجھ سے قبل کسی کو نہیں دی گئیں اول یہ کہ میری نصرت رعب کے ساتھ کی گئی ایک ماہ کی مسافت سے یعنی ایک ماہ کی مسافت سے ہی اللہ تعالیٰ میرا رعب دشمن کے دل میں ڈال دیتے ہیں یہ تھا بیان کمال شجاعت و وجاہت اور رعب کا۔

جمال کا بیان

جب ان کمالات کا حال تھا تو جمال کا حال کیا بیان ہو سکے، کیا ہی خوب کہا ہے۔

بلغ العلے بکماله　　　كشف الدجے بجماله
وہ بلندیوں کو پہنچ گئے اپنے کمال کے سبب، اور اندھیریوں کو روشن کردیا اپنے جمال کے سبب

حسنت جميع خصاله　　　صلوا عليه واله
ان کی تمام خصلتیں عمدہ ہیں ان پر اور ان کی آل پر درود بھیجو

حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا داری　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
آپ حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا رکھتے ہیں جو خوبیں تمام انبیاء رکھتے تھے آپ تنہا رکھتے ہیں۔

میرے بزرگو! جمال کی دو قسمیں ہیں، جمال خلقی، جمال خلقی، آپ کا جمال خلقی یعنی صورت وشکل کے جمال کا یہ عالم تھا کہ نہایت خوبرو، تمام اعضاء میں تناسب واعتدال تھا کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو آپ کے حسن وجمال میں نقص پیدا کرنے والی ہو، آپ کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے ماہ بدر کی طرح روشن اور چمکدار اور گول نما تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ حسین، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ تشریف فرما تھے اور رات کی چٹکتی ہوئی چاندنی چودھویں رات کے چاند سے کھل رہی تھی میں کبھی چاند کو اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتی تھی آپ نے فرمایا اے عائشہ کیا کر رہی ہو، عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں کبھی چاند کو دیکھتی ہوں اور کبھی آپ کو، خدا کی قسم آپ چودھویں رات کے چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں اسی معنی میں کسی نے خوب کہا ہے۔

چاند سے تشبیہ دینا بھی کوئی انصاف ہے
چاند میں ہیں جھائیاں حضرت کا چہرہ صاف ہے

آپ کی آنکھ کی پتلی نہایت سیاہ بڑی بڑی آنکھیں سرمہ لگی ہوئیں، حالانکہ سرمہ چشم مبارک میں نہ ہوتا تھا آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے مژگاں دراز، مابین ابرو کشادہ، ابرو خمدار، بینی مبارک اونچی، دندان مبارک کے درمیان کچھ ریخیں تھیں اوپر تلے چڑھے ہوئے نہ تھے سفید موتی جیسے چمکدار تھے، مسکراتے وقت دندان مبارک ظاہر ہوتے تو ایسے معلوم ہوتے جیسے برق کی روشنی، ریش مبارک گنجان، شکم وسینہ ہموار، سینہ چوڑا، دونوں شانے بڑے، استخواں بھاری تھیں، کلائی بازو اور پنڈلی وغیرہ بھرے ہوئے تھے دونوں ہتھیلی اور قدم مبارک کشادہ سینہ سے ناف تک بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ قد مبارک میانہ نہ زیادہ لمبا نہ ٹھگنا، البتہ درازی کی طرف مائل تھا کہ دیکھنے میں اونچا معلوم ہوتا تھا مجلس میں سب سے بلند معلوم ہوتے، اعضاء گٹھے ہوئے، رفتار میں کسی قدر سرعت مگر بے تکلف ایسی کہ رفتار میں کوئی آپ کے ساتھ نہ رہ سکتا تھا۔ بال کسی قدر گھونگھریالے، جب آپ کلام فرماتے تو سامنے کے دنداں مبارک کے بیچ سے ایک نور سا نکلتا معلوم ہوتا تھا گردن مبارک نہایت خوبصورت چہرہ مبارک نہ گول پھولا ہوا بلکہ مائل بتدویر تھا جب زمین پر پاؤں رکھتے تو پورا

پاؤں رکھتے تلوے میں زیادہ گڑھا نہ تھا جسم مبارک بے بال البتہ سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک دھاری تھی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی آپ گورے ملیح تھے تریسٹھ سال کی عمر میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ سر اور ریش مبارک میں کل سترہ بال سفید تھے' آپ ختنہ کیے ہوئے سرمہ لگے ہوئے اور بالکل پاک صاف پیدا ہوئے تھے' سونے سے آپ کا وضو نہ ٹوٹتا تھا' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت نوم حدث سے محفوظ تھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرخ جوڑا دھاری دار پہنے ہوئے تھے تو نہایت عجیب حسین معلوم ہوتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو حسین نہیں دیکھا گویا آپ کے چہرہ انور میں آفتاب چل رہا ہے آپ دور سے زیادہ جمیل قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین معلوم ہوتے تھے نہایت نرم جلد تھے اول وہلہ میں جو آپ کو دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا آپ سے قبل اور آپ کے بعد ایسا صاحب جمال و صاحب کمال نہیں ہوا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
یا صاحب الجمال و یاسید البشر من وجھک المنیر لقد نور القمر

اے جمال والے اور اے انسانوں کے سردار' آپ کے روشن چہرہ سے چاند روشن ہو گیا۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کی تعریف ناممکن ہے جیسا کہ اس کا حق ہے قصہ مختصر یہ ہے کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہر نبی خوش آواز خوبصورت خوبرو پیدا ہوا مگر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت' خوبرو اور خوش آواز تھے مگر غیرت خداوندی نے آپ کے حسن کو چھپالیا۔ جیسا جمال تھا غیروں پر ظاہر نہ فرمایا۔

طیب ومطیب

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک اور خوشبو کو نہ عنبر پہنچ سکتا ہے نہ مشک کی خوشبو، آپ کے جسم اطہر کی خوشبو کا یہ عالم تھا کہ آپ کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام تمام دن اس شخص کو اپنے ہاتھ سے خوشبو آتی رہتی کسی بچہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کی وجہ سے دوسرے بچوں میں پہچانا جاتا آپ سوئے ہوئے تھے حضرت انسؓ کی والدہ ایک شیشی لائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر واطیب سے جو پسینہ نکل رہا تھا اس کو ایک شیشی میں جمع کرنے لگیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئیں آپ نے فرمایا یہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے یہ اعلیٰ درجہ کی خوشبو ہے چنانچہ یہ بچیوں کی شادی کے موقعہ پر کپڑوں کے معطر کرنے کو آپ کا پسینہ مبارک شیشیوں میں جمع کر کے رکھ لیتی تھیں اور کپڑوں میں لگاتی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس راستہ سے گزرتے خوشبو سے پہچان ہو جاتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے گزرے ہیں مہر نبوت میں مشک کی مہک آتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز کو زمین شق ہو کر نگل جاتی اور ایسی جگہ نہایت تیز خوشبو آتی تھی یہی وجہ ہے کہ علماء آپ کے بول و براز کے طاہر ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔

مالک بن سنان رضی اللہ عنہ یوم احد میں آپ کے زخم کا خون چوس کر پی گئے، آپ نے فرمایا کہ اس کو کبھی دوزخ کی آگ نہ لگے گی۔

عبداللہ بن زبیرؓ آپ کا خون جو پچھنے لگانے سے نکلا تھا اس کو پی گئے اور برکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کی خادمہ ام ایمن نے آپ کا بول پی لیا تھا ان کو ایسا معلوم ہوا جیسا شیریں نفیس پانی ہوتا ہے یہ تھا آپ کا جمال خلقی جہاں آراء۔ صلی اللہ علیہ وسلم

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ

خاتم النبیین کی تفسیر

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

الحمد لله وسلام علی عباده الذين اصطفیٰ. اما بعد

سرورِ دوعالم فخرِ بنی آدم آقائے دوجہاں نبی عالمین امام النبیین شفیع المذنبیں رحمۃ للعالمین حضرت سیدنا ومولانا وشفیعنا محمد صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وسلم محض نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں۔ اور ختم کے معنی انتہا کردینے اور کسی چیز کو انتہا تک پہنچادینے کے ہیں۔ اس لیے خاتم النبیین کے معنی نبوت کو انتہا تک پہنچادینے کے ہوئے اور کسی چیز کے انتہا تک پہنچ جانے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی آخری حد پر آجائے کہ اس کے بعد کوئی اور درجہ اور حد باقی نہ رہے جس تک وہ پہنچے۔ اس لیے ختم نبوت کے معنی یہ ہوئے کہ نبوت اپنے تمام درجات ومراتب کی آخری حد تک آگئی اور نبوت کا کوئی درجہ اور مرتبہ باقی نہیں رہا کہ جس تک وہ آئے اور اِس کے لیے حرکت کرکے آگے بڑھے۔ اِس لیے ''خاتم النبیین'' کے حقیقی معنی یہ نکلے کہ خاتم پر نبوت اور کمالات نبوت کے تمام مراتب پورے ہوگئے اور نبوتی اپنے علمی واخلاقی کمالات کے ایک ایسے انتہائی مقام پر آگئی کہ بشریت کے دائرہ میں نہ علمی کمال کا کوئی درجہ باقی رہا نہ اخلاقی قدروں کا کوئی مرتبہ کہ جس کے لیے نبوت خاتم سے گزر کر آگے بڑھے اور اس درجہ یا قدر تک پہنچے۔

خاتم النبیین وہ ہے جس پر کمالات کی انتہاء ہوگئی

اِس سے واضح ہوگیا کہ ختم نبوت کے معنی قطع نبوت یا انقطاع رسالت کے نہیں کہ نبوت کی نعمت باقی نہ رہی یا اِس کا نور عالم سے زائل ہوگیا بلکہ تکمیلِ نبوت کے ہیں جس کا حاصل

یہ ہوا۔ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر تمام کمالاتِ نبوت اپنی انتہا کو پہنچ کر مکمل ہو گئے جو اب تک نہ ہوئے تھے اور اب جو نبوت دنیا میں قائم ہے وہ خاتم کی ہے۔ اور اس کامل نبوت کے بعد کسی نئی نبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی، نہ یہ کہ نبوت دنیا سے منقطع ہو گئی اور چھین لی گئی، معاذ اللہ۔ اس کا قدرتی ثمرہ یہ نکلتا ہے کہ نبوت جب سے شروع ہوئی اور جن کمالات کو لے کر شروع ہوئی اور آخرکار جس حد پر آ کر رکی اور ختم ہوئی اِس کے اوّل سے لے کر آخر تک جس قدر بھی کمالاتِ نبوت دنیا میں وقتاً فوقتاً آئے اور طبقہ انبیاء میں سے کسی کو ملے وہ سب کے سب خاتم النبیین میں آ کر جمع ہو گئے۔ جو خاتم سے پہلے اِس کمال جامعیت کے ساتھ کسی میں جمع نہیں ہوئے تھے ورنہ جہاں بھی یہ اجتماع ہوتا وہیں پر نبوت ختم ہو جاتی اور آگے بڑھ کر یہاں تک نہ پہنچتی۔ اسلیے ''خاتم النبیین'' کا جامع علومِ نبوت جامع اخلاقِ نبوت جامع احوالِ نبوت اور جامع جمیع شئونِ نبوت ہونا ضروری ٹھہرا جو غیر خاتم کے لیے نہیں ہوسکتا تھا ورنہ وہی خاتم بن جاتا۔

خاتم النبیین کی شریعت

اور ظاہر ہے کہ جب ان ہی کمالات علم وعمل پر شریعتوں کی بنیاد ہے جو اپنی انتہائی حدود کے ساتھ خاتم النبیین میں جمع ہو کر اپنے آخری کنارہ پر پہنچ گئے جن کا کوئی درجہ باقی نہ رہا کہ اسے پہنچانے کے لیے خدا کا کوئی اور نبی آئے تو اِس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ شریعت اور دین بھی آ کر خاتم پر ختم یعنی مکمل ہو گیا اور شریعت و دین کا بھی کوئی تکمیل طلب حصہ باقی نہیں رہا کہ اسے پہنچانے اور مکمل کرنے کے لیے کسی اور نبی کو دنیا میں بھیجا جائے۔ اِس لیے خاتم النبیین کے لیے خاتم الشرائع خاتم الادیان اور خاتم الکتب یا بالفاظ دیگر کامل الشریعت کامل الدین اور کامل الکتاب ہونا بھی ضروری اور قدرتی نکلا۔ ورنہ ختم نبوت کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکے تھے اور ظاہر ہے کہ کامل ہی ناقص کے لیے ناسخ بن سکتا ہے نہ کہ برعکس۔ اسلیے شریعت محمدی بوجہ اپنے انتہائی کمال اور ناقابل تغیر ہونے کے سابقہ شرائع کو منسوخ کرنے کی حقدار ٹھیرتی ہے اور ظاہر ہے کہ ناسخ آخر میں آتا ہے اور منسوخ اِس سے مقدم ہوتا ہے۔ اسلیے اس شریعت کا آخر میں آنا اور اِس کے لانے والے کا سب کے آخر میں مبعوث ہونا

بھی ضروری تھا۔ اِس لیے خاتم النبیین ہونے کے ساتھ آخرالنبیین بھی ثابت ہوئے کہ آپ کا زمانہ سارے انبیاء کے زمانوں کے بعد میں ہو۔ کیونکہ آخری عدالت جو ابتدائی عدالت کے فیصلوں کو منسوخ کرتی ہے آخر ہی میں رکھی جاتی ہے۔

آپ کمالاتِ بشری کے منتہیٰ بھی ہیں اور مبداء بھی

پھر ساتھ ہی جب کہ خاتم النبیین کے معنی منتہائے کمالات نبوت کے ہوئے کہ آپ ہی پرآ کر ہر کمال ختم ہو جاتا ہے تو یہ ایک طبعی اصول ہے کہ جو وصف کسی پر ختم ہوتا ہے اسی سے شروع بھی ہوتا ہے۔ جو کسی چیز کا منتہا ہوتا ہے وہی اِس کا مبدا بھی ہوتا ہے اور جو کسی شے کے حق میں خاتم یعنی مکمل ہوتا ہے۔ وہی اِس کے حق میں فاتح اور سرچشمہ بھی ہوتا ہے، ہم سورج کو کہیں کہ وہ خاتم الانوار ہے۔ جس پر نور کے تمام مراتب ختم ہو جاتے ہیں تو قدرتاً اسی کو سرچشمہ انوار بھی ماننا پڑیگا کہ نور کا آغاز اور پھیلاؤ بھی اسی سے ہوا ہے اور جہاں بھی نور اور روشنی کی کوئی جھلک ہے وہ اسی کی ہے اور اسی کے فیض سے ہے اِس لیے روشنی کے حق میں سورج کو خاتم کہہ کر فاتح بھی کہنا پڑے گا یا جیسے کسی بستی کے واٹر ورکس کو ہم خاتم المیاہ (پانیوں کی آخری حد) کہیں۔ جس پر شہر کے سارے نلوں اور ٹینکیوں کے پانی کی انتہا ہو جاتی ہے تو اسی کو ان پانیوں کا سرچشمہ بھی ماننا پڑے گا کہ پانی چلا بھی یہیں سے ہے جو نلوں اور ٹینکیوں میں پانی آیا اور جس براسکاگ کو بھی پانی ملا وہ اسی کے فیض سے ملا جیسے ہم حضرت آدم علیہ السلام کو خاتم الآبا کہیں کہ باپ ہونے کا وصف ان پر جا کر ختم ہو جاتا ہے کہ ان کے بعد کوئی اور باپ نہیں نکلتا بلکہ سب باپوں کے باپ ہونے کی آخری حد سلسلہ وار پہنچ کر حضرت آدم علیہ السلام پر ختم ہو جاتی ہے تو قدرتی طور پر وہی فاتح الآبا بھی ثابت ہوتے ہیں کہ باپ ہونے کی ابتدا بھی ان ہی سے ہو۔ اگر وہ باپ نہ بنتے تو کسی کو بھی باپ بننا نہ آتا۔ یا جیسے ہم حق تعالیٰ شانہ کو خاتم الوجود جانتے ہیں کہ ہر موجود کے وجود کی انتہا اسی پر ہوتی ہے تو اصول مذکورہ کی رو سے وہی ذات واجب الوجود ان وجودوں کا سرچشمہ اور مبدا بھی ثابت ہوتی ہے کہ جسے بھی وجود کا کوئی حصہ ملا وہ اسی ذات اقدس کا فیض اور طفیل ہے۔ پس وجود کے حق میں ذاتِ خداوندی ہی اوّل و آخر اور مبدا و منتہا ثابت ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح

جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خاتم النبیین'' ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہوا۔ اور اس کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ نبوت اور کمالاتِ نبوت آپ پر پہنچ کر ختم ہو گئے اور آپ ہی کمالاتِ علم وعمل کے منتہا ہوتے تو اصولِ مذکورہ کی رو سے آپ ہی کو ان کمالاتِ بشری کا مبداء اور سرچشمہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ ہی سے ان کمالات کا افتتاح اور آغاز بھی ہوا اور جسے بھی نبوت یا کمالاتِ نبوت کا کوئی کرشمہ ملا وہ آپ ہی کے واسطہ اور فیض سے ملا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اصلی ہے اور باقی انبیاء علیہم السلام کی بالواسطہ ہے

پس جیسے آدم کی ابوّت اوّل بھی تھی اور وہی لوٹ پھر کر آخری بھی ثابت ہوتی تھی۔ ساتھ ہی اصلی اور بلاواسطہ بھی تھی۔ بقیہ سب باپوں کی ابوت ان کے واسطہ اور فیض سے تھی۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اوّل بھی ہوئی اور لوٹ کر پھر آخری بھی اور ساتھ ہی اصلی اور بلاواسطہ بھی ہے کہ بقیہ سب انبیاء کی نبوتیں آپ کے واسطہ اور فیض سے ہیں۔ پس جیسے فلاسفہ کے یہاں ہر نوع کا ایک رب النوع مانا گیا ہے جو اس نوع کے لیے نقطہ فیض ہوتا ہے۔ ایسے ہی نبوت کی مقدس نوع کا نقطہ فیض اور جو ہر فرد حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔ اِس لیے آپ کی نبوت اصلی ہے اور دوسرے انبیاء کی نبوت بواسطہ خاتم النبیین ہے۔ پس ہر کمالِ نبوت خواہ علمی ہو یا عملی۔ اخلاقی ہو یا اجتماعی حال کا ہو یا مقام کا، وہ اوّلاً آپ میں ہوگا اور آپ کے واسطہ سے دوسروں کو پہنچے گا۔ اِس لیے اصولِ مذکورہ کی رو سے دائرہ نبوت میں جب آپ خاتم نبوت ہوئے تو آپ ہی فاتح نبوت بھی ہوئے۔ اگر نبوت آپ پر رکی اور منتہی ہوئی تو آپ ہی سے یقیناً چلی بھی اور شروع بھی ہوئی، اسلیے آپ نبوت کے خاتم بھی ہیں اور فاتح بھی ہیں، آخیر بھی ہیں اور اوّل بھی ہیں۔ مبدا بھی ہیں اور منتہا بھی ہیں۔ چنانچہ جہاں آپ نے اپنے آپ کو خاتم النبیین فرمایا کہ:۔

انی عبد اللّٰہ و خاتم النبیین

میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبیین ہوں۔ (البیہقی والحاکم عن عرباض بن ساریہ)

اور جہاں آپ نے نبوت کو ایک قصر سے تشبیہ دے کر اپنے کو اِس کی آخری اینٹ بتایا جس پر اس عظیم الشان قصر کی تکمیل ہو گئی۔

فانا سددت موضع اللبنة و ختم بی البینات و ختم بی الرسل (کنزالعمال)

پس میں نے ہی (قصرِ نبوت کی آخری) اینٹ کی جگہ کو پر کیا اور مجھ ہی پر یہ قصر مکمل کر دیا گیا اور مجھ ہی پر رسول ختم کر دیئے گئے کہ میرے بعد اب کوئی رسول آنے والا نہیں۔

وہیں آپ نے اپنے کو قصرِ نبوت کی اولین خشت اور سب سے پہلی اینٹ بھی بتایا۔ فرمایا:

کنت نبیا والادم بین الروح و الجسد

میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم ابھی روح و بدن ہی درمیان ہی میں تھے۔

یعنی ان میں ابھی روح بھی نہیں پھونکی گئی تھی کہ میں نبی بنا دیا گیا تھا۔ جس سے واضح ہے کہ آپ خاتم ہونے کے ساتھ ساتھ فاتح بھی تھے۔ اوّل بھی تھے اور آخر بھی۔ چنانچہ ایک روایت میں اِس فاتحیت اور خاتمیت کو ایک جگہ جمع فرماتے ہوئے ارشاد ہوا (جو حدیث قتادہ کا ایک ٹکڑہ ہے) کہ:۔

جعلنی فاتحاً و خاتماً

اور مجھے اللہ نے فاتح بھی بنایا اور خاتم بھی۔ (خصائص کبریٰ ۳۴۰/۱۹۷)

پھر چونکہ خاتم ہونے کے لیے اوّل و آخر ہونا بھی لازم تھا تو حدیثِ ذیل میں اسے بھی واضح فرما دیا گیا اور آدم علیہ السلام کو حضورؐ کا نور دکھلاتے ہوئے بطور تعارف کہا گیا کہ:۔

ھذا ابنک احمد ھو الاول و الاخر (کنزالعمال)

یہ تمہارا بیٹا احمد ہے جو (نبوت میں) اوّل بھی ہے اور آخر بھی ہے۔

پھر حدیث ابی ہریرہ میں اِس اولیت و آخریت جیسی اضداد کے جمع ہونے کی نوعیت پر روشنی ڈالی گئی کہ:۔

کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث (ابونعیم فی الدلائل)

میں نبیوں میں سب سے پہلا ہوں بلحاظ پیدائش کے اور سب سے پچھلا ہوں بلحاظ بعثت کے۔

اِس لیے حقیقی طور پر آپ کی امتیازی شان محض نبوت نہیں۔ بلکہ ''ختم نبوت'' ثابت ہوتی ہے جس سے آپ کے لیے یہ فاتح و خاتم اور اول و آخر ہونا ثابت ہوا اور آپ سارے

طبقہ انبیاء میں ممتاز اور فائق نمایاں ہوئے اور ظاہر ہے کہ جب نبوت ہی سارے بشری کمالات کا سرچشمہ ہے اور اسی لیے سارے انبیاء علیہم السلام سارے ہی کمالاتِ بشری کے جامع ہوئے ہیں تو قدرتی طور پر "خاتم نبوت" کے لیے صرف جامع کمالات ہونا کافی نہیں بلکہ خاتم کمالات ہونا بھی ضروری ہے یعنی آپ کا ہر کمال انتہائی کمال کا نقطہ ہونا چاہیے۔ ورنہ ختم نبوت کے کوئی معنی ظاہر نہیں ہو سکتے۔

تمام انبیاء کے کمالات آپؐ میں علی وجہ الاتم موجود تھے

اندریں صورت جہاں یہ ماننا پڑے گا کہ جو کمال بھی کسی نبی میں تھا۔ وہ بلاشبہ آپ میں بھی تھا وہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ میں وہ کمال سب سے پہلے تھا اور سب سے بڑھ چڑھ کر تھا اور امتیاز وفضیلت کی انتہائی شان لیے ہوئے تھا اور یہ کہ وہ کمال آپ میں اصلی تھا اور اوروں میں آپ کے واسطہ سے تھا۔ پس آپ جامع کمالات ہی نہیں بلکہ خاتم کمالات اور خاتم کمالات ہی نہیں فاتح کمالات ...... اور سرچشمہ کمالات اور فاتح کمالات ہی نہیں بلکہ منتہائے کمالات اور منتہائے کمالات ہی نہیں بلکہ اعلیٰ الکمالات اور افضل الکمالات ثابت ہوئے کہ آپ میں کمال ہی نہیں بلکہ کمال کا آخری اور انتہائی نقطہ ہے جس کے فیض سے اگلے اور پچھلے باکمال بنے۔

عقلی طور پر اِس کی وجہ یہ ہے کہ جس پر عنایت ازلی سب سے پہلے اور بلاواسطہ متوجہ ہوئی۔ وہ جس درجہ کا اثر اِس سے قبول کریگا یقیناً ثانوی درجہ میں اور بالواسطہ فیض پانے والے اس درجہ کا اثر نہیں لے سکتے۔ پس اوّل مخلوق یعنی اوّل ما خلق اللہ نوری کا مصداق، نور الٰہی کا جو نقشِ کامل اپنی اِستعداد کامل سے قبول کر سکتا ہے۔ اِس کی توقع بالواسطہ اور ثانوی نقوش سے اثر لینے والوں سے نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ آپ کی سیرت مبارکہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ جو کمالات انبیاء سابقین کو الگ الگ دیئے گئے وہ سب کے سب اکٹھے کر کے اور ساتھ ہی اپنے انتہائی اور فائق مقام کے ساتھ آپ کو عطا کئے گئے اور جو آپ میں مخصوص کمالات ہیں وہ الگ ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

چنانچہ ذیل کی چند مثالوں سے جو شانِ خاتمیت کی ہزاروں امتیازی خصوصیات میں سے

چند کی ایک اجمالی فہرست اور سیرت خاتم الانبیاء کے بے شمار ممتاز اور خصوصی مقامات میں سے چند کی موٹی موٹی سرخیاں ہیں۔ اِس حقیقت کا اندازہ لگایا جا سکے گا کہ اولین و آخرین میں سے جس باکمال کو جو کمال دیا گیا اِس کمال کا انتہائی نقطہ حضور کو عطا فرمایا گیا، اپنی ہر جہتی حیثیت سے ممتاز و فائق اور افضل تو ہے۔ مثلاً

باقی انبیاء ہیں، آپ خاتم الانبیاء ہیں

(۱) اگر اور انبیاء نبی ہیں تو آپ خاتم النّبیین ہیں"۔ **ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین** (القرآن الحکیم)

ترجمہ: نہیں تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین تھے۔

اورحدیث سلمان کا حصہ ذیل کہ **ان کنت اصطفیت آدم فقد ختمت بک الانبیاء وما خلقت خلقا اکرم منک علی**۔ (خصائص کبریٰ ۲/۱۹۳)

ترجمہ: ۔ اور ارشاد حدیث کہ جبریل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ کا پروردگار فرماتا ہے کہ (اگر میں نے آدم کو صفی اللہ کا خطاب دیا ہے تو آپ پر تمام انبیاء کو ختم کر کے آپ کو خاتم النّبیین کا خطاب دیا ہے) اور میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کہ جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز ہو۔

باقی اقوام کے نبی ہیں آپ نبی الانبیاء ہیں

(۲) اگر اور انبیاء کی نبوتیں مرجع اقوام و ملل ہیں تو آپ کی نبوت اس کی ساتھ ساتھ مرجع انبیاء و رسل بھی ہے۔

واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتو منن بہ و لتنصرنہ (القرآن الحکیم)

ترجمہ: ۔ اور یاد کرو کہ جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا۔ کتاب ہو یا حکمت، پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے تمہاری پاس والی کتاب کو تو اِس

پر ایمان لاؤ گے اور اِسکی مدد کرو گے یہ مدد بلاواسطہ ہوگی اگر کوئی رسول دورۂ محمدی کو پا جائیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام آپ ہی کی نبوت کے دورہ میں آسمان سے اترینگے اور اتباع محمدی کرینگے) یا بواسطہ امم واقوام ہوگی اگر خود رسول دورۂ محمدی نہ پائیں جیسے تمام انبیاء سابقین جو دورۂ محمد سے پہلے گزر گئے اور آپ کا دورۂ شریعت انہوں نے نہیں پایا۔

باقی عابد ہیں آپ امام العابدین ہیں

(۳) اگر اور انبیاء عابد ہیں تو آپ کو ان عابدین کا امام بنایا گیا۔ **ثم دخلت بیت المقدس فجمع لی الانبیاء فقدمنی جبریل حتیٰ امتهم** (نسائی عن انس)

ترجمہ:۔ شب معراج کے واقعہ کا ٹکڑا ہے کہ پھر میں داخل ہوا بیت المقدس میں اور میرے لیے تمام انبیاء کو جمع کیا گیا۔ تو مجھے جبرائیل نے آگے بڑھایا یہاں تک میں نے تمام انبیاء کی امامت کی۔

باقی ظہور کے بعد نبی ہیں آپؐ وجود سے پہلے نبی ہیں

(۴) اگر اور انبیاء اپنے ظہور کے وقت نبی ہوئی تو آپ اپنے وجود ہی کے وقت سے نبی تھے جو تخلیق آدم کی تکمیل سے بھی قبل کا زمانہ ہے۔ **کنت نبیا و ادم بین الروح و الجسد** (مسند احمد)

ترجمہ:۔ میں نبی تھا اور آدم ابھی تک روح اور بدن کے درمیان ہی تھے (یعنی ان کی تخلیق ابھی مکمل نہ ہوئی تھی۔)

باقیوں کی نبوت حادث تھی آپ کی قدیم ہے

(۵) اگر اوروں کی نبوت حادث تھی تو حضور کی نبوت عالمِ خلق میں قدیم تھی۔

قال ابوهريرة متى وجبت لک النبوة؟ قال بين خلق آدم و نفخ الروح فيه. (مستدرک حاکم و بیهقی و ابو نعیم)

ترجمہ:۔ ابو ہریرہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟ آپ نے فرمایا۔ آدم کی پیدائش اور ان میں روح آنے کے درمیان میں۔

باقی انبیاء کائنات تھے آپؐ سببِ تخلیقِ کائنات ہیں

(۶) اگر اور انبیاء اور ساری کائنات مخلوق ہیں تو آپ مخلوق ہونے کے ساتھ ساتھ سبب

تخلیقِ کائنات بھی ہیں۔

فلولا محمد ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار (مستدرک)

ترجمہ:۔ اگر محمدؐ نہ ہوں (یعنی میں انہیں پیدا نہ کروں) تو نہ آدم کو پیدا کرتا نہ جنت ونار کو۔

باقی مُقرّب تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولُ المقربین ہیں

(۷) اگر عہد الست میں اور انبیاء مع تمام اولاد کے بلیٰ کے ساتھ مقرب تھے تو حضور اول المقربین تھے جنہوں نے سب سے پہلے بلیٰ کہا اور بلیٰ کہنے کی سب کو راہ دکھلائی۔ **کان محمد صلی اللہ علیه وسلم اول من قال بلی و بذٰلک صار یتقدم الانبیاء وھو آخر من بعث** (خصائص کبری)

ترجمہ:۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے (عہد الست کے وقت) بلیٰ فرمایا۔ اسی لیے آپ تمام انبیاء پر مقدم ہو گئے درحالیکہ آپ سب کے آخر میں بھیجے گئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول المبعوثین ہوں گے

(۸) اگر روز قیامت اور انبیاء قبروں سے مبعوث ہونگے تو آپ اول المبعوثین ہوں گے۔

انا اول من تنشق عنه الارض (مسند احمد عن ابن عباس)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلا ہوں گا کہ زمین اِس کے لیے شق ہو گی یعنی قبر سے سب سے پہلے میں اٹھونگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے بلایا جائے گا

(۹) اگر اور انبیاء ابھی عرصاتِ قیامت ہی میں ہونگے تو آپ کو سب سے پہلے پکار بھی لیا جائے گا۔ کہ مقامِ محمود پر پہنچ کر اللہ کی منتخب حمد وثنا کریں۔ **فیکون اول من یدعیٰ محمد صلی اللہ علیه وسلم فذالک قوله تعالیٰ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا** (مسند بزار و بیہقی)

ترجمہ:۔ پس جنہیں (میدانِ محشر میں) سب سے پہلے پکارا جائے گا۔ (کہ مقام محمود پر آجائیں اور حمد وثنا کریں۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ یہی معنی ہیں اللہ کے اِس قول

کے کہ قریب ہے بھیجے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں سب سے پہلے ساجد ہونگے

(۱۰) اگر اور انبیاء کو روز قیامت ہنوز سجدہ کی جرات نہ ہوگی تو آپ سب سے پہلے ہوں گے جنہیں سجدہ کی اجازت دی جائے گی۔ **انا اوّل من یوذن له بالسجود یوم القیمة**

(مسند احمد عن ابی الدرداء)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلا ہونگا۔ جسے قیامت کے دن سجدہ کی اجازت دیجائیگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے سجدہ سے سر اٹھائینگے

(۱۱) اگر اور انبیاء اجازتِ عامہ کے بعد ہنوز سجدہ ہی میں ہوں گے تو آپ کو سب سے اول سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دے دی جائیگی **انا اول من یرفع رأسه فانظر الی بین یدی**۔ (مسند احمد عن ابی الدرداء)

وفی مسلم:۔ فیقال یا محمد ارفع رأسک سل تعط واشفع تشفع

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلے سجدہ سے سر اٹھاؤں گا اور اپنے سامنے نظر کروں گا۔ (جب کہ سب کی نگاہیں نیچی ہوں گی) کہا جائے گا۔ محمد! سر اٹھاؤ جو مانگو گے دیا جائے گا (جس کی شفاعت کرو گے قبول کی جائیگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول الشافعین واول المشفعین ہونگے

(۱۲) اگر اور انبیاء روز قیامت شافع اور مشفع ہوں گے تو آپ اوّل شافع اور اول مشفع ہوں گے۔ **انا اوّل شافع و اول مشفع** (ابونعیم فی الحلیہ عن جابر)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلا شافع اور سب سے پہلا مشفع ہونگا (جس کی شفاعت قبول کی جائیگی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ ملے گی

(۱۳) اگر اور انبیاء کو شفاعت صغریٰ یعنی اپنی اپنی قوموں کی شفاعت دی جائے گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ یعنی تمام اقوام دنیا کی شفاعت دی جائے گی۔

اذھبوا الیٰ محمد فیاتون فیقولون یا محمد انت رسول اللہ وخاتم النبیین غفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر فاشفع لنا الیٰ ربک الحدیث (مسند احمد عن ابی ہریرہ)

ترجمہ:۔ شفاعت کے سلسلہ میں اس حدیث طویل میں ہے کہ جب اولین وآخرین کی سرگردانی پر اور طلبِ شفاعت پر سارے انبیاء جواب دیں گے کہ ہم اِس میدان میں نہیں بڑھ سکتے اور لوگ آدم سے لے کر تمام انبیاء ورسل تک سلسلہ وار شفاعت سے عذر سنتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچیں گے اور طالب شفاعت ہونگے تو فرمائیں گے کہ) جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو آدم کی ساری اولاد آپکے پاس حاضر ہوگی اور عرض کرے گی کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں (گویا آج سارے عالم کو رسالت محمدی اور ختمِ نبوت کا اقرار کرنا پڑیگا) آپکی اگلی اور پچھلی لغزشیں سب پہلے ہی معاف کردی گئی ہیں (یعنی آپکے لیے اِس عذر کا موقع نہیں جو ہر نبی نے کیا کہ میرے اوپر فلاں لغزش کا بوجھ ہے میں شفاعت نہیں کرسکتا کہیں مجھ سے ہی باز پرس نہ ہونے لگے اِس لیے آپ پروردگار سے ہماری شفاعت فرمائیں تو آپ اسے بلا جھجک اور بلا معذرت کے قبول فرمالیں گے اور شفاعت کبریٰ کریں گے۔

آپ ؐ شفاعتِ عامہ کا مقام سنبھالیں گے

(۱۱۴الف) اگر انبیاء قیامت کی ہولنا کی کے سبب شفاعت سے بچنے کی کوشش کریں گے اور لست لھا میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں) کہہ کر پیچھے ہٹ جائیں گے تو حضور کے دعوے کے ساتھ انا لھا انا لھا (میں اس کا اہل ہوں) کہہ کر آگے بڑھیں گے اور شفاعت عامہ کا مقام سنبھال لیں گے (مصنف ابن ابی شیبہ عن سلمان)

ترجمہ:۔ اِس روایت کی بھی وہی تفصیل ہے جو ۱۱۳ میں گزری۔

آپ ؐ سب سے پہلے پلصراط عبور کریں گے

(۱۱۴ب) اگر اور انبیاء ابھی میدان حشر میں ہوں گے تو آپ سب سے پہلے ہونگے جو

پل صراط کو عبور بھی کر جائیں گے

یضرب جسر جهنم فاکون اول من یجیز (بخاری و مسلم عن ابی ہریرہ)

ترجمہ:۔ جہنم پر پل تان دیا جائے گا تو سب سے پہلے اسے عبور کرنے والا میں ہوں گا۔

آپ ؐ سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے

(۱۵) اگر اور انبیاء اور اولین و آخرین ہنوز پیش دروازہ جنت ہی ہوں گے تو آپ سب سے پہلے ہوں گے جو دروازہ جنت کھٹکھٹائیں گے۔ **انا اوّل من یقرع باب الجنه** (ابونعیم عن ابوہریرہ)

ترجمہ:۔ میں سب سے پہلے دروازہ جنت کھٹکھٹاؤں گا۔

آپ ؐ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلے گا

(۱۶) اگر اور انبیاء اور اقوام انبیاء ہنوز داخلہ جنت کی اجازت ہی کے مرحلہ پر ہوں گے تو آپ کے لیے سب سے پہلے دروازہ جنت کھول بھی دیا جائے گا۔ **انا اول من تفتح له ابواب الجنه** (ابونعیم و ابن عساکہ عن حذیفہ)

ترجمہ:۔ میرے لئے سب سے پہلے دروازہ جنت کھولا جائے گا۔

آپ ؐ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے

(۱۷) اگر اور انبیاء باب جنت کھلنے پر ابھی داخلہ کے آرزومند ہی ہوں گے تو آپ سب سے پہلے اول جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ **وانا اول من یدخل الجنه یوم القیٰمه ولا فخر** (بیہقی و ابونعیم عن انس)

ترجمہ:۔ روزِ قیامت میں ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ مگر فخر سے نہیں کہتا۔

آپ ؐ کو اولین و آخرین کے علوم عطا ہوئے

(۱۸) اگر اور انبیاء کو علوم خاصہ عطا ہوئے تو آپ کو علم اولین و آخرین دیا گیا۔

اوتیت علم الاولین والآخرین (خصائص کبریٰ ۲/۸۷)

ترجمہ:۔ مجھے علم اولین و آخرین دیا گیا ہے جو الگ الگ انبیاء کو دیا گیا تھا جیسے آدمؑ کو علم

اسماء، یوسفؑ کو علم تعبیر خواب، سلیمانؑ کو علم منطق الطیر خضرؑ کو علم لدنی، عیسیٰؑ کو حکمت وغیرہ۔

آپؐ کو خُلقِ عظیم عطا ہوا

(۱۹) اگر اور انبیاء کو خلق حسن عطا ہوا۔ حسن کے معنی معاملات میں حدود سے نہ گزرنے کے ہیں اور خلق کریم عطاء جس کے معنی عفو مسامحہ کے ہیں تو آپ کو خلق عظیم دیا گیا جس کے معنی دوسروں کی تعدی پر نہ صرف ان سے درگزر کرنے اور معاف کر دینے کے ہیں بلکہ ان کے ساتھ احسان کرنے اور حسنِ سلوک سے پیش آنے کے ہیں جو تمام محاسن اخلاق اور مکارم اخلاق دونوں کا جامع ہے۔ **وانک لعلیٰ خلق عظیم** (القران الحکیم)

ترجمہ:۔ خلق حسن یہ ہے کہ ظلم کرنے والے سے اپنا حق پورا پورا لیا جائے۔ چھوڑا نہ جائے مگر عدل و انصاف جس میں کوئی تعدّی اور زیادتی نہ ہو۔ یہ مساوات ہے اور خلافِ رحمت نہیں۔ خلقِ کریم یہ ہے کہ ظالم کے ظلم سے درگزر کر کے اپنا حق معاف کر دیا جائے یہ کریم النفس ہے اور فی الجملہ رحمت بھی ہے کہ اگر دیا نہیں تو لیا بھی نہیں اور خلق عظیم یہ ہے کہ ظالم سے نہ صرف اپنے حق کی ادائیگی معاف کر دی جائے بلکہ اوپر سے اس کے ساتھ سلوک واحسان بھی کیا جائے جب کہ وہ حق تلفی کر رہا ہو۔ اِس خلق کی روح غلبہ رحمت وشفقت اور کمال ایثار ہے اسی کو فرمایا کہ اے نبی! آپ خلقِ عظیم پر ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم متبوع الانبیاء ہیں

(۲۰) اگر اور انبیاء متبوع امم اقوام تھے تو حضور متبوع انبیاء و رسل تھے۔ **لو کان موسیٰ حیا ما وسعه الاتباعی** (مشکوٰۃ)

ترجمہ:۔ اگر موسیٰ آج زندہ ہوتے تو انہیں بھی میرے اتباع کے سوا چارہ کار نہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناسخ کتاب ملی

(۲۱) اگر اور انبیاء کو قابل نسخ کتابیں ملیں تو آپ کو ناسخ کتاب عطا ہوئی۔

ان عمر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم نبسخة من التوارة فقال یا رسول ھذہ نسخة من التوراۃ. فسکت. فجعل یقرأو وجه رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر ثکلتک الثواکل ما تری ما بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فنظر عمرا لیٰ وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا وبحمد نبیًّا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہٖ لو بدالکم موسیٰ فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیًّا و ادرک نبوتی لاتبعنی (دارمی عن جابر)

ترجمہ:۔ حضرت عمرؓ تورات کا ایک نسخہ حضور کے پاس لے آئے اور عرض کیا کہ یہ تورات ہے۔ آپ خاموش رہے تو انہوں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا اور آپ کا چہرہ مبارک غصہ سے متغیر ہونا شروع ہو گیا تو صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تجھے گم کر دیں گم کرنے والیاں کیا چہرہ نبوی کا اثر تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ تب حضرت عمرؓ نے چہرہ اقدس کو دیکھا اور دہل گئے، فوراً زبان پر جاری ہو گیا) میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول کے غضب سے، ہم راضی ہوئے اللہ سے بلحاظ رب ہونے کے اور راضی ہوئے اسلام سے بلحاظ دین ہونے کے اور راضی ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بلحاظ نبی ہونے کے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر آج تمہارے پاس موسیٰ آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرنے لگو تم بلاشبہ سیدھے راستہ سے بھٹک جاؤ گے اور اگر آج موسیٰ زندہ ہو کر آ جائیں اور میری نبوت کو پالیں تو وہ یقیناً میرا ہی اتباع کریں گے۔

آپؐ کو کمال دین عطا ہوا

(۲۲) اگر اور انبیاء کو دین عطا کیا گیا تو آپ کو کمال دین دیا گیا جس میں نہ کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی۔

الیوم اکملت لکم دینکم (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا (جس میں نہ اب کمی کی گنجائش ہے، نہ زیادتی کی)۔

(۲۳) اگر اور انبیاء کو ہنگامی دین دیئے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوامی دین عطا کیا گیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ آج کے دن میں نے دین کو کامل کر دیا (جس میں کوئی کمی نہیں رہی تو کسی نئے دین کی ضرورت نہیں رہی پس وہ منسوخ ہو گیا جس سے اِس دین کا دوامی ہونا ظاہر ہے اور پہلے ادیان میں کمی تھی جس کی اِس دین سے تکمیل ہوئی تو پچھلے کسی ناتمام دین کی اب حاجت نہیں رہی پس وہ منسوخ ہو گیا جس سے اس کا ہنگامی ہونا ظاہر ہے۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ دین عطا ہوا

(۲۴) اگر اور انبیاء کو دین عطا ہوا تو آپ کو غلبہ دین عطا کیا گیا۔

ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول بھیجا ہدایت و دین دے کر تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں تجدید رکھی گئی

(۲۵) اگر اور انبیاء کے دین میں تحریف و تبدیل راہ پا گئی جس سے وہ ختم ہو گئے تو آپ کے دین میں تجدید رکھی گئی جس سے وہ قیامت تک تازہ بہ تازہ ہو کر دواماً باقی رہے گا۔

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل ماۃ سنہ من یجدد لھا دینھا (مشکوۃ)

ترجمہ:۔ بلا شبہ اللہ تعالےٰ اٹھاتا رہے گا اِس امت کیلئے وہ لوگ جو ہر صدی کے سرے پر دین کو تازہ بہ تازہ کرتے رہیں گے۔

شریعت محمدی میں جلال و جمال کا کمال غالب ہے

(۲۶) اگر شریعت موسوی میں جلال اور شریعت عیسوی میں جمال غالب تھا۔ یعنی حکم کی صرف ایک ایک جانب کی رعایت تھی۔ تو شریعت محمدی میں جلال و جمال کا مجموعی کمال

غالب ہے۔ جس کا نام اعتدال ہے۔ جس میں حکم کی دونوں جانبوں کے ساتھ درمیانی جہت کی رعایت ہے جسے توسط کہتے ہیں۔ **وجعلنکم امة وسطاً.**

ترجمہ: ۔ اور بنایا ہم نے تم کو (بحیثیت دین) کے امت اعتدال۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں تنگی ختم کردی گئی

(۲۷) اگر دینوں میں تشدد اور تنگی اور شاق شاق ریاضتیں تھیں، جسے تشدد کہا جاتا ہے تو اس دین میں نرمی اور توافق طبائع رکھ کر تنگ گیری ختم کردی گئی ہے۔

لا تشدد وعلیٰ انفسکم فیشدد اللہ علیکم فان قوماً شددو علیٰ انفسهم فشدد اللہ علیهم فتلک بقایا هم فی الصوامع والدیار

(ابو داؤد عن انس)

ترجمہ: ۔ اپنے اوپر سختی مت کرو (ریاضت شاقہ اور ترکِ لذات میں مبالغے مت کرو) کہ اللہ بھی تم پر سختی فرمانے لگے اس لیے کہ جنہوں نے اپنے اوپر تشدد کیا۔ رہبانیت سے یعنی یہود ونصاریٰ تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی سو یہ مندروں اور خانقاہوں میں کچھ انہی کے بچے بچائے لوگ پڑے ہوئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں اعتدال ہے

(۲۸) اگر بسلسلہ خصومات شریعت موسوی میں تشدد ہے یعنی انتقام فرض ہے۔ عفو و درگذر جائز نہیں۔

وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین الآیة.

ترجمہ: ۔ اور ہم نے ان بنی اسرائیل پر فرض کردیا تھا تورات میں نفس کا بدلہ نفس، آنکھ کا بدلہ آنکھ۔

اور شریعت عیسوی میں تساہل ہے یعنی عفو و درگذر فرض ہے انتقام جائز نہیں۔ نبص انجیل گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا گال بھی پیش کردو انجیل میں فرمایا گیا ہے کہ کوئی تمہارے بائیں گال پر تھپڑ مارے تو تم دایاں گال بھی پیش کہ بھائی ایک اور مارتا چل۔ خدا تیرا بھلا کرے گا۔

تو شریعتِ محمدی میں توسط و اعتدال فرض ہے کہ انتقام جائز اور عفو و درگذر افضل ہے جسمیں یہ دونوں شریعتیں جمع ہو جاتی ہیں۔

وجزاء سیئة مثلها فمن عفا و اصلح فاجرهٔ علی اللہ انه لا یحب الظّٰلمین (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور برائی کا بدلہ اسی جیسی اور اتنی ہی برائی ہے یہ خلق حسن ہے اور جو معاف کرے اور درگزر کرے تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ اور اللہ ظالموں کو جو حدود (سے گزر جانے والے ہوں) پسند نہیں کرتا۔

شریعت محمدی میں ظاہر کی طہارت بھی ہے باطن کی بھی

(۲۹) اگر شریعت عیسوی میں صرف باطنی صفائی پر زور دیا گیا ہے، خواہ ظاہر گندہ ہی کیوں نہ رہ جائے نہ غسلِ جنابت ہے نہ تطہیر اعضاء، دوسری ملتوں میں صرف ظواہر کی صفائی پر زور دیا گیا ہے کہ غسل بدن روزانہ ضروری ہے خواہ میں باطن میں خطرات کفر و شرک کچھ بھی بھرے پڑے رہیں تو شریعت محمدی میں طہارت ظاہر و باطن دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔ **وثیابک فطھر** (القرآن الحکیم) حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا۔ **فتیٰ ارفع ازارک فانه انقی لثوبک واتقی لربک** ارشاد حدیث ہے۔ **السواک مطھرة للفم مرضاة للرب۔**

ترجمہ:۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے قریب ایک نوجوان مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا جس کی ازار ٹخنوں سے نیچی زمین پر گھسٹتی ہوئی آ رہی تھی۔ تو فرمایا کہ اے جوان لنگی ٹخنوں سے اوپر اٹھا کہ یہ کپڑے کے حق میں صفائی اور پاکی اور پروردگار کی نسبت سے تقویٰ (باطنی پاکی) کا سبب ہوگی جس سے ظاہری و باطنی دونوں پاکیوں کا مطلوب ہونا واضح ہے اور حدیث میں ہے کہ مسواک کرنا منہ کی تو پاکی ہے اور پروردگار کی رضا ہے۔ یعنی مسواک ظاہری اور باطنی دونوں پاکیاں پیدا کرتی ہے، جس سے ظاہر و باطن کی صفائی اور پاکی کا مطلوب ہونا نمایاں ہے۔

دین محمدی میں پوری انسانیت کی آزادی ہے

(۳۰) اگر اور ادیان میں اپنی اپنی قومیتوں اور ان ہی کے چھٹکارے کی رعایت ہے۔ مقولہ موسوی ہے۔

ان ارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم

ترجمہ:۔ بھیج میرے ساتھ بنی اسرائیل کو اور نہیں ستا مت۔

مقولہ عیسوی ہے کہ میں اسرائیلی بھیڑوں کو جمع کرنے آیا ہوں'' وغیرہ تو دین محمدی میں نفس انسانیت کی رعایت اور پورے عالم بشریت پر شفقت سکھلائی گئی ہے۔

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من یحسن الیٰ عیالہ (مشکوٰۃ)

ترجمہ:۔ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اِس کے کنبہ کے ساتھ احسان سے پیش آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت وحقیقت دونوں عطا ہوئیں

(۳۱) اگر اور انبیاء نے صرف ظاہر شریعت یا صرف باطن پر حکم کیا تو آپ نے ظاہر و باطن دونوں پر حکم کیا اور آپ کو شریعت وحقیقت دونوں کی عطا کی گئیں۔

عن الحارث بن حاطب ان رجلا سرق علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتی بہ فقال اقتلوہ فقالوا انما سرق قال فاقطعوہ (فقطع) ثم سرق ایضا فقطع ثم سرق علی عھد ابی بکر فقطع ثم سرق فقطع حتیٰ قطعت قوائمہ ثم سرق الخامسہ فقال ابوبکر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم بھذا حیث امر بقتلہ اذھبوا بہ فاقتلوہ (مستدرک، حاکم و صححہ)

ترجمہ:۔ خضر علیہ السلام نے صرف باطن شریعت یعنی حقیقت پر حکم کیا جیسے کشتی توڑ دی۔ ناکردہ گناہ لڑکے کو قتل کر دیا یا بخیل گاؤں کی دیوار سیدھی کر دی اور موسےٰ علیہ السلام نے صرف ظاہر شریعت پر حکم کیا کہ ان تینوں امور میں حضرت خضر علیہ السلام سے مواخذہ کیا۔ جب انہوں نے حقیقت حال ظاہر کی تب مطمئن ہوئے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر شریعت پر بھی حکم فرمایا جیسا کہ عام احکام شرعیہ ظاہر ہی پر ہیں اور کبھی کبھی باطن اور حقیقت پر بھی حکم فرمایا جیسا کہ حدیث میں اس کی نظیر یہ ہے کہ حارث بن حاطب ایک چور کو لائے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اسے قتل کر دو حالانکہ چوری کی ابتدائی سزا قتل نہیں تو صحابہؓ نے موسیٰ صفت بن کر عرض کیا کہ

یارسول اللہ اس نے تو چوری کی ہے (کسی کو قتل نہیں کیا جو قتل کا حکم فرمایا جاوے) فرمایا اچھا اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ اس نے پھر چوری کی تو اس کا (بایاں پیر) کاٹ دیا گیا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں اس نے پھر چوری کی تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا چوتھی بار اس نے پھر چوری کی تو دایاں پیر بھی کاٹ دیا گیا۔ لیکن چاروں ہاتھ پیر کاٹ دیئے جانے کے باوجود جب اس نے پانچویں دفعہ پھر چوری کی تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اسکے بارہ میں علم حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھا کہ آپ نے پہلی ہی بار ابتداہی میں جان لیا تھا کہ چوری اس کا جزوِ نفس ہے یہ چوری کی سزاؤں سے باز آنے والا نہیں اور ابتداہی میں اس کے باطن پر حکم لگا کر قتل کا حکم دیدیا تھا۔ ہمیں اب خبر ہوئی جب کہ وہ ظاہر میں ضابطہ سے قتل کے قابل بنا۔ لہٰذا اسے قتل کردو۔ تب وہ قتل کیا گیا۔ اس قسم کے بہت سے واقعات احادیث میں جا بجا ملتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اجتہادی مذاہب عطا کئے گئے

(۱۳۲ الف) اگر انبیاء سابقین کو شرائع اصلیہ دی گئیں تو آپ کو آپ کی امت کے راسخین فی العلم کو شرائع وضعیہ یعنی اجتہادی مذاہب عطا کیے گئے جن میں تشریع کی شان رکھی گئی کہ آئمہ اجتہاد اصل شریعت کے احکام وعلل واوصاف اور اسرار وحکم میں شرعی ذوق سے غور وتدبیر کر کے نئے نئے حوادث کے احکام کا استخراج کریں اور باطن شریعت کھول کر نمایاں کر دیں۔

لعلمه الذين يستنبطونه منهم (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور جب ان کے پاس کوئی بات امن کی یا خوف کی پہنچتی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر اسے وہ پیغمبر کی طرف یا راسخین فی العلم تک پہنچا دیتے تو جو لوگ اِس میں سے استنباط کرتے ہیں وہ اسے جان لیتے (جس سے استنباطی اور اجتہادی شرائع ثابت ہوتی ہیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلمکے دین میں ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے

(۳۲ ب) اگر اور انبیاء کے ادیان میں ایک نیکی کا اجر ایک ہی ہے تو آپ کے دین میں ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے اور ایک نیکی برابر دس نیکیوں کے ہے۔ **من جاء بالحسنة فله عشر امثالها** (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ جس نے ایک نیکی کی تو اس کے لیے دس گنا اجر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ نمازیں ملیں

(۳۳) اگر اور انبیاء کو ایک ایک نماز ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ نمازیں عطاء ہوئیں۔

عن محمد بن عائشه ان آدم لما يتب عليه عند الفجر صلىٰ ركعتين فصارت الصبح وفدى اسحق عند الظهر فصلى ابراهيم اربعا فصارت الظهر وبعث عزير فقيل له كم لبثت قال يوما فراى الشمس فقال اوبعض يوم فصلىٰ اربع ركعات فصارت العصر و غفر لداؤد عند المغرب فقام فصلىٰ اربع ركعات فجهد فجلس فى الثالثة فصارت المغرب ثلثا و اول من صلى العشاء الاخرة نبينا محمدٌ صلى الله عليه وسلم (طحاوی بحوالہ خصائص کبریٰ ۲/۲۰۴)

ترجمہ:۔ محمد بن عائشہؒ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی توبہ جس دن فجر کے وقت قبول ہوئی تو انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں تو صبح کی نماز کا وجود ہوا اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کا جب ظہر کے وقت فدیہ دیا گیا اور انہیں ذبح سے محفوظ رکھا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعتیں بطورِ شکر نعمت پڑھیں تو ظہر ہوگئی اور حضرت عزیر علیہ السلام کو جب زندہ کیا گیا اور کہا گیا کہ تم کتنے وقت مردہ رہے؟ کہا، ایک دن، پھر جو سورج دیکھا تو کہا یا کچھ حصہ دن (جو عصر کا وقت ہوتا ہے) اور چار رکعت پڑھی تو عصر ہوگئی اور مغفرت کی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی غروب کے وقت تو وہ کھڑے ہوئے چار رکعت پڑھنے کے لیے تین پڑھی تھیں کہ تھک گئے تو تیسری ہی میں بیٹھ گئے تو مغرب ہوگئی اور سب سے پہلے جس نے عشاء کی نماز پڑھی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مذکورہ چاروں نمازیں بھی آپ کو دی گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں

(۳۴) اگر اور انبیاء کی ایک نماز ایک ہی رہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ نمازیں پچاس کے برابر رکھی گئیں۔

هى خمس بخمسين (نسائی عن انس)

ترجمہ:۔ شب معراج میں آپ کو پچاس نمازیں دی گئیں جن میں موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے آپ کمی کی درخواستیں کرتے رہے اور پانچ پانچ ہر دفعہ کم ہوتی رہیں جب پانچ رہ گئیں اور آپ نے حیاءً ان میں کمی کی درخواست نہیں فرمائی۔ تو ارشاد ہوا بس یہ پانچ نمازیں ہی آپ پر اور آپ کی امت پر فرض ہیں مگر یہ پانچ پچاس کے برابر رہیں گی اجر و ثواب میں۔

(۳۵) اگر اور انبیاء نے بطور شکر نعمت خود سے اپنی اپنی نمازیں متعین کی تو آپ کو آسمان پر بلا کر اپنی تعیین سے نمازیں خود حق تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائیں۔ **(کما فی حدیث المعراج المشھور)**

ترجمہ:۔ جیسا کہ حدیث معراج میں تفصیلاً مذکور ہے اور حاشیہ ۲۸ میں اس کا مختصر تذکرہ آچکا ہے۔

آپؐ کے لئے پوری زمین مسجد ہے

(۳۶) اگر اور انبیاء کی نمازیں مخصوص مواقع کے ساتھ مقید تھیں جیسے محراب یا صومعہ یا کنیسہ وغیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے لیے پوری زمین کو مسجد بنایا گیا۔

جعلت لی الارض مسجدا وطھورا (بخاری ومسلم) وحدیث جابر **ولم یکن احد من الانبیاء یصلی حتی یبلغ محرابہ** (خصائص کبریٰ ۲/۱۸۷)

ترجمہ:۔ انبیاء میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ اپنی محراب (مسجد) میں آئے بغیر نماز ادا کرتا ہو یعنی بغیر مسجد کے دوسری جگہ نماز ہی ادا نہ ہوتی تھی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئیں ہیں جو سابقہ انبیاء نہیں کو دی گئیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میرے لئے ساری زمین کو مسجد اور ذریعہ پاکی بنا دیا گیا ہے کہ اس سے تیمّم کرلوں جو حکم میں وضو کے ہو جائے یا تیمّم جنابت کرلوں جو حکم میں غسل جنابت کے ہو جائے جب کہ پانی موجود نہ ہو یا اس پر قدرت نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام کی طرف بھیجے گئے

(۳۷) اگر اور انبیاء اپنے اپنے قبیلوں اور قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تو آپ تمام اقوام اور تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔

کان النبی یبعث الی قومه خاصه و بعثت الی الناس کافة (بخاری و مسلم عن جابر)

وفی التنزیل وما ارسلنٰک الا کافةً للناس۔

ترجمہ:۔ ہر نبی خصوصیت سے اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں سارے انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں اور قرآن شریف میں ہے اور نہیں بھیجا ہم نے تمہیں اے پیغمبر مگر سارے انسانوں کے لیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت عام ہے

(۳۸) اگر اور انبیاء کی دعوت خصوصی تھی تو آپ کو دعوتِ عامہ دی گئی۔

یایها الناس اعبدوا ربکم وقال اللہ تعالیٰ یایها الناس اتقوا ربکم (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اے انسانو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ اے انسانو! اپنے رب سے ڈرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں کیلئے رحمت ہیں

(۳۹) اگر اور انبیاء محدود حلقوں کے لیے رحمت تھے تو آپ سارے جہانوں کے لیے رحمت تھے۔

وما ارسلنٰک الا رحمة للعلمین (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

(۴۰) اگر اور انبیاء اپنے اپنے حلقوں کو ڈرانے والے تھے۔ تو حضورؐ جہانوں کیلئے نذیر تھے۔

وان من امة الا خلافیها نذیر اور حضورؐ کے لیے ہے۔ **لیکون للعلمین نذیراً** (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور کوئی امت نہیں گزری جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو اور حضور کے لیے فرمایا گیا تا کہ ہوں آپ سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے ہادی ہیں

(۴۱) اگر اور انبیاء اپنی اپنی قوموں کے لیے مبعوث اور ہادی تھے **ولکل قوم هاد** (ہر قوم کے لیے ایک ایک ہادی ضرور آیا) تو حضورؐ سارے انسانوں کے لیے ہادی تھے۔

وما ارسلناک الا کافة للناس (القرآن الحکیم)

وبعثت انا الی الجن والانس (بخاری ومسلم حسن جابر)

ترجمہ:۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سارے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اور ارشاد حدیث ہے کہ میں بھیجا گیا ہوں، جنوں اور انسانوں سب کی طرف۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفعتِ ذکر عطا ہوا

(۴۲) اگر اور انبیاء کو ذکر دیا گیا کہ مخلوق انہیں یاد رکھے تو آپ کو رفعتِ ذکر دی گئی کہ زمینوں اور آسمانوں، دریاؤں اور پہاڑوں، میدانوں اور غاروں میں آپ کا نام علی الاعلان پکارا جائے۔ اذانوں اور تکبیروں، خطبوں اور خاتموں، وضو نماز اور اوراد واشغال اور دعاؤں کے افتتاح واختتام میں آپ کے نام اور منصبِ نبوت کی شہادت دی جائے۔

ورفعنا لک ذکرک (القرآن الحکیم)

وحدیث ابوسعید خدری۔

قال لی جبریل قال اللہ اذا ذکرت ذکرت معی (ابن حریر وابن حبان)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اپنے پیغمبر تمہارا ذکر اونچا کیا۔ حدیث میں ہے کہ مجھے جبرائیل نے کہا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا (اے پیغمبر) جب آپ کا ذکر کیا جائے گا۔ تو میرے ساتھ کیا جائے گا اور جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر ہوگا جیسا کہ اذانوں، تکبیروں، خطبوں اور دعاؤں کے افتتاح واختتام کے درود شریف سے واضح ہے اور امت میں معمول بہ ہے جیسا فرمایا گیا۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول. واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین. ویطیعون اللہ ورسولہ. انما المومنین الذین آمنوا باللہ ورسولہٖ . براء ۃ من اللہ ورسولہ. واذان من اللہ ورسولہ. استجیبوا للہ والرسول. ومن یعص اللہ ورسولہ. اذا قضیٰ اللہ ورسولہ امرًا. وشاقوا اللہ ورسولہ. ومن یشاقق اللہ ورسولہ. ومن یحادد اللہ ورسولہ. ولم یتخذوا من دون اللہ ولا ورسولہ. یحاربون اللہ ورسولہ. ما حرم اللہ ورسولہ قل الانفال للہ والرسول. فان للہ خمسہ وللرسول. فردوہ الی اللہ

والرسول. ما اتاهم الله ورسوله. سيؤتينا الله من فضله ورسوله. اغناهم الله ورسوله. كذبوا الله و رسوله. انعم الله عليه و انعمت عليه. الذين يومنون بالله و رسوله. لا تقدموا بين يدى الله رسوله.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ کے ذکر کے ساتھ ہے

(۴۳) اگر اور انبیاء کا محض ذکر حق تعالےٰ نے فرمایا تو آپ کا ذکر اپنے نام کے ساتھ ملا کر فرمایا۔ دیکھو سابقہ حاشیہ کی دو درجن سے زائد آیتیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت اور جلوت میں کمال دیا

(۴۴) اگر اور انبیاء نے روحانیت کے کمال کو خلوت وانقطاع اور رہبانیت کا پابند ہو کر دکھلایا۔ تو آپ نے اسے جلوتوں کے ہجوم جہاد، جماعت، سیاحت و سفر، شہری زندگی، معاشرت اور حکومت وسیاست کے سارے اجتماعی گوشوں میں سمو کر دکھلایا۔ **لا رهبانية فى الاسلام** (الحدیث) **وسياحة امتى الجهاد** (الحدیث) **قل سيروا فى الارض** (القرآن الحکیم) **لا اسلام الا بجماعة** ..... (مقولۂ عمر رضی اللہ عنہ)

ترجمہ:۔ اسلام میں رہبانیت (گوشہ گیری، انقطاع) نہیں اور میری امت کی سیاحت و سیر جہاد ہے۔ کہہ دیجئے اے پیغمبر! کہ چلو پھرو زمین میں۔ اور اسلام جماعتی اور اجتماعی چیز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی معجزات بھی دیئے اور علمی بھی

(۴۵) اگر اور انبیاء کو عملی معجزات (عصاء موسیٰ، یدِ بیضا، احیاء عیسیٰ، نار خلیل ناقہ صالح، ظلہ شعیب، قمیض یوسف وغیرہ) دیئے گئے جو آنکھوں کو مطمئن کر سکے تو آپ کو ایسے سینکڑوں معجزات کے ساتھ علمی معجزہ (قرآن) بھی دیا گیا، جس نے عقل، قلب اور ضمیر کو مطمئن کیا۔ **انا انزلناه قرآنا عربيا لعلكم تعقلون** (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ ہم نے قرآن اتارا تا کہ عقل سے سمجھو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوامی معجزات ملے

(۴۶) اگر اور انبیاء کو ہنگامی معجزات ملے جو ان کی ذوات کے ساتھ ختم ہو گئے کیونکہ وہ

ان ہی کے اوصاف تھے تو حضور کو دوامی معجزہ قرآن کا دیا گیا۔ جو تا قیامت اور بعد القیامت باقی رہنے والا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا وصف ہے جو لازوال ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔

ترجمہ: ۔ ہم نے ہی یہ قرآن اتارا ہے۔ اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب محفوظ ہے

(۴۷) اگر اور حضرات کو وہ کتابیں ملیں جن کی حفاظت کا کوئی وعدہ نہیں تھا۔ اسلیے وہ بدل سدل گئیں تو آپ کو وہ کتاب دی گئی جس کے وعدۂ حفاظت کا اعلان کیا گیا جس سے وہ کبھی نہیں بدل سکتی۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه (القرآن الحکیم)

ترجمہ: ۔ ہم ہی نے یہ ذکر قرآن اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اور فرمایا نہیں اِس کے پاس پھٹک سکتا باطل، نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کتاب ملی

(۴۸) اگر اور انبیاء سابقین کی کتابیں ایک ہی مضمون مثلاً صرف تہذیب نفس یا صرف معاشرت یا صرف سیاست مدن یا وعظ وغیرہ اور ایک ہی لغت پر نازل شدہ دی گئیں تو حضورؐ کو سات اصولی مضامین پر مشتمل کتاب دی گئی جو سات لغات پر اتری۔

کان الکتاب الاول ینزل من باب واحد علی حرف واحد و نزل القرآن من سبعة ابواب علی سبعة احرف زاجر و آمر و حلال حرام ومحکم ومتشابه و امثال۔ (مستدرک حاکم و بیهقی عن ابن مسعود)

ترجمہ: ۔ پہلی کتابیں ایک ایک خاص مضمون اور ایک ایک لغت میں اترتی تھیں اور قرآن سات مضامین میں سات لغت کے ساتھ اترا ہے۔ زجر امر حلال، حرام، محکم متشابہ اور امثال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع کلم عطا ہوئے

(۴۹) اگر اور حضرات کو صرف ادا مطلب کے کلمات دیئے گئے تو آپ کو جوامع الکلم و

جامع اور فصیح و بلیغ ترین تعبیرات دی گئیں جس سے اوروں کی پوری پوری کتابیں آپکی کتاب کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں ادا گئیں اور ان میں سما گئیں۔

اعطیت جوامع الکلم (مسند احمد عن جابر) خصائص ۲/۱۹۳)

اعطیت مکان التوراۃ السبع الطوال ومکان الزبور المئین و مکان الانجیل. المثانی و فضلت بالمفصل (بیھقی و اثلة ابن الاسقع)

ترجمہ:۔ مجھے جوامع کلم دیئے گئے ہیں یعنی مختصر اور جامع ترین جملے جن میں تہ کی بات کہہ دی گئی ہو اور ارشاد حدیث ہے مجھے دیئے گئے ہیں توراۃ کی جگہ سبع طوال (ابتداء کی سات سورتیں آل عمران، مائدہ، نساء، انعام، انفعال، توبہ) اور زبور کی جگہ مئین (سوسو آیتوں والی سورتیں اور انجیل کی جگہ مثانی سورہ فاتحہ) اور صرف مجھے ہی جو فضیلت دی گئی ہے وہ مفصل کی جس میں طوال مفصل وساط مفصل اور قصار مفصل سب شامل ہیں اور سورۂ ق یا سورۂ فتح یا سورۂ محمدؐ سے علی اختلاف الروایات شروع ہو کر ختم قرآن تک چلی گئیں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء کا ذکر فرمایا

(۵۰) اگر قرآن میں حق تعالےٰ نے اور انبیاء کی ذوات کا ذکر فرمایا۔ تو حضورؐ کے ایک ایک عضو اور ایک ایک اداء کا پیار و محبت سے ذکر کیا ہے۔ چہرہ کا ذکر فرمایا، **قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء** ۔ آنکھ کا ذکر فرمایا، **ولا تمدن عینیک** ۔ زبان کا ذکر فرمایا، **فانما یسرناہ بلسانک** ۔ ہاتھ اور گردن کا ذکر فرمایا، **ولا تجعل یدک مغلولة الیٰ عنقک** ۔ سینہ کا ذکر فرمایا، **الم نشرح لک صدرک** ۔ پیٹھ کا ذکر فرمایا، **ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک** ۔ قلب کا ذکر فرمایا، **نزله علیٰ قلبک** ۔ آپ کی پوری زندگی اور عمر کا ذکر فرمایا جس میں تمام ادائیں اور احوال بھی آجاتے ہیں۔ **لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون**۔

آیات اعضاء کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔
ہم دیکھ رہے ہیں تیرا چہرہ گھما گھما کر آسمان کو دیکھنا۔
اور آنکھیں اٹھا کر مت دیکھ۔

بلاشبہ ہم نے (قرآن کو) آسان کر دیا ہے تیری زبان پر۔

اور مت کر اپنے ہاتھ کو سکڑا ہوا اپنی گردن تک۔

کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا؟

اور ہم نے اتار دیا تجھ سے بوجھ تیرا جس نے تیری کمر توڑ رکھی تھی۔

اتارا اللہ نے قرآن تیرے دل پر۔

تیری زندگی کی قسم! یہ (کفار) اپنی (بے عقلی کی) مدہوشیوں میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتماعی عبادت ملی

(۵۱) اگر اوروں کو انفرادی عبادتیں ملیں تو آپ کو ملائکہ کی طرف صف بندی کی اجتماعی عبادت دی گئی جس سے یہ دین اجتماعی ثابت ہوا۔ **فضلت علی الناس بثلاث الیٰ قولہ وجعلت صفوفنا کصفوف الملٰئکۃ** (بیہقی عن حذیفہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ:۔ (مجھے فضیلت دی گئی ہے لوگوں پر تین باتوں میں) جن میں سے ایک یہ ہے کہ کی گئی ہیں ہماری صفیں (نماز میں) مثل صفوف ملائکہ کے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ نے عالم کو جھکا دیا

(۵۲) اگر اور انبیاء کے عملی معجزات اپنی اپنی قوموں کی اقلیتوں کو جھکا کر رام کر سکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تنہا ایک ہی علمی معجزے قرآن حکیم نے عالم کی اکثریت کو جھکا کر مطیع بنا لیا۔ کروڑوں ایمان لے آئے اور جو نہیں لائے وہ اس کے اصول ماننے پر مجبور ہو گئے پھر بعض نے انہیں اسلامی اصول کہہ کر تسلیم کیا اور بعض نے عملاً قبول کر لیا تو ان کی زبانیں ساکت رہیں۔

ما من الانبیاء نبی الا اعطی ما مثلہ آمن علیہ البشر و انما کان الذی اوتیتہ وحیاہ او حاہ اللہ الی فارجو ان اکون اکثرھم تابعاً

(بخاری عن ھریرہ)

ترجمہ:۔ کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا کہ اسے کوئی ایسا اعجازی نشان نہ دیا گیا ہو جس پر آدمی ایمان لا سکے اور مجھے خدا نے وہ اعجازی نشان وحی کا دیا ہے (یعنی قرآن حکیم) جس سے مجھے امید ہے کہ میرے ماننے والے اکثریت میں ہوں گے (خصائص کبریٰ ۲/۱۸۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت کے دوران مخاطب بنایا گیا

(۵۳ الف) اگر اور انبیاء کو عبادت الٰہی میں اِس جہت سے بھی مخاطب نہیں بنایا گیا تو حضور کو عین نماز میں تحیت و سلام میں مخاطب بنایا گیا۔ **السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته۔**

ترجمہ:۔ (الف) سلامتی ہو تم پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لواء الحمد ملے گا

(۵۳ ب) اگر محشر میں اور انبیاء کے محدود جھنڈے ہوں گے جن کے نیچے صرف انہی کی قومیں اور قبیلے ہوں گے تو آپ کے عالمگیر جھنڈے کے نیچے جس کا نام **لواء الحمد** ہو گا۔ آدم اور ان کی ساری ذریت ہوگی۔

آدم ومن دونه تحت لوائی یوم القیٰمة ولا فخر (مسند احمد)

ترجمہ:۔ (ب) آدم اور ان کی ساری اولاد میرے جھنڈے کے تلے ہوں گے قیامت کے دن۔ مگر فخر سے نہیں کہتا بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولین وآخرین کے خطیب ہونگے

(۵۴) اگر انبیاء وامم سب کے سب قیامت کے دن سامع ہوں گے۔ تو آپ اس دن اولین وآخرین کے خطیب ہوں گے۔ **فلیراجع** (خصائص کبریٰ)

ترجمہ:۔ خصائص کبریٰ کی ایک طویل حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اپنی ذاتی پہچان عطاء ہوئی

(۵۵) اگر قیامت کے دن تمام انبیاء کی امتیں اپنے انبیاء کے نام اور انتساب سے پہچانی جاویں گی تو آپ کی امت مستقلاً خود اپنی ذاتی علامت اعضاء وضو کی چمک اور نورانیت سے پہچانی جائے گی۔ **قالوا یارسول الله اتعرفنا یومئذ ؟ قال نعم لکم سیما لیست لاحد من الامم تردون علی غراً محجلین من اثر الوضوء** (مسلم عن ابی ہریرہ)

ترجمہ:۔ صحابہ نے عرض کیا جبکہ آپ حوض کوثر کا ذکر فرما رہے تھے) یارسول کیا آپ

ہمیں اس دن پہچان لیں گے؟ (جبکہ اولین وآخرین کا ہجوم ہوگا) فرمایا ہاں تمہاری ایک علامت ہوگی جو امتوں میں سے کسی اور میں نہ ہوگی اور وہ یہ کہ تم میرے پاس (حوض کوثر پر) اِس شان سے آؤ گے کہ تمہارے چہرے روشن اور پاؤں نورانی اور چمکدار ہوں گے وضو کے اثر سے (یعنی اعضاء وضو کی چمک دمک سے میں تمہیں پہچان لوں گا۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو القاب سے خطاب فرمایا

(۵۶) اگر اور انبیاء کو حق تعالےٰ نے نام لے لے کر خطاب فرمایا کہ **یآدم اسکن انت وزوجک الجنة. ینوح اهبط بسلم منا و برکت. یا ابراهیم اعرض عن هذا. یموسیٰ انی اصطفیتک علی الناس برسٰلتی. یداؤد انا جعلنٰک خلیفة فی الارض …… یزکریا انا نبشرک بغلٰمٍ اسمه یحییٰ. یٰحییٰ خذ الکتاب بقوة. یعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیَّ.**

ترجمہ:۔ اے آدم! تو اور تیری زوجہ جنت میں ٹھیرو۔
اے نوح (کشتی سے) اُتر ہماری ہوئی سلامتی اور برکات کے ساتھ۔
اے ابراہیم! اِس سے درگزر کر۔
اے موسیٰ! میں نے تجھے لوگوں میں منتخب کیا اپنی پیغامبری کے ساتھ۔
اے داؤد! میں نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا۔
اے زکریا! ہم تجھے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔
اے یحییٰ! کتاب کو مضبوط تھام۔
اے عیسیٰ! مجھے تجھے پورا پورا لینے والا اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔

تو حضورؐ کو تکریماً نام کے بجائے آپکے منصبی القاب سے خطاب فرمایا جس سے آپ کی کامل محبوبیت عنداللہ نمایاں ہوتی ہے۔

یایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک. یایها النبی انا ارسلنٰک شاهدا. یایها المزمل قم اللیل الا قلیلا. یایها المدثر. قم فانذر.
(القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پہنچا دے اس چیز کو جو میں نے تیری طرف اتاری۔
اے نبی! میں نے تجھے گواہ بنا کر بھیجا ہے۔
اے کملی والے! قیام کر رات بھر۔ مگر کچھ کم۔
اے چادر والے! کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر پکارنے سے روکا گیا

(۵۷) اگر اور انبیاء کو ان کی امتیں اور ملائکہ نام لے لے کر پکارتے تھے۔ کہ **یموسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم الھة. یعیسی ابن مریم ھل یستطیع ربک؟ یلوط انا رسل ربک۔** تو اس امت کو ادباً حضورؐ کا نام لے کر مخاطب بنانے سے روکا گیا۔ **لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعا بعضکم بعضاً۔**

ترجمہ:۔ اے موسیٰ! ہمیں بھی ویسے ہی خدا بنا دے جیسے ان (صنعا والوں) کے ہیں۔
اے عیسیٰ! ابن مریم! کیا تیرا رب اِس کی قوت کر لیتا ہے۔
اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے فرستادہ ہیں۔

مت پکارو رسول کو اپنے درمیان مثل آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کے کہ بے تکلف نام لے لے کر خطاب کرنے لگو، بلکہ ادب و تعظیم کے ساتھ منصبی خطابات یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ وغیرہ کہہ کر پکارو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے اعلیٰ معراج کرایا گیا

(۵۸) اگر اور انبیاء کو معراج روحانی یا منامی یا جسمانی مگر درمیانی آسمانوں تک دی گئی۔ جیسے حضرت مسیحؑ کو چرخِ چہارم تک، حضرت ادریسؑ کو پنجم تک تو حضورؐ کو روحانی معراجوں کے ساتھ جسمانی معراج کے ذریعہ ساتوں آسمانوں سے گزار کر سدرۃ المنتہیٰ اور مستویٰ تک پہنچا دیا گیا۔ **ثم صعد بی فوق سبع السمٰوٰت واتیت سدرة المنتھی** (نسائی عن انس)

ترجمہ:۔ پھر مجھے چڑھایا گیا ساتوں آسمان سے بھی اوپر اور میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع خود اللہ نے کیا

(۵۹) اگر اور انبیاء نے اپنی مدافعت خود کی اور دشمنان حق کو خود ہی جواب دے کر اپنی

برات بیان کی۔ جیسے نوح علیہ السلام پر قوم نے ضلالت کا الزام لگایا تو خود ہی فرمایا۔ **یقوم لیس بی ضلالۃ**۔ قوم ھاد نے حضرت ہودؑ پر کم عقلی کا الزام لگایا تو خود ہی فرمایا۔ **یقوم لیس بی سفاھۃ**۔ ابراہیم علیہ السلام پر قوم نے شکست اصنام کا الزام لگا کر ایذا دینی چاہی تو خود ہی توریہ کے ساتھ مدافعت فرمائی۔ **بل فعلہ کبیرھم ھذا**۔ حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان صورت فرشتوں کو قوم نے قبھانے کی کوشش کی تو خود ہی اپنے لیے قوت مدافعت کی آرزو ظاہر فرمائی۔ **لو ان لی بکم قوۃ اور اٰوی الیٰ رکن شدید**۔ تو حضورؐ کی طرف سے ایسے مواقع پر مدافعت خود حق تعالیٰ نے فرمائی اور کفار کے طعنوں کی جواب دہی خود ہی کر کے آپ کی برات بیان فرمائی۔ کفار مکہ نے آپ پر ضلالت و گمراہی کا الزام لگایا تو فرمایا۔ **ماضل صاحبکم وما غویٰ**۔ کفار نے آپ کو بے عقل اور مجنوں کہا تو فرمایا۔ **ما انت بنعمتہ ربک بمجنون**۔ اور **وما صاحبکم بمجنون**۔ کفار نے آپ کی پاکیزہ باتوں کو ہوائے نفسانی کی باتیں بتلایا تو فرمایا۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ کفار نے آپ کی وحی کو شاعری کہا تو فرمایا۔ **وما ھو بقول شاعر** اور فرمایا **وما علمنٰہ الشعر وما ینبغی لہ**۔ کفار نے آپ کی ہدایتوں کو کہانت کہا فرمایا۔ **وما ھو بقول کاھن**۔ کفار نے آپ کو مشقت زدہ اور معاذ اللہ شقاوت زدہ کہا تو فرمایا۔ **ما انزلنا علیک القرآن لتشقی**۔

ترجمہ:۔ اے قوم مجھ میں گمراہی نہیں ہے۔ میں رب العٰلمین کا رسول ہوں۔

اے قوم! مجھ میں سفاہت (کم عقلی) نہیں ہے۔ میں تو رب العٰلمین کا فرستادہ ہوں۔

بلکہ یہ بت شکنی تو ان میں کے بڑے کا کام ہے (یعنی میرا) مگر بلحاظ بڑے بت کا۔

اے کاش! مجھے تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی مضبوط پناہ میں نہ تمہارا ساتھی گمراہ نہ کج راہ۔

تم اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں سے مجنون نہیں اور تمہارا ساتھی جنونی نہیں ہے۔

اور پیغمبر ہوائے نفس سے کچھ نہیں کہتا۔ وہ تو وحی ہوتی ہے۔ جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔

اور وہ قول شاعر کا نہیں اور ہم نے انہیں (حضورؐ کو) شاعری کی تعلیم نہیں دی اور نہ یہ ان کی شان کے مناسب تھا۔

اور وہ قول کاہن کا نہیں ہے۔

ہم نے قرآن تم پر اِس لیے نہیں اتارا کہ تم تعب اور محنت میں پڑ جاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحیت خود اللہ نے کی

(۶۰) اگر حضرت آدم کی تحیت کے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو حضور کی تحیت بصورت درود وسلام خود حق تعالیٰ نے کی جس میں ملائکہ بھی شامل رہے اور قیامت تک امت کو اس کے کرتے رہنے کا حکم دیا اور اسے عبادت بنا دیا۔

ان اللہ وملئکتہ، یصلون علی النبی یایھا الذین آمنو اصلّوا علیہ وسلموا تسلیما (القرآن الحکیم) اور **السلام علیک ایھا النبیِ ورحمۃ اللہ وبر کاتہ۔**

ترجمہ:۔ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔ اے ایمان والو! تم بھی درود وسلام اس نبی پاک پر بھیجو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہو گیا

(۶۱) اگر حضرت آدمؑ کا شیطان کافر تھا اور کافر ہی رہا تو حضورؐ کا شیطان آپ کی قوت تاثیر سے کافر سے مسلم ہو گیا۔

کما فی الروایۃ الاتیۃ۔

ترجمہ:۔ جیسا کہ اگلی روایت میں آ رہا ہے۔

ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معین بنیں

(۶۲) اگر حضرت آدمؑ کی زوجہ پاک (حواء) ان کی خطا میں معین ہوئیں تو حضورؐ کی ازواج مطہرات آپ کے کارِ نبوت میں معین ہوئیں۔

فضلت علیٰ آدم بخصلتین کان شیطانی کافر افا عاننی اللہ علیہ حتیٰ اسلم وکن ازواجی عونالی۔ وکان شیطان آدم کافر۔ وزوجتہ عونا علی خطیئتہ (بیھقی عن ابن عمر)

ترجمہ:۔ مجھے دو باتوں میں آدم علیہ السلام پر فضیلت دی گئی ہے میرا شیطان کافر تھا

جس کے مقابلہ میں اللہ نے میری مدد فرمائی یہانتک کہ وہ اسلام لے آیا اور میری بیویاں میرے (دین کے) لیے مددگار بنیں (حضرت خدیجہؓ نے احوالِ نبوت میں حضور کو سہارا دیا۔ ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وقتاً فوقتاً آپ کی تسلی تشفی کی۔ حضرت عائشہؓ نصف نبوت کی حامل ہوئیں اور دوسری ازواج مطہرات قرآن کی حافظہ اور حدیث کی راوی ہوئیں) درحالیکہ آدم کا شیطان کافر ہی تھا۔ اور کافر ہی رہا اور ان کی زوجہ ان کی خطیہ میں ان کی معین ہوئیں کہ شجرہ ممنوعہ کھانے کی ترغیب دی جس کو خطاء آدم کہا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روضہ جنت عطاء ہوا

(٦٣) اگر حضرت آدمؑ کو حجرِ جنت (حجرِ اسود) دیا گیا جو بیت المقدس میں لگا دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روضہ جنت عطاء ہوا جو آپ کی قبر مبارک اور ممبر شریف کے درمیان رکھا گیا۔ **ما بین قبری و منبری روضہ ریاض الجنة** (بخاری ومسلم)

ترجمہ:۔ میری قبر اور ممبر کے درمیان ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٣٦٠ بت نکلوائے

(٦٤) اگر حضرت نوح علیہ السلام نے مساجد اللہ میں پانچ بت نکلوانے چاہے مگر نہ نکلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں سے تین سو ساٹھ بت نکالے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل گئے اور نہ صرف بیت اللہ سے بلکہ اس کے حوالی اور مضافات سے بھی نکال پھینکے گئے۔

وقالو لا تذرن الھتکم ولا تذرن وداً ولا سواعا ولا یغوث و یعوق ونسرا (القرآن الحکیم)

ان الشیطٰن قدیئس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب (مشکوٰۃ)

یایها الذین آمنوا انما الخمر و المیسر والانصاب والازلام رجس من عَمَلِ الشیطٰن فاجتنبوہ. (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور (قوم نوح نے) کہا کہ دیکھو اپنے خداؤں (یعنی پانچ بتوں) وہ سواع یغوث یعوق اور نسر کو نوح کے کہنے سے ہرگز مت چھوڑنا (چنانچہ نہیں چھوڑا تا آنکہ طوفان میں غرق ہو گئے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو ساٹھ بتوں کی ناپاکی کو ہمیشہ کے لیے نکال پھینکا (جیسا کہ سیر میں مرقوم ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود عطا ہوا

(٦٥) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام ابراہیم دیا گیا جس سے بیت اللہ کی دیواریں اونچی ہوئیں تو حضور کو مقام محمود عطا ہوا۔ جس سے ربّ البیت کی اونچائی نمایاں ہوئی اور **عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً** (القرآن الحکیم)۔ اور ساتھ ہی مقام ابراہیم کی تمام برکات سے پوری امت کو مستفید کیا گیا۔ **واتخذو امن مقام ابراھیم مصلیٰ۔**

ترجمہ:۔ قریب ہے کہ اللہ آپ کو (اے نبی کریم) مقام محمود پر بھیجے گا۔ جس پر پہنچ کر حضور حق تعالےٰ کی عظیم ترین حمد وثنا کریں گے اور اِس کی رفعت و بلندی بیان فرمائیں گے اور مقام ابراہیم کے بارہ میں قرآن نے فرمایا۔ **فیہ آیات بینات مقام ابراھیم** (بیت اللہ میں مقام ابراہیم ہے جو جنت سے لایا ہوا ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ بیت اللہ کی تعمیر کرتے تھے اور جوں جوں تعمیر اونچی ہوتی جاتی وہ پتھر اتنا ہی اونچا ہو جاتا اور جب حضرت کا اترنے کا وقت ہوتا تو پھر اصلی حالت پر آ جاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقائق الٰہیہ دکھلائیں

(٦٦) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حقائق ارض وسما دکھلائی گئیں۔ **وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض.** تو حضور کو ان آیات کے ساتھ حقائق الٰہیہ دکھلائی گئیں۔ **لنریہٗ من اٰیتنا۔** (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اور ایسے ہی دکھلائیں ہم ابراہیمؑ کو آسمان وزمین کی حقیقتیں اور تاکہ ہم دکھلائیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (شب معراج میں) اپنی خاص نشانیاں قدرت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر مشاہدات کرائے

(٦٧) اگر حضرت خلیل اللہ کو آیات کونیہ زمین پر دکھلائیں گئیں تو حضورؐ کو آیاتِ الٰہیہ (آیات کبریٰ) کا مشاہدہ آسمانوں میں کرایا گیا۔ **لقد راٰی من ایٰت ربہ الکبریٰ** (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو آگ نہ جلا سکی

(۶۸) اگر حضرت ابراہیمؑ پر نار نمرود اثر نہ کر سکی تو حضورؐ کے کئی صحابہ کو آگ نہ جلا سکی جس پر آپؐ نے فرمایا۔

الحمد للّٰہ الذی جعل فی امتنا مثل ابراھیم الخلیل

(ابن رجب عن ابن لہیعہ خصائص کبریٰ ۲/۷۹)

ترجمہ:۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری امت میں ابراہیم خلیل کی مثالیں پیدا فرمائیں عمار بن یاسر کو مشرکین مکہ نے آگ میں پھینک دیا۔ حضورؐ ان کے پاس سے گزرے تو ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ **ینار کونی برداً وسلاماً علی عمار کما کنت علیٰ ابراھیم۔** (عن عمر بن میمون خصائص کبریٰ ۲/۸۰)

اے آگ عمار پر بردو سلام ہو جا جیسے تو ابراہیم پر ہوگئی۔ ذویب ابن کلیب کو اسود عنسی نے آگ میں ڈال دیا۔ اور آگ اثر نہ کر سکی تو آپ نے وہ سابقہ جملہ ارشاد فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری امت میں ابراہیم علیہ السلام کی مثالیں پیدا فرمائیں۔ ایک خولانی شخص کو (جو قبیلہ خولان کا فرد تھا) اسلام لانے پر اس کی قوم نے اسے آگ میں ڈال دیا تو آگ اسے نہ جلا سکی ابن عساکر عن جعفرانی وشیہ) وغیرہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محشر میں بلند مقام عطا ہوگا

(۶۹) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محشر میں سب سے اول لباس پہنا کر انکی کرامت کا اعلان کیا جائیگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی دائیں جانب ایسے بلند مقام پر کھڑا کیا جائیگا کہ اولین و آخرین آپ پر غبطہ کریں گے جبکہ وہاں تک کوئی نہ پہنچ سکے گا۔

اول من یکسی ابراھیم یقول اللہ تعالیٰ اکسوا خلیلی قیوتیٰ بریطتین بیضا وین من رباط الجنه ثم اکسیٰ علیٰ اثرہ ثم اقوم عن یمین اللہ مقاماً یغبطنی الاولون والاخرون۔ (رواہ الدارمی عن بن مسعود)

ترجمہ:۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو روز محشر لباس پہنایا جائیگا۔ فرمائیں گے حق تعالیٰ میرے خلیل کو لباس پہناؤ تو دو سفید براق چادریں جنت سے لائی جاویں گی اور

پہنائی جاویں گی۔ پھر ان کے بعد مجھے بھی لباس پہنایا جائیگا۔ پھر میں کھڑا ہونگا۔ اللہ کی جانب یمین ایک ایسے مقام پر کہ اولین و آخرین مجھ پر غبطہ کریں گے، یعنی میری کرامت سب پر فائق ہو جائیگی جن میں ابراہیم علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پانی جاری ہوا

(۷۰) اگر حضرت اسمٰعیلؑ کے لیے پرِ جبریل سے زمزم کا سوت جاری ہوا جس سے وہ سیراب ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پانی کے سوت پھوٹے۔ جس سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سیراب ہوئے۔

بینما الحسن مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذ عطش فاشتد ظماہ فطلب لہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ماءً فلم یجدہ فاعطاہ لسانہ فمصہ حتی روی۔ (ابن عساکر عن ابی جعفر)

ترجمہ:۔ اسی اثناء میں کہ حضرت امام حسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک انہیں پیاس لگی اور شدید ہوگئی تو حضورؐ نے ان کے لیے پانی طلب فرمایا مگر نہ مل سکا تو آپ نے اپنی زبان ان کے منہ میں دے دی جسے وہ چوسنے لگے۔ اور چوستے رہے یہاں تک کہ سیراب ہوگئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع حسن عطاء ہوا

(۷۱) اگر حضرت یوسف علیہ السلام کو شطر حسن یعنی حسن جزئی عطاء ہوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن کل یعنی حسن جامع عطا کر دیا گیا جس کی حقیقت جمال ہے جو سرچشمہ حسن اور صفت خداوندی ہے۔ فلما اکبر نہ و قطعن ایدیھن۔ جس کی شرح حضرت عائشہؓ نے فرمائی کہ زنانِ مصر نے یوسف کو دیکھا تو ہاتھ قلم کر لیے۔ اگر میرے محبوب کو دیکھ پاتیں تو دلوں کے ٹکڑے کر ڈالتیں جو حضورؐ کے حسن و جمال کی افضلیت اور کلیت کی طرف اشارہ ہے۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ:۔ جب زنانِ مصر نے یوسفؑ کو دیکھا تو اپنے ہاتھ قلم کر ڈالے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ نے سدرۃ المنتہٰی کے پاس کلام فرمایا

(۷۲) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالےٰ نے کوہ طور اور وادی مقدس میں کلام

کیا۔ تو حضورؐ سے ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک کلام فرمایا۔ **فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ** ۔ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس خدا نے اپنے بندے پر وحی کی جو اسے کرنا تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے چشمے پھوٹے

(۷۳) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء سے بارہ چشمے جاری ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے شیریں پانی کے کتنے ہی چشمے پھوٹ پڑے۔ **فرایت الماء ینبغ من بین اصابعه فجعل القوم تیوضا ون فخرزت من توضا ما بین السبعینِ الی الثمانینِ** (بخاری و مسلم عن انس)

ترجمہ:۔ میں دیکھتا ہوں کہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان میں سے جوش مار کر نکل رہا ہے۔ یہاں تک کہ پوری قوم نے اِس سے وضو کر لی تو میں نے جو وضو کرنے والوں کو شمار کیا تو وہ ستر اور اسی کے درمیان تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدارِ جمال سے مشرف فرمایا

(۷۴) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کانوں کو لذتِ کلام دی گئی اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت سے نوازا گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کو دیدار جمال سے مشرف کیا گیا۔

ان اللہ اصطفیٰ ابراهیم بالخله واصطفیٰ موسیٰ بالکلام واصطفیٰ محمدا بالروية. (بیهقی عن ابن عباس)

ماکذب الفواد مارای (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ اللہ نے منتخب کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانے کے لیے اور منتخب کیا موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے لیے اور منتخب کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار کیلئے۔ قرآن نے فرمایا کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا سوال دیدار کرایا گیا

(۷۴) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال دیدار پر بھی انہیں **لن ترانی** تم مجھے

ہرگز نہیں دیکھ سکتے کا جواب دے دیا گیا تو حضور کو بلا سوال آسمانوں پر بلا کر دیدار کرایا گیا۔

ما کذب الفواد ما رای قال ابن عباس راہ مرة ببصرہ و مرة بفوادہ

(فتح الملھم فی التفسیر سورة النجم)

ترجمہ:۔ دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا اِس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے حق تعالیٰ کو ایک بار آنکھوں سے اور ایک بار دِل سے دیکھا۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات　　　تو عین ذات می نگری در تبسمی

صحابہؓ نے دریاءِ دجلہ کو پار کیا

(۷۵) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو بحرِ قلزم میں راستے بنا کر بمعیت موسوی گزار دیا گیا تو حضورؐ کے صحابہ کو بعد وفاتِ نبوی دریائے دجلہ کے بہتے ہوئے پانی میں سے راہیں بنا کر گھوڑوں سمیت گذارا گیا۔

لما عبر المسلمون یوم مدائن اقتحم الناس دجلة انح

(خصائص کبریٰ ۲/۲۸۳) کامل ابن اثیر عن العلا بن الحضرمی)

ترجمہ:۔ فتح مدائن کے موقعہ پر مسلمانوں نے دریائے دجلہ کو عبور کیا اور اس میں لوگوں نے ہجوم کیا تو صحابہ کی کرامتوں کا ظہور ہوا۔ اِس میں روایت کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ جب بغداد و عراق پر مسلمانوں نے فوج کشی کی تو بغداد کے کنارہ پر اِس ملک کا سب سے بڑا دریا دجلہ ہے جو بیچ میں حائل ہوا۔ حضرات صحابہ کے پاس نہ کشتیاں تھیں اور نہ پیدل چل کر یہ گہرا پانی عبور کیا جا سکتا تھا۔ اِس موقعہ پر بظاہر اسباب ان حضرات کو فکر دامن گیر ہوا تو حضرت علاء بن الحضرمی نے دعا کا مشورہ دیا۔ خود دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور سارے صحابہ نے مل کر دعا کی۔ ختم دعا پر حکم دیا کہ سب مل کر ایک دم گھوڑے دریا میں ڈال دیں تو ان حضرات نے جوشِ ایمانی میں خدا پر بھروسہ کر کے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ گھوڑے ہانپ ہانپ گئے۔ پانی بہت زیادہ تھا تو حق تعالیٰ نے ان کے دم لینے کے لیے مختلف سامان فرمائے۔ بعض صحابہؓ کے گھوڑوں کے لیے جا بجا پانی گہرائیوں میں خشکی نمایاں کر دی گئی۔ بعض کے گھوڑے پانی ہی میں رُک کر اور کھڑے ہو کر دم لینے لگے اور پانی انہیں ڈبو نہ سکا۔ بعض کے گھوڑوں کو پانی کی سطح کے اوپر سے اس طرح گزارا گیا جیسے وہ زمین پر چل رہے ہیں۔ جس پر اہلِ فارس نے ان مقدسین کی نسبت یہ کہا تھا کہ یہ انسان

نہیں جنات معلوم ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صحابہ موسوی (بنی اسرائیل) کو بحرِ قلزم میں بمعیت موسوی راستے بنا کر قلزم سے گزارا گیا تھا تو اِس امت میں اس کی نظیر یہ واقعہ ہے جس میں صحابہ نبوی کے لیے دجلہ میں راستے بنائے گئے اور ایک انداز کے نہیں۔۔ بلکہ مختلف اندازوں سے۔ اور صحابہ بھی شکر نعمت کے طور پر اس کو واقعہ موسوی کی نظیر ہی کے طور پر دیکھتے تھے۔ پس جو معاملہ بنی اسرائیل کے ساتھ نبی کی موجودگی میں کیا تو وہ معجزہ تھا اور یہاں وہی معاملہ بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر نبی خاتم کے صحابہؓ کے ساتھ نبی کی وفات کے بعد کیا گیا جس سے ان کی کرامت نمایاں ہوئی اور امت محمدیہ کی فضیلت امت موسوی پر اِس واقعہ خاص میں بھی نمایاں رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین بھر کے خزانے عطاء ہوئے

(۷۶) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارضِ مقدس (فلسطین) دی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مفاتیح ارض (زمین کی کنجیاں) عنایت کی گئیں۔

او تیت مفاتیح خزائن الارض۔

ترجمہ:۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں سپرد کر دی گئیں۔

معجزۂ نبوی کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا

(۷۷) اگر عصاء موسوی کے معجزے کے مقابلہ میں ساحرانِ فرعون نے بھی اپنی اپنی لاٹھیوں کو سانپ بنا کر دکھلایا یا صورۃً معجزے کی نظیر لے آئے گو حقیقتاً وہ تخیل اور نقشبندی خیال تھی۔

فالقو احبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی.

ترجمہ:۔ ساحرانِ فرعون نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور دیکھنے والوں کے خیال میں یوں گزرنے لگا کہ وہ سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں۔) تو معجزۂ نبوی قرآن حکیم کے مقابلہ میں اللہ کے بار بار چیلنجوں کے باوجود آج تک جن وانس ساحر وغیر ساحر، کاہن وغیر کاہن، اور شاعر وغیر شاعر مل کر بھی اس کی کوئی نظیر ظاہری صورت کی بھی نہ لا سکے۔

قل لئن اجتمعت الانس و الجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن
لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا. (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ کہہ دیجئے اے پیغمبر کہ اگر جن وانس اس پر جمع ہو جائیں کہ وہ اِس قرآن کا مثل لے آئیں گے تو وہ نہیں لاسکیں گے اگرچہ سب مل کر ایک دوسرے کی مدد پر بھی کھڑے ہو جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے سورج واپس ہوا

(۷۸) اگر حضرت یوشع ابن نون (حضرت موسیٰ) کے لیے آفتاب کی حرکت روک دی گئی کہ وہ کچھ دیر غروب ہونے سے رکا رہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ صاحبِ نبوی کے لیے غروب شدہ آفتاب کو لوٹا کر دن کو واپس کر دیا گیا۔

نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و راسہّ فی حجر علی ولم یکن صلی العصر حتیٰ غربت الشمس فلما قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعالہٗ فردت علیہ الشمس حتیٰ صلیٰ ثم غابت ثانیہ.

(ابن مردویہ عن ابی ہریرہ و ابن مندہ و ابن شاہین والطبرانی عن اسماء بنت عمیس)

ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور آپ کا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے خیال سے نماز کے لیے نہ اٹھ سکے) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اور یہ صورت حال ملاحظہ فرمائی) تو حضرت علی کے لیے دعا فرمائی۔ جس سے آفتاب لوٹا دیا گیا (دن نمایاں ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے نماز پڑھی اور سورج دوبارہ غروب ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا

(۷۹) اگر حضرت یوشع ابن لوق کے لیے سورج روک کر اس کی روانی اور حرکت کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے تو حضورؐ کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر ڈالے گئے۔ **اقتربت الساعة وانشق القمر** (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ قیامت قریب آ گئی اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بریت خود خدا نے کی

(۸۰) اگر حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ہوائے نفس کی پیروی سے روکا کہ لا

تتبع الهوىٰ فيضلک عن سبيل الله.

ترجمہ:۔ (اے داؤد) ہوائے نفس کی پیروی مت کرنا کہ وہ تمہیں راہِ حق سے بھٹکا دے گی۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس ہوائے نفس کی پیروی کی نفی فرمائی اور خود ہی بریت ظاہر کی۔

وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحي يوحىٰ (القرآن الحكيم)

ترجمہ:۔ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہوائے نفس سے نہیں بولتے۔ وہ وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

محمدی انگوٹھی کی تاثیر

(۸۱) اگر انگشتری سلیمانی میں جنات کی تاثیر تھی کہ وہ کسی وقت گم ہوئی تو جنات پر قبضہ نہ رہا تو انگشتری محمدی میں تسخیر قلوب وارواح کی تاثیر تھی کہ جس دن وہ عہدِ عثمانی میں گم ہوئی۔ اسی دن سے قلوب وارواح کی وحدت میں فرق آ گیا اور فتنہ اختلاف شروع ہو گیا۔

بئر اريس؟ وما بئر اريس؟ سوف تعلمون۔

ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ( ) انتقال کے بعد جبکہ ان کا جنازہ رکھا ہوا تھا تو اچانک ان کے ہونٹوں میں حرکت ہوئی یہ کلمات نکلے۔ اریس کا کنواں؟ کیا ہے وہ اریس کا کنواں؟ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ صحابہ حیران تھے کہ ان جملوں کا کیا مطلب ہے؟ کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ دور عثمانی میں ایک دن حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ اریس کے کنویں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انگلی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طشتری تھی جسے آپ طبعی حرکت کے ساتھ ہلا رہے تھے کہ اچانک انگشتری طشتری میں سے نکل کر کنویں میں جا پڑی۔ قلوب عثمانی اور تمام صحابہ کے قلوب میں اضطراب و بے چینی پیدا ہوئی کنویں میں آدمی اترے۔ سارے کنویں کو کنگھال ڈالا۔ مگر انگشتری نہ ملنا تھی نہ ملی۔ آخر صبر کر کے سب بیٹھ رہے۔ اسی دن فتنوں کا آغاز ہو گیا اور بندھے ہوئے قلوب میں انتشار کی کیفیات آنے لگیں جو بعد کے فتنہ تخرب واختلاف کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہو گئی کہ **اذا وضع السيف في امتي لم يرفع عنها الىٰ يوم القيٰمة** (میری امت میں جب تلوار نکل آئے گی) پھر وہ قیامت تک میان میں نہ جائے

گی) چنانچہ اس فتنہ کے سلسلہ میں سب سے پہلا مظلمہ اور ہولناک ظلم حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں نمایاں ہوا۔ اب سب کی سمجھ میں آیا کہ بیر اریس کا کیا مطلب تھا۔ یہ درحقیقت اشارہ تھا کہ قلوب کی وحدت انگشتری محمدی کی برکت سے قائم تھی۔ اس کا بیر اریس میں گم ہونا تھا کہ قلوب کی وحدت اور امت کی یگانگت پارہ پارہ ہوگئی۔ جو آج تک واپس نہیں ہوئی۔ پس جنات کا مسخر ہو جانا آسان ہے۔ جو آج تک بھی ہوتا رہتا ہے۔ لیکن انسانوں کے دلوں کی تالیف مشکل ہے جو گم ہو کر آج تک نہیں مل سکی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں کی بولی کا علم عطاء ہوا

(۸۲) اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر کا علم دیا گیا جس سے وہ پرندوں کی بولیاں سمجھتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عام جانوروں کی بولیاں سمجھنے کا علم دیا گیا۔ جس سے آپ ان کی فریادیں سنتے اور فیصلے فرماتے تھے۔ اونٹ کی فریاد سنی اور فیصلہ فرمایا (بیہقی عن حماد بن مسلمہ) بکری کی فریاد سنی اور اسے تسلی دی (مصنف عبدالرزاق) ہرنی کی فریاد سنی اور حکم فرمایا (طبرانی عن ام سلمہ) چڑیا کی بات سنی اور معالجہ فرمایا (بیہقی وابو نعیم عن ابن مسعود) سیاہ گدھے سے آپ نے کلام فرمایا اور اسکا مقصد سنا (ابن عساکر عن ابن منظور)

ترجمہ: ۔ ان روایات کے تفصیلی واقعات یہ ہیں ایک اونٹ آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر گر پڑا اور رونے لگا اور کچھ بلبلاتا رہا تو آپ نے اس کے مالک کو بلا کر فرمایا کہ یہ شکایت کر رہا ہے کہ تو اسے ستاتا ہے۔ اور اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادتا ہے۔ خدا سے ڈر۔ اس نے اقرار کیا اور توبہ کی۔ ایک بکری کو قصاب ذبح کرنا چاہتا تھا۔ جو جائز ذبیحہ تھا۔ وہ اس سے چھوٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھاگ آئی اور پیچھے پیچھے ہولی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے بکری! صبر کر حکم خداوندی پر۔ اور اے قصاب اسے نرمی سے ذبح کر۔ آپؐ جنگل میں تھے کہ اچانک یا رسول اللہ کی آواز آپؐ نے سنی۔ آپؐ نے دیکھا کوئی نظر نہ آیا ایک جانب دیکھا تو ایک ہرنی بندھی ہوئی دیکھی۔ جس نے کہا۔ یا رسول اللہؐ ذرا میرے قریب آیئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا بات ہے؟ اس نے کہا میرے دو بچے اس پہاڑی میں ہیں۔ ذرا مجھے کھول دیجئے کہ میں انہیں دودھ پلا دوں۔ اور میں ابھی لوٹ آؤں گی فرمایا تو ایسا کرے گی کہ لوٹ آئے؟ کہا اگر

ایسا نہ کروں تو خدا مجھے عذاب دے۔ آپؐ نے کھول دیا اور وہ حسبِ وعدہ دودھ پلا کر لوٹ آئی اور آپؐ نے اسے وہیں باندھ دیا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک درخت پر چڑیا کے دو بچے گھونسلے میں دیکھے۔ ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ تو ان کی ماں حضورؐ کے پاس آئی اور سامنے آ کر فریادی کی سی صورت اختیار کرتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بچوں کو پکڑ کر کس نے اسے درد میں مبتلا کیا ہے؟ عرض کیا گیا ہم نے فرمایا جہاں سے یہ بچے پکڑے تھے وہیں چھوڑ آؤ۔ تو ہم نے چھوڑ دیئے۔

بھیڑیئے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دی

(۸۳) اگر حضرت سلیمان علیہ السلام بعض حیوانات کی بولیاں سمجھ جاتے تھے تو حضورؐ کی برکت سے جانور انسانی زبان میں کلام کرتے تھے۔ جسے ہر انسان سمجھتا تھا۔ بھیڑیئے نے آپ کی رسالت کی شہادت عربی زبان میں دی۔ (بیہقی عن ابن عمر)۔ گوہ نے فصیح عربی میں نبوت کی شہادت دی۔ (طبرانی وبیہقی عن)

ترجمہ:۔ بھیڑیئے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دی اور لوگوں کو اسلام لانیکی دعوت بھی دی۔ لوگ حیران تھے کہ بھیڑیا آدمیوں کی طرح بول رہا ہے۔ نیز ایک بھیڑیا بطور وفد کے خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اپنے رزق کے بارے میں کہا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ یا تو ان بھڑیوں کے لیے اپنی بکریوں میں سے خود کوئی حصہ مقرر کر دو یا انہیں ان کے حال پر رہنے دو۔ صحابہؓ نے بات حضورؐ پر چھوڑ دی۔ آپؐ نے رئیس الوفد بھیڑیئے کو کچھ اشارہ فرمایا اور وہ سمجھ کر دوڑتا ہوا چلا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوانوں کو بات سمجھا دی

(۸۴) اگر حضرت سلیمانؑ پرندوں کی بات سمجھ لیتے تھے تو حضورؐ اپنی بات حیوانات کو سمجھا دیتے تھے۔ بھیڑیئے کو آپؐ نے بات سمجھا دی اور وہ راضی ہو کر چلا گیا۔ (طبرانی عن عمر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کا اقتدار عطاء ہوا

(۸۵) اگر حضرت سلیمانؑ نے پرندوں کی بات سمجھ لیتے تھے تو حضورؐ کو پوری زمین کی

کنجیاں سپرد کر دی گئیں جس سے مشارق و مغارب پر آپ کا اقتدار نمایاں ہوا۔ **اعطیت مفاتیح الارض** (مسند احمد بن علی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر مانگے ملک عطاء ہوا

(٨٦) اگر حضرت سلیمانؑ نے ملک یہ کہہ کر مانگا کہ وہ میری ساتھ مخصوص رہے میرے بعد کسی کو نہ ملے۔ چنانچہ ان کی امت اور رعیت میں سے کسی کو نہیں ملا۔ **رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔** تو حضورؐ کو مشارق و مغارب کا ملک بے مانگے بلکہ انکار کے باوجود دیا گیا جسے آپؐ نے اپنی امت کا ملک فرمایا جو آپ کے بعد امت کے ہاتھوں ترقی کرتا رہا۔ اور دنیا کے آخری دور میں امت ہی کے ہاتھوں پوری دنیا پر چھائے گا۔

ان اللہ روی فی الارض مشارقھا و مغاربھا و سیبلغ ملک امتی مازوی لی منھا . (بخاری)

ترجمہ:۔ اللہ نے زمین کا مشرق و مغرب مجھے دکھلایا اور میری امت کا ملک وہیں تک پہنچ کر رہے گا جہاں تک میری نگاہیں پہنچی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے براق مسخر ہوا

(٨٧) اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر ہوئی کہ اپنے قلمرو میں جہاں چاہیں اڑ کر پہنچ جائیں تو حضورؐ کے لیے براق مسخر ہوا کہ زمینوں سے آسمانوں اور آسمانوں سے جنتوں اور جنتوں سے مستوی تک پل بھر میں پہنچ جائیں۔

ترجمہ:۔ جیسا کہ معراج کی مشہور حدیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں جن میں براق کی ہیئت اور قد و قامت تک کی بھی تفصیلات فرما دی گئی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر آسمان میں بھی تھے

(٨٨) اگر سلاطین انبیاء کے وزراء زمین تک محدود تھے جو ان کے ملک کے بھی زمین تک محدود ہونے کی علامت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وزیر زمین کے تھے ابو بکرؓ و عمرؓ اور دو وزیر آسمانوں کے تھے جبرئیل و میکائیل جو آپ کے ملک کے زمین و آسمان دونوں تک پھیلے ہوئے ہونے کی علامت ہے۔ **ولی وزیو ای فی الارض وزیرای فی السماء اما وزیر ی فی**

الارض فابوبکر و عمر. واما وزیر ای فی السماء فجبریل ومیکائیل۔ (الریاض النضرۃ)

ترجمہ:۔ میرے دو وزیر زمین میں ہیں اور دو آسمان میں زمین کے وزیر ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں اور آسمان کے وزیر جبرئیل ومیکائیل ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احیائے قلوب عطاء ہوا

(۸۹) اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو احیاء موتی کا معجزہ دیا گیا۔ جس سے مردے زندہ ہو جاتے تھے تو آپ کو احیاء موتی کے ساتھ احیاء قلوب وارواح کا معجزہ بھی دیا گیا جس سے مردہ دل جی اٹھے اور صدیوں کی جاہل قومیں عالم وعارف بن گئیں۔

ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء بان یقولوا لا الہ الا اللہ ویفتح بہ اعیننا عمیاء واذا ناصماً وقلوبا غلفا (بخاری عن عمرو ابن العاص)

ترجمہ:۔ عمر بن عاص فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تورات میں یہ فرمائی گئی ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ آپ کے ذریعہ سے ٹیڑھی قوم (عرب) کو سیدھا نہ کردے کہ وہ توحید پر نہ آجائیں اور کھولے گا آپ کے ذریعہ ان کی اندھی آنکھیں اور بہرے کان اور اندھے دل۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے کھجور کے تنہ کو جان ملی

(۹۰) اگر حضرت روح اللہ کے ہاتھ پر قابلِ حیات پیکروں مثلاً پرندوں کی ہیئت نما انسانوں کی مردہ نعش میں جان ڈالی گئی تو حضورؐ کے ہاتھ پر نا قابلِ حیات کھجور کے سوکھے تنہ میں حیات آفرینی کی گئی۔ **فصاحت النخلہ صیاح الصبی۔** (بخاری عن جابر) نیز آپ کے اعجاز سے دروازہ کے کواڑوں نے تسبیح پڑھی اور دست مبارک میں کنکریوں کی تسبیح کی آوازیں سنائی دیں۔ (خصائص کبریٰ)

ترجمہ:۔ جابر سے روایت ہے کہ کھجور کا ایک سوکھا تنا جس پر ٹیک لگا کر حضورؐ خطبہ ارشاد فرماتے تھے جب ممبر بن گیا اور آپؐ اِس پر خطبہ دینے کے لیے چڑھے تو وہ سوکھا ستون اس

طرح رونے چلانے لگا اور سکنے لگا جیسے بچے سکتے ہیں تو آپ نے شفقت و پیار سے اس پر ہاتھ رکھا تب وہ چپ ہوا۔ (خصائص ۲/۷۵)

کھجور کے تنہ میں انسانوں کی سی حیات آئی

(۹۱) اگر مسیح کے ہاتھ پر زندہ ہونے والے پرندوں میں پرندوں ہی کی سی حیات آئی اور وہ پرندوں ہی کی سی حرکات کرنے لگے تو آپؐ کے ہاتھ پر جی اٹھنے والے کھجور کے سوکھے تنے میں انسانوں بلکہ کامل انسانوں کی سی حیات آئی کہ وہ عازمانہ گریہ وبکا اور عشق الٰہی میں فنائیت کی باتیں کرتا ہوا اٹھا۔ وہاں حیوان کو حیوان ہی نمایاں کیا گیا اور یہاں سوکھی لکڑی کو کامل انسان بنا دیا گیا۔ (كما فى الحديث السابق)

ترجمہ:۔ جیسا کہ حدیث بالا میں گزرا۔

استن حنانہ از ہجر رسولؐ　　نالہ ہامی زوچو ارباب عقول

امت محمدیہ کے لوگ کھانے پینے سے مستغنی ہوں گے

(۹۲) اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمانوں میں رکھ کر کھانے پینے سے مستغنی بنایا گیا تو حضرت خاتم الانبیاء کی امت کے لوگوں کو زمین پر رہتے ہوئے کھانے پینے سے مستغنی کر دیا گیا۔ یاجوج ماجوج کے خروج اور ان کے پوری زمین پر قابض ہو جانے کے وقت مسلمین ایک محدود طبقہ زمین میں پناہ گزیں ہوں تو ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔

قالوا فما طعام المومنين يومئذٍ؟ قال التسبيح و التكبير و التهليل
(مسند احمد عن عائشه)

وفى روايت اسماء بنت عميس نحوفيه يجزئهم ما يجزى اهل السماء من التسبيح و التقديس (خصائص کبریٰ ۲/۲۱۵)

ترجمہ:۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آج کے دن یعنی یاجوج ماجوج کے قبضہ عمومی کے زمانہ میں) مسلمانوں کے کھانے پینے کی صورت کیا ہوگی؟ فرمایا۔ تسبیح وتکبیر اور تہلیل یعنی ذکر اللہ ہی غذا ہو جائے گا۔ جس سے زندگی برقرار رہے گی اور اسماء بنت عمیس کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے لیے کھانے پینے کی حد تک وہی چیز کفایت کرے گی جو آسمان والوں

(ملائکہ) کو کفایت کرتی ہے۔ یعنی تسبیح وتقدیس۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ خود اللہ تھے

(۹۳) اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی حفاظت کے لئے روح القدس (جبریل) مقرر تھے تو حضور کی حفاظت خود حق تعالٰے فرماتے تھے۔ **واللہ یعصمک من الناس** (القرآن الحکیم)

ہو کیوں جبریل دربانِ محمدؐ　　خدا خود ہے نگہبانِ محمدؐ

(حضرت شیخ الہندؒ)

ترجمہ:۔ اور اللہ بچاؤ فرمائے گا تمہارا (اے محمدؐ) لوگوں (کے شر) سے۔

امت محمدیہ مجتہد بنائی گئی

(۹۴) اگر اور انبیاء کی امتیں پابند رسول و جزئیات اور بندھی جُری رسموں کے اتباع میں مقلد جامد بنائی گئیں کہ نہ ان کے یہاں ہمہ گیر اصول تھے کہ ان سے ہنگامی احکام کا استخراج کریں اور نہ انہیں تفقہ کے ساتھ ہمہ گیر دین دیا گیا تھا کہ قیامت تک دنیا کا شرعی نظام اس سے قائم ہو جائے تو امت محمدی مفکر، فقیہ اور مجتہد امت بنائی گئی تا کہ اصول وکلیات سے حسبِ حوادث و واقعات احکام کا استخراج کر کے قیامت تک کا نظم اسی شریعت سے قائم کرے۔ جس سے اس کے فتاویٰ اور کتب فتاویٰ کی تعداد ہزاروں اور لاکھوں تک پہنچی۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون
(القرآن الحکیم)

فلولا نفر من کل فرقة منھم طائفة لیتفقھوا فی الدین.

ترجمہ:۔ اور ہم نے آپ کی طرف اے پیغمبر ذکر (قرآن) اتارا تا کہ آپ کھول کھول کر لوگوں کے لیے وہ چیزیں بیان کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئیں اور تا کہ لوگ بھی (ان بین المراد امور میں) تفکر اور تدبر کریں اور فرمایا کیوں ایسا نہیں ہوتا) (یعنی ضرور ہونا چاہیے) کہ ہر جماعت اور ہر طبقہ میں سے کچھ کچھ لوگ نکلیں اور دین میں تفقہ اور سمجھ پیدا کریں۔

امت محمدیہ کے راسخین فی العلم مفروض الاطاعۃ ہیں

(۹۵) اسی لیے اگر انبیاء سابقین مفروض الطاعۃ تھے تو اللہ و رسول کے بعد اِس امت

کے راسخین فی العلم علماء ہی مفروض الاطاعۃ بنائے گئے۔ یایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (القرآن الحکیم)

امت محمدیہ کے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل کا لقب ملا

(۹۶) اگر علماء بنی اسرائیل کو احبار و رہبان کا لقب دیا بحوائے۔ اتخذ وا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ تو اس امت کے راسخین فی العلم کو کانبیا بنی اسرائیل کا لقب دیا گیا۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (ترجمہ:۔ میری امت کے علماء مثل بنی اسرائیل کے ہیں (نورانیت اور آثار کی نوعیت میں) یہ حدیث گو ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں قبول کی گئی ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ نے اس سے دو جگہ استشہاد کیا ہے۔) اور انہیں انبیاء کی طرح دعوتِ عام اور تبلیغ عمومی کی طرح دعوتِ عام اور تبلیغ عمومی کا منصب دیا گیا۔ اسی لیے ایک حدیث میں علماء امت کے انوار کو انوارِ انبیاء سے تشبیہ دی گئی۔ و نورھم یوم القیٰمۃ مثل نور الانبیاء ۔ (بیہقی عن وہب ابن منبہ) نیز امت کے کتنے ہی اعمال کو اعمال انبیاء سے تشبیہ دی گئی کہ وہ اعمال یا انبیاء کو دیئے گئے یا اس امت کو عطاء ہوئے دوسرے امتوں کو نہیں ملے۔ یعنی خصوصیات انبیاء سے صرف یہ امت سرفراز ہوئی۔

> وامته امة مرحومه اعطیتهم من النوافل مثل اعطیت الانبیاء وافترضت علیهم الفرائض التی افترضت علی الانبیاء. والرسول حتی یاتونی یوم القیٰمة ونورهم مثل نور الانبیاء وذٰلک انی افترضت علیهم ان یتطهروا فی کل صلوة کما افترضت علی الانبیاء و امرتهم بالغسل من الجنابة کما امرت الانبیاء وامرتهم بالحج کما امرت الانبیاء وامرتهم بالجهاد کما امرت الرسل. (بیهقی عن وهب ابن منبه)

ترجمہ:۔ یہ امت امت مرحومہ ہے میں نے اسے نوافل دیں جیسے انبیاء کو دیں ان کے فرائض وہ رکھے جو انبیاء و رسل کے رکھے حتیٰ کہ جب وہ قیامت کے دن آئیں گے تو ان کی نورانیت انبیاء کی نورانیت جیسی ہوگی (جیسے اعضاء وضو چمکتے ہوئے ہونگے) کیونکہ میں نے ان پر پاکیزگی ہر نماز کے لیے وہی فرض کی ہے جو انبیاء پر فرض ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ (ھذا

وضوئی و وضوء الانبیا من قبل جس سے تین تین بار اعضاء وضو کا دھونا امت کے لیے سنت قرار دیا گیا جو اصل میں انبیاء کا وضو ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انبیاء کے اعضاء وضو بھی اس طرح چمکتے ہوں گے مگر یہ وضو اور امتوں کو نہیں دیا گیا۔ بجز امتِ مرحومہ کے تو اسی کا نور مشابہ ہو گیا انبیاء کے نور کے) اور میں نے امت کو امر کیا ہے غسلِ جنابت کا جیسا کہ انبیاء کو دیا تھا اور امت کو امر کیا حج کا جیسا کہ انبیاء کو کیا تھا۔ چنانچہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے حج نہ کیا ہو اور امر کیا امت کو جہاد کا جیسا کہ رسولوں کو امر کیا۔ حدیث **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** کا بعض علماء نے انکار کیا ہے۔ لیکن اس انکار کا مطلب زیادہ سے زیادہ ان الفاظ کا انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن حدیث کے معنی یعنی علماء امت بعد امت کی تشبیہ انبیاء سے بلحاظ مضمون ثابت شدہ ہے۔ اس لیے حدیث اگر لفظاً ثابت نہ ہو تو بھی معناً ثابت ہے۔ اسی لیے علماء نے جگہ جگہ اس حدیث سے اِستدلال کیا ہے جیسے امام رازیؒ نے آیت کریمہ **یایھا الناس قد جاء تکم موعظۃ من ربکم** کے تحت میں مراتب بیان کرتے ہوئے اِس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ پھر ایسے ہی آیت کریمہ **قالت لھم رسلھم ان نحن الابشر مثلکم** کے نیچے مراتب وکمال ونقصان بیان کرتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

امت محمدیہ کی توبہ دل سے ہے

(۹۷) اگر امم سابقہ (جیسے یہود) میں توبہ قتل سے ہوتی تھی۔ **یقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الیٰ بارئکم فاقتلوا انفسکم۔** (القرآن الحکیم)

تو اس امت کی توبہ قلبی ندامت رکھی گئی۔ **الندم توبۃ.**

ترجمہ:۔ اے قوم بنی اسرائیل! تم نے گئوسالہ کو اپنا معبود بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کر۔

ترجمہ:۔ ندامت ہی توبہ ہے جب بندہ دل میں پشیمان ہو گیا اور آئندہ اس بدی سے باز رہنے کا عزم باندھ لیا تو توبہ ہو گئی نہ قتل نفس کی ضرورت رہی نہ ترک مال کی۔

امت محمدیہ کو دونوں قبلے عطاء ہوئے

(۹۸) اگر امت موسیٰ وعیسیٰ کا صرف ایک قبلہ (بیت المقدس) تھا۔ اور اگر اہل عرب کا

صرف ایک قصبہ (کعبہ معظمہ) تھا تو امت محمدیہ کو یکے بعد دیگرے یہ دونوں قبلے عطاء کئے گئے جس سے یہ امت جامع امم ثابت ہوئی۔

قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلة ترضٰھا. (القرآن الحکیم)

امت محمدیہ کا کفارہ استغفار سے ہوتا ہے

(۹۹) اگر اور امتوں کی سیئات کا کفارہ دنیا یا آخرت کی رسوائی بغیر نہ ہوتا تھا کہ وہ سیئے در و دیوار پر مع صورت کفارہ لکھ دی جاتی تھی تو اِس امت کے معاصی کا کفارہ توبہ استغفار اور ستاری و مسامحت کے ساتھ نمازوں سے ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

> **کانت بنو اسرائیل اذا اصاب احدھم الخطیئة وجدھا مکتوبا علی بابه و کفارتھا فان کفرھا کانت له خزی فی الدنیا وان یکفرھا کانت له خزی فی الاخرة و قد اعطاکم الله خیرا من ذالک قال تعالیٰ ومن یعمل سوءً او یظلم نفسه ثم یستغفر الله یجد الله غفورا رحیما و الصلوات الخمس والجمعة الی الجمعة کفارات لما بینھن .** (ابن جریر عن ابی العالیه)

ترجمہ:۔ بنی اسرائیل جب گناہ کرتے تو ان کے دروازوں پر وہ گناہ اور اس کا کفارہ لکھ کر انہیں رسوا کر دیا جاتا تھا اگر کفارہ ادا کرتے تو دنیا کی اور نہ کرتے تو آخرت کی رسوائی ہوتی لیکن تمہیں اے امت محمدیہ اُس سے بہتر صورت دی گئی اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی بری حرکت کرے اور اپنے نفس پر ظلم کرے اور پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو اللہ کو غفور رحیم پائے گا (عام رسوائی اور فضیحتی نہ ہوگی) اور پھر پانچ نمازیں اور جمعہ دوسرے جمعہ تک درمیانی گناہوں کا کفارہ ہوں گے۔

امتِ محمدیہ کے کمال اِطاعت کا ثبوت دیا

(۱۰۰) اگر امت موسیٰ نے دعوتِ جہاد کے جواب میں اپنے پیغمبر کو یہ کہہ کر صاف جواب دے دیا کہ اے موسیٰ تو اور تیرا پروردگار لڑ لو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں تو امت

محمدیؐ نے کمال اطاعت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے نہ صرف ارض حجاز بلکہ شرق وغرب میں دینِ محمدیؐ کے علم کو سربلند کیا اور **اعظم درجة عند الله** کا بلند مرتبہ حاصل کیا۔

امتِ محمدیہ اور انبیاء کی شہادت دے گی

(۱۰۱) اگر اور انبیاء کی امتیں محشر میں اپنی شہادت میں اپنے انبیاء کو پیش کریں گی تو انبیاء اپنی شہادت میں اس امت کو اور یہ امت اپنی شہادت میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرے گی۔

يجاء بنوح يوم القيٰمة فيقال له هل بلغت؟ فيقول نعم يارب فتسال امته هل بلغكم؟ فيقولون ما جاء نا من نذير فيقول من شهودک؟ فيقول محمدٌ وامته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيجاء بكم فتشهدون انه قد بلغ ثم قرا رسول الله صلى الله عليه وسلم وكذالک جعلنٰكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا. (بخاری عن ابی سعید)

ترجمہ:۔ قیامت کے دن نوحؑ لائے جائیں گے اور پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی امت کو تبلیغ کی؟ کہیں گے کی ہے اے میرے رب تو ان کی امت سے پوچھا جائیگا کہ کیا نوحؑ نے تمہیں تبلیغ کی؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا نہیں۔ نوحؑ سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا گواہ کون ہے؟

عرض کریں گے محمدؐ اور ان کی امت۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس وقت تم (اے امت والو) بلائے جاؤ گے اور تم گواہی دو گے کہ نوحؑ نے تبلیغ کی۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی اور ہم نے تمہیں اے امت محمدیہؐ! درمیانی اور معتدل امت بنایا ہے تا کہ تم اقوام عالم پر گواہ بنو اور رسول کریم تم پر گواہ ہوں۔

امت محمدی اول بھی ہے آخر بھی

(۱۰۲) اگر اور انبیاء کی امتیں نہ اول ہوں نہ آخر بلکہ بیچ میں محدود ہوں گی تو امت اول بھی

ہوگی اور آخر بھی۔ جعل امتی هم الاخرون وهم الاولون. (ابونعیم عن انس)

آخر میں دنیا میں اور اول قیامت میں حساب وکتاب میں بھی اول اور داخلہ جنت میں بھی اول۔

نحن الآخرون من اهل الدنيا والاولون يوم القيٰمة المقضى لهم قبل الخلائق. (ابن ماجه ابن هريرة وحذيفه)

ترجمہ:۔ میری ہی امت آخر بھی رکھی ہے اور اول بھی۔ دوسری حدیث ہے، ہم آخر ہیں دنیا میں اور اول ہیں آخرت میں کہ سب خلائق سے پہلے ہمارا فیصلہ سنایا جاوے گا۔

امت محمدی کو اولین وآخرین پر فضیلت دی گئی

(۱۰۳) اگر موسوی امت کو اپنے دور کے جہانوں پر فضیلت دی گئی وانی فضلتكم على العلمين تو امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق اولین وآخرین پر فضیلت دے کر افضل الامم فرمایا گیا۔

كنتم خير امة اخرجت للناس. (القرآن الحكيم)

و حديث جعلت امتي خير الامم. (مسند بزار عن ابو هريرة)

وحديث وفي الزبور يا دائود انى فضلت محمدا و امته على الامم كلهم. (خصائص کبریٰ ۱/۱۴)

یا رب تو کریمی و رسولؐ تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

ترجمہ:۔ تم بہترین امت ہو جو انسانوں کے لیے کھڑی کی گئی ہے اور حدیث ہے میری امت بہترین امم بنائی گئی ہے اور حدیث ہے زبور میں کہ حق تعالےٰ نے فرمایا۔ اے داؤد! میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق فضیلت دی اور اس کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عالم فتح کر ڈالا

(۱۰۴) اگر صحابہؓ موسیٰؑ باوجود معیت موسیٰؑ کے بیت قدس یعنی خود اپنے قبلہ کو اپنے ہی وطن (یعنی فلسطین کو بھی فتح کرنے سے جی چھوڑ بیٹھے اور صاف کہدیا۔ اذهب انت وربك فقاتلا انا هٰهنا قاعدون ۔ تو صحابہ محمدیؐ نے اپنے پیغمبر کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے وطن (حجاز) کے ساتھ عالم کو فتح کر ڈالا۔ انا فتحنا لك فتحاً مبينا. کا ظہور ہوا اور ليستخلفنهم في الارض کا وعدہ خداوندی پورا کر دیا گیا۔ (القرآن الحکیم)

ترجمہ:۔ موسیٰ علیہ السلام! تو اور تیرا پروردگار لڑ لو ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں (ہم سے یہ

قتال و جہاد کی مصیبت نہیں سہی جاتی) اس امت کے بارے میں ہے کہ ہم نے تمہیں اے نبی! فتح مبین دی۔ (مکہ فتح ہو گیا) اور آیت میں ہے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کی خلافت و سلطنت ضرور بخشے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پہلے مکہ فتح ہوا۔ پھر خیبر اور بحرین فتح ہوا۔ پھر پورا جزیرہ عرب کا اکثر حصہ فتح ہوا۔ پھر یمن کا پورا ملک فتح ہوا۔ پھر ہجوس کے مجوس سے خرید لیا گیا۔ اطراف شام و روم و مصر و اسکندریہ و حبشہ پر اثرات قائم ہوئے کہ بادشاہ روم (قیصر) باشادہ حبش (نجاشی) شاہ مصر و اسکندریہ مقوش شاہان عمان وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بھیج کر اپنی فرمانبرداری اور نیازمندی کا ثبوت دیا۔ پھر صدیق اکبرؓ خلیفہ رسولؐ اللہ نے جزیرہ عرب پورا کا پورا لے لیا۔ فارس پر فوج کشی کی۔ شام کے اہم علاقے بصریٰ وغیرہ فتح ہوئے۔ پھر فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں پورا شام پورا مصر، فارس و ایران اور پورا روم اور قسطنطنیہ فتح ہوا۔ پھر عہدِ عثمانی میں اندلس، قبرص، بلاد قیران و سبتہ اقصائے چین و عراق و خراسان، اہواز اور ترکستان کا ایک بڑا علاقہ فتح ہوا اور پھر امت کے ہاتھ پر ہندو، سندھ، یورپ و ایشیاء کے بڑے بڑے ممالک فتح ہوئے۔ جن پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور بالآخر زمانہ آخر میں پوری دنیا پر بیک وقت اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ وعدہ امت کو دیا گیا جو پورا ہو کر رہے گا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

جنت میں امتِ محمدیہ کی اسی صفیں ہوں گی

(۱۰۵) اگر جنت میں ساری امتیں چالیس صفوں میں ہوں گی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا امت اسی (۸۰) صفیں پائے گی۔

اهل الجنة عشرون ومائة صف ثمانون منها من هذا الامة واربعون من سائر الامم. (ترمذی و دارمی بیہقی بریدۃ)

امتِ محمدیہ کے صدقات سے غرباء مستفید ہوتے ہیں

(۱۰۶) اگر اور امتوں کے صدقات اور انبیاء کے خمس نذر آتش کئے جانے سے قبول ہوتے تھے جس سے امتیں مستفید نہیں ہو سکتی تھیں تو امتِ محمدیؐ کے صدقات و خمس خود امت کے غرباء پر خرچ کرنے سے قبول ہوتے ہیں جس سے پوری امت مستفید ہوتی ہے۔

وکانت الانبیاء یعزلون الخمس فتجیٔ النار وتاکله وامرت انا ان اقسم بین فقراء امتی. (بخاری فی تاریخه عن ابن عباس)

ترجمہ:۔ اگراورانبیاء علیہم السلام اپنا خمس کا حق چھوڑ دیتے تھے تو آگ آتی تھی اور اسے جلاڈالتی تھی (یہی اس کی قبولیت کی علامت تھی۔ بخوائے قرآن حکیم **حتی یاتینا بقربان تاکله النار**) اور مجھے امر کیا گیا ہے کہ میں اس خمس کو تقسیم کردوں اپنی امت کے فقراء میں۔

(خصائص کبریٰ ۲/۱۸۷)

امت محمدیہ کے لئے الہام ہے

(۱۰۷) اگراورانبیاء پر وحی آتی تھی جس سے اصلی تشریع کا تعلق تھا تو اِس امت کے ربانیوں پر الہام اترا جس سے اجتہادی شریعتیں کھلیں۔

واذا جاء هم امر من الامن اوالخوف اذا عوابه ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونهٗ منهم.

ترجمہ:۔ اور جب ان کے پاس کوئی بات امن کی یا خوف کی آتی ہے تو اسے پھیلا دیتے حالانکہ اگر وہ اسے رسول یا اپنے میں سے **اولو الامر** کی طرف لوٹا دیتے ہیں اسے ان میں سے استنباط کرنے والے جان لیتے (جو اس میں سے نئی چیزیں مستنبط کر کے نکال لیتے۔)

امتِ محمدیہ عامہ گمراہی سے محفوظ ہے

(۱۰۸) اگراورانبیاء کی امتیں ضلالتِ عامہ سے نہ بچ سکیں تو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی عامہ سے ہمیشہ کے لئے مطمئن کردیا گیا۔

لاتجمع امتی علی الضلالة۔

ترجمہ:۔ میری امت (ساری کی ساری مل کر کبھی بھی) گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع حجت ہے

(۱۰۹) اگراورانبیاء کی امتوں کا مل کر کسی چیز کا جمع ہوجانا عنداللہ حجت شرعیہ نہیں تھا کہ وہ گمراہی عامہ سے محفوظ نہ تھیں تو امتِ محمدیہ کا اجماع حجتِ شرعیہ قرار دیا گیا کہ وہ عام گمراہی سے محفوظ کی گئی ہے۔

وما راٰه المومنون حسنًا فهو عند الله حسن و حدیث انتم شهداء الله فی الارض ولتکونوا شهداء علی الناس.

ترجمہ:۔ جسے مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ عنداللہ بھی اچھا ہے اور حدیث تم اللہ کے سرکاری گواہ ہو زمین میں۔ اور آیتِ کریمہ ہم نے تمہیں اے امت محمدیہ درمیانی درجہ کی امت بنایا ہے (تمہیں بھی اس کا دھیان چاہیے) اور حدیث تم اللہ کے سرکاری گواہ ہو زمین پر) اور آیت کریمہ ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا ہے تاکہ تم گواہ بنو دنیا کے انسانوں پر۔

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عذابِ عام نہ ہوگا

(۱۱۰) اگر اور انبیاء کی امتیں گمراہی عامہ کی وجہ سے معذب ہو ہو کر ختم ہوتی رہیں تو امتِ محمدیہ کو عذابِ عام اور استیصال عام سے دائمی طور پر بچالیا گیا۔

وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون (القرآن الحکیم)

امتِ محمدیہ کو دس گنا اعلیٰ مقام ملیں گے

(۱۱۱) اگر اور انبیاء کی امتوں کو جنت میں نفس مقامات سے نوازا جائے گا تو امتِ محمدیہ کو ہر مقام کا دہگنہ درجہ دیا جائے گا تا آنکہ اس امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کا ملک بہ نص حدیث دس دنیا کی برابر ہوگا۔ **فما ظنک باعلاھم؟**

ترجمہ:۔ جیسا کہ آیت کریمہ **من جاء بالحسنة فله عشر امثالها** اس پر شاہد ہے۔

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صلحاء بھی شفاعت کریں گے

(۱۱۲) اگر امم سابقہ کی شفاعت صرف ان کے انبیاء ہی کریں گے تو اس امت کی شفاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اِس امت کے صلحاء بھی کریں گے اور ان کی شفاعت سے جماعتیں کی جماعتیں نجات پا کر داخل ہوں گی۔

ان من امتی من یشفع للفئام ومنھم من یشفع للقبیلة ومنھم من یشفع للعصبة ومنھم من یشفع للرجل حتیٰ یدخلوا الجنه. (ترمذی عن ابی سعید)

ترجمہ:۔ میری امت میں ایسے بھی ہوں گے جو کئی کئی شفاعتیں کریں گے اور ایک خاندان بھر کی، بعض خاندان کے ایک حصہ کی اور بعض ایک شخص کی، تا آنکہ یہ لوگ اس کی

شفاعت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ کے نام سے ہے

(۱۱۴) اگر اور انبیاء کی امتوں کے نام ان کے وطنوں اور قبیلوں یا انبیاء کے ناموں سے رکھے گئے، جیسے عیسائی، یہودی، ہندو وغیرہ تو امت محمدیہؐ کے دو نام اللہ نے اپنے ناموں سے رکھے۔ **مسلم اور مومن، یا یهود تسم الله باسمين وسمى الله بهما امتى هو السلام وسمیٰ بها امتى المسلمين وهو المومن وسمیٰ بها امتى المومنين .** (مصنف ابن ابی شیبہ عن مکحول)

ترجمہ:۔ اے یہودی! اللہ نے اپنے دو نام رکھے۔ اور پھر ان دونوں ناموں سے نام میری آیت کا رکھا۔ اللہ تعالیٰ سلام ہے تو اس نام پر اس نے میری امت کو مسلمین کہا اور وہ مومن ہے تو اپنے اس نام پر اس نے میری امت کو مؤمنین فرمایا۔

تمام امتیازات کی بنیاد ختم نبوت ہے

یہ سارے امتیازی فضائل وکمالات جو جماعت انبیاء میں آپ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت غلامی سے امتوں میں اس امت کو دیئے گئے تو اس کی بناء ہی یہ ہے کہ اور انبیاء نبی ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں اور امتیں امم واقوام ہیں اور یہ امت خاتم الامم اور خاتم الاقوام ہے اور انبیاء کی کتب آسمانی کتب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب خاتم الکتب ہے اور ادیان ادیان ہیں اور یہ دین خاتم الادیان ہے اور شرائع شریعتیں ہیں اور یہ شریعت خاتم الشرائع ہے۔ یعنی آپ کی خاتمیت کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے ہی کمالات وآثار میں رچا ہوا ہے۔ پس یہ امتیازی خصوصیات محض نبوت کے اوصاف نہیں بلکہ ختم نبوت کی خصوصیات ہیں۔ اِس لیے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء میں ختم نبوت کے مقام سے ممتاز اور افضل ہیں۔ ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خاتمیت کی ممتاز سیرت تمام انبیاء کی سیرتوں سے ممتاز اور افضل ہے چنانچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ختم نبوت اور خاتمیت کو اپنی خصوصیات میں شمار فرمایا ہے۔ حدیث ابو ہریرہؓ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

جہاں اپنی چھ امتیازی خصوصیات جوامع کلم اور غیر معمولی رعب وغیرہ ارشاد فرمائی۔ وہیں ان میں سے ایک خصوصیت یہ بھی فرمائی کہ:۔

وختم بی النبیون. (بخاری ومسلم)۔ مجھ سے نبی ختم کردیئے گئے۔

ختم نبوت کا منکر تمام کمالات نبوی کا منکر ہے

اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضورؐ کی یہ خصوصیات اور ممتاز سیرت ختم نبوت کے تسلیم کیے بغیر زیر تسلیم نہیں آسکتی۔ ان خصوصی فضائل کو وہی مان سکے گا جو ختم نبوت کو مان رہا ہو۔ ورنہ ختم نبوت کا منکر درحقیقت ان تمام فضائل وکمالات اور خصوصیات نبوی کا منکر ہے۔ گو زبان سے وہ حضورؐ کی افضلیت کا دعویٰ کرتا رہے۔ مگر یہ دعویٰ ختم نبوت کے انکار کے ساتھ زمانہ سازی اور حیلہ بازی ہوگا۔ بہرحال حضورؐ کے کمالات کے دائرہ میں ہر کمال کا یہ انتہائی نقطہ آپ کی خاتمیت کا اثر ہے نہ محض نبوت کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء بھی ہیں اور جامع کمالاتِ انبیاء بھی

اس سے یہ اصولی بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ شے کی انتہا میں اس کی ابتداء لپٹی ہوتی ہے اور کمال کے ہر انتہائی نقطہ میں اس کے تمام ابتدائی مراتب مندرج ہوتے ہیں۔ سورج کی روشنی سارے عالم میں درجہ بدرجہ پھیلی ہوئی ہے جس کے مختلف اور متفاوت مراتب ہیں۔ لیکن اس کے انتہائی مرتبہ نور میں اس کے ابتدائی نور کے تمام مراتب کا جمع رہنا قدرتی ہے۔ مثلاً اس کے نور کا ادنیٰ درجہ ضیاء اور چاندنا ہے جو بند مکانوں میں بھی پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اس سے اوپر کا مرتبہ دھوپ ہے جو کھلے میدانوں اور صحنوں میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے جس سے میدان روشن کہلاتے ہیں۔ اس سے اوپر کا مرتبہ شعاعوں کا ہے جس کا باریک تاروں کی طرح فضائے آسمانی میں جال پھیلا ہوا ہوتا ہے اور فضا ان سے روشن رہتی ہے۔ اس سے بھی اوپر کا مرتبہ اصل نور کا ہے جو آفتاب کی ٹکیہ کے چوگرد اس سے لپٹا ہوا اور اس سے چمٹا ہوا ہوتا ہے جس سے آفتاب کا ماحول منور ہوتا ہے اور اس سے اوپر ذات آفتاب

ہے۔ جو بذات خود روشن ہے لیکن یہ ترتیب خود اس کی دلیل ہے کہ آفتاب سے نور صادر ہوا، نور سے شعاع برآمد ہوئی، شعاع سے دھوپ نکلی اور دھوپ سے چاندنا نکلا گویا ہر اعلیٰ مرتبہ کا اثر ادنیٰ مرتبہ ہے جو اعلیٰ سے صادر ہو رہا ہے۔ اس لیے بآسانی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ضیاء و روشنی دھوپ میں تھی جب ہی تو اس سے برآمد ہوئی دھوپ شعاعوں میں تھی جب ہی تو اس سے نکلی۔ شعاعیں نور میں تھیں جب ہی اس سے صادر ہوا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ روشنی کے یہ سارے مراتب آفتاب کی ذات میں جمع تھے جب ہی تو واسطہ بلا واسطہ اس سے صادر ہو ہوکر عالم کے طبقات کو منور کرتے رہے۔ پس آفتاب خاتم الانوار ہونے کی وجہ سے جامع الانوار ثابت ہوا۔ اگر نور کے سارے مراتب اس پر پہنچ کر ختم نہ ہوتے تو اس میں یہ سب کے سب مراتب جمع بھی نہ ہوتے تو قدرتی طور پر خاتمیت کے لیے جامعیت لازم نکلی۔

ٹھیک اسی طرح حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ خاتم الکمالات ہیں جن پر نبوت کے تمام علمی و عملی اور اخلاقی واحوالی مراتب ختم ہو جاتے ہیں تو آپ ہی ان سارے کمالات کے جامع بھی ثابت ہوتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نبوت کا ہر کمال جس جس رنگ میں جہاں جہاں اور جس جس پاک شخصیت میں موجود تھا وہ آپ ہی سے نکلا اور آخر کار آپ ہی پر آ کر منتہی ہوا تو یقیناً وہ آپ ہی میں جمع بھی تھا۔ اس لیے وہ تمام امتیازی کمالات علم و اخلاق اور کمالات احوال و مقامات جو مذکورہ بالا دفعات میں پیش کئے گئے ہیں اور جو آپ کے لیے وجہ امتیاز و فضیلت ہیں جب کہ آپ ہی پر پہنچ کر ختم ہوئے تو وہ بلاشبہ آپ ہی میں جمع شدہ بھی تھے ورنہ آپ پر پہنچ کر ختم نہ ہوتے اور جب آپ کی ذات بابرکات جامع الکمالات بلکہ منبع کمالات ثابت ہوئی اور آپ کے سارے کمالات انتہائی ہوکر جامع مراتب کمالات ثابت ہوئے۔

مصحفے گشت جامع آیات　　　ہستیش غایت ہمہ غایات

تو یقیناً آپ کی شریعت جامع الشرائع آپ کا دین جامع الادیان، آپکا لایا ہوا علم جمع علوم اولین و آخرین، آپ کا خلق عظیم یعنی جامع اخلاق سابقین و لاحقین اور آپ کی لائی ہوئی کتاب جامع کتب سابقین ہے جو آپ کی خاتمیت کی واضح دلیل ہے۔ اس لیے آپ کی خاتمیت کی شان سے آپ کی جامعیت ثابت ہوگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم
تمام انبیاء اور اُن کی شریعتوں کے مصدق ہیں

اب اس جامع سے آپ کی افضلیت کا ایک اور مقام نمایاں ہوتا ہے۔ اور وہ شان مصدّقیت ہے کہ آپ سابقین کی ساری شریعتوں اور ان کی لائی ہوئی ساری کتابوں کے تصدیق کنندہ ثابت ہوتے ہیں جس کا دعویٰ قرآنِ حکیم نے فرمایا ہے:۔

ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم.

ترجمہ:۔ پھر تمہارے پاس (اے پیغمبران الٰہی) وہ عظیم رسول (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) آجائیں تو تمہارے ساتھ کی ہر چیز (سماوی کتب نبوت، معجزات تعلیمات وغیرہ) کے تصدیق کنندہ ہوں (تو تم ان پر) ایمان لانا اور ان کی نصرت کرنا۔

اور فرمایا:۔ **بل جاء بالحق و صدق المرسلین.**

ترجمہ:۔ بلکہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آئے اور رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے۔

مُصدِّقیت کی توجیہ

وجہ ظاہر ہے کہ جب آپ کی شریعت میں تمام پچھلی شریعتیں جمع ہیں اور آپ کی لائی ہوئی کتاب (قرآن) میں تمام پچھلی کتب سماویہ مندرج ہیں تو ان کی تصدیق خود اپنی تصدیق ہے۔ جس کی بنا سورج کی مثال سے کھل چکی ہے کہ جیسے ہر انتہا میں اس کے ابتدائی مراتب جمع ہو جاتے ہیں۔ ویسے ہی وہ سارے ابتدائی مراتب نکلتے بھی اس انتہائی مرتبہ

سے ہیں۔ اِس لیے سابق شریعتیں درحقیقت اس انتہائی شریعت کے ابتدائی مراتب ہونے کے سبب اسی میں سے نکلی ہوئی مانی جاویں گی ورنہ یہ شریعت انتہائی اور وہ ابتدائی نہ رہیں گی جو مشاہدہ اور عقل ونقل کے خلاف ہے۔ وہ اپنی جگہ مسلم شدہ ہے پس اس جامع شریعت کی تصدیق کے بعد ممکن ہی نہیں کہ ابتدائی شریعتوں کی تصدیق نہ کی جائے بلکہ خود اس مصدقہ شریعت میں جمع شدہ ہیں۔ ورنہ خود اس شریعت کی تصدیق بھی باقی نہ رہے گی۔ اس لیے جب یہ آخری اور جامع شریعت آپ کے اندر سے ہو کر نکلی تو سابقہ شریعتیں بھی بالواسطہ آپ ہی کے اندر سے ہو کر آئی ہوئی تسلیم کی جاویں گی۔ **وانهٔ لفی زبر الاولین** اور یہ قرآن پچھلوں کی کتابوں میں بھی (لپٹا ہوا) موجود تھا) اس لیے اس شریعت کی تصدیق کے لیے پچھلی شریعتوں کی تصدیق ایسی ہی ہوگی جیسے اپنے اجزا و اعضاء کی تصدیق اور ظاہر ہے کہ اپنے اعضاء و اجزا اور بالفاظ دیگر خود اپنی تکذیب کون کر سکتا ہے؟ ورنہ یہ معاذ اللہ خود اپنی شریعت کی تکذیب ہو جائے گی۔ جب کہ یہ ساری شریعتیں اسی آخری شریعت کے مبادی اور مقدمات اور ابتدائی مراتب تھے تو کل کی تصدیق کے اس کے تمام صحیح اجزاء کی تصدیق ضروری ہے ورنہ وہ کل کی ہی تصدیق نہ رہے گی۔ اس لیے سارے پچھلے ادیان کے حق میں آپ کے مصدق ہونے کی شان نمایاں تر ہو جاتی ہے۔

اسلام تمام شریعتوں کے اقرار کا نام ہے

اور واضح ہو جاتا ہے کہ ”اسلام“ اقرار شرائع کا نام ہے، انکار شرائع کا نہیں۔ تصدیق مذاہب کا نام ہے۔ تکذیب مذاہب کا نہیں۔ توقیر ادیان کا نام ہے۔ تحقیر ادیان کا نہیں۔ تعظیم مقتدایان مذاہب کا نام ہے۔ توہین مقتدایان کا نام نہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام کا ماننا درحقیقت ساری شریعتوں کا ماننا اور اس کا انکار ساری شریعتوں کا انکار ہے اور اسلام آ جانے کے بعد اس سے منکر درحقیقت کسی بھی دین و شریعت کے مقر تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔

تمام غیر مسلموں کے مسلمان ہونے کی آرزو

اِس بناء پر اگر ہم دنیا کے سارے مسلم اور غیر مسلم افراد سے یہ امید رکھیں کہ وہ حضرت

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جامع وخاتم سیرت کے مقامات کو سامنے رکھ کر اس آخری دین کو پوری طرح سے اپنائیں اور اس کی قدر و عظمت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں تو یہ بے جا آرزو نہ ہوگی مسلمانوں سے تو اس لیے کہ حق تعالیٰ نے انہیں اسلام دے کر دین ہی نہیں دیا بلکہ سرچشمہ ادیان دے دیا اور ایک جامع شریعت دے کر دنیا کی ساری شریعتیں ان کے حوالہ کر دیں۔ جب کہ وہ سب کی سب شاخ در شاخ ہو کر اسی آخری شریعت سے نکل رہی ہیں جس سے مسلمان بیک وقت گویا سارے ادیان و شریعت پر عمل کرنے کے قابل اور اس جامع عمل سے اپنے لیے جامعیت کا مقام حاصل کرنے کے قابل بنے ہوئے ہیں اور اس طرح وہ ایک دین نہیں بلکہ تمام ادیان عالم پر مرتب ہونے والے سارے ہی اجر و ثواب اور درجات و مقامات کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں۔

اسلام اقرار و معرفت کا دین ہے

اندریں صورت اگر ہم یوں کہیں تو خلافِ حقیقت نہ ہوگا۔ اگر وہ صحیح معنی میں عیسائی، موسائی، ابراہیمی اور نوحی بھی ہیں کہ آج انہی کے دم سے سچی نوحیت، ابراہمیت، موسائیت اور عیسائیت دنیا میں زندہ ہے جب کہ بلا استثناء ان سب کے ماننے اور ان کی لائی ہوئی شرائع کو سچا تسلیم کرنے کی روح انہوں نے ہی دنیا میں پھونک رکھی ہے بلکہ اپنی جامع شریعت کے ضمن میں ان سب شریعتوں پر عمل پیرا بھی ہیں۔ ورنہ آج ابراہیمؑ کے ماننے والے براہمہ اپنے کو اس وقت تک براہمہ نہیں سمجھتے جب تک کہ وہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ و محمد علیہم السلام کی تکذیب و توہین نہ کرلیں۔ اسی طرح آج کی عیسائیت کو ماننے والے بزعم خود اپنی عیسائیت کو اس وقت تک برقرار نہیں رکھ سکتے۔ جب تک کہ وہ محمدیت کی تکذیب نہ کرلیں۔ گویا ان کے مذاہب کی بنیاد ہی تکذیب پر ہے تصدیق پر نہیں۔ انکار پر ہے اقرار پر نہیں۔ توہین پر ہے توقیر پر نہیں۔ جہالت پر ہے معرفت پر نہیں۔ حالانکہ مذہب نام اقرار کا ہے۔ انکار کا نہیں۔ ایمان نام معرفت کا ہے جہالت کا نہیں، دین نام محبت کا ہے عداوت کا نہیں، پس تسلیم و اقرار، تعظیم و توقیر، علم و معرفت اور ایمان و دین کا کارخانہ سنبھلا ہوا ہے تو صرف اسلام ہی سے سنبھلا ہوا ہے۔

غلبہ اسلام

اور اسی کی تسلیم عام اور تصدیق عام کی بدولت تمام مذاہب کی اصلیت اور توقیر محفوظ ہے۔ ورنہ اقوام دنیا نے مل کر تعصبات کی راہوں سے اس کارخانہ کو درہم برہم کرنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ بنا بریں اسلام کے ماننے والے تو اس لیے اسلام کی قدر پہچانیں اور اسے دستور زندگی بنائیں کہ اللہ نے انہیں تعصبات کی دلدل سے دور رکھ کر دنیا کی تمام قوموں، امتوں اور ان کے تمام مذاہب اور شریعتوں کا رکھوالا اور محافظ بنایا اور ان میں سے غل وغش کو الگ دکھا کر اصلیت کا راز داں تجویز کیا۔ دوسرے انکار اقرار وتسلیم صرف ان ہی کی شریعت تک محدود نہیں بلکہ شاخ در شاخ بنا کر دنیا کی تمام شریعتوں تک پھیلا دیا جس سے اگر ایک طرف ان کے دین کی وسعت وعمومیت اور جامعیت نمایاں کی جو خود دین والوں کی جامعیت اور وسعت کی دلیل ہے تو دوسری طرف اسلامی دین کا غلبہ بھی تمام ادیان پر پورا کر دیا۔

جس کی قرآن نے **لیظهرهٗ علی الدین کله** (تا کہ اسلامی دین کو اللہ تمام دینوں پر غالب فرمائے) خبر دی تھی۔

کیونکہ غلبہ دین کی اس سے زیادہ نمایاں اور واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ دین اسلام تمام ادیان کا مصدق بن کر ان میں روح کی طرح دوڑا ہوا انہیں تھامے ہوئے ہے، ان کا قیوم اور سنبھالنے والا ہے۔ اور اسی کے دم سے ان کی تصدیق وتوثیق باقی ہے ورنہ اقوام عالم تو مذاہب کی تردید وتکذیب کر کے انہیں لاشئے محض بنا چکی تھیں۔ **وقالت الیهود لیست النصاریٰ علی شیء. وقالت النصاریٰ لیست الیهود علی شئی** (یہود نے کہا کہ نصاریٰ لاشئے محض ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود لاشئی محض ہیں) اور اس طرح ہر قوم اپنے سوا دوسرے مذاہب کو تردید وتکذیب سے دفن کر چکی تھی۔ مصدق عام اور قیوم عمومی بن کر تو اسلام ہی آیا جس نے ہر مذہب کی اصلیت نمایاں کر کے اس کی تصدیق کی اور اسے باقی رکھا جس سے مذاہب سابقہ اپنا دورہ پورا کر دینے کے بعد بھی دلوں اور ایمانوں میں محفوظ رہے اور کون نہیں جانتا کہ کسی چیز کا سنبھالنے اور تھامنے والا ہی اس چیز پر غالب ہوتا ہے، جسے وہ تھام رہا ہے۔ ورنہ بلا غلبہ کے تھامتا کیسے؟ اور تھمی شے تھامنے والے کے سامنے مغلوب اور ضعیف ہوتی

ہے۔ ورنہ اسے تھامنے والے کے سہارے کی ضرورت کیوں پڑتی؟ پس جب کہ ادیان سابقہ کی اصلیت اسلام کے سہارے تھمی ہوئی ہے تو ادیان سابقہ اس کے محتاج ثابت ہوئے اور وہ ان کے لحاظ سے غنی رہا۔ اور ظاہر ہے کہ محتاج غنی پر غالب نہیں ہوتا۔ بلکہ غنی محتاج پر غالب ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام کا غلبہ اِس قومیت کے سلسلہ سے تمام ادیان پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

هو الذی ارسل رسولهٗ بالهدیٰ و دین الحق لیظهرهٗ علی الدین کله.

ترجمہ:۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس اسلامی دین کو تمام دینوں پر غالب فرمائے۔

پس اسلام کا غلبہ جہاں حجت و برہان سے اس نے دکھلایا۔ جہاں تیغ و سنان سے اس نے دکھلایا جو باہر کی چیزیں ہیں وہیں خود دین کی ذات سے ہی دکھلایا اور وہ اس کی عمومیت، قومیت اور مصدقیت عام ہے جس سے اس نے روح بن کر ادیان کو سنبھال رکھا ہے جس سے اس دین کا بین الاقوامی دین ہونا بھی واضح ہو جاتا ہے۔

اسلام مسلم و غیر مسلم سب کے لئے نعمت ہے

بہر حال اسلام والے تو اس لیے اسلام کی قدر کرتے ہیں کہ وہ کامل، جامع مصدق عالمگیر دین اور روح ادیان عالم ہے جو انہیں پشتینی طور پر ہاتھ لگ گیا ہے۔

اور غیر مسلم اس لیے اس کی طرف بڑھیں اور اس کی قدر پہچانیں کہ آج کی ہمہ گیر دنیا میں اول تو جزوی اور مقامی ادیان چل نہیں سکتے۔ جیسا کہ مشاہدہ میں آ رہا ہے کہ ہر ایک مذہب کو یا منظر عام سے ہٹ کر چھپنے کے لیے پہاڑوں اور غاروں کی پناہ لینی پڑتی ہے اور یا باہر آ کر زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اپنے اندر ترمیمیں کرنی پڑ رہی ہیں اور وہ بھی اسلام ہی سے لے کر تا کہ دنیا میں اس کے گاہک باقی رہیں۔ مگر ان میں سے کوئی چیز بھی ان ادیان کے محدود اور مقامی اور محض قومی ہونے کو نہیں چھپا سکتی۔ ان کے پیوندوں سے خود ہی پتہ چل جاتا ہے کہ لباس کو نمائش کی حد تک صحیح دکھلانے اور جاذبِ نظر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی لیے ان قومیتوں کی حد بندیوں کے مذاہب سے دلوں کی توجہ ہٹتی جا رہی ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آ رہا ہے۔ اندریں صورت تقاضائے دانش و بینش اور مقتضائے فطرت صرف یہ ہے کہ اجزاء سے

ہٹ کر کل اور مجموعہ کو اپنایا جائے جس کے ضمن میں یہ جزوی دین اپنی اصلیت کی حد تک خود بخود آ جائیں اور ظاہر ہے کہ جب اصلیت کی حد تک اسلام نے تمام شرائع اور ادیان کو اپنے ضمن میں لے رکھا ہے تو اسلام قبول کرنے والے ان ادیان سے بھی محروم نہیں رہ سکتے۔

تمام ادیان کا بقاء اسلام سے ہے

بلکہ اگر وہ اپنے ادیان کی حفاظت چاہتے ہیں تو اب بھی انہیں اسلام ہی کا دامن سنبھالنا چاہیے۔ کیونکہ اسلام ہی نے ان ادیان کو تا بحد اصلیت اپنے ضمن میں سنبھال رکھا ہے۔ اگر وہ اپنے ادیان کی موجودہ صورتوں پر جمے رہتے ہیں تو اول تو وہ بے سند ہیں، ان کی کوئی حجت سامنے نہیں، اسلام ان کی سند تھا۔ تو اسے انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ اسلام سے ہٹ کر دوسرے مذاہب میں دین کی سند و استناد کا کوئی سسٹم ہی نہیں جس سے ان کی اصلیت کا پتہ نشان لگ سکے اور ظاہر ہے کہ بے سند بات بحث نہیں ہو سکتی اور اگر کسی حد تک کوئی اپنی سلائی فطرت سے اصلیت کا کوئی سراغ نکال بھی لے تو زیادہ سے زیادہ وہ ایک جزئی، قومی اور مقامی دین کا پیرو رہا جو آج کے بین الاقوامی، بین الاوطانی اور عمومیت و کلیت کے دور میں چل نہیں سکتا۔ اسی لیے ارباب ادیان ایسے دینوں میں ترمیمات کے مسودے لا رہے ہیں اور آئے دن اِس قسم کی خبروں سے اخبارات کے کالم بھرے رہتے ہیں۔ البتہ اگر وہ اسلام سنبھال لیں تو اس پر چلنا در حقیقت تمام ادیان پر چلنا ہے اور ہر دین کی جتنی واقعی اصلیت ہے اسے تھامے رہنا ہے اِس لیے نفس دین کا تھامنا ضروری ہو تب اور اپنے اپنے ادیان کا تھامنا ضروری ہو۔ تب بہر دو صورت اسلام ہی کا تھامنا عقلاً اور نقلاً ضروری نکلتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہر چیز خاتم ہے

بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے آپ کی لائی ہر چیز شریعت۔ کتاب۔ قوم۔ امت۔ اصول قواعد اور احکام وغیرہ ساری چیزیں خاتم ٹھہرتی ہیں۔ اسی لیے جس طرح آپ کو خاتم النبیین فرمایا گیا اسی طرح آپ کے دین کو خاتم الادیان بتایا گیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم.

ترجمہ:۔ آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا۔

اور ظاہر ہے کہ اکمال اور تکمیلِ دین کے بعد نئے دین کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا اِس لیے یہ کامل دین ہی خاتم الادیان ہوگا کہ کوئی تکمیل طلب ایسے ہی آپ کی امت کو خاتم الامم کہا گیا جس کے بعد کوئی امت نہیں۔ حدیث قتادہؓ میں ہے۔

نحن اخرها و خیرها. (درمنثور)

ترجمہ:۔ ہم (امتوں میں) سب سے آخر ہیں اور سب سے بہتر ہیں۔

حدیث ابی امامہ میں ہے:۔

یایها الناس لا نبی بعدی و لا امة بعد کم . (مسند احمد)

ترجمہ:۔ اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔

(یعنی میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ یہی وہ خاتمیت ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کے بارہ فرمایا جو حدیث عبداللہ بن ابراہیم میں ہے کہ

فانی آخر الانبیاء مسجدی آخر المساجد۔ (مسلم)

ترجمہ:۔ میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے (وہی آپ کی خاتمیت مسجد میں آئی)

حدیث عائشہؓ میں یہ دعویٰ خاتمیت کے الفاظ کے ساتھ ہے۔

انا خاتم الانبیاء و مسجدی خاتم مساجد الانبیاء. (کنز العمال)

ترجمہ:۔ میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد مساجد الانبیاء میں خاتم المساجد ہے۔

اور جب کہ آپ کی آوردہ کتاب (قرآن) ناسخ الادیان اور ناسخ الکتب ہے تو یہی معنی اِس کے خاتم الکتب ہونے کے ہیں۔ کیونکہ ناسخ ہمیشہ آخر میں اور ختم پر آتا ہے اور اسی لیے آپ کو دعوت عامہ دی گئی کہ دنیا کی ساری اقوام کو آپ اللہ کی طرف بلائیں۔ کیونکہ اس دین کے بعد کوئی اور دین کسی خاص قوم یا دنیا کی کسی بھی قوم کے پاس آنے والا نہیں۔ جس کی دعوت آنے والی ہو تو اسی ایک دین کی دعوت عام ہو گئی کہ وہ خاتم ادیان اور آخر ادیان ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ساری خاتمیتیں در حقیقت آپ کی ختم نبوت کے آثار ہیں۔

خاتمیت سے جامعیت نکلی تو یہ تمام چیزیں جامع بن گئیں اور جامعیت سے آپ کی مصدقیت کی شان پیدا ہوئی جو ان سب چیزوں میں آتی چلی گئی۔ قرآن کو **مصدق لما معکم** کہا گیا امت کو بھی مصدق انبیاء بنایا گیا کہ سب اگلے پچھلے پیغمبروں پر ایمان لاؤ۔ دین بھی مصدق ادیان ہوا۔

سیرۃ نبوی کے جامع نقاط

یہی وہ سیرت نبوی ہے کہ جامع اور انتہائی نقاط ہیں۔ جن سے یہ سیرت مبارک تمام سیر انبیاء پر حاوی و غالب اور خاتم السیر ثابت ہوئی۔ اسی لیے آپ کی سیرت کا بیان محض کمال کا بیان نہیں بلکہ امتیازی کمالات اور ان کے بھی انتہائی نقاط کا بیان ہے جو اسی وقت ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو مانا جائے کہ یہ امتیازات اور امتیازی کمالات مطلق نبوت کے آثار نہیں بلکہ ختم نبوت کے آثار ہیں۔ کیونکہ ختم نبوت خود ہی نفس نبوت سے ممتاز اور افضل ہے کہ سرچشمہ نبوات ہیں۔ اس لیے اس کے امتیاز آثار بھی مطلق آثار نبوت سے فائق اور افضل ہونے ناگزیر تھے۔ پس سیرتِ خاتمیت کے چند نمونے ہیں جو اس مختصر سی فہرست میں پیش کیے گئے ہیں۔

ان میں اولاً چند دفعات میں خاتم النبیینؐ کے دین کا تفوق و امتیاز دوسرے ادیان پر دکھلایا گیا ہے۔

پھر چند نمبروں میں طبقہ انبیاء کے کمالات و کرامات اور معجزات پر خاتم النبیینؐ کے کمالات و کرامات اور معجزات کی فوقیت دکھلائی گئی ہے۔

پھر چند نمبروں میں خصوصی طور پر نام بنام حضرات انبیاء علیہم السلام کے خصوصی احوال و آثار اور مقامات پر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و آثار اور مقامات کی عظمت واضح کی گئی ہے۔

پھر چند شماروں میں اور انبیاء کی امتوں پر امت خاتم کی عظمت و برگزیدگی واضح کی گئی ہے۔

جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر جہتی عظمت و فوقیت کاملیت و جامعیت، اولیت و آخریت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے جو آپ کی خاتمیت کے آثار و لوازم ہیں۔

مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت

اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کو آپ کی خاتمیت کے اثبات میں کس درجہ اہتمام ہے کہ ختم نبوت کا دعوٰے قرآن کریم میں کر کے سینکڑوں سے متجاوز احادیث میں ختم نبوت کے دلائل و آثار اور شواہد و نظائر شمار کرائے گئے ہیں جن میں سے چند کا انتخاب ان مختصر اوراق میں پیش کیا گیا۔ بس ختم نبوت سے متعلق پہلی قسم کی آیات و روایات پر مشتمل کتابیں دعوٰے ختم نبوت کی کتابیں لکھی جائیں گی اور یہ رسالہ جس میں آثار و لوازم ختم نبوت کے نمونے اور خصوصیات ختم نبوت کے شواہد و نظائر پیش کئے گئے ہیں۔ دلائل ختم نبوت کی کتاب کہی جائے گی۔ جس سے صاف روشن ہو جاتا ہے کہ ختم نبوت کا مسئلہ اسلام میں سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ بنیادی اور اساسی مسئلہ ہے۔ جس پر اسلامی شریعت کی خصوصیت کی بنیاد قائم ہے اگر اس مسئلہ کو تسلیم نہ کیا جائے یا اس میں کوئی رخنہ ڈال دیا جائے تو اسلامی خصوصیات کی ساری عمارت آپڑے گی اور مسلم کے ہاتھ میں کوئی خصوصی خرمہرہ باقی نہ رہے گا۔ جس سے وہ اسلام کو دنیا کی ساری اقوام کے سامنے پیش کرنے کا حق دار بنا تھا۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بغیر قابل تسلیم ہی نہیں بن سکتیں کہ ختم نبوت کو تسلیم کیا جائے کہ اس پر خصوصیات نبوی کی عمارت بھی کھڑی ہوئی ہے۔ پس اس مسئلہ کا منکر درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا منکر اور اِس مسئلہ کو مٹا دینے کا ساعی، حضور اکرمؐ کی امتیازی فضائل کو مٹا دینے کی سعی میں لگا ہوا ہے۔

ختم نبوت کا منکر پورے اسلام کا منکر ہے

اِس لیے جو طبقات بھی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ خواہ صراحتاً اس کے منکر ہوں یا تاویل کے راستہ سے، دین کے اس بدیہی اور ضروری مسئلہ کے انکار پر آئیں۔ ان کا اسلام کا شریعت اسلام اور پیغمبرؐ اسلام سے کوئی تعلق نہیں مانا جا سکتا اور نہ وہ اسلامی برادری میں شامل سمجھے جا سکتے ہیں جس طرح سے توحید کا منکر قولی ہو یا مصرح، اسلام سے خارج اور اس سے بے واسطہ ہے اسی طرح سے ختم رسالتؐ کا منکر خواہ انکار سے ہو یا تاویل سے اسلام سے

خارج مانا جاوے گا۔ کیونکہ وہ صرف کسی ایک مسئلہ کا منکر نہیں بلکہ اسلام کے سارے امتیازات، سارے ممتاز فضائل، ساری ہی خصوصیات اور صدہا دینی روایات کا منکر ہے جن کا قدر مشترک توازن کی حد سے نیچے نہیں رہتا۔

بہر حال ختم نبوت کے درخشاں آثار اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی شمائل وفضائل یا بالفاظ دیگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے ہزاروں وجوہ دلائل میں سے یہ چند نمونے ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیینؐ ہونے کی تفسیر اور تشریح کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ مختصر مقالہ سیرت خاتم النبیین نہیں بلکہ سیرت خاتمیت کی چند موٹی موٹی سرخیوں کی ایک مختصر سے فہرست ہے جس کے نیچے اس بلند پایہ سیرت کی امتیازی حقائق وتفصیلات پیش کی جاسکتی ہیں۔ اگر ان روایات کی روشنی میں سیرت خاتمیت کی ان تفصیلات اور ان کے مالہ وماعلیہ کو کھولا جائے۔ تو بلاشبہ محدثانہ اور متکلمانہ رنگ کی ایک نادر سیرت مرتب ہوسکتی ہے۔ جو تاریخی رنگ کی تو نہ ہوگی اور تاریخ محض سیرت ہے بھی نہیں۔ بلکہ پیغمبرانہ مقامات اور خاتمانہ امتیازات کی حامل محدثانہ رنگ کی سیرت ہوگی جو اپنے رنگ کی ممتاز سیرت کہلائی جائے گی۔ میں نے اس مختصر مضمون میں اس وقت صرف عنوانات سیرت کی نشاندہی کا فرض انجام دیا ہے۔ شاید کسی وقت ان تفصیلات کے پیش کرنے کی توفیق میسر ہوجائے جو ابھی تک ذہن کی امانت بنی ہوئی ہیں۔ جن سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے متفاوت درجات ومراتب اور خاتمیت کے انتہائی درجات ومراتب کا فرق اور تفاضل باہمی بھی کھل کر سامنے آسکتا ہے۔ جس کی طرف **تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض.** میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

ختم نبوت اور امت محمدیہ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

حضرت صدر محترم! تین دن سے جلسہ ہو رہا ہے اور آج آخری اجلاس ہے میرے بڑے بڑے اکابر اللہ انہیں سلامت رکھے ان اجلاسوں میں تشریف لائے اور ان کی زبان مبارک سے دین کے مسئلے آپ نے سنے بہرحال ان سب نے مجھ سے بہترین اپنے فرائض کو نبھایا۔ اپنے متعلق مجھے یقین ہے کہ یہ جتنے میرے ہم عصر اور اکابر یہاں بیٹھے ہیں میں ان میں ایک طالب علم ہوں۔ مگر بدنامی عجیب چیز ہے غالباً ۱۹۱۸ء سے اس کام میں لگا ہوا ہوں۔ خواہ مخواہ کی بدنامی ہوگئی ہے جہاں سید سلیمان ندوی، مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا خیر محمد جالندھری موجود ہوں اور کہیں کچھ کہو، حالانکہ عرض کی کہ آپ مجھے اجازت دے دیں میں آپ کو اجازت دیتا ہوں آپ فرمائیں میں سنوں، اب دعا کرو کہ لاج رہے۔

رخ فکر و عمل

ایک بات اور کہوں مجھے خود لفظ نہیں ملتا کہ اپنے متعلق کیا کہوں؟ سب کچھ بھول گیا ہے اگر میں کہوں مجھے جنوں ہے تو برا نہیں لگتا اور اگر کہوں میرا قلب و دماغ ایک ہی طرف جا رہا ہے یہ بھی صحیح یا تو کوئی سمجھا دے۔

خادم بودم پختہ شدم سوختم

ایک اجلاس میں آیا تھا مگر میرا جی نہیں لگتا۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگزارند و خم طرہ یارے گیرند

چیختا پکارتا ہوں کہ میرے احباب اس کام میں لگ جائیں میں یہ نہیں کہتا کہ مدرسے اور تبلیغ بند کرو نہیں ایک مسئلے کو سب پر ترجیح دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منزل سے

اپنا ڈیرا جب دوسری جگہ لگایا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نائب مقرر ہوئے"۔

مسلمانوں نے زکوٰۃ سے انکار کیا تو قرن اول تھا تابعین وصحابہ کا دور تھا۔ چودھویں صدی نہ تھی اس زمانہ کا کوئی قطب ابدال اول تو رہ نہیں سکتا۔ اس ملک میں ہاں وہ رہ سکتا ہے جو ملکہ وکٹوریہ کے اشارے سے نبی بنا ہو۔

تحفظ دین کا مفہوم

بہرحال کسی زمانے کا ابدال وہاں تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا۔ کون سی خدمت ہے اسلام کی جو انہوں نے نہیں کی۔ مگر صدیق اکبرؓ نے قتال کا عزم کر لیا نباض وحی فاروق رضی اللہ عنہ بھی پکار اٹھے "ان پر تلوار اٹھاؤ گے"؟ فرمایا "ہاں اونٹ کے گھٹنے کی رسی بھی باقی رہے گی تو تلوار اٹھاؤں گا" نماز حج سب کچھ تھا لیکن ایک "رکن" جا رہا تھا اور دلیل یہ سمجھی گئی کہ حضور ہی زکوٰۃ لے سکتے تھے وہ نہیں تو یہ نہیں۔

خذمن اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها وصل عليهم ان صلوٰتك سكن لهم (پ۱۲ع۳س یونس)

آپ ان کے لائے ہوئے مالوں میں سے صدقہ لیجئے جس کے ذریعہ آپ انہیں ظاہر وباطن میں پاک صاف کر دیں گے اوران کے لئے دعا کیجئے بلاشک آپ کی دعا ان کے لئے تسلی کا سامان ہے۔ مگر صدیق اکبرؓ نے فرمایا "میں جو ہوں"؟ یہ آیہ تطہیر تو آپ پڑھتے ہی نہیں آپ تو پڑھتے ہیں۔

انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهركم تطهيرا (پ۲۲ع۱۱الاحزاب)

"بے شک اللہ کا فیصلہ ہے اے نبی کی گھر والیو! تم سے ہر قسم کی پلیدی کو دور رکھے اور تمہیں پاک کر دے جیسے پاک کرنے کا حق ہے"۔

کہہ ہی دوں کہ شیعہ لوگ اہل بیت کا لفظ آل پر چسپاں کرتے ہیں حالانکہ "امہات المومنین" کے متعلق ہے درود میں ورنہ **اللھم صل علیٰ اھل بیت محمد** پڑھتے وہ سرداروں کی بیٹیاں تھیں یہاں ارادی فاقہ مستی تھی ان کی فرمائش حضور کو ناگوار گزرتی تھی۔

پھر خدا نے تطہیر کی کہ کھجور کا ایک دانہ بھی رکھا نہ جائے اور اگر آل پر لگاتے ہو تو ''رجس'' (پلیدی) اور ''معصومیۃ'' متضاد ہیں۔ بہر حال لوگوں کے مراتب خیال میں نہیں رکھے گئے۔ غزوات اور جہاد کی شرکت نہیں دیکھی گئی پھر وہی قرن اول کے مجدد اول صدیق اکبر اور مسیلمہ کھڑا ہو گیا پھر نبوت بچانے کو حفاظ قربان کر دیئے گئے میں بزرگوں میں بیٹھتا ہوں اور سوچتا ہوں وہ بھی چپ بیٹھے ہیں بزرگوں کی قبریں نہیں اکھیڑتا مگر چوک ہو گئی فتویٰ اسی مفتی کا صحیح ہے۔ ہزاروں سلام ہوں ان پر کمال تعلیم دیکھو کہ خود اقتداء کی ایسی شخصیت پیدا کی؟ مولوی حبیب الرحمٰن کے خاندان ہی سے پوچھا جائے گا ''باب لد'' ہی میں ختم ہو جاتا۔

دیوار نبوۃ کا پشتہ

امرتسر میں ''بندے ماترم ہال'' میں چائے پی رہے تھے تو ایک مسلمان نے جوتا کھینچ مارا افسوس خنجر نہ مارا۔ بہر حال نبوت کی دیوار کے پیچھے پشتہ باندھ دیا حفاظ کے سروں کا' اگر اس مجلس میں اپنے کو کہوں ''قائداعظم'' تو مجھے روک ٹوک تو نہ ہو گی گھر پہنچوں گا؟

''ملائکہ مقربین'' بیٹھے ہوں گے وہ بیچارے ایک وکیل تھے اور بھی ہیں۔ ایک وقت ہی قوم کی انہوں نے وکالت کی۔ قوم نے خطاب دے دیا۔ پھر وہ آئین بن گیا۔ بھائی مجھ ہنستے ہو؟ مرزا بشیر امیر المومنین بنتے ہیں۔ ''قائداعظم'' نہیں؟ اس کی ماں مرتی ہے جس کو ''سیدۃ النساء'' کہا گیا ہے حالانکہ وہ ایک ہی تھی ''فاطمہ نبوت کی بیٹی'' بات سے بات چلتی ہے باوجود رحمۃ اللعالمین ہونے ''کے وحشی'' کو دور رکھنے کا حضرت فاروق کو حکم دیا۔ دیکھئے مانعین زکوٰۃ کا مسئلہ سامنے آیا تو ترجیح دی گئی' مسیلمہ کا مسئلہ سامنے آ گیا تو وہ یہی میں چاہتا ہوں میرا دماغ یہاں آ کر رک گیا ہے کہ پورا قرآن اسلام احادیث آئمہ کی محنت یہ سجادے یہ تصوف' یہ بس صرف حضور ہی حضور ہیں بیچ میں اگر ختم نبوت پر بال آئے گا تو پوری عمارت نیچے آ گرے گی؟ خدا خدا نہیں رہے گا لوگ نور ہی بنائیں گے

توحید را کہ پرکار دین ماست دانی؟ کہ نکتہ ز زبان محمد است

آج کل جو کچھ لوگ قرآن پر اس طرح قبضہ کرنا چاہتے ہیں جیسے ان کی اماں کے جہیز

میں ملا ہے وہ بھی انہی کے دین سے ہے جہاں وہ توحید نہیں پہنچی جو امام الانبیاء نے بیان فرمائی۔ وہاں شرک ہے اب تک ہے آج تک پتھر کی شرمگاہیں پوجتے ہیں۔

جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک   وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

بلاواسطہ کچھ نہیں ملے گا۔ کعبہ میں جو صحف ابراہیم وموسیٰ کی درسگاہ تھا' اس میں تین سو ساٹھ پتھر لا رکھے پھر آمنہ بی بی کے ہاں لال آیا اور عبداللہ کا چاند طلوع ہوا تو ان کا گھر صاف ہوا۔ نور ہی ان کی ذات ہے مجھے کچھ اور سوجھ نہیں سکتا۔

در پہ بیٹھے ہیں تیرے بے زنجیر   ہائے کس طرح کی پابندی ہے؟

یہ عقیدت کی بات ہے ان غریب الدیار علماء کو سننے کے لئے بندھے بیٹھے ہو کیا یہاں زمین الاٹ ہو رہی ہے؟ میں کیا کروں یہ الاٹ خدا جانے یہ قطب کی الاٹ ہے؟ اسی ہزار ایکڑ پانچ سو ایکڑ سندھ میں سون سیکر مظفر گڑھ لائل پور (فیصل آباد) میں بھی ''بشیر'' کے نام الاٹ ہو رہی ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ پاکستان بشیر کے نام انگریز الاٹ کرا کے رہے گا؟ تم مت سمجھو میری بات جیسے پہلے نہیں سمجھے مگر میں ہاتھ پر لکھا دیکھ رہا ہوں فوج ہوائی اڈے' نہریں سب الاٹ ہو رہے ہیں مجھے اب یہ کہنے کا حق ہے کہ یہ سب اندر سے بیعت ہو چکے ہیں۔ پٹارا کا پٹارا سامنے رکھ دیا مگر ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ مجھے بدگمانی کا حق ہے۔ اگر دس لاکھ قتل ایک کروڑ کی ہجرت ایک لاکھ عصمت ایک پاکستان کی قیمت ادا کر کے اسے بشیر کے حوالہ کرنا ہے تو صدر محترم حضرات علماء کرام میں اس ملک کی حفاظت کے لئے تیار نہیں؟ میں کہتا ہوں ''کالو کتانا'' پنجاب کا گورنر بن جائے تو میں اس کا خادم' وہ مسلمان تو ہو گا؟ نیکی کا سیلاب بڑا زبردست ہے آ جائے تو سب کوڑا کرکٹ بہا دیتا ہے۔ میں کہتا ہوں فاسق و فاجر ہو ایک داغ سفید دامن پر نہ ہو مگر حضورؐ کا نام لیوا ہو۔ یہاں اس کا زور ہے وزارت وہ زور سے لیتا ہے اکبر نے دربار دہلی پر کہا تھا۔

چرخ ہفت طباقی ان کا   بخت اوج ملاقی ان کا
محفل ان کی ساقی ان کا   آنکھیں میری باقی ان کا

میں بھی یہی کہتا ہوں کہ پاکستان الاٹ ہو رہا ہے اگر یہ لیگی لیڈر اور حکمران مرزائی

نہیں تو پھر پیچھے (انگریز کی طرف) شکنجہ کسا گیا ہے وہ اپنے وفادار کو صلہ دے رہا ہے این چنیں اقوال را۔ (ایک آواز بدھو ہیں عوام) جی میں بھی آپ میں سے ہوں کوئی دین نہیں بچے گا اگر ختم نبوت پر آنچ آ گئی؟ میرے دماغ پر تو مسلط ہے تم مجھے قائل کر دو۔

احرار مرزائیوں کے پیچھے کیوں لگے ہیں؟

صدر محترم! کہتے ہیں لوگ ”احراری مرزائیوں کے پیچھے لگ گئے ہیں وہ مرزائی بڑے اچھے ہیں آدم سے سید ولد آدم (ﷺ) تک ایک نبی نے بھی توحید کے بیان میں فرق نہیں کیا۔ پیغمبر کے سوا جہاں خدا بنایا گیا اختلاف ہو گیا پانی اور آگ کو بنایا گیا وہ جل گیا وہ بجھ گئی؟ میں کیا کروں؟ مجھے اس پاک مجلس میں گندی بات کہنی پڑتی ہے معاف فرمایئے اس سرکاری نبی نے خدا کی جو صفت بیان کی ہے وہ ایک دس نمبر کے بدمعاش کا دھوکا ہے تم استعارات لئے پھرتے ہو؟ فاطمہ کی ران پر اس کا سر استعارہ میں آ گیا؟ اگر کسی بڑے کی بیٹی کی ران پر سر رکھوں تو دیکھو؟ یہ بدھو قوم کہتی ہے ابھی بھی ”یہ یونہی پیچھے لگ گئے ہیں“ ہمیں باؤلے کتے نے کاٹا ہے؟ کیا میں کچھ کر ہی نہیں سکتا؟ میری جائیداد ہے پٹنہ میں؟ ہم پاگل اور بھیک منگے نہیں ہیں؟ ہمارا ایک مدرسہ فکر ہے؟ ہم ۱۹۳۱ء سے ایک ہی رنگ میں سوچتے ہیں؟ میں نے صرف آپ کو متوجہ کرنے کے لئے یہ باتیں کیں۔ یہ تقریر نہیں مجھے حیرت ہے آج پاکپتن، گولڑہ، تونسہ سب خاموش ہیں حالانکہ ان کی جوتیوں کا صدقہ سب پیران عظام سمیت صدر محترم کے کھاتے ہیں۔ ان کے پلے کیا ہے؟ ان کی خاموشی ہماری موت ہے۔ وہ (مرزائی) کہتے ہیں یہی پاگل (احراری) ہیں جو شور مچاتے ہیں دیکھئے اور کوئی نہیں بولتا؟ آخر یونہی سید صاحب کو کونسا سرخاب کا پر لگا ہے؟ وہ سید نہیں جو کتے سور لڑا رہے ہیں؟

دشمن نے دامن محمدؐ پر ہاتھ ڈال رکھا ہے

آنکھیں خمار مئے سے ہیں چڑھی ہوئی۔ تمہیں اس لئے بلایا گیا ہے کہ (دشمن) دامن محمدؐ میں ہاتھ ڈالے بیٹھے ہیں مجھے دیوانہ کہہ لو ہزار فرزانگیاں قربان کر دوں اس دیوانگی پر۔

خوشا وہ دیوانگی کا عالم کہ ہوش دنیا کا ہو نہ دیں کا!

بس ایک سر ہو اور ایک سودا؟ کسی کے گیسوئے عنبریں کا؟

ختم نبوۃ واجرائے نبوۃ کا فیصلہ نبی علیہ السلام سے کرالیں؟

۲۴ء سے میں ایک آیت پڑھتا ہوں۔

فلاوربک لایؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجلوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما (پ۵ع۶ س نساء)

مجھے آپ کے پروردگار کی (یعنی اپنی) قسم ہے یہ لوگ مومن نہیں ہو سکیں گے یہاں تک کہ آپ کو ہی منصف وفیصل نہ مان لیں ہر ایک اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں پیدا ہو۔ پھر اپنے دل میں آپ کے فیصلہ سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کرلیں۔

قسم ہے تیرے رب کی (دراصل یہ شہادتیں ہیں قسمیں نہیں) کہ تمہارا خدا گواہ ہے اپنی قسم کھائی ہے۔ جب تک تم کو منصف نہ بنائیں ان کا ایمان قبول نہیں کا ہے میں؟ کوئی جھگڑا ہو جب تک نہ مانیں گے۔ لایومنون (مومن نہیں ہوں گے)

اور پھر یہی نہیں کہ صرف منصف بنائیں میرا اور عبدالقادر کا کوئی جھگڑا ہو اور سید (سلیمان ندوی) صاحب حکم ہوں میرے حق میں فیصلہ ہو تو اچھا کہوں؟ نہیں! اعتماد کا کمال یہ ہے کہ خلاف فیصلہ ہو تو کہوں خدا آپ کو سلامت رکھے یعنی اگر خلاف فیصلہ دیں تو دل میں نقصان کا کھٹکا نہ رہے اسے مانیں جیسے ماننے کا حق ہے آیئے مختصر کروں قوم کے ایک حصے میں اور ہم میں جھگڑا ہے اور بہت بڑا اتنا بڑا کہ صدیق کی تلوار نکل آئی؟ میں کہتا ہوں پوری قوم نمائندے چن لے اور مدینہ حاضری دے درود وسلام پڑھو اور کہو کہ حضور فیصلہ کیجئے اگر فیصلہ نہ ہو تو جو تمہارا جی چاہے سلوک کرو؟ انشاء اللہ فیصلہ ہوگا۔

ایک شیعہ نے ابوبکر وعمر کی سچائی کا فیصلہ قبول کرلیا

ابھی پچھلے برس ایک زمیندار مدینہ گئے شیعہ تھے۔ مگر روضہ پر جاتے ہوئے کتراتا تھا قاضی احسان احمد شجاع آبادی وہیں تھے۔ انہیں ناگوار ہوا اور کہا کہ تم نیت صاف کرو درود پڑھو فیصلہ مانگو" قسم ہے خدا کی وہ دوزانو بیٹھا جاگتا تھا کہ حضور برآمد ہوئے ایک طرف صدیق اور دوسری طرف فاروق فرمایا

"میرے جان نثاروں کو برا کہتے ہو" وہ چیخ اٹھا اور کہا "میرا فیصلہ ہوگیا" بشیر سے کہو یہ بھی چلے۔ نبی صادق ومصدوق اور مصدق انبیاء ہیں وہ ہم میں موجود ہیں یعنی ان کی لائی ہوئی کتاب فرمایا۔

ختم نبوۃ کی ازلی تقریب حلف برداری

اور جب لیا اللہ نے پکا وعدہ نبیوں سے کہ کچھ میں دوں تم کو کوئی کتاب اور علم پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول جو سچا بتانے والا ہو اس کتاب اور علم کو جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم ضرور اس کو مان لینا اور اس کی مدد کرنا فرمایا اللہ نے کہ کیا تم نے میرا کہا مان لیا؟ اور اس شرط پر میرا عہد قبول کر لیا؟ وہ سب انبیاء بولے ہم نے تسلیم کر لیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تو اب تم سب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں شامل ہوں پھر جو شخص اور گروہ وعدہ سے پھر جائے تو وہی لوگ ہیں پیروی سے نکل جانے والے نافرمان۔ (سورہ آل عمران)

سب نبی تصدیق کرتے ہیں حضور کے سب امتی ہیں، بعد کے مسخروں کو پوچھتا کون ہے؟ مصدق انبیاء کے پاس چلو اس لئے کہ خاتم النبیین کا مطلب کیا ہے؟ جھگڑا تو یہی ہے؟ **ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین** نہیں محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ مگر اللہ کے رسول اور نبیوں پر مہر حضور سے سلیمان ندوی تک یہی عقیدہ ہے ہمارا اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ اب احتشام الحق اور ندوی میں سے کوئی ترجمہ کرے؟ بلکہ خود حضور کوئی ترجمہ کریں یہی ہوگا جہاں حدیث میں حضور نے اس کا ترجمہ کیا ہے، یہی ہے۔

لفظ لا کے بسیط معنی کی ہمہ گیری

انا خاتم النبیین لانبی بعدی..........(الی یوم القیمۃ)

میں نبیوں کی مہر ہوں میرے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ارض وسموات میں کسی قسم کا کوئی ظلی بروزی نبی آ سکتا نہیں۔ "لا" کے یہی معنی منوا کے چھوڑوں گا۔ لا نفی جنس کا ہے۔ دیکھو گیہوں ایک جنس آدمی ایک جنس، نبی ایک جنس، گناہ ایک جنس؟ جہاں یہ "لا" آ جائے فعل یا اسم پر نفی کرتا ہے کلی طور پر جب پڑھتے ہو۔ **ذالک الکتاب لاریب فیہ** تو کیا ترجمہ ہوا **لاریب فیہ** کا کہ ظلی شبہ ہے؟ کس زمانہ میں کسی جہت سے زبر زیر، حرکات،

سکنات میں اور ایک بات کہوں پڑھنے کی اداؤں میں؟ (ہم نے تو ان کی اداؤں کو بھی محفوظ کیا ہے؟) پڑھنے پڑھانے میں کوئی شک نہیں ”ریب“ (شک) ایک جنس ہے نا؟

قرآن میں ظلی شک نہیں نبیوں میں ظلی نبی نہیں؟

لا الٰہ وہی خالق، مسجود، مقصود ہے۔ ”الا“ نے خدا کا بچاؤ کیا یہ نہ ہوتا تو خود بھی نہ ہوتے سیدھا رشیا...... سترہ سمندروں میں ابال آئے تو وہ اتنا طوفان نہیں اٹھاتے جتنا یہ ”لا الٰہ“ معبود کیطرف آیا تو معبودان باطل کی نفی کیا یہ نبیوں کو چھوڑ دے گا؟ انہیں یہی حکم سناؤ ان کا ترجمہ معتبر ہے یا ہمارا؟ میں یہ نہیں کہتا کہ مرزائی مان لیں گے۔ تمہیں ہتھیار دیتا ہوں لا کی مار۔ مار وانہیں، وہ خود کہتے ہیں کہ (خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں) ہے۔ تو کیا مطلب ہے ظلی ہے اور تشریعی نہیں غیر تشریعی ہے؟ ریب میں اگر کوئی شک نہیں بچا اور الٰہ میں اگر کوئی اور خدا نہیں بچا تو ”لا نبی بعدی“ میں کوئی جھوٹا کیسے بچتا ہے۔ اور یہ ظلی بھی سمجھا دوں شامیانے کے نیچے بیٹھے ہو آسمان پر کچھ نظر آتا ہے؟ (جواب نہیں) تو سارے ظلی ہو۔ کسی زمانے میں؟ کسی قسم کا؟ بخاری اور ظلی نبی نہیں ہو سکتا ارے مجاز حقیقت کے بعد ہوتا ہے۔ یہاں حقیقت ہی کا انکار ہے؟ تجدید ایمان کرو۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے خواجہ غلام فرید کے ایک مرید نے کہا کہ ”حضور اور شاعر بھی کہتے ہیں شعر مگر وہ سوز و گداز اور درد نہیں“؟ آپ نے فرمایا ”ایک کتا شکار کو دیکھ کر بھونکتا ہے۔ اور ایک بھونک پر بھونکتا ہے“؟ شرح میری سنو، ایک شکار دیکھتا ہے دوسرا گیہوں کے کھیت کے کنارے بیٹھا بھونکتا ہے۔ (بھارت کے ہندو اخبار) ”بندے ماترم“ نے لکھا ہے کہ چونکہ ”جماعت احمدیہ“ کا مرکز قادیان ہے لہذا جتنے وفادار یہ ہو سکتے ہیں اتنے دوسرے مسلمان نہیں ہو سکتے؟ مجھے چین نہیں ہے رات دن آج اس لئے کہتا ہوں کہ دستار فضیلت باندھی گئی ہے چھ حضرات کو، کیا مولوی فاضل کر کے ہائی سکول میں عربک ٹیچر بنو گے؟ جس کا علم پڑھا ہے اسی کے دین کی تبلیغ کرو۔ شیعہ حضرات سے کہتا ہوں تیرہ سو سال سے نواسے کو رو رہے ہو۔ اب نانا پر ہاتھ پڑا ہے؟ ایسا نہ ہو قیامت تک روتے رہو؟ آؤ تعاون کرو اس فتنے کے مٹانے میں تعاون کرو، یہ مرزائی کہتے ہیں کہ ”احراری“ ہمارے بعد تمہیں لے لیں گے۔ آئندہ نسلیں تمہاری قبروں

پر لعنت بھیجیں گی کہ ''اتنے کروڑ مسلمان موجود تھے اور یہ فتنہ مٹ نہ سکا''؟ (اس کے بعد پورے جلسہ سے ہاتھ اٹھوا کر سب سے اقرار کرایا گیا کہ تیرہ سو برس سے متفقہ مذہب ہے۔ مرزائیوں کے خلاف باہمی تعاون کریں گے۔)

مرزا بشیر کا بیان

میں پریس سی آئی ڈی گورنمنٹ سب سے کہتا ہوں تمہیں سانپ سونگھ گیا ہے؟ کیا ابوجہل مارا نہیں گیا؟ یہ مسلمانوں کو چیلنج ہے کہ ''تمہارا حشر ابوجہل کا ہوگا''؟ اور جو بچیں گے ان پر فتویٰ کون سا عائد کیا جائے گا؟ ''الشہاب'' شیخ الاسلام کا؟ (یعنی قتل کا) یہ حکومت پڑھ رہی ہے۔ سب کچھ؟ یہ کس جرم کی سزا ہے مسلمانوں کو؟ لا نبی بعدی ہمارا تیرہ سو برس کا عقیدہ ہے اس کو مجبوراً چھڑا دیا جائے گا۔ جیسے بھینسے کو نعل جوڑتے ہیں؟

ہم چیلنج کا جواب دینا جانتے ہیں

''حالات ایسے پیدا کریں گے'' میں کہتا ہوں کہ ہم خود حالات کے خالق ہیں بلکہ حوالات بھی پیدا کرتے ہیں ہم مجبوری سے مذہب نہیں چھوڑ سکتے ملک عمر حیات ٹوانا سے بڑا ٹوڈی سلطنت مغلیہ کے بعد کوئی آدمی ہندوستان میں ہوا ہے؟ اس کا بیٹا ''خضر حیات جو دھڑلے کا وزیر اعظم تھا اور چکلے اور سینما میں حصہ بھی نہیں رکھتا تھا۔ تم خلاف ہوئے وہ رہا؟ نہیں؟ تو اگر محمدؐ کے بعد نبی منوانے کے لئے حالات پیدا کئے جاسکتے ہیں تو نہ ماننے کے لئے بھی حالات پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ بس تین نعرے ہیں۔ یہ ہمیں چیلنج دیتا ہے تو کیوں نہ میں بھی آخری عمر میں بازی لگا دوں؟

ہم ''مجبور'' نہیں ہوں گے
بلکہ مرزا بشیر کو ''مفرور'' بنا دیں گے؟

(باقی جو کچھ تم نے خضر کی ماں کا بت بنا کر کیا خدا اسے تبھی معاف کرے گا اگر اس کی ماں معاف کر دے) بس تین نعرے ہیں ''پاکستان پائندہ باد'' ''اسلام زندہ باد'' ''مرزائیت مردہ باد'' مرزا بشیر الدین مردہ باد' ظفری وزارت مردہ باد بس جھگڑا ختم وہ ہمیں ''مجبور'' کرنا

چاہتا ہے کہ ”احمدیت کی آغوش میں ہم گریں“ ہم ”مفرور“ کر دیں گے۔ بشیر جانے اور جواہر لال اکٹھے سوئیں یا بیٹھیں؟

ختم نبوۃ درخت ایمان کی جڑ ہے

پھر کہہ دوں ایمان کے ذرہ کا کروڑواں حصہ بھی نہیں بچے گا اگر لانبی بعدی کا مفہوم سلامت نہیں؟ جڑ کو گھن لگے تو شاخ پتیاں سلامت نہیں رہتیں؟ عقیدہ کو درخت سمجھو جب تک جڑ مضبوط نہ ہو درخت بار آور نہیں ہو سکتا؟ ہم خاتم النبیین کے معاملہ میں حضور ﷺ کو حکم بناتے ہیں اگر وہ اس کے خلاف کہہ دیں تو میں مجرم؟ کہیں کسی حدیث میں؟ یہ سارا قرآن محمد ہی کی زبان تو ہے؟ ہائے کمال دیانت دیکھو اپنی زبان سناتے ہیں اور کہتے ہیں یہ میرا کلام نہیں ہے؟ میرے بچو! تم بھی یاد رکھو ”رسول اللہ لا نبی بعدی“ خوب سمجھ لو تا کہ آئندہ نسلیں بھی میری گواہ رہیں۔

محبوب ختم نبوۃ کی حفاظت ”عقل“ کا نہیں ”عشق“ کا مسئلہ ہے؟

وہ ماں بھی مر گئی جو نبی جنے مشاطہ ازل نے تیری زلفوں میں کنگھی ہی توڑ دی۔ اب یہ کنڈل تو باقی رہیں گے لیکن کسی کنگھی کی ضرورۃ نہیں رہے گی۔ آیئے ہمارے ساتھ تعاون کیجئے پھر یہ عوام کی آواز ہو گی حکومت کو سننا پڑے گا ہم بھی حالات بدل کر رکھ دیں گے۔ دیوانے بن جاؤ۔ عقل کو جواب دے دو۔ عقل کا نہیں عشق کا مسئلہ ہے۔ صحابہ کرام صحیح معنوں میں دیوانگان محمد تھے بس۔

خراباتیاں مے پرستی کنید　　محمد بگوئید و مستی کنید

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اور ختم نبوت

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماکان محمدابااحدمن رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین، و کان اللہ بکل شیء علیما الی قولہ و کفیٰ باللہ و کیلا

(پ۲۲)(صدق اللہ العلی العظیم)

بزرگان محترم!

یہ جلسہ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے، جلسہ میلاد النبی (ﷺ) کے نام سے منعقد کیا گیا ہے گویا اس کا موضوع یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر کیا جائے اس لئے کہ حضورؐ کی ولادت طیبہ کا ذکر حقیقۃً عین عبادت ہے اور اللہ کے نزدیک بڑی بھاری طاعت اور قربت ہے اور سارے کمالات کا سرچشمہ ہے اس لئے میلاد النبی کا تذکرہ ایک عظیم نعمت ہے جو مسلمانوں کو عطا کی گئی تو میں اس وقت میلاد نبوی ہی کے بارے میں چند کلمات آپ حضرات کی خدمت میں گزارش کروں گا اور اسی مناسبت سے یہ چند آیتیں میں نے تلاوت کی ہیں آپ کے سامنے حضورؐ کی دو ولادتوں کا ذکر کروں گا۔

ولادت نبوی جسمانی و روحانی

ممکن ہے کہ آپ کو یہ سن کر حیرت ہو کہ ولادت تو ایک ہی ہوتی ہے، پیدائش ایک ہی مرتبہ ہوتی ہے تو دو ولادتیں کیسی؟ لیکن میری گزارشات کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ حقیقۃً نبی کریم ﷺ کی دو ہی ولادتیں ہوئیں۔ ایک ولادت باسعادت تو ۱۲ یا ۸ ربیع الاول کو علی اختلاف الاقوال ہوئی۔ اور ایک ولادت حضورؐ کی چالیس برس کے بعد ہوئی یعنی روحانی

ولادت جب آپؐ نبی اور پیغمبر کی حیثیت سے دنیا میں ظاہر ہوئے۔ ۱۲ ربیع الاول کو ولادت جسمانی ہوئی اور چالیس برس بعد روحانی ہوئی جس کو ہم نبوت سے تعبیر کریں گے۔

۱۲ ربیع الاول کو حضور ﷺ کا جمال دنیا میں ظاہر ہوا اور چالیس برس کے بعد حضورؐ کا کمال دنیا میں ظاہر ہوا۔ تو ایک جمال کی حیثیت سے ولادت ہے اور ایک کمال کی حیثیت سے ولادت ہے۔ دونوں ولادتوں میں ہمارے لئے ان کا ذکر عبادت اور طاعت ہے۔ حضورؐ کا دنیا میں جمال ظاہر ہونا یہ بھی عالم کے لئے عظیم ترین نعمت ہے اور آپ کا کمال دنیا میں ظاہر ہونا یہ اس سے بھی بڑی نعمت ہے جو اللہ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

تو جمال محمدی وہ بھی ایک ایسی امتیازی شان رکھتے ہیں کہ دنیا میں اتنا بڑا جمیل اور صاحب جمال پیدا نہیں ہوا جتنا کہ نبی کریم ﷺ جمال والے تھے اور اتنا بڑا با کمال بھی کوئی پیدا نہیں ہوا جتنا کہ کمال والے آپ تھے تو دونوں ولادتیں امتیازی شان رکھتی ہیں نہ ولادت جسمانی کی نظیر ہے نہ ولادت روحانی کی نظیر ہے فرق اتنا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو ہمارے سامنے ظہور ہوا محمد بن عبداللہ کا اور چالیس برس کے بعد ظہور ہوا۔ محمد رسول ﷺ کا۔ اس وقت آپ ابن عبداللہ کی حیثیت سے دنیا میں آئے اور چالیس برس کے بعد رسول اللہ کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائے۔

(نوٹ اس کے بعد حضرت قاری صاحب کی بڑی مفصل اور پر مغز تقریر ہے جو پچاس صفحات پر مشتمل ہے ختم نبوت سے متعلقہ حصہ پیش خدمت ہے)

آپؐ فقط نبی نہیں بلکہ خاتم النبیینؐ بھی ہیں

تو اسلام خلق عظیم سے پھیلا ہے نہ کہ تلوار کے زور سے۔ آپؐ کا صبر' آپؐ کا تحمل' آپؐ کی رحمت' آپؐ کی شجاعت' آپؐ کی سخاوت یہ اخلاق ربانی تھے کہ جنہوں نے واضح کیا کہ آپؐ اللہ کے پیغمبر اور اس کے رسول ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ معجزات' پھر وحی کے ذریعہ علوم یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے ذریعے قلوب کے اندر ایمان پیدا ہوتا ہے لوگ دین کی طرف آتے تھے۔ آپؐ فرماتے ہیں کسی نبی کو وہ اذیتیں نہیں اٹھانی پڑیں کسی قوم سے جتنی سختیاں مجھے جھیلنی پڑیں جتنی تکلیف مجھے پہنچی حالانکہ بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نوح علیہ

السلام کو زیادہ تکلیف پہنچائی گئی ساڑھے نو سو برس تبلیغ فرمائی اور قوم ان کا مذاق اڑاتی رہی۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے تکلیفیں پہنچیں۔ آپ کو اتنی نہیں پہنچیں۔ پھر کیوں فرمارہے ہیں کہ جتنی اذیتیں مجھے پہنچیں، وہ کسی کو نہیں پہنچیں؟

اس کی بناء یہ ہے کہ اذیت تب زیادہ پہنچتی ہے جب شفقت زیادہ ہوتی ہے۔ جتنی آپ کو کسی سے محبت ہوگی اس سے اگر آپ کو تھوڑی بھی تکلیف پہنچے گی تو زیادہ محسوس ہوگی کہ اسے تکلیف پہنچانے کا حق نہیں تھا۔ میں تو اتنی محبت کروں اور یہ ایذاء پہنچائے؟ اگر دشمن آپ کو گالیاں دے آپ خیال بھی نہیں کرتے، لیکن اگر آپ کا بیٹا ترچھی نگاہ سے دیکھ لے تو گھر سے نکال دیں گے۔ انتہائی صدمہ پہنچے گا کیونکہ اس سے یہ توقع نہیں تھی کہ جس پر اتنی شفقت اور رحمت ہو وہ تکلیف پہنچائے تو آپ کو چونکہ امت کے حق میں بے حد شفقت تھی بے حد رحمت تھی اور اس لئے ان کی اذیت دگنی اور تگنی ہو کر آپ کو لگتی تھی کہ میں تو اتنا شفیق اور یہ میرے ساتھ یہ برتاؤ کریں؟ تو شدۃ شفقت کی وجہ سے اذیت زیادہ محسوس ہوتی تھی اس لئے حق تعالیٰ کو روکنا پڑا کہ ذرا سی اس شفقت میں کمی کریں۔ اتنی زیادہ شفقت نہ کریں کہ اخیر میں وہ خود آپ کو ہی بھگتنا پڑے، فرمایا۔

لعک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین شاید آپ اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر ڈالیں گے کہ یہ کیوں نہ مسلمان بن جائیں۔ آپ ان کو چھوڑیئے تبلیغ کر دیجئے، نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔ آپ ان کا کیوں دکھ اٹھاتے ہیں؟ لیکن غایت رحمت کی وجہ سے دکھ اٹھاتے تھے انتہائی شفقت اور خلق عظیم کی وجہ سے اس درجہ رحیمانہ اخلاق تھے کہ حق تعالیٰ کو روکنا پڑا کہ اتنی شفقت بھی نہ کریں کہ خود آپ کو تکلیف پہنچے تو حاصل یہ نکلا کہ صبر ہو، سخاوت ہو، شجاعت ہو چونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اس واسطے اخلاق میں بھی خاتم الاخلاق ہیں کہ اخلاق کا وہ درجہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیا گیا جو آپ کو دیا گیا علم کا جو درجہ انبیاء کو دیا گیا اس سے دوگنا چوگنا آپ کو دیا گیا۔ آپ کا جو مقام علم ہے وہ مقام دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیا گیا۔ جو مقام آپؐ کے احوال کا ہے وہ دوسرے انبیاء کو نہیں دیا گیا، اس لئے اور انبیاء نبی تھے، آپؐ نبی نہیں تھے بلکہ خاتم النبیین تھے۔

خاتم النبیین کا مطلب

اور خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ نبوت، علم اور اخلاق کے جتنے مراتب ہیں وہ آپ کی ذات بابرکات کے اوپر ختم ہو چکے ہیں، آپؐ سارے کمالات کے منتہی ہیں۔ سب کمالات کی انتہا آپؐ کی ذات پر آ کر ہو گئی تھی گویا اب کوئی درجہ نبوت کا باقی نہیں رہا تھا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی آئے اور اس درجہ کو لے کر چلائے اور تبلیغ کرے اور آپ کی ذات بابرکات کے اوپر سارے مراتب ختم کر دئے گئے اس سے آگے نہ نبوت کی ضرورت تھی نہ شریعت کی ضرورت تھی اور آپؐ کا دین خاتم الادیان تھا۔ آپؐ کی لائی ہوئی کتاب خاتم الکتب تھی آپؐ کی لائی ہوئی شریعت خاتم الشرائع تھی آپؐ کی ذات خاتم الانبیاء تھی تو ہر چیز کا انتہائی مقام آپ کو عطا کیا گیا تھا۔ علم کا، اخلاق کا، کمالات کا، ختم نبوت کی وجہ سے۔ کیوں کہ نبوت ختم ہو چکی تھی آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہاں شبہ کرے کہ ''ختم نبوت'' نبوت ختم ہو چکی ہے آپؐ کے اوپر آگے کوئی نبی نہیں تو نبوت تو سب سے بڑی رحمت ہے، آپ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا تو ہزاروں نبی آپؐ کے بعد آنے چاہئیں تھے مگر معاذ اللہ آپؐ تو رحمت نہیں، زحمت بن گئے کہ نبوت جیسی رحمت کا دروازہ ہی بند ہو گیا کہ نبی آنے ختم ہو گئے۔ تو یہ رحمت کہاں ہوئی۔ معاذ اللہ یہ تو زحمت ہو گئی۔ اس لئے آپ کے رحیم ہونے کا تقاضا ہے کہ نبوت کا دروازہ کھلا رہے اور آپؐ کے بعد ہزاروں نبی آنے چاہئیں۔ بعض ایسے لوگوں نے جو خود چاہتے تھے کہ ہم نبی بن جائیں مگر بن نہیں سکے اتفاق سے دعوے بھی بہت کچھ کئے مگر نبوت پھر بھی نہیں۔ قطع نظر اس کے کہ ختم ہو چکی تھی مل نہیں سکتی تھی وہ ان کی ذات پر پھبی ہی نہیں۔

جیسے بعض لوگ ٹوپی اوڑھ لیتے ہیں اور ان کو اچھی نہیں لگتی تو بعض مرتبہ چہرہ تو اتنا خوبصورت ہوتا ہے کہ کوئی لباس پہن لیں پھب جاتا ہے اور بعض مرتبہ ایسا بھدا ہوتا ہے کہ لباس بھی اس کے اوپر بھدہ ہو جاتا ہے۔ تو قطع نظر ختم ہونے یا نہ ہونے کے ان کی ذات پر پھبی نہیں اور چسپاں نہ ہو سکی۔ مگر انہوں نے نبوت کے دعوے کرنے کے لئے یہ شبہ پیدا کیا کہ نبوت عظیم رحمت ہے اور جو نبوت کا دروازہ بند کرے وہ رحمت کہاں رہا؟ وہ تو زحمت بن

گیا تو دروازہ کھلا رہنا چاہئے۔ نبی آتے رہنے چاہئیں۔ یہ شبہ ممکن ہے کسی کے ذہن میں ہو یا ڈالا جائے اس کے لئے جواب عرض کرتا ہوں۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ ختم نبوت کا معنی قطع نبوت کا نہیں کہ نبوت قطع ہو گئی ہے دنیا سے قطع ہو گئی۔ ختم نبوت کے معنی تکمیل نبوت کے ہیں یعنی نبوت کامل ہو گئی اور چیز کے کامل ہونے کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا ہے کہ وہ آئے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے رات کا وقت ہے اور ستارے چمکنے شروع ہوئے غروب کے بعد ایک چمکا' دوسرا چمکا' تیسرا چمکا' ہزار' لاکھ' کروڑ' دس کروڑ' سارا آسمان جگمگا اٹھا' آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے اور چاند بھی نکلا ہوا ہے تو چاند ستارے نور پھیلا رہے ہیں لیکن رات نہیں جاتی۔ دن نہیں ہوتا۔ رات کی رات' سب نے مل کر کتنی روشنی دی مگر رات موجود ہے' رات نہیں جاتی۔

آفتاب کے آنے کا جب وقت ہوا تو نکلا نہیں۔ پو پھٹی تھی' بس صبح صادق نے اطلاع دی کہ آفتاب آ رہا ہے بس خبر آئی تھی کہ اندھیرا غائب ہونا شروع ہوا اور دنیا میں چاندنا ہوا' ایک ہی ستارے نے آ کے سارے جہاں کو چمکا دیا' یعنی وہ تو لاکھوں کروڑوں مل کر بھی روشنی ڈال رہے تھے مگر رات کو زائل نہ کر سکے' دھکا نہیں دے سکے وہی رات کی رات۔ اور ایک ستارہ نکلا اس نے آ کے ساری رات کو دھکیل دیا پورے عالم میں چاندنا ہو گیا۔ اگر آفتاب یوں کہے کہ انا خاتم الانوار میں نے سارے انوار کو ختم کر دیا' سارے انوار میری ذات پر ختم ہیں۔ میرے آنے کے بعد اب کسی ستارے کی ضرورت نہیں اور نہ اب کوئی نیا ستارہ آنے والا ہے اس لئے کہ میں اتنا کامل نور لے کر آیا ہوں اب کسی ستارے کی حاجت نہیں جو موجود تھے بھی ان کا نور بھی ماند پڑ گیا ان کے نور بھی غائب ہو گئے۔ اب وہ نمایاں ہونے کے قابل نہیں۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آفتاب نے ستاروں کا نور چھین لیا ہے وہ تو منور ہیں مگر آفتاب کی تیزی اور چمک کے سامنے ان کی چمک ماند ہے وہ نظر نہیں آتے مگر ایسے وقت میں آفتاب یوں کہے کہ انا خاتم الانوار میں ہوں خاتم انوار سارے انوار اور چمکیں مجھ پر ختم ہو گئیں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اب نور کا کوئی ایسا درجہ باقی نہیں ہے کہ اب کوئی اور ستارہ آئے اور نور پھیلائے اب مغرب کے وقت تک میں اکیلا ہی کافی ہوں کسی ستارے

کے آنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ دن ہی ختم ہو جائے یہ جہاں ہی ختم ہو جائے یہ بات الگ ہے۔ لیکن جب تک یہ دن موجود ہے کسی ستارے کی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ انوار میری ذات کے اوپر ختم ہو گئے تو کیا آفتاب کے ''خاتم الانوار'' کہنے کا یہ مطلب ہو گا کہ نور ختم ہو گیا' نور مٹ گیا دنیا سے اندھیرا چھا گیا' یا یہ مطلب ہو گا نور کے ختم ہونے کا نور کے مراتب ختم ہوئے کامل ہوئے اب کسی دوسرے ستارے کے آنے کی ضرورت نہیں دوسری چمک کی حاجت نہیں ہے تو ختم انوار کے معنی قطع انوار کے نہیں بلکہ تکمیل انوار کے ہیں کہ نور کامل ہو گیا اب کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے۔

یہی دو بنیادیں ہیں نبوت کی' تو نبوت بھی انتہائی' آپ خاتم النبیین ہیں۔ تو ختم نبوت میں ہی آپ کی سیرت پوشیدہ ہے۔

ابتدائی درجہ عصمت اور معصومیت کا ہے اس کے بعد اخلاق کا ہے اس کے بعد اعمال کا ہے اور اس کے بعد احوال کا ہے۔ تو میں نے کچھ روشنی ڈالی عصمت کے اوپر کچھ روشنی ڈالی اخلاق کے اوپر اعمال اور احوال کا باب بہت وسیع ہے اس کے لئے وقت درکار ہے۔ اتنا وقت نہیں ہے۔ وقت تنگ ہو گیا ہے اخیر ہو گیا ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اب اس تقریر کو ختم کیا جائے اور کون ہے جو وہ سیرت کی ساری چیزیں بیان کر سکے۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے؟

اس واسطے کہ سیرت کے بارے میں صدیقہ عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کے اخلاق کیا تھے؟ تو فرماتی ہیں کہ جو قرآن ہے یہ آپؐ کا اخلاق ہے جسے اخلاق دیکھنے ہوں قرآن دیکھ لے تو قرآن کے عجائبات قیامت تک تمام نہیں ہوں گے تو سیرت کے عجائبات کہاں سے تمام ہو سکتے ہیں؟ قیامت تک لاکھوں بیان کرنے والے بیان کرتے جائیں پھر بھی سیرت مکمل نہیں ہو سکتی؟

اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ اب ختم کروں میں نے یہ آیت پڑھی تھی کہ **ما کان محمد اباا حد من رجالکم ولکن رسول الله و خاتم النبیین** محمد ﷺ تم میں سے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں یعنی نسبی رشتہ نہیں ہے لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں یعنی روحانی رشتہ کے باپ ہیں۔ مادی اور نسبی رشتے کے باپ نہیں ہیں جیسے آپؐ فرماتے ہیں

حدیث میں **انالکم بمنزلة والد** میں تمہارے حق میں بمنزلہ باپ کے ہوں یعنی روحانی باپ تو جیسے اولاد ماں باپ سے تربیت پاتی ہے تو روحانی اولاد ماں باپ سے تربیت پاتی ہے تو میں روحانی باپ ہوں اور سارا عالم میرے زیر تربیت ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ روحانی باپ ہو یا مادی، وہ ایک ہی ہوا کرتا ہے۔ دو دو باپ کسی کے نہیں ہوا کرتے۔ تو میں چونکہ روحانی باپ ہوں اس لئے ایک ہوں۔ تو میرے بعد کوئی باپ آنے والا نہیں ہے۔ میری ابوت اتنی مکمل ہے کہ وہ تربیت کے لئے کافی ہے۔ **ولکن رسول الله و خاتم النبیین.** آپؐ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اب نبوت کا یا باپ ہونے کا کوئی درجہ باقی نہیں ہے کہ نبوت کے درجہ میں کوئی روحانی باپ بن جائے، نبوت ختم ہو چکی، جس کو آپؐ فرماتے ہیں کہ نبوت کو ایک محل سمجھو جس کی تعمیر ہو رہی تھی جس کی آخری اینٹ میں ہوں۔ میں نے قصر نبوت کو مکمل کر دیا۔ اب کوئی انتظار کی حالت باقی نہیں ہے اب نہ باہر سے کوئی چیز آئے گی نہ اندر سے باہر جائے گی۔

بہر حال چونکہ جلسہ کا موضوع نبی کریم ﷺ کی میلاد مبارک تھا۔ تو ایک میلاد جسمانی کا ذکر کیا اور زیادہ تفصیل میلاد روحانی کی کی۔ کیونکہ ہماری سعادت کا تعلق میلاد روحانی سے ہے۔ آپؐ کی نبوت و رسالت اور رسالت کے اخلاق اعمال اور احوال سے ہے۔ اس لئے اس کی تفصیل میں نے زیادہ کی اور اسی لئے یہ آیت پڑھی تھی کہ وہ ساری تفصیلات اس میں تھیں جو چھپی ہوئی تھیں۔ ختم نبوت کے اندر تو آپؐ کے انتہائی کمالات اس لئے ہیں کہ آپ کی نبوت انتہائی تھی تو اس واسطے علم و اخلاق کا ذکر آیا اور وہ چونکہ انتہائی تھے اس لئے ختم نبوت کا ذکر آیا اور چونکہ ختم نبوت کا ذکر کرنا تھا۔ تو آیت وہ پڑھی جس میں ختم نبوت کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اسی سے یہ سیرت شروع کی۔ دعاء کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس پاک اور عظیم الشان پیغمبر کی زندگی اور نقش قدم پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی مرضیات پر چلائے اور اپنے نبی پاک کی سنتوں پر چلنے کی توفیق فرمائے اور ہم کو سچا اور سیدھا مسلمان بنائے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

برادران اسلام! میری تقریر کا موضوع ارکان سیرت کمیٹی نے سیرت النبی ﷺ تجویز فرمایا ہوا ہے اور میں بھی انہیں حضرات کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسی مقدس عنوان پر چند سطور تحریر میں لا کر اس اجتماع عظیم میں پیش کرنے کے لئے لایا ہوں۔ اگرچہ اس مقدس عنوان پر اپنی نوک قلم کو حرکت میں لانا میرے لئے بعینہ ایسا ہی ہے کہ جس طرح بقول بعض مفسرین حضرات، حضرت یوسف علیٰ نبینا علیہ السلام کے خریداروں میں جہاں بڑے بڑے دولتمند بڑی بڑی گرانقدر رقمیں لے کر خریداری کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے وہاں ایک بڑھیا سوت کی اَٹی بھی لے کر آئی تھی۔ لوگوں نے اس بڑھیا سے کہا کہ اس غلام کے خریدنے کے لئے تو بڑے مالدار اپنے خزانوں کے منہ کھولنے کے ارادوں سے آئے ہوئے ہیں تیرے سوت کی اَٹی پر تمہیں کس طرح یوسف علیہ السلام ایسا غلام مل سکتا ہے۔

بڑھیا کا جواب

کہنے لگی میں جانتی ہوں کہ اس سوت کی اَٹی پر مجھے یوسف علیہ السلام ایسا دنیا بھر کا بے نظیر و بے مثل خوبصورت غلام کیسے مل سکتا ہے مگر اس خیال سے اَٹی لے کر اس مجمع میں آئی ہوں کہ میرا نام بھی قیامت کے دن یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں تو شمار ہو۔ بعینہ یہی حال میرا ہے کہ مجھ ایسا سیاہ کار گناہ گار اور سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ سیرت پر طبع آزمائی اور خامہ فرسائی۔ ایں چہ بوالعجبی است مگر سیرت کمیٹی کے

اس اجلاس کا خاکہ کھینچنے والے حضرات نے مجھ سے مشورہ لئے بغیر اور منظوری حاصل کرنے کے سوا خود ہی اس گناہ گار کے لئے یہ مضمون تجویز فرمایا اور یہاں تک جرات فرمائی کہ اس مقدس اجتماع کے متعلق ایک بہت بڑا پوسٹر طبع کرا کر اور اس میں میرے نام یہ مقدس مضمون منسوب کر کے میرے ہاں بھجوا دیا۔ پوسٹر وصول ہونے کے بعد میں نے اپنا فرض عین خیال کیا کہ باقی سب مشاغل کو نظر انداز کر کے اس دعوت کو بسر و چشم قبول کروں کیونکہ اس دعوت کا تعلق اس مقدس وجود مسعود سے ہے۔ جس کی نظیر اس دنیا کی ابتداء سے لے کر اس کے خاتمے تک مل ہی نہیں سکتی اور جس کے ساتھ میرا تعلق عقیدت، محبت اور اتباع کے باعث ٹھیک رہا تو قیامت کے دن اسی کے حوض کوثر سے پانی پینا نصیب ہوگا۔ جس کی تاثیر کی برکت سے پچاس ہزار سال والے دن میں پھر پیاس نہیں لگے گی، جس کی گرمی کی شدت کا یہ حال ہوگا۔

حضور انور کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

حضرت مقدادؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن سورج لوگوں کے قریب ہوگا۔ یہاں تک کہ ان سے ایک میل کی مقدار کی بلندی پر ہوگا۔ پھر لوگ اپنے اعمال کے لحاظ سے پسینے میں ہوں گے۔ بعض ان میں سے ایسے ہوں گے جن کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا اور بعض ان میں ایسے جن کے گھٹنوں تک ہوگا اور بعض ان میں ایسے ہوں گے جن کی کمر تک ہوگا اور بعض ان میں سے ایسے ہوں گے جن کے منہ کے اندر لگام کی طرح ہوگا اور آپ نے اپنے ہاتھ سے (لگام کی صورت دکھانے کے لئے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔) (مسلم شریف)

ایک فقرہ میں آپ کی بے نظیر سیرت کا اعلان

اللہ جل شانہ نے قرآن مجید کے ایک چھوٹے سے فقرے میں حضور انور کی سیرت مقدسہ کا بے نظیر نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ فرمایا ہے **انک لعلی خلق عظیم** (سورہ القلم)

بیشک آپ تو بڑے ہی خوش خلق ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس مقدس ہستی کے متعلق قرآن مجید میں خلق عظیم کے حامل ہونے کا اعلان فرمائے کیا اس وجود مسعود سے بڑھ کر کسی کی سیرۃ کا درجہ بلند ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب" اس آیت کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں "یعنی اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق و ملکات پر آپ کو پیدا فرمایا۔ کیا دیوانوں میں ان اخلاق و ملکات کا تصور کیا جا سکتا ہے۔" ایک دیوانے کے اقوال و افعال میں قطعاً نظم و ترتیب نہیں ہوتی۔ نہ اس کا کلام اس کے کاموں پر منطبق ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے آپ کی زبان قرآن ہے اور آپؐ کے اعمال و اخلاق قرآن کی خاموش تفسیر۔ قرآن جس بھلی خوبی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپؐ میں فطرۃً موجود اور جس بدی سے روکتا ہے آپؐ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی چیز حد تناسب و اعتدال سے ایک انچ ادھر ادھر ہٹنے نہیں پاتی۔ آپ کا حسن اخلاق اجازت نہ دیتا تھا کہ جاہلوں اور کمینوں کے طعن و تشنیع پر کان دھریں۔ جس شخص کا خلق اس قدر عظیم اور مطمح نظر اس قدر بلند ہو بھلا وہ کسی مجنون کے مجنون کہہ دینے پر کیا التفات کرے گا۔ آپ تو اپنے دیوانہ کہنے والوں کی نیک خواہی اور دردمندی میں اپنے کو گھلائے ڈالتے تھے جس کی بدولت **فلعلک باخع نفسک** کا خطاب سننے کی نوبت آئی تھی فی الحقیقت اخلاق کی عظمت کا سب سے زیادہ عمیق پہلو یہ ہے کہ آدمی دنیا کی ان حقیر ہستیوں سے معاملہ کرتے وقت خداوند قدوس کی عظیم ہستی سے غافل و جاہل نہ ہو۔ جب تک یہ چیز قلب میں موجود رہے گی تمام معاملات عدل و اخلاق کی میزان میں پورے اتریں گے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلو

عرض کرنا چاہتا ہوں اور ان پہلوؤں کے پیش کرنے کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ ہر کلمہ گو مرد و عورت کا فرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر عمل حیات کو مشعل راہ حیات بنائے چنانچہ اس عرضداشت کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر و ذکر اللہ کثیرا (سورہ الاحزاب)

ترجمہ:۔ البتہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور

قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ میں نے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے اسے چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل حیات کو اپنے لئے دنیا کی زندگی کے ہر لمحہ اور ہر عمل میں مشعل راہ بنائے۔

نتیجہ اس اتباع کا یہ نکلے گا کہ اس سے اللہ جل شانہ راضی ہو جائے گا۔ اور جہنم سے بچ کر جنت میں پہنچ جائے گا۔ **اللھم اجعلنا منھم**

بطور مثال مختلف پہلوؤں کی تفصیل

اگر غور سے دیکھا جائے تو جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آپ کی حیواۃ طیبہ کو اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کی مبارک زندگی کا ہر پہلو بے نظیر اور قابل صد تحسین ہے اور آپ کی مختلف حیثیتوں کو دیکھتے ہوئے یہ شعر یاد آتا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مثلاً

کبھی دیکھا جائے تو مدینہ منورہ کی مسجد میں پنج وقتہ نماز کے آپ امام ہیں۔
کبھی دیکھا جائے تو حضورؐ مدینہ منورہ کی جامع مسجد کے جمعہ کے خطیب ہیں۔
کبھی دیکھا جائے تو حضور انورؐ بحیثیت قاضی اور جج کے فیصلے فرما رہے ہیں۔
کبھی دیکھا جائے تو بحیثیت جرنیل فوج کے میدان جنگ میں فوجوں کو ترتیب دے رہے ہیں
کبھی دیکھا جائے تو حضور انورؐ بحیثیت ایک بادشاہ کے سلاطین دنیا کے ہاں وفود بھیج رہے ہیں۔
کبھی دیکھا جائے تو مدینہ منورہ کی دنیا بھر کی مرکزی درسگاہ علم کی مسند درس پر درس علم و حکمت سے خدام کے قلوب کو منور فرما رہے ہیں۔
کبھی دیکھا جائے تو سلاطین کی طرح باہر سے آئے ہوئے وفود کو شرف ملاقات کا موقع عطا فرما رہے ہیں۔
کبھی دیکھا جائے تو میدان جنگ میں جب بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھڑ چکے ہیں تو دشمنان اسلام کو اس نعرہ سے مرعوب کر رہے ہیں۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب. میں جھوٹا نبی نہیں ہوں (کہ کفر کی ہیبت سے مرعوب ہو جاؤں) اور ویسے بھی میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں اس لئے بھی میری خاندانی روایات کے خلاف ہے کہ دشمنوں سے مرعوب ہو کر میدان جنگ چھوڑ جاؤں۔

پہلا پہلو آپ کا تعلق باللہ

رسولؐ نے مان لیا جو کچھ اس پر اس کے رب کی طرف سے اترا ہے اور مسلمانوں نے بھی مان لیا سب نے اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو مان لیا ہے۔ کہتے ہیں ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور مان لیا۔ اے ہمارے رب تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (سورہ بقرہ)

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ایمان اور آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمان کی شہادت دی کہ سب مومن ہیں اور کچھ تفصیل بھی فرمائی ہے کہ فقط آپؐ پر ایمان نہیں لائے بلکہ آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے تھے ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تمام فرشتوں اور تمام سابقہ کتب سماویہ پر بھی ایمان لاتے ہیں اور حضور انورؐ اور آپ کے صحابہ کرام اعلان فرما رہے ہیں کہ اے اللہ ہم تیرے نازل کردہ احکام پر عمل بھی ضرور کریں گے۔ اے اللہ اگر تیرے احکام کی تعمیل میں کوئی قصور ہو جائے تو معاف فرما دیں۔ اے اللہ (ہمارا یقین ہے) ہم نے دنیا سے رخصت ہو کر پھر تیرے ہی حضور میں پیش ہونا ہے۔ (لہذا آخرت کی کامیابی کے لئے بھی تیرے نازل کردہ احکام پر ضرور ہی عمل کریں گے)

سچا' کھرا اور اصلی

قرآن مجید کے مذکورۃ الصدر اعلان کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا سچا' کھرا اور اصلی امتی کہہ دیجئے یا مسلمان کہہ دیجئے۔ فقط وہی شخص ہوگا جو مذکورۃ الصدر آیت کے نقل شدہ اعلانات کو تہ دل سے مانے ورنہ اگر ان احکام کو دل نہ مانے تو بے ایمان ہوگا اور اگر دل سے تو مان لے مگر عملی جامہ پہنانے سے قاصر ہو تو وہ مومن فاسق کہلائے گا یعنی بدمعاش۔ دوسری جگہ آتا ہے۔

بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا تھا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں۔ (سورہ انعام)

حاصل یہ ہے کہ سید المرسلین خاتم النبیینؐ نے اس آیت میں اپنے متعلق اعلان فرمادیا ہے کہ میری زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے وقف ہے۔ یعنی وہی کام کروں گا جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور کوئی کام ایسا نہیں کروں گا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ایک مسلمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بنانے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ لہذا اگر سب مسلمان حضور انورؐ کے اس اعلان نمبر دوم کا صحیح معنوں میں اتباع کریں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ کی امت میں سے ایک شخص بھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ تیسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو ان سے کہہ دے کہ میں نے اپنا منہ اللہ کے حکم کے تابع کیا ہے اور ان لوگوں نے بھی جو میرے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے کہہ دے جنہیں کتاب دی گئی ہے اور ان پڑھوں سے آیا تم بھی (اللہ کے حکم کے) تابع ہوتے ہو پھر اگر وہ تابع ہو گئے تو انہوں نے بھی سیدھی راہ پالی اور اگر وہ منہ پھیریں تو تیرے ذمہ فقط پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (سورہ آل عمران)

بس اعلان کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے اور میرے تابعداروں (یعنی صحابہ کرامؓ) نے اپنے آپ کو سپرد خدا کر دیا ہے۔ اب ہماری جانوں میں اللہ تعالیٰ ہی کا تصرف ہوگا جو چاہے حکم فرمائے ہماری ہر نقل و حرکت ہر نشست و برخاست اسی کے حکم کے تابع ہوگی۔ کھلائے گا تو کھائیں گے کھانے سے منع کرے گا تو ہرگز نہیں کھائیں گے۔ پلائے گا تو پئیں گے اگر پینے سے روک دے گا تو ہرگز نہیں پئیں گے۔ (اسی کا نام روزہ ہے) پہننے کی اجازت دے گا تو پہنیں گے۔ اگر پہننے سے روک دے گا تو ہرگز نہیں پہنیں گے۔ مثلاً ریشم، پلائے گا تو پئیں گے اگر پینے سے منع کرے گا تو ہرگز نہیں پئیں گے مثلاً شراب جس مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے گا تو بیٹھیں گے مثلاً مجلس اشاعت کتاب وغیرہ اور جس مجلس میں بیٹھنے سے منع کرے

گا ہرگز نہیں بیٹھیں گے مثلاً مجلس کفار و منافقین جو اس وقت پکے اسلام کے دشمن تھے۔ علی ہذا القیاس جو نقشہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا میں نے سطور بالا میں پیش کیا ہے یہ دراصل ان کی سیرت مقدسہ سے میں نے اخذ کیا ہے۔ علی ہذا القیاس جو مسلمان اس پیش کردہ سانچے میں اپنی زندگی کو ڈھالے گا وہی کھرا اصلی اور سچا مسلمان ہوگا ورنہ نہیں۔ اے مسلمان کیا تو کھوٹی چیز بجائے کھری کے لینے پر راضی ہوسکتا ہے ہرگز نہیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچو کیا اللہ تعالیٰ نے نقلی اور کھوٹے مسلمانوں کے لئے بہشت تیار کیا ہوا ہے۔ بہشت کے مستحق فقط وہ مسلمان ہوسکتے ہیں جو اصلی کھرے اور سچے ہوں اور کھرے اور کھوٹے کے پرکھنے کا معیار فقط رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

دوسرا پہلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مومنین سے تعلق

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (سورہ التوبہ رکوع ١٦ پارہ ١١)

ترجمہ: البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آیا ہے۔ اسے تمہاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے تمہاری بھلائی پر وہ حریص ہے۔ مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

اس آیت پر حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

جس کے حسب ونسب اخلاق واطوار اور دیانت وامانت سے تم خوب واقف ہو۔ جس چیز سے تم کو تکلیف یا سختی پہنچے وہ ان پر بہت بھاری ہے۔ ہر ممکن طریقہ سے آپ یہی چاہتے ہیں کہ امت پر آسانی ہو اور دنیاوی اور اخروی عذاب سے محفوظ رہے اسی لئے جو دین آپ لائے وہ بھی سہل اور نرم ہے اور عمال کو آپ یہی نصیحت فرماتے تھے۔ **یسروا ولا تعسروا** (آسانی کرو سختی مت کرو) تمہاری خیرخواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ان کے دل میں ہے لوگ دوزخ کی طرف بھاگتے ہیں۔ آپ ان کی کمریں پکڑ پکڑ کر ادھر سے ہٹاتے ہیں۔ آپ کی بڑی کوشش اور آرزو یہ ہے کہ خدا کے بندے اصلی بھلائی اور حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ جہاد وغیرہ کا مقصد بھی خونریزی نہیں بلکہ بحالت مجبوری سخت اپریشن کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کے فاسد و مسموم اعضا کو کاٹ کر اور خراب جراثیم کو تباہ

کر کے امت کے مزاج عمومی کو صحت و اعتدال پر رکھنا ہے۔ جب آپ تمام جہان کے اس قدر خیر خواہ ہیں تو خاص ایمانداروں کے حل پر ظاہر ہے کس قدر شفیق و مہربان ہوں گے۔

عبرت

موجودہ دور کے مسلمانوں کو بڑے غور سے اس آیت کے مفہوم پر غور کرنا چاہئے کہ جب ہمیں حضورؐ کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے (جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے) تو سوچنا چاہئے کہ کیا ہم بھی واقعی آپؐ کی امت کے خیر خواہ کہلانے کے مستحق ہیں۔ موجودہ مسلمان قوم میں اکثریت ایسے افراد کی ہے جو مسلمانوں کو ہر ممکن دھوکہ فریب دے کر اور ان سے بددیانتی کر کے انہیں ہر ممکن دکھ دینا چاہتے ہیں۔

کیا پاکستان میں ہندو آ کر چوری کرتے ہیں؟ کیا ہندو آ کر ڈاکے ڈالتے ہیں؟ کیا ہندو آ کر مسلمانوں کی بہو بیٹیوں کو اغوا کرتے ہیں؟ کیا ہندو آ کر یہاں زنا کر جاتے ہیں؟ کیا ہندو دفتروں میں گھس کر مسلمانوں سے رشوت لے کر کھا جاتے ہیں؟ کیا ہندو یہاں آ کر رشوت لئے بغیر افسران بالا تک غریبوں اور حاجت مندوں کی درخواستیں نہیں پہنچاتے؟ کیا یہاں آ کر بڑے دکانداروں سے مال لے جاتے ہیں اور پھر وقت پر روپیہ ادا نہیں کرتے اور پھر بیچارے بڑے بڑے تاجروں کو مقدمہ لڑ لڑ کر بمشکل روپیہ وصول ہوتا ہے اور کیا یہی مسلمان ہیں جو پاکستان کی عزت کو اپنی دیانتداری سے سربلند کریں گے۔ کیا پاکستان کے یہی مسلمان ہیں جو دوسری قوموں سے اپنے بلند اخلاق کے باعث نیک نامی کا تمغہ لیں گے۔ میرے درد دل کا ترجمان ایک شعر ہے وہ سنئے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تیسرا پہلو

مدینہ منورہ میں ایک ایسا دینی مدرسہ ہے جس میں فقط آسمانی کتاب کا درس دیا جاتا ہے۔ اس مدرسہ کی نظیر دنیا بھر میں نہیں پائی جاتی کیونکہ سطح دنیا پر اس وقت ایک ہی آسمانی کتاب

موجود تھی جس کا نام قرآن مجید ہے۔ ورنہ دوسری تمام آسمانی کتابیں سطح دنیا سے نیست ونابود ہو چکی تھیں اور اس آسمانی کتاب کے سطح دنیا پر لانے کا باعث بھی فقط رحمۃ اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مسعود ہی تھا اور اس کے سب سے پہلے معلم خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

چنانچہ سورۂ جمعہ رکوع (۱ پارہ ۲۸ میں آپ کے متعلق (ویعلمھم الکتاب) کا اعلان کیا گیا ہے۔

ترجمہ:۔ اور انہیں آپ کتاب (یعنی قرآن مجید) کی تعلیم دیتے ہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ مدینہ منورہ کے اس بے نظیر دینی مدرسہ کے مدرس بھی خود حضور انور ہی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر بھی ہیں اور اس بے نظیر مدرسہ اسلامیہ کے مدرس بھی ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا چوتھا پہلو

آپؐ دنیا بھر کے انسانوں کے لئے امراض باطنی سے شفا دلانے کا فن بھی بدرجہا اتم واکمل جانتے ہیں جس کا نام تزکیہ نفس ہے۔ انسان کے اندر کئی روحانی امراض پائے جاتے ہیں اور عام طور پر انسانوں کو ان کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ جب تک ہادی خاص طور پر توجہ نہ دلائے اور اگر خدانخواستہ ان امراض میں مبتلا رہتے ہوئے انسان دنیا سے رخصت ہوا تو وہ امراض قبر کو دوزخ کا گڑھا بنائیں گے الحمد اللہ ثم الحمد اللہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ان امراض سے بھی صحابہ کرامؓ شفایاب ہوجاتے تھے اس صفت مبارکہ کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ جمعہ کے رکوع اول پارہ ۲۸ میں (ویزکیھم)

اور انہیں پاک کرتا ہے۔ کے عہدہ سے یاد فرمایا گیا۔ حضور انور گا یہ فرض آج کل صوفیائے عظام ادا کرتے ہیں جو ان کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوجائے۔ پھر وقتاً فوقتاً ان امراض روحانی کی اطلاع بھی دیتے رہتے ہیں اور ان کا علاج بھی بتلاتے رہتے ہیں اور اپنی باطنی توجہ بھی اس شخص کی اصلاح کے لئے مبذول فرماتے رہتے ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس طرح پر ایک مدت مدید کے بعد طالب حق کی واقعی اصلاح ہوجاتی ہے پھر اس بندۂ خدا پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب وہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ایک طالب مولیٰ کی تمنا

صدقے میں تیرے ساقی مشکل آسان کر دے
ہستی میری مٹا دے خاک بے جان کر دے

اصلی اور سچا صوفی

وہ ہے جس میں کتاب و سنت کے اتباع کا رنگ پورے طور پر پایا جائے۔ اگر خدانخواستہ ایک شخص صوفیانہ بھیس میں ہمارے سامنے آئے اور لاکھوں مرید بھی ساتھ لائے جو اس کے ساتھ بیعت کا تعلق رکھتے ہوں اگر وہ کتاب سنت کا متبع نہیں ہے تو میں دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ ایسے صوفی کی طرف عقیدت مندی سے نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گناہ ہے اور اس کی بیعت کرنا حرام ہے اور بے خبری میں ہو جائے تو اس کو توڑ کر کسی متبع کتاب و سنت کے ساتھ تعلق جوڑنا فرض عین ہے۔ اگر خدانخواستہ بیعت نہ توڑی اور اسی کے ساتھ جڑے رہے تو جہاں وہ جائے گا تمہیں بھی وہیں جانا پڑے گا۔

پانچواں پہلو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

سارے جہاں کیلئے رحمت ہیں اعلان شہنشاہی

وما ارسلنک الا رحمة للعلمین (سورۂ الانبیاء رکوع ۷ پارہ ۱۷)

ترجمہ:۔ اور ہم نے تو تمہیں تمام جہان کے لوگوں کے حق میں رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا جب خالق الخلق مالک الملک اللہ تعالیٰ جل شانہ وعز اسمہ۔ خود ارشاد فرما رہے ہیں کہ سارے جہان کے لئے حضور انور کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز ہو ہی نہیں سکتا اور عالمین کے لفظ میں حیوانات بھی شامل ہیں۔ حضور انور کی حیوانات پر رحمت کے واقعات ملاحظہ ہوں۔

ہرنی پر رحمت

واستعانت ظبیة قد شدها حابل رام اقتنا صافا حتبل

ترجمہ:۔ایک ہرنی نے آپ سے فریاد کی جس کو ایک ایسے شکاری نے باندھ رکھا تھا جو بارادہ شکار (اس کو پھانس چکا تھا) وہ پھنس گئی تھی۔

یا نبی اللہ اطلقنی اعد کبد ارضاعی لخشف منخزل

ترجمہ:۔اے خدا کے نبی آپ مجھ کو کھول دیجئے تاکہ میں اپنے ضعیف اور چھوڑے ہوئے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجاؤں۔

حلھا تعدوا و تتلوا نه خاتم الرسول و حلال العضل

ترجمہ:۔آپ نے اسے کھول دیا تو وہ دوڑتی ہوئی اور یہ کہتی ہوئی چلی کہ آپ یقیناً آخری پیغمبر اور مشکلوں کی گرہ کھول دینے والے ہیں۔

ثم عادت تقتضی اثارھا للاسارما اخلت بالاجل

ترجمہ:۔پھر پچھلے پاؤں لوٹ کر قید ہونے کے لئے آگئی اور وعدے کی مدت میں کچھ بھی خلل نہ ڈالا۔

ثم خلاھا تصیح فی الفلاتعلن التوحید جھرا لاتمل

ترجمہ:۔پھر آپؐ نے (باجازت شکاری) اس کو چھوڑ دیا کہ وہ جنگل میں چیخ چیخ کر توحید خداوندی کا اعلان کرتی اور نہ تھکتی تھی۔

حاصل یہ نکلا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے انسانوں کیلئے رحمت ہیں ویسے ہی حیوانات کے لئے بھی رحمت ہیں۔

ایک اونٹ پر شفقت

والبعیر اذا ارادوا نحرہ جاء والتجابعین تنمھل

ترجمہ:۔ایک اونٹ کے مالکوں نے اس کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو وہ آپؐ کے پاس اشکبار آنکھوں کے ساتھ آیا۔

ثم فی اذنیه ناجی منصحا مابه من ازمة الیلوی نزل

ترجمہ:۔اور وہ مصیبت گوش گزار کی جو اس پر پڑی تھی۔

فاشتراہ ثم خلاہ سدی لا یعنی فھو من حر الجعل

ترجمہ: آپ نے اس کو لے کر بے مہار چھوڑ دیا تو وہ آزاد ہو کر پھرنے لگا۔

یہ واقعہ اس حدیث شریف سے ماخوذ ہے۔ جس کو طبرانی اور ابو نعیم نے بروایت یعلی بن مرہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو ایک اونٹ کو چلاتے ہوئے دیکھا۔ اونٹ نے آپ کو سجدہ کیا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم کو سجدہ کرنے کا اونٹ سے نسبتاً زیادہ حق حاصل ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم کرتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ تم لوگ جانتے ہو کہ یہ اونٹ کیا کہہ رہا ہے یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے مالکوں کی چالیس سال تک خدمت کی اب جبکہ میں بوڑھا ہو گیا تو انہوں نے میری خوراک کم کر دی اور کام زیادہ لینا شروع کر دیا۔ اب ان کے ہاں ایک تقریب ہے تو انہوں نے لے کر مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ حضورؐ نے اونٹ کے مالکوں سے یہ سرگزشت کہلا بھیجی۔ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ خدا کی قسم اس نے بالکل سچ کہا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تم اس کو میرے لئے چھوڑ دو۔ (چنانچہ چھوڑ دیا گیا)

ضروری نوٹ:۔ یہ دونوں واقعات حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی کتاب (لامیۃ المعجزات) سے لئے گئے ہیں۔

اپنے رحمت ہونے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا اعلان

ترجمہ:۔ ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں۔ (دارمی)

حضور انور کی سیرت کا چھٹا پہلو

حضور انورؐ کا حلم اور مسکین نوازی

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا اور آپ بحران (مقام کا نام ہے) کی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے تھے۔ راستہ میں آپؐ کو ایک دیہاتی ملا جس نے آپ کی چادر پکڑ کر اس قدر سختی سے اپنی طرف کھینچی

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سینے کے قریب کھنچ کر آ گئے۔ میں نے دیکھا تو آپ کی چادر کے کنارے نے آپ کی گردن پر نشان ڈال دیا پھر اس دیہاتی نے کہا اے محمدؐ اللہ کا وہ مال جو تیرے پاس ہے مجھے اس میں سے دلا۔ آپؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے پھر ہنسے پھر آپ نے اس کو کچھ دیئے جانے کا حکم دیا۔ (بخاری و مسلم)

تعجب خیز حلم (بردباری)

کہاں سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کہاں ایک جاہل آداب سے نا آشنا دیہاتی اور پھر یہ بے ادبی کہ زبان سے تو عرض نہیں کرتا اور پچھلی طرف چادر مبارک اس قدر شدید جھٹکا دے کر کھینچتا ہے کہ حضور انورؐ اس کی چھاتی سے آ کر لگ جاتے ہیں اور اتنا شدید جھٹکا دیا کہ حضور انور کی چادر مبارک کے سخت کناروں کی رگڑ سے حضور کے کندھے پر نشان پڑ گئے۔ اس کے علاوہ یہ بے ادبی کہ روکھا نام یا محمدؐ کہہ کر پکارتا ہے۔ اتنی شدید بے ادبی کرنے کے بعد امر کے لفظ سے مطالبہ کرتا ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنے ماتحت کو حکم دیتا ہے کہ مجھے وہ مال دلا جو تیرے پاس ہے۔ بے ادبی وہ اور مطالبہ یہ۔ حضور انورؐ سے دیکھ کر ہنس پڑے گویا چہرے پر رنجیدگی کا ذرا اثر بھی ظاہر نہیں ہونے دیا اور ایسے بے ادب گنوار کی شفقت سے فرمائش پوری کر دی۔

برادران اسلام! اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھئے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھئے پھر فیصلہ کیجئے کہ ہم میں سے کتنے کھرے محمدیؐ ہیں اور کتنے کھوٹے ہیں اور کتنے اصلی محمدیؐ ہیں اور کتنے نقلی اور کتنے سچے محمدیؐ اور کتنے جھوٹے۔

سیرت کا ساتواں پہلو

حضور انور کی بے نظیر سخاوت:۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی بکریاں مانگیں کہ جو دو پہاڑوں کے درمیانی نالہ کو بھر دیں۔ آپؐ نے اس کو اتنی ہی بکریاں دے دیں پھر وہ شخص اپنی قوم میں آیا اور کہا اگر مسلمان ہو جاؤ تو خدا کی قسم محمدؐ اتنا دیتے ہیں کہ پھر افلاس کا ڈر نہیں رہتا۔ (مسلم شریف)

کیا حضور انورؐ کے سوا کوئی شخص اتنے مال سے محض حسبۃ للہ دستبردار ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں کیونکہ مال میں دنیادار کی جان ہوتی ہے۔ یہ پیغمبر ہی کی شان ہو سکتی ہے کہ سب کچھ راہ خدا میں دے کر خالی ہاتھ محض اپنے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے مطمئن ہو کر بیٹھ جائے۔

سیرت کا آٹھواں پہلو

حضور انورؐ کا خود تکلیف اٹھا کر مخلوق خدا کو راضی کرنا:۔

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تھے مدینہ کے (لوگوں کے) خادم اپنے برتن لے کر آ جاتے تھے۔ جن میں پانی ہوتا تھا پھر جو برتن بھی لاتے تھے۔ آپؐ اس میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے تھے پھر بعض اوقات سردی کی (موسم کی) صبح کو آپؐ کے پاس آتے پھر بھی ان پانی کے برتنوں میں ہاتھ ڈبو دیتے تھے۔ (مسلم شریف)

باوجودیکہ سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈبونے سے کتنی تکلیف ہوتی ہوگی اور یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ برتن کتنے ہوتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور محض خلق اللہ کے دل خوش کرنے کے لئے اپنی جان کو یہ تکلیف پہنچاتے تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا نواں پہلو

حضور انورؐ نے غصہ میں آ کر نہ کبھی فحش لفظ منہ سے نکالے نہ کسی پر لعنت کی اور نہ کبھی گالی دی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گو تھے نہ لعنت کرنے والے اور نہ گالیاں دینے والے۔ جب آپ کو کسی پر غصہ آتا تو اتنا فرماتے "کیا کرتا ہے تیری پیشانی خاک آلود ہو"۔ (بخاری شریف)

نتیجہ:۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے بلکہ اشد ضروری ہے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ مذکورہ بالا حدیث شریف کے آئینے میں اپنا منہ دیکھے پھر خود فیصلہ کرے کہ اصلی مسلمان ہے یا نقلی۔ کھرا مسلمان ہے یا کھوٹا مسلمان۔ سچا مسلمان ہے یا جھوٹا مسلمان۔

حضور انور کی سیرت کا دسواں پہلو

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خون کے پیاسوں کے لئے بھی بددعا نہیں فرمائی۔

ترجمہ:۔ حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا عرض کی گئی یا رسول اللہ مشرکوں کے لئے تو بددعا فرمایئے۔ فرمایا مجھ کو لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ مجھ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (مسلم شریف)

برادران اسلام! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے یہ پہلو فقط تبرک حاصل کرنے کے لئے نہ سنیں بلکہ یوں خیال کیجئے کہ مبلغین دین نبویؐ میں سے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ گناہ گار مسلمان سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ سیرت کے یہ پہلو پیش کر کے آپ پر اتمام حجت کر رہا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن امام الانبیاءؑ کے حضور میں ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے پیش ہوں تو آپ کا فرض ہے کہ سید الانبیاء کی سیرت کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کیجئے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا گیارواں پہلو

حضور انور گھر میں اپنے اہل وعیال کے کام بھی کرتے تھے۔

حضرت اسودؓ سے روایت ہے کہا میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب میں کہا گھر کے کام میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے یعنی اپنے گھر والوں کی خدمت کیا کرتے تھے اور جب نماز کا وقت آ جاتا تو نماز کو چلے جاتے۔ (بخاری شریف)

حاصل یہ ہے کہ باوجود اس مقام اعلیٰ پر پہنچنے کے جس کے متعلق یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا۔ ’’بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر‘‘ پھر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں کوئی تعلّی اور تکبر نہیں ہے کہ اپنے گھر والوں کی کسی خدمت کو اپنے حق میں کسر شان سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ ایسے ہی حسن سلوک سے زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

ورنہ یاد رکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن لیجئے۔

خیر کم خیر کم لاهله

ترجمہ:۔ تم سے بھلا وہ آدمی ہے جو اپنے بال بچوں کے حق میں بھلا ہو۔ یعنی اپنے بال بچوں کے ساتھ جس کا سلوک اچھا نہیں وہ شریف یا بھلا مانس کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

حضور انورؐ کی سیرت کا بارھواں پہلو

حضور انور کے اخلاق کی بلندی کبھی کسی کو نہیں مارا ہاں میدان جہاد کے حالات اس سے مستثنیٰ ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی چیز کو اپنے سے نہیں مارا نہ عورت کو نہ خادم کو مگر جبکہ آپ خدا کی راہ میں جہاد کرتے تھے (تو اپنے ہاتھ سے دشمنوں کو مارتے تھے) اور جب آپ کو کوئی چیز پہنچتی (یعنی کسی سے تکلیف جسمانی یا روحانی) تو آپ اس کا انتقام نہ لیتے تھے۔ مگر جبکہ کوئی شخص خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو استعمال کرتا یا ممنوع کاموں کو کرتا تو آپ اس کی سزا دیتے تھے۔ (مسلم شریف)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تیرھواں پہلو

حضور انورؐ کے اخلاق اتنے بلند تھے کہ اگر خادم سے نقصان بھی ہو جاتا تو بھی اسے کچھ نہ کہتے بلکہ یوں فرماتے کہ جب کوئی بات ہونے والی ہوتی ہے تو ہو کر رہتی ہے۔

عن انسؓ قال خدمت رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا ابن ثمان سنين خدمته عشرسنين فما لا منى على شيء قط اتى فتيه عل يدى فان لا منى لائم من اهله قال دعوه فانه لو قضى شيء كان هذا لفظ المصابيح وروى البيهقى فى شعب الايمان مع تغيير يسير.

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے آٹھ سال کی عمر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے اور دس سال تک آپ کی خدمت کرتا رہا ہوں۔ لیکن آپ نے کبھی کسی چیز کے ضائع ہونے پر بھی مجھ کو ملامت نہیں کی اور آپؐ کے گھر والوں میں سے

کوئی بھی اگر مجھ کو ملامت کرتا تو آپ فرما دیتے اس کو چھوڑ دو (ملامت نہ کرو) جب کوئی بات ہونے والی ہوتی ہے ضرور ہو کر رہتی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا چودھواں پہلو

حضور انور کی مسلمانوں سے ہمدردی:۔

عن انسؓ یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یعود المریض ویتبع الجنازۃ و یجیب دعوۃ المملوک و یرکب الحمار لقد رایتہ یوم خیبر علی حمار خطامہ لیف (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اس طرح بیان کرتے تھے کہ آپؐ بیمار کی بیمار پرسی کرتے۔ جنازہ کے ساتھ جاتے۔ غلام کی دعوت قبول فرما لیتے اور گدھے پر سوار ہوتے تھے۔ خیبر کے دن میں نے آپ کو ایک گدھے پر سوار دیکھا جس کی باگ کھجور کے پوست کی تھی۔

حاصل یہ ہے کہ حضور اقدسؐ کے مزاج میں نہ فخر تھا نہ کبر تھا نہ مغلوب الغضب تھے بلکہ تمام مسلمانوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا اور ان کی ہر ممکن خدمت کرنا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا۔

اللھم اھدنا الصراط المستقم وارزقنا اتباع نبیک
صلی اللہ علیہ وسلم بفضلک و منک یا ارحم
الراحمین وما علینا الا البلاغ

سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
کا عملی پہلو

از مورخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

کام اور عمل

صاحبو! محمد رسول اللہ کی پیروی کس چیز میں اور کیوں کرنی چاہیے اس کے لئے آج ہم کو سیرۃ نبوی علی صاحبہا السلام کا عملی پہلو دکھانا ہے، یہ انبیائے کرام اور بانیان مذاہب کی موجودہ سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور تنہا یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے، مفید نصیحتوں، میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں، کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے۔ موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھ جاؤ، دلچسپ تھیوریاں ملیں گی، دلآویز حکایتیں ملیں گی۔ خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی۔ تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گی، مؤثر تمثیلیں تھوڑی دیر کے لئے خوش کر دیں گی، مگر جو چیز نہیں ملے گی، وہ عمل، کام اور اپنے احکام و نصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔

اخلاق کا عظیم مرتبہ

انسان کی عملی سیرت کا نام ”خلق“ (اخلاق) قرآن کے سوا اور کس مذہب کے صحیفہ نے

اپنے شارع علیہ السلام کی نسبت اس بات کی کھلی شہادت دی ہے کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدرجہا بلند انسان تھا۔ لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا:

وَان لک لاجراً غیر ممنونٍ وانک لعلیٰ خلقٍ عظیمٍ (قلم)

(اے محمدؐ!) بے شک تیری مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے اور بے شک تو بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہے۔

یہ دونوں فقرے گو نحو میں معطوف و معطوف علیہ ہیں، لیکن درحقیقت اپنے اشارۃ النص اور ترکیب کلام کے لحاظ سے علت و معلول ہیں، یعنی دعوے اور دلیل ہیں، پہلے ٹکڑے میں آپؐ کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسرے ٹکڑے میں آپؐ کے عمل اور اخلاق کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، یعنی آپؐ کے اعمال اور آپؐ کے اخلاق خود اس کی دلیل ہیں کہ آپؐ کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ مکہ کا اُمی معلم صلی اللہ علیہ وسلم پکار کر کہتا تھا۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (صف) کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

اور اس اعلان کا اس کو حق تھا کیونکہ وہ جو کچھ کہتا تھا اس کو کر کے دکھا دیتا تھا۔

دینِ عیسوی اور اخلاق محمدی

کوہِ زیتون کے واعظ (حضرت عیسیٰ مسیحؑ) اور کوہِ صفا کے مبلغ (محمد رسول اللہؐ) ان دونوں سیرتوں کو اس عملی حیثیت سے پڑھو اور مطالعہ کرو، تو معلوم ہوگا کہ ایک کی سیرت اس سے یکسر خالی ہے، تو دوسری کی سرتاپا معمور، قوت پا کر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاقی ہے، لیکن کسی معذور مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو و حلم سے نہیں کی جا سکتی، ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں کسی کو قتل نہیں کیا کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، کسی کا مال نہیں لوٹا، کوئی گھر نہیں بنایا، کچھ جمع نہیں کیا، لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں یہ بتاؤ کہ مارا تو نہیں لیکن کسی غریب و کمزور کی مدد کی، کسی کو قتل نہیں کیا، لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا، لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لئے کوئی گھر نہیں بنایا لیکن کسی بے گھر اور بے خانماں کو پناہ بھی

دی؟ اپنے لئے کچھ جمع نہیں کیا لیکن دوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی؟ دنیا کو یہ ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں اور انہی کا نام عمل ہے۔ قرآن پاک گواہی دیتا ہے:

فبما رحمةٍ مِّن الله لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لا نفضوا من حولك. (آل عمران: ١٧)

پس اللہ کی عنایت سے تم ان کے لئے نرم ہو (اے محمدؐ) اور اگر تم (کہیں) کج خلق اور سخت دل ہوتے تو البتہ یہ لوگ (جو تمہارے آس پاس جمع ہوئے ہیں) تمہارے اردگرد سے پھٹ جاتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومہربانی

یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نرم دلی کا متواتر بیان ہے، جو دعویٰ اور دلیل کے ساتھ خود صحیفۂ الٰہی میں موجود ہے، کہ اگر آپ نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ وحشی، نڈر، بے خوف اور درشت مزاج عرب کبھی آپ کے گرد جمع نہ ہوتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لقدجآءَ كم رسولٌ من انفسكم عزيزٌ عليه ماعنتم حريصٌ عليكم. بالمؤمنين رؤفٌ رّحيم. (توبه. ١١٦)

تمہارے پاس خود تم میں سے ایک پیغمبر آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے، تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ان ترحمانہ جذبات کا ذکر فرمایا ہے جو تمام بنی نوع اور تمام بنی آدم کے ساتھ تھے، چنانچہ فرمایا کہ اے لوگو! تمہارا تکلیف ومصیبت اٹھانا، حق کے قبول سے انکار کرنا اور اپنی حالت گنہگاری پر اس طرح ڈٹے رہنا رسولؐ پر شاق ہے اور تمہاری بھلائی اور خیر طلبی کا وہ بھوکا ہے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ یہی خیر خواہی تمہاری دعوت وتبلیغ اور نصیحت پر اس کو آمادہ کرتی ہے اور جو لوگ اس کی دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں وہ ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ غرض اس آیت پاک میں اس بات کی شہادت ہے کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تمام بنی نوع

انسان کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے اور مسلمان پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے۔

یہ آپؐ کے عملی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں۔

قرآن کی عملی تفسیر

قرآن پاک، اسلام کے احکام اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبان مبارک سے جو تعلیمات انسانوں کو پہنچائی گئیں، ان کا مجموعہ ہے۔ بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آنحضرتؐ کی سیرت مبارک درحقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، جو حکم آپؐ پر اتارا گیا، آپؐ نے خود اس کو کر کے بتایا۔ ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، ان کے علاوہ اور حسن عمل وحسنِ خلق کی باتیں جس قدر آپؐ نے فرمائیں ان کے لئے سب سے پہلے آپؐ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا۔ جو کچھ قرآن میں تھا، وہ سب مجسم ہو کر آپؐ کی زندگی میں نظر آیا۔ چند صحابیؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا اُم المؤمنین حضورؐ کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے۔ اُم المومنین جواب میں کہتی ہیں کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ **کان خلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم القرآن** آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا (ابوداوٗد) قرآن الفاظ وعبارت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی عملی تفسیر۔

بعثت سے قبل آپ کے اوصاف

انسان کے اخلاق، عادات اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہیں ہوسکتا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت حضرت خدیجہؓ کے نکاح کو ۱۵ برس ہو چکے تھے اور یہ اتنی بڑی مدت ہے جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات و خصائل اور طور طریقہ سے اچھی طرح واقف ہوسکتا ہے۔ اس واقفیت کا اثر حضرت خدیجہؓ پر یہ پڑتا ہے کہ ادھر آپ کی زبان سے اپنی نبوت کی خبر نکلتی ہے اور ادھر حضرت خدیجہؓ کا دل اس کی تصدیق کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جب نبوت کے بارگراں سے

گھبراتے ہیں تو حضرت خدیجہؓ تسکین دیتی ہیں کہ "یا رسول اللہ! خدا آپ کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں، مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں، حق کی طرفداری کرتے ہیں، مصیبتوں میں آپ لوگوں کے کام آتے ہیں۔" (بخاری) غور کیجئے، یہ آپؐ کی وہ عملی مثالیں ہیں جو نبوت سے پہلے آپؐ میں موجود تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گواہی

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تمام بیویوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے زیادہ محبوب حضرت عائشہؓ تھیں۔ حضرت عائشہؓ ۹ برس متصل آپؐ کی صحبت میں رہیں وہ گواہی دیتی ہیں کہ حضورؐ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی آپؐ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ معاف کر دیتے تھے۔ آپؐ گناہ کی بات سے کوسوں دور رہتے تھے، آپؐ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا، آپؐ نے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت یا خادم یہاں تک کہ کسی جانور تک کو کبھی نہیں مارا۔ آپؐ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا۔

رؤف و رحیم پیغمبر

رشتہ داروں میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر کوئی آپؐ کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا۔ وہ بچپن سے جوانی تک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں رہے تھے۔ وہ گواہی دیتے ہیں کہ "آپؐ ہنس مکھ، طبیعت کے نرم اور اخلاق کے نیک تھے، طبیعت میں مہربانی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے، لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈھا کرتے تھے، کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے خلاف ہوئی تو خاموش رہ جاتے، نہ اس کو صاف جواب دے کر مایوس کر دیتے تھے اور نہ اپنی منظوری ظاہر فرماتے تھے، واقف کار اس اندازِ خاص سے سمجھ جاتے کہ آپ کا منشا کیا ہے، یہ اس لئے تھا کہ آپ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دل شکنی نہیں کرتے تھے، بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے کہ آپؐ رؤف و رحیم تھے۔"

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ "آپ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع، لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے، آپ کو پہلی دفعہ جو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے وہ آپؐ سے ملتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔ (شمائل ترمذی)

آپ کی سیرت پڑھ کر بعینہٖ یہی خیال انگلینڈ کے سب سے مشہور مورخ گبن نے ظاہر کیے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے فرزند حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے صاحبزادہ حضرت ہندؓ جو گویا آپ کے پروردہ تھے، گواہی دیتے ہیں کہ آپ کی طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے، کسی کا دل نہ دکھاتے تھے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کہتے تھے، کھانا جیسا سامنے آتا کھا لیتے، اس کو برا نہ کہتے۔ آپ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا، نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے تھے اور نہ کسی کی دلشکنی گوارا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق بات کی مخالفت کرتا، تو حق کی طرفداری میں آپ کو غصہ آ جاتا تھا، اور اس حق کی آپؐ پوری حمایت فرماتے تھے۔" (شمائل)

یہ آپؐ کے حق میں ان لوگوں کی شہادتیں ہیں جو آپؐ سے بہت نزدیک اور آپؐ سے بہت زیادہ واقف تھے، اس سے یہ معلوم ہوگا کہ آپ کی سیرتِ مبارکہ کی عملی حیثیت کیسی بلند تھی۔

سیرت کا ایک روشن پہلو

آپ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھا دیا۔

کثرتِ ذکر

آپؐ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہؓ کی زندگی میں اس تلقین کا جو اثر نمایاں ہوا وہ تو الگ چیز ہے، خود آپ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی، اس پر غور کرو، شب و روز میں کم کوئی ایسا لمحہ تھا، جب آپ کا دل اللہ کی یاد سے اور آپ کی زبان اللہ کے ذکر سے غافل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر وقت اللہ کا ذکر اور اس کی حمد زبان مبارک پر جاری رہتی تھی۔ آج

حدیث کی کتابوں کا ایک بڑا حصہ انہی مبارک کلمات اور دعاؤں کے بیان میں ہے، جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپ کی زبان فیض اثر سے ادا ہوئیں۔ حصن حصین دو سو صفحوں کی کتاب صرف ان کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت عظمت، جلالت اور خشیت نمایاں ہیں اور جن سے ہر وقت زبان اقدس تر رہتی تھی، قرآن نے اچھے بندوں کی یہ تعریف کی ہے:

الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم.

(جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہر وقت اللہ کو یاد کیا کرتے ہیں)

یہی آپ کی زندگی کا نقشہ تھا، چنانچہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، آپؐ ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

نماز سے تعلق

آپؐ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپؐ کا حال کیا تھا، عام پیرووں کو تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر خود آپ آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے۔ طلوع آفتاب کے بعد اشراق، کچھ اور دن چڑھنے پر چاشت، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء، پھر تہجد، پھر صبح۔ عام مسلمانوں پر تو صبح کو دو رکعتیں، مغرب کو تین اور بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں، کل شب و روز میں سترہ رکعتیں ہیں مگر آنحضرتؐ ہر روز کم و بیش پچاس ساٹھ رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے۔ پنج وقتہ نماز کی فرضیت کے بعد تہجد کی نماز عام مسلمانوں سے معاف ہو گئی تھی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی تمام عمر شب ادا فرماتے رہے اور پھر کیسی نماز کہ رات رات بھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے، کھڑے کھڑے پاؤں مبارک میں ورم آ جاتا۔ حضرت عائشہؓ عرض کرتیں، اللہ جل جلالہ نے تو آپ کو ہر طرح معاف کر دیا ہے پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، فرماتے ''اے عائشہؓ! کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔'' یعنی یہ نماز خشیتِ الٰہی سے نہیں، بلکہ محبت الٰہی اس کا منشاء ہے، رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ سجدہ کرنا بھول گئے۔

نبوت کے آغاز ہی سے آپؐ نماز پڑھتے تھے۔ کفار آپؐ کے سخت دشمن تھے مگر بایں ہمہ عین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے۔ کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپؐ پر حملہ کیا مگر اس پر بھی اللہ کی یاد سے باز نہ آئے۔

سب سے سخت موقع نماز کا وہ ہوتا تھا، جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں، تیر و خنجر چلتے ہوتے لیکن ادھر نماز کا وقت آیا اور ادھر صفیں درست ہو گئیں۔ بدر کے معرکہ میں تمام مسلمان دشمنوں کے مقابل کھڑے تھے، مگر خود ذاتِ اقدسؐ اللہ کے آگے سجدہ میں جھکی ہوئی تھی، تمام عمر میں کوئی نماز عموماً اپنے وقت سے نہیں ہٹی اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت کی نماز قضاء ہوئی۔ ایک تو غزوہ خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا، اور ایک دفعہ اور کسی غزوہ کے سفر میں رات بھر چل کر صبح کو تمام لوگ سو گئے تو آپؐ نے رات کو نماز قضا ادا کی۔ اس سے زیادہ یہ کہ مرض موت میں شدت کا بخار تھا، تکلیف بہت تھی، مگر نماز حتیٰ کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی۔ قوت جواب دے چکی تھی مگر دو صحابیوںؓ کے کندھوں پر سہارا دے کر مسجد تشریف لائے، وفات سے تین دن پہلے جب آپؐ نے اُٹھنے کا قصد کیا تو غشی طاری ہوئی اور یہی حالت تین دفعہ پیش آئی، اس وقت نماز با جماعت ترک ہوئی۔

یہ تھا اللہ کی عبادت گزاری اور یاد کا عملی نمونہ

روزہ کے بارہ میں آپکے معمولات

آپؐ نے روزہ کا حکم دیا، عام مسلمانوں پر سال میں تیس دن کے روزے فرض ہیں، مگر خود آپ کی کیفیت کیا تھی؟ کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں تھا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں "جب آپؐ روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے۔" آپؐ نے مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی مگر خود آپ کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی دو دو تین تین دن بیچ میں کچھ کھائے پیئے بغیر متصل روزہ رکھتے تھے اور اس عرصہ میں ایک دانہ بھی منہ میں نہیں جاتا تھا۔ صحابہؓ اس کی تقلید کرنا چاہتے تو فرماتے "تم میں سے کون میری مانند ہے، مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے" سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان کے پورے کے پورے روزوں میں

گزرتے۔ ہر مہینہ کے ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) میں اکثر روزے رکھتے۔ محرم کے دس دن اور شوال کے چھ دن روزوں میں گزرتے، ہفتہ میں دوشنبہ اور جمعرات کا دن روزوں میں بسر ہوتا۔

یہ تھا روزوں کے متعلق آپ ؐ کا عملی نقشہ زندگی

زکوٰۃ و صدقات اور آپ کی عملی زندگی

آپ ؐ نے لوگوں کو زکوٰۃ اور خیرات کا حکم دیا تھا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ حضرت خدیجہ ؓ کی شہادت تم سن چکے ہو کہ انہوں نے کہا ”یا رسول اللہ! آپ قرض داروں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں“ گو آپ ؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ چھوڑ کر میرے پیچھے آؤ، نہ گھر بار لٹا دینے کا حکم فرمایا، نہ آسمان کی بادشاہت کا دروازہ دولتمندوں پر بند کیا، بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر اللہ کا حق بھی ادا کرو۔ ومما رزقنھم ینفقون۔ مگر خود آپ ؐ کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا اللہ کی راہ میں خرچ ہو گیا۔ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہ تھی۔ مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا، اپنے لئے کچھ نہ تھا۔ وہی فقر و فاقہ تھا۔ فتح خیبر کے بعد یعنی ۷ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے تمام ازواج مطہرات ؓ کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا، مگر سال تمام بھی نہیں ہونے پاتا تھا کہ غلہ ختم ہو جاتا تھا کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ اہل حاجات کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ آپ ؐ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ ؐ رمضان المبارک میں فرماتے تھے، تمام عمر کسی سوالی کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا، کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے، کتنی ہی تھوڑی چیز ہوتی مگر آپ ؐ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے۔

لوگوں کو عام حکم تھا کہ ”جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کی اطلاع مجھے دو کہ میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو اس کے حقدار اس کے وارث ہوں گے“ ایک دفعہ ایک بدو نے کہا ”اے محمد ؐ! یہ مال نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے میرے اونٹ پر لاد دے۔“ آپ ؐ نے اس کے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا اور اس کے کہنے کا برا نہ مانا۔ خود فرمایا کرتے۔“ انما انا قاسمٌ وخازنٌ واللہ یعطی. ”میں تو بانٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں،

اصل دینے والا تو اللہ ہے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپؐ کے ساتھ گزر رہا تھا، راہ میں آپؐ نے فرمایا "ابوذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے، البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لئے کچھ رکھ چھوڑوں۔"

دوستو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف خوشنما الفاظ نہ تھے بلکہ یہ آپؐ کے عزم صادق کا اظہار تھا اور اسی پر آپؐ کا عمل تھا۔ بحرین سے ایک دفعہ خراج کا لدا ہوا خزانہ آیا۔ فرمایا کہ صحن مسجد میں ڈال دیا جائے، صبح کی نماز کے لئے آپؐ تشریف لائے تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپؐ نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا، جب سب ختم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا کوئی غبار تھا، جو دامن مبارک پر پڑ گیا تھا، ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پر غلہ لد کر آیا، کچھ قرض تھا وہ دیا گیا، کچھ لوگوں کو دیا گیا۔ حضرت بلالؓ سے دریافت کیا کہ بچ تو نہیں رہا، عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں اس لئے بچ رہا ہے، فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا۔ چنانچہ رات مسجد میں بسر کی، صبح کی کو حضرت بلال نے آکر بشارت دی کہ "یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو سبکدوش کر دیا۔" یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا۔ آپؐ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً اندر تشریف لے گئے اور پھر باہر آ گئے لوگوں کو تعجب ہوا، فرمایا مجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آ جائے اور وہ محمدؐ کے گھر میں پڑا رہ جائے۔ امّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ "ایک دفعہ آپؐ ملول اور رنجیدہ اندر تشریف لائے، میں نے سبب دریافت کیا، فرمایا۔ امّ سلمہؓ! کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے" اس سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ مرض الموت میں ہیں، بیماری کی سخت تکلیف ہے، نہایت بے چینی ہے، لیکن اسی وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں، حکم ہوتا ہے کہ "انہیں خیرات کر دو، کیا محمدؐ اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔"

یہ تھی اس باب میں آپ کی زندگی کی عملی مثال۔

زہد وقناعت میں آپؐ کا طرز عمل

آپؐ نے زہد وقناعت کی تعلیم دی، لیکن اس راہ میں آپؐ کا طرز عمل کیا تھا، سن چکے ہو کہ عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج، عشر اور زکوۃ وصدقات کے خزانے لدے چلے آتے تھے، مگر امیر عرب کے گھر میں وہی فقر تھا اور وہی فاقہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں، کہ حضورؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے، مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپؐ کو کھانا نصیب نہ ہوا، وہی بیان کرتی ہیں کہ جب آپؐ نے وفات پائی تو گھر میں اس دن کے کھانے کے لئے تھوڑے سے جو کے سوا کچھ موجود نہ تھا اور چند سیر جو کے بدلہ میں آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں رہن تھی، آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ "فرزندِ آدم کو ان چند چیزوں کے سوا کسی چیز کا حق نہیں۔ رہنے کو ایک جھونپڑا، تن ڈھانپنے کو ایک کپڑا، پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی (ترمذی) یہ محض الفاظ کی خوشنما بندش نہ تھی بلکہ یہی آپؐ کی طرز زندگی کا عملی نقشہ تھا۔ رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، آپؐ کا کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا، یعنی جو بدن مبارک پر ہوتا تھا، اس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا جو تہہ کیا جاتا۔ ایک دفعہ ایک سائل خدمتِ اقدس میں آیا اور بیان کیا کہ سخت بھوکا ہوں، آپؐ نے ازواج مطہرات کے پاس کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیج دیں، ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ "گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے" ابوطلحہؓ کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہیں اور بھوک کی تکلیف سے کروٹیں بدل رہے ہیں۔ ایک دفعہ صحابہؓ نے آپؐ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ ان پر ایک پتھر بندھا ہے۔ آپؐ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے یعنی دو دن سے فاقہ تھا۔ اکثر بھوک کی وجہ سے آواز میں کمزوری اور نقاہت آ جاتی تھی، ایک دن دولت خانہ سے نکلے تو بھوکے تھے، حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے گھر تشریف لے گئے، وہ نخلستان سے کھجور توڑ لائے اور کھانے کا سامان کیا۔ کھانا جب سامنے آیا تو آپؐ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر

فرمایا' یہ فاطمہؓ کے گھر بھجوادو! کئی دن سے اُس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔

آپ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بڑی محبت تھی' مگر یہ محبت امیر عربؐ نے بیش قیمت کپڑوں اور سونے چاندی کے زیوروں کے ذریعہ سے ظاہر نہیں فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کا دیا ہوا ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہؓ کے گلے میں دیکھا تو فرمایا! اے فاطمہ تم کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ محمد کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہوئے ہے' حضرت فاطمہؓ نے اسی وقت وہ طوق اتار کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے سونے کے کنگن پہنے' تو اتروا دیئے کہ محمد کی بیوی کو یہ زیبا نہیں' فرمایا کرتے تھے کہ "انسان کے لئے دنیا میں اتنا ہی کافی ہے جس قدر ایک مسافر کو زادِ راہ! یہ قول تھا اور عمل یہ تھا کہ ایک دفعہ کچھ جان نثار ملنے آئے تو دیکھا کہ پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں' عرض کی یا رسول اللہ! ہم لوگ ایک نرم گدا بنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں' فرمایا مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دنیا سے اسی قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لئے کہیں سایہ میں آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔ ۹ھ میں جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی آپؐ کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی' جسم مبارک پر ایک تہبند' ایک کھری چارپائی' سرہانے ایک تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی' ایک طرف تھوڑے سے جو' ایک کونے میں ایک جانور کی کھال' کھونٹی میں پانی کے مشکیزے۔

یہ تھا زہد و قناعت کی تعلیم کے ساتھ اس پر آپ کا عمل۔

ایثار اور صحیفہ سیرت

دوستو! ایثار کا وعظ کہنے والوں کو تم نے بہت دیکھا ہوگا مگر کیا کسی ایثار کے وعظ کہنے والے کے صحیفہ سیرت میں اس کی مثال بھی دیکھی ہے اس کی مثال مدینہ کی گلیوں میں ملے گی۔ آپؐ نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا۔ حضرت فاطمہؓ سے آپ کو جو محبت تھی وہ ظاہر ہے مگر ان ہی حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ

گئے تھے۔ ایک دن انہوں نے حاضر ہو کر پدر بزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی۔ ارشاد ہوا۔ ”اے فاطمہؓ! اب تک صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے‘ تو تمہاری درخواست کیونکر قبول ہو۔“ دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا ”فاطمہؓ! بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے“ ایک دفعہ آپؐ کے پاس چادر نہ تھی۔ ایک صحابیہؓ نے لا کر پیش کی۔ اسی وقت ایک صاحب نے کہا‘ کیسی اچھی چادر ہے‘ آپؐ نے فوراً اتار کر ان کے نذر کر دی۔ ایک صحابیؓ کے گھر کوئی تقریب تھی‘ مگر کوئی سامان نہ تھا۔ ان سے کہا‘ عائشہؓ کے پاس جا کر آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جا کر لے آئے‘ حالانکہ آپؐ کے گھر میں آٹے کے سوا‘ رات کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ایک دن صفّہ کے غریبوں کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا جو کچھ کھانے کو ہو لاؤ۔ چونی کا پکا ہوا کھانا حاضر کیا گیا وہ کافی نہ ہوا‘ کوئی اور چیز طلب کی‘ تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا۔ پھر پیالہ میں دودھ آیا‘ مگر یہی سامان مہمانی کی آخری قسط گھر میں تھی۔

یہ تھا ایثار اور اس پر عمل۔

توکل واعتماد کی روشن مثال

اللہ پر اعتماد‘ توکل اور بھروسہ کی شان دیکھنا ہو تو محمد رسول اللہؐ میں دیکھو حکم تھا **فاصبر کما صبر اولواالعزم من الرسل** ‘ جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر واستقلال دکھایا‘ تو بھی دکھا۔ آپؐ نے وہی کر کے دکھایا۔ آپؐ ایک ایسی جاہل اور ان پڑھ قوم میں پیدا ہوئے تھے جو اپنے معتقدات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی اور اس کے لئے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی تھی‘ مگر آپؐ نے اس کی کبھی پروا نہ کی‘ عین حرم میں جا کر توحید کی آواز بلند کرتے تھے اور وہاں سب کے سامنے نماز ادا کرتے تھے‘ حرم محترم کا صحن قریش کے رئیسوں کی نشست گاہ تھا‘ آپؐ ان کے سامنے کھڑے ہو کر رکوع وسجود کرتے تھے جب آیت **فاصدع بما تؤمر** (اے محمدؐ! جو تم کو حکم دیا جاتا ہے‘ اس کو علی الاعلان سنا دو) نازل ہوئی‘ تو آپؐ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قریش کو پکارا اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا۔

قریش نے آپؐ کے ساتھ کیا کیا نہ کیا‘ کس کس طرح اذیتیں نہیں پہنچائیں‘ جسم

مبارک پر صحن حرم کے اندر نجاست ڈالی، گلے میں چادر ڈال کر پھانسی دینے کی کوشش کی، راستہ میں کانٹے بچھائے، مگر آپؐ کے قدم کو راہِ حق سے لغزش ہونی تھی نہ ہوئی۔ ابوطالب نے جب حمایت سے ہاتھ اٹھا لینے کا اشارہ کیا تو آپؐ نے کس جوش اور ولولہ سے فرمایا کہ ”چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب بھی رکھ دیں، تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤں گا۔ آخر آپ کو مع بنی ہاشم کے پہاڑی درّہ میں تین سال تک گویا قید رکھا گیا، آپؐ کا اور آپ کے خاندان کا مقاطعہ کیا گیا۔ اندر غلّہ جانے کی روک تھام کی گئی، بچے بھوک سے بلبلاتے تھے، جوان درخت کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر آپؐ کے قتل کی سازش ہوئی یہ سب کچھ ہوا مگر صبر و استقلال کا سررشتہ آپؐ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ ہجرت کے وقت غارِ ثور میں پناہ لیتے ہیں کفار آپ کا پیچھا کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں، بے یار و مددگار نہتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلح قریش کے درمیان چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، ابوبکرؓ گھبرا اٹھتے ہیں کہ یا رسول اللہؐ ہم دو ہی ہیں، لیکن ایک تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے ابوبکرؓ ہم دو نہیں تین ہیں **لاتحزن ان اللہ معنا** گھبراؤ نہیں ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اسی ہجرت کے زمانہ میں اثنائے راہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے سراقہ بن جعشم نیزہ ہاتھ میں لئے گھوڑا دوڑاتا ہوا آپؐ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں رسول اللہؐ! ہم پکڑ لئے گئے، مگر وہاں محمد رسول اللہؐ کے لب بدستور قرآن خوانی میں مصروف ہیں اور دل کی سکینت کا وہی عالم ہے۔

مدینہ پہنچ کر یہود کا، منافقین کا اور قریش کے غارت گروں کا ڈر تھا، لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن کا راتوں کو پہرہ دیتے تھے، کہ ایک دفعہ یہ آیت نازل ہوئی **واللہ یعصمک من الناس** یعنی اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا اس وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر پہرے کے سپاہیوں سے فرمایا۔ لوگو واپس جاؤ مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ نے لے لی ہے۔

غزوہ نجد سے واپسی میں آپؐ ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہیں صحابہؓ اِدھر اُدھر ہٹ گئے، ایک بدو تلوار کھینچ کر سامنے آتا ہے، آپؐ بیدار ہوتے ہیں موقع کی نزاکت دیکھو۔ بدو پوچھتا ہے بتاؤ اے محمدؐ! اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے۔“ اطمینان اور

تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے کہ ''اللہ'' اس پر اثر جواب سے دشمن متاثر ہو جاتا ہے اور تلوار نیام میں پہنچ جاتی ہے۔

بدر کا معرکہ ہے تین سو نہتے مسلمان ایک ہزار لوہے میں غرق قریشی لشکر سے نبرد آزما ہیں۔ مگر ان تین سو سپاہیوں کا سپہ سالار خود کہاں ہے؟ معرکہ کارزار سے الگ اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہے کبھی پیشانی زمین پر ہوتی ہے اور کبھی ہاتھ آسمان کی جانب اٹھتے ہیں کہ ''اے اللہ! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت صفحۂ عالم سے مٹ گئی تو پھر کوئی تیرا پرستار اس دنیا میں باقی نہ رہے گا۔

ایسے مواقع بھی آئے ہیں کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹ گئے مگر اللہ کی نصرت اور مدد پر اعتماد کامل اور پورا بھروسہ رکھنے والا' پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہا۔ اُحد میں اکثر مسلمانوں نے قدم پیچھے ہٹا لئے' مگر محمد رسول اللہؐ! اپنی جگہ پر تھے' پتھر کھائے' تیروں' تلواروں اور نیزوں کے حملے ہو رہے تھے' خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں دھنس گئی تھیں' دندان مبارک شہید ہو چکا تھا' چہرۂ اقدس زخمی ہو رہا تھا' مگر اس وقت بھی اپنا ہاتھ لوہے کی تلوار پر نہیں رکھا' بلکہ اللہ ہی کی نصرت پر بھروسہ اور اعتماد رہا' کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا پورا یقین تھا۔ حنین کے میدان میں ایک دفعہ دس ہزار تیروں کا جب مینہ برسا تو تھوڑی دیر کے لئے مسلمان پیچھے ہٹ گئے' مگر ذاتِ اقدسؐ اپنی جگہ پر تھی' ادھر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور ادھر سے ''**انا النبی لا کذب ' انا ابن عبدالمطلب** '' (میں پیغمبر ہوں جھوٹ نہیں ہے' میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں) کا نعرہ بلند تھا' سواری سے نیچے اتر آئے اور فرمایا میں اللہ کا بندہ اور پیغمبر ہوں اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

عزیزو! تم کو کسی اور ایسے سپہ سالار کا حال بھی معلوم ہے۔ جس کی بہادری اور استقلال کا یہ عالم ہو کہ فوج کتنی ہی کم ہو' کتنی غیر مسلح ہو' وہ اس کو چھوڑ کر پیچھے بھی کیوں نہ ہٹ گئی ہو' مگر وہ نہ تو اپنی جان کے بچانے کے لئے بھاگتا ہے اور نہ اپنی حفاظت کے لئے تلوار اٹھاتا ہے' بلکہ ہر حال میں زمین کی طاقتوں سے غیر مسلح ہو کر آسمان کی طاقتوں سے مسلح ہونے کی درخواست کرتا ہے۔

یہ تھی اس راہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال

مخالفین اور دشمن سے برتاؤ

تم نے دشمنوں کو پیار کرنے کا وعظ سنا ہوگا لیکن اس کی عملی مثال نہیں دیکھی ہوگی، آؤ مدینہ کی سرکار میں میں تم کو دکھاؤں، مکہ کے حالات چھوڑتا ہوں کہ میرے نزدیک محکومی، بے کسی اور معذوری، عفو و درگزر اور رحم کے ہم معنی نہیں ہے۔ ہجرت کے وقت قریش کے رئیس یہ اشتہار دیتے ہیں کہ جو محمدؐ کا سر قلم کر لائے گا۔ اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم اس انعام کے لالچ میں مسلح ہو کر آپؐ کے تعاقب میں گھوڑا ڈالتا ہے، قریب پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرا جاتے ہیں۔ حضورؐ دعا کرتے ہیں، تین دفعہ گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں، سراقہ تیر کے پانسے نکال کر فال دیکھتا ہے، ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ ان کا پیچھا نہ کر، نفسی، یعنی سائیکولاجیکل حیثیت سے سراقہ مرعوب ہو چکتا ہے واپسی کا عزم کر لیتا ہے، حضورؐ کو آواز دیتا ہے اور خطِ امان کی درخواست کرتا ہے کہ جب حضورؐ کو خدا قریش پر غالب کرے تو مجھ سے باز پرس نہ ہو، آپؐ یہ امان نامہ لکھوا کر اس کے حوالے کرتے ہیں، فتح مکہ کے بعد وہ اسلام لاتا ہے، تاہم آپؐ اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ سراقہ تمہارے اس دن کے جرم کی اب کیا سزا ہو؟

ابوسفیان کون ہے؟ وہ جو بدر، اُحد، خندق وغیرہ لڑائیوں کا سرغنہ تھا جس نے کتنے مسلمانوں کو تہ تیغ کرایا، جس نے کتنی دفعہ خود حضور سرور عالمؐ کے قتل کا فیصلہ کیا جو ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا لیکن فتح مکہ سے پہلے جب حضرت عباسؓ کے ساتھ آپؐ کے سامنے آتا ہے تو لوگو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے مگر رحمت عالمؐ کا عفوِ عام ابوسفیان سے کہتا ہے کہ ڈر کا مقام نہیں۔ محمد رسول اللہؐ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں، پھر حضورؐ نہ صرف اس کو معاف فرماتے ہیں بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں من دخل دار ابی سفیان کان امنا۔ (جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے)

ہند ابوسفیان کی بیوی، وہ ہند جو اُحد کے معرکہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گا گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی ہے، وہ جو حضورؐ کے سب سے محبوب چچا اور اسلام کے ہیرو حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے، ان کے سینہ کو چاک کرتی ہے، ان کے کان ناک کاٹ کر ہار بناتی

ہے، کلیجہ کو نکال کر چبانا چاہتی ہے لڑائی کے بعد اس منظر کو دیکھ کر آپؐ بیتاب ہو جاتے ہیں، وہ فتح مکہ کے دن نقاب پوش سامنے آتی ہے اور یہاں بھی گستاخی سے باز نہیں آتی، لیکن حضورؐ پھر بھی کچھ تعرض نہیں فرماتے اور یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تم نے یہ کیوں کیا۔ عفوِ عام کی اس معجزانہ مثال کو دیکھ کر وہ پکار اٹھتی ہے ''اے محمدؐ! آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے مجھے نفرت نہ تھی لیکن آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں ہے۔''

وحشی حضرت حمزہؓ کا قاتل فتح طائف کے بعد بھاگ کر کہیں چلا جاتا ہے اور جب وہ مقام بھی فتح ہو جاتا ہے تو کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ملتی لوگ کہتے ہیں ''وحشی تم نے ابھی محمدؐ کو پہچانا نہیں، تمہارے لئے خود محمدؐ کے آستانہ سے بڑھ کر کوئی دوسری جائے امن نہیں ہے'' وحشی حاضر ہو جاتا ہے، حضورؐ دیکھتے ہیں، آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں، پیارے چچا کی شہادت کا منظر سامنے آ جاتا ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، قاتل سامنے موجود ہے مگر صرف یہ ارشاد ہوتا ہے ''وحشی جاؤ میرے سامنے نہ آیا کرو، کہ شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

عکرمہؓ اسلام مسلمانوں اور خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن یعنی ابوجہل کے بیٹے تھے۔ جس نے آپ کو سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں، وہ خود بھی اسلام کے خلاف لڑائیاں لڑ چکے تھے، مگر جب مکہ فتح ہوا تو ان کو اپنے اور اپنے خاندان کے تمام جرم یاد تھے، وہ بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان چکی تھیں، وہ خود یمن گئیں عکرمہؓ کو تسکین دی اور ان کو لے کر مدینہ آئیں۔ حضورؐ کو ان کی آمد کی خبر ہوتی ہے، تو ان کے خیر مقدم کے لئے اس تیزی سے اٹھتے ہیں کہ جسم مبارک پر چادر تک نہیں رہتی، پھر جوش مسرت میں فرماتے ہیں **مرحبا باالراکب المهاجر** اے مہاجر سوار تمہارا آنا مبارک۔ غور کرو! یہ مبارک باد کس کو دی جا رہی ہے، یہ خوشی کس کے آنے پر ہے، یہ معافی نامہ کس کو عطا ہو رہا ہے، اس کو جس کے باپ نے آپ کو مکہ میں سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں جس نے آپؐ کے جسم مبارک پر نجاست ڈلوائی، جس نے بحالتِ نماز آپؐ پر حملہ کرنا چاہا، جس نے آپؐ کے گلے میں چادر ڈال کر آپ کو پھانسی دینی چاہی جس نے دارُالندوہ میں آپؐ کے قتل کا مشورہ دیا۔ جس نے بدر کا معرکہ برپا کیا اور ہر قسم کی صلح کی تدبیر

کو برہم کیا، آج اس کی جسمانی یادگار کی آمد پر یہ مسرت اور شادمانی ہے۔

ہبار بن الاسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضرتؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل ہے اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہو چکا ہے، مکہ کی فتح کے موقع پر اس کا خون ہدر کیا جاتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے لیکن پھر کچھ سوچ کر سیدھا درِ دولت پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے یا رسول اللہؐ میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا ہوں، لیکن پھر مجھے حضور کا رحم و کرم اور عفو و حلم یاد آیا، میں حاضر ہوں، میرے جرائم کی جو اطلاعیں آپ کو ملی ہیں وہ سب درست ہیں اتنا سنتے ہی آپ کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور دوست دشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریش رئیس کی سازش سے اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آتا ہے اور اس تاک میں رہتا ہے کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ کا کام تمام کردے کہ ناگاہ وہ گرفتار ہو جاتا ہے، آپؐ کے پاس لایا جاتا ہے، اس کا گناہ ثابت ہو جاتا ہے، مگر وہ رہا کر دیا جاتا ہے۔

صفوان بن اُمیہ یعنی وہ رئیس جس نے عمیر کو آپؐ کے قتل کے لئے بھیجا تھا اور جس نے عمیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس مہم میں مارے گئے تو تمہارے اہل و عیال اور قرضہ کا میں ذمہ دار ہوں، فتح مکہ کے بعد وہ ڈر کر جدہ بھاگ جاتا ہے کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلا جائے، وہی عمیر خدمتِ نبویؐ میں آ کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہؐ! صفوان اپنے قبیلہ کا رئیس ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دے۔ ارشاد ہوتا ہے "اس کو امان ہے" عمیر دوبارہ گزارش کرتے ہیں کہ اس امان کی کوئی نشانی مرحمت ہو کہ اس کو یقین آئے۔ آپؐ اپنا عمامہ اٹھا کر دے دیتے ہیں۔ عمیر یہ عمامہ لے کر صفوان کے پاس پہنچتے ہیں، صفوان کہتا ہے "مجھے محمدؐ کے پاس جانے میں اپنی جان کا خطرہ ہے" وہ عمیر جو زہر میں تلوار بجھا کر محمدؐ رسول اللہ کو مارنے گئے تھے۔ صفوان سے کہتے ہیں "اے صفوان! ابھی تم کو محمد رسول اللہؐ کے حلم اور عفو کا حال معلوم نہیں" صفوان آستانۂ نبویؐ پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے، کیا یہ سچ ہے؟ لیکن میں تمہارا دین ابھی قبول نہیں کروں گا مجھے دو مہینے کی مہلت دو۔ آپؐ فرماتے ہیں تمہیں دو نہیں چار مہینے کی مہلت ہے لیکن یہ مہلت ختم بھی نہ ہونے پائی کہ دفعۃً اس کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔

آپؐ خیبر جاتے ہیں، جو یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے لڑائیاں ہوتی ہیں، شہر فتح ہوتا ہے ایک یہودیہ دعوت کرتی ہے، آپ بلا پس وپیش منظور فرماتے ہیں، یہودیہ جو گوشت پیش کرتی ہے اس میں زہر ملا ہوتا ہے، آپؐ گوشت کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہیں کہ آپؐ کو اطلاع ہوجاتی ہے یہودیہ بلائی جاتی ہے، وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے لیکن رحمتِ عالمؐ کے دربار سے اس کو کوئی سزا نہیں ملتی حالانکہ اس زہر کا اثر آپؐ کو اس کے بعد عمر بھر محسوس ہوتا رہا۔

غزوۂ نجد سے واپسی کے وقت آپؐ تنہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، دوپہر کا وقت ہے، آپؐ کی تلوار درخت سے لٹک رہی ہے، صحابہؓ اِدھر اُدھر درختوں کے سایہ میں لیٹے ہیں، کوئی پاس نہیں ہے، ایک بدو تاک میں رہتا ہے، وہ اس وقت سیدھا آپؐ کے پاس آتا ہے، درخت سے آپؐ کی تلوار اتارتا ہے پھر نیام سے باہر کھینچتا ہے، کہ آپؐ کی آنکھ کھل جاتی ہے، وہ تلوار ہلا کر پوچھتا ہے کہ "محمدؐ بتاؤ! اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے" ایک پُر اطمینان صدا آتی ہے "اللہ" اس غیر متوقع جواب کو سن کر وہ مرعوب ہوجاتا ہے تلوار نیام میں کرلیتا ہے، صحابہؓ آجاتے ہیں، بدو بیٹھ جاتا ہے، اور آپؐ اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ اور ایک کافر گرفتار ہو کر آتا ہے، کہ یہ قتل کے لئے آپؐ کی گھات میں تھا، وہ سامنے پہنچتا ہے، تو آپؐ کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے، آپؐ اس کو تسلی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم قتل کرنا چاہتے بھی تب بھی نہیں کر سکتے تھے، غزوہ مکہ میں اسّی آدمیوں کا دستہ گرفتار ہوا جو جبل تنعیم سے اُتر کر آپؐ کو قتل کرنا چاہتا تھا، آپؐ کو خبر ہوئی تو فرمایا، ان کو چھوڑ دو۔

دوستو! طائف کو جانتے ہو، وہ طائف جس نے مکہ کے عہد ستم میں آپ کو پناہ نہیں دی، جس نے آپؐ کی بات بھی سننی نہیں چاہی، جہاں کے رئیس عبد یالیل کے خاندان نے آپؐ سے استہزاء کیا، بازاریوں کو اشارہ کیا کہ وہ آپؐ کی ہنسی اڑائیں، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، اور دورویہ کھڑے ہوگئے اور جب آپؐ بیچ سے گزرتے تو دونوں طرف سے پتھر برسائے، یہاں تک کہ پائے مبارک زخمی ہوگئے، دونوں جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپؐ تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ شریر آپؐ کا بازو پکڑ کر اٹھا دیتے۔ جب آپؐ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن اس قدر تکلیف پہنچی تھی کہ نو برس کے بعد جب حضرت

عائشہؓ نے ایک دن دریافت فرمایا کہ "یارسول اللہ" تمام عمر میں آپؐ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا آیا؟ تو آپؐ نے اسی طائف کا حوالہ دیا تھا۔ ۸ھ میں مسلمانوں کی فوج اسی طائف کا محاصرہ کرتی ہے، ایک مدت تک محاصرہ جاری رہتا ہے قلعہ نہیں فتح ہوتا، بہت سے مسلمان شہید ہوتے ہیں، آپؐ واپسی کا ارادہ کرتے ہیں، پرجوش مسلمان نہیں مانتے، طائف پر بددعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں، آپؐ ہاتھ اٹھاتے ہیں مگر کیا فرماتے ہیں "اے اللہ! طائف کو ہدایت کر اور اس کو اسلام کے آستانے پر جھکا" دوستو! یہ کس شہر کے حق میں دعائے خیر ہے، وہی شہر جس نے آپؐ پر پتھر برسائے تھے، آپ کو زخمی کیا تھا اور آپ کو پناہ دینے سے انکار کیا تھا۔

اُحد کے غزوہ میں دشمن حملہ کرتے ہیں، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں، آپ نرغہ اعداء میں ہوتے ہیں، آپؐ پر پتھر، تیر اور تلوار کے وار ہو رہے ہیں، دندانِ مبارک شہید ہوتا ہے، خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں گڑ جاتی ہیں، چہرہ مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے، اس حالت میں آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہیں "وہ قوم کیسے نجات پائے گی جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپے ہے اے اللہ! میری قوم کو ہدایت کر کہ وہ جانتی نہیں ہے" یہ ہے "تو اپنے دشمن کو پیار کر" کے زیتونی وعظ پر عمل! جو صرف شاعرانہ فقرہ نہیں، بلکہ عمل کا خطرناک نمونہ ہے۔

وہی ابن عبد یالیل جس کے خاندان نے طائف میں آپؐ کے ساتھ یہ مظالم کئے تھے، جب طائف کا وفد لے کر مدینہ آتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑھ کر اتارتے ہیں، ہر روز نماز عشاء کے بعد اس کی ملاقات کو جاتے ہیں، اور اپنی رنج بھری مکہ کی داستان سناتے ہیں، کس کو؟ اس کو جس نے آپؐ پر پتھر برسائے تھے، اور آپ کو ذلیل کیا تھا" یہ ہے تو اپنے دشمن کو پیار کر اور معاف کر"

مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں کس حرم کے صحن میں جہاں آپ کو گالیاں دی گئیں، آپؐ پر نجاستیں پھینکی گئیں، آپؐ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی، قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے، ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کی ہجویں کہا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس پیکر قدسیؐ کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ

رکھتے تھے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ پر پتھر پھینکے تھے، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، آپؐ پر تلواریں چلائی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آپؐ کے عزیزوں کا خونِ ناحق کیا تھا، ان کے سینے چاک کئے تھے اور ان کے دل و جگر کے ٹکڑے کئے تھے، وہ بھی تھے جو غریب اور بے کس مسلمانوں کو ستاتے تھے، ان کے سینوں پر اپنی جفا کاری کی آتشیں مہریں لگاتے تھے، ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے، دہکتے کوئلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے، نیزوں کی انی سے ان کے بدن کو چھیدتے تھے، آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہؐ کے ایک اشارہ کی منتظر تھیں، دفعۃً زبان مبارک کھلتی ہے، سوال ہوتا ہے "قریش بتاؤ، میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ جواب ملتا ہے "محمدؐ! تو ہمارا شریف بھائی اور شریف بھتیجا ہے"۔ ارشاد ہوتا ہے آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا کہ **لاتثریب علیکم الیوم** آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں **اذھبو افانتم الطلقاءُ** جاؤ تم سب آزاد ہو۔

یہ ہے دشمنوں کو پیار کرنا اور معاف کرنا۔ یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ اور عملی تعلیم۔ جو صرف خوش بیانیوں اور شیریں زبانیوں تک محدود نہیں بلکہ دنیا میں واقعہ اور عمل بن کر ظاہر ہوتی ہے۔

یہی نکتہ ہے جس کے باعث تمام دوسرے مذاہب اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں کے میٹھے میٹھے الفاظ کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں اور بار بار ان ہی کو دہراتے ہیں ان کے سوا ان کے پاس کوئی چیز نہیں، اور اسلام اپنے پیغمبرؐ کے صرف الفاظ نہیں بلکہ عمل اور سنت کی دعوت دیتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا:

ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و سنتی.

میں تم میں دو مرکزِ ثقل چھوڑے جاتا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنا عملی راستہ۔

یہی دونوں مرکزِ ثقل اب تک قائم ہیں اور تا قیامت قائم رہیں گے اسی لئے اسلام کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کی بھی دعوت دیتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃٌ.

(لوگو! تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ کی زندگی میں بہتر پیروی ہے)

پیغمبر اسلام مجسمہ عمل

اسلام خود اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا عملی مجسمہ، نمونہ اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے، تمام دنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال پیش کرتا ہے، طریقۂ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے **صلوا کما رأیتمونی** ”تم اس طرح اللہ کی نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو“ بیوی بچوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے **خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی**۔ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے لئے سب سے اچھا ہے اور میں اپنی بیوی بچوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں“ آخری حج کا موقع ہے شمع نبوت کے گرد ایک لاکھ پروانوں کا ہجوم ہے۔ انسانوں کو اللہ کا آخری پیغام سنایا جا رہا ہے۔ سب کے باطل رسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ آج توڑا جا رہا ہے مگر تعلیم کے ساتھ ساتھ دیکھو کہ اپنی ذاتی نظیر اور عملی مثال بھی ہر قدم پر پیش کی جا رہی ہے۔ فرمایا:

”آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیئے گئے یعنی تم سب ایک دوسرے کے قاتلوں کو معاف کر دو! اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون اپنے بھتیجے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں۔“

”جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کئے جاتے ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی بیوپار توڑتا ہوں۔“

مساوات اور اخوت انسانی

جان اور مال کے بعد تیسری چیز آبرو ہے، وہ غلط اور قابل اصلاح رسوم و رواج جن کا تعلق لوگوں کی عزت اور آبرو سے ہوتا ہے ان کو سب سے پہلے عملاً مٹانے کی ہمت گویا بظاہر اپنی بے عزتی اور بے آبروئی کے ہم معنی ہے، اسی لئے ملک کے بڑے بڑے مصلحین کے پاؤں بھی کسی ملکی رسم و رواج کی علی اصلاح کی جرأت مشکل سے

کرتے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مساوات کی تعلیم دی۔ عرب میں سب سے زیادہ ذلیل غلام سمجھے جاتے تھے۔ آپؐ نے مساوات، اخوتِ انسانی اور جنسِ انسانی کی برابری کی یہ عملی مثال پیش کی ایک غلام کو اپنا فرزند متبنیٰ بنایا، عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی اور کمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں بھی اپنے سے کم رتبہ پر تلوار چلانا عار سمجھا جاتا تھا کہ ذلیل خون اس کی شریف تلوار کو ناپاک نہ کردے، لیکن آپؐ نے آج یہ اعلان کیا کہ اے لوگو! تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنا تھا، کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر، عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، تم میں افضل وہ ہے جو اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ تو اس تعلیم نے دفعۃً بلند و پست، بالا و زیر، اعلیٰ و ادنیٰ، آقا و غلام، سب کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا، لیکن ضرورت تھی عملی مثالوں کی، یہ مثال خود آپؐ نے پیش کی۔ اپنی پھوپھی زاد بہن کو قریش کے شریف خاندان سے تھیں، اپنے غلام سے بیاہا، منہ بولے بیٹے کا قاعدہ جب اسلام میں توڑا گیا تو سب سے پہلے زید بن محمد، زید بن حارثہ کہلائے۔ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح عرب میں ناجائز تھا، مگر چونکہ یہ محض ایک لفظی رشتہ تھا، جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس رسم سے بہت سی خاندانی رقابتوں اور خرابیوں کی بنیاد عربوں میں قائم ہو گئی تھی، اس لئے اس کا توڑنا ضروری تھا، لیکن اس کے توڑنے کے لئے عملی مثال پیش کرنا، انسان کی سب سے عزیز چیز آبرو سے تعلق رکھتا تھا، جو سب سے مشکل کام تھا۔ پیغمبر عربؐ نے آگے بڑھ کر خود اس کی مثال پیش کی اور زید بن حارثہؓ کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے شادی کر لی، جب ہی سے یہ رسم عرب سے ہمیشہ کے لئے مٹ گئی اور متبنیٰ کی بیہودہ رسم سے ملک نے نجات پائی

واقعات کی انتہا نہیں ہے، مثالوں کی کمی نہیں ہے، مگر وقت محدود ہے اور آج شاید میں نے سب سے زیادہ آپ کا وقت لیا ہے۔

دعوت فکر

میرے دوستو! میرے معروضات کی روشنی میں آدم علیہ السّلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السّلام تک اور شام سے لے کر ہندوستان تک ہر ایک تاریخی انسان کی مصلحانہ زندگی پر ایک نظر ڈالو' کیا ایسی عملی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا نمونہ کہیں نظر آتا ہے؟

حاضرین! چند لفظ اور!

بعض شیریں بیان واعظ شاعرانہ پیرائے میں اپنے ''اللہ تعالیٰ کی ربانی محبت اور الٰہی عشق کا تذکرہ کرتے ہیں مگر انہی کے مقولہ کے مطابق کہ ''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے' اس پاک عشق ومحبت کا کیا اثر ان کی زندگی میں نمایاں تھا' عرب کے دعویدار محبت کی سیرت پڑھو' راتیں گزرتی ہیں' دنیا سوتی ہے اور اس کی آنکھیں جاگتی ہیں' ہاتھ اللہ کے آگے پھیلے ہیں' زبان ترانہ حمد گا رہی ہے' دل پہلو میں بیتاب تڑپ رہا ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی تار جاری ہے' کیا محبت کی یہ تصویر ہے یا وہ ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سولی پر چڑھتے ہیں تو بیتابانہ زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں **ایلی ایلی لما سبقتنی** ''اے میرے اللہ! اے میرے اللہ! تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا'' لیکن محمد رسول اللہؐ جب موت کے بستر پر ہوتے ہیں اور زندگی کی آخری سانسیں لیتے ہوتے ہیں تو زبان پر یہ کلمہ ہوتا ہے **اللھم الرفیق الاعلیٰ**' اے میرے اللہ! اے میرے بہترین ساتھی' ان دونوں فقروں میں سے کس میں محبت کا ذائقہ' عشق کی چاشنی اور ربانی سکینت کا لطف ہے:

اللّٰھم صلی علیه وعلیٰ سائر الا نبیآءِ والمرسلین.

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصر حاضر میں معنویت وافادیت

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

حضرات! عام مسلمانوں کے لئے مجموعی طور پر اور اہل بمبئی کے لئے خصوصی طور پر یہ بڑی مسرت، شکر اور فخر کا موقع ہے کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبات کا آغاز ہو رہا ہے۔ میں اپنی محدود واقفیت اور مطالعہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ سیرت نبویؐ پر سب سے زیادہ ٹھوس، سنجیدہ فکر انگیز اور معیاری کام ہمارے ملک ہندوستان میں انجام پایا ہے۔ ہم ہندوستانی مسلمانوں کو اس بات پر شکر آمیز فخر کا حق ہے کہ وہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جس کے متعلق قرآن شریف اعلان کرتا ہے "قل یاایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعاً" جو مکانی حیثیت سے پورے کرۂ ارض اور زمانی حیثیت سے بعثت کے بعد سے پوری انسانی تاریخ کا نبی ہے اس کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو عصر جدید کے اسلوب اور تقاضوں کے مطابق روشن کرنے کی سب سے بڑی سعادت ہندوستانی مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوریؒ کی "رحمۃ للعالمین" علامہ شبلی نعمانیؒ کی کتاب "سیرۃ النبی" مولانا عبدالروف دانا پوری کی کتاب "اصح السیر" سیرت کے عالمگیر کتب خانے میں امتیازی شان رکھتی ہیں۔ لیکن اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے شاید سب سے فائق، استاد محترم مولانا سید سلیمان ندویؒ کی "خطبات مدارس" ہے۔ دنیا کے مسلمان جو زبان بولتے ہیں ان میں ان کتابوں کی کوئی نظیر نہیں۔ مختلف اسلامی زبانوں اور متعدد مغربی زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے ہیں۔

بہت سے حضرات یہ خیال کرتے ہوں گے کہ سیرت النبیؐ کی خدمت کا شرف جس ادارے کو حاصل ہوا اس سے انتساب رکھنے والے فرد کے لئے اور خاص طور پر اگر اس کے قلم سے بھی کوئی کتاب سیرت پر نکلی ہو بہت آسان ہے کہ وہ سیرت پر گفتگو کرے اور سیرت

نبوی کو پیش کرے لیکن ایک مصنف کے تجربے کی روشنی میں میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات سہولت کے باعث نہیں بلکہ دشواری کے باعث ہے۔ اس لئے کہ جس کو سیرت پر قلم اٹھانے کی سعادت حاصل ہوئی وہ کسی ایسے ادارے سے تعلق رکھتا ہے جس سے سیرت پر بلند ترین اور منتخب ترین لٹریچر شائع ہوا اس کا معاملہ سیرت نبویؐ کے بارے میں وہی ہے جس کو فارسی شاعر نے اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار   گلچین بہار تو‘ زد اماں گلہ دارد

وہ سوچتا ہے کہ وہ اس مقدس داستان کو کہاں سے شروع کرے اور کہاں ختم کرے اور کس چیز کو لے اور کس چیز کو چھوڑ دے جس طرح کہ گلچیں کے لئے دشواری ہے کہ وہ کس پھول کو لے اور کس پھول کو چھوڑ دے اور پھر اس دامن کو جو بہت محدود اور تنگ ہے اس چمن کے پھولوں سے کس طرح سجائے بالکل اسی طرح کی آزمائش آج میرے لئے بھی ہے میں یہ کوشش نہیں کروں گا کہ آپ کے سامنے سیرت نبوی کو اول سے آخر تک سبق کی طرح سنا دوں‘ آپ حضرات اہل علم ہیں اور آپ کی نظر سے سیرت کی کتابیں گزر چکی ہیں اور گزرتی رہتی ہیں میں اپنی سب سے بڑی سعادت یہ سمجھوں گا کہ آپ کے دلوں میں سیرت کے مطالعے کا نیا شوق پیدا ہو جائے اور یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ابھی آپ کو بہت کچھ پڑھنا ہے۔ ابھی آپ نے اس گلستاں کی سیر ہی نہیں کی ہے اور یہ کہ آپ اس مکتب حسن اس مکتب عشق اس مکتب عقل و علم اس مکتب انسانیت آموزی کے طالب علم ہیں میں اپنے کو بہت خوش نصیب سمجھوں گا اور آپ کو مبارک باد دوں گا کہ سیرت کے مکتب میں ہمارا اور آپ کا نام لکھ لیا جائے اس سے بڑھ کر میں ایک مسلمان کے لئے کوئی فخر کی بات نہیں سمجھتا کہ اس کو اس مکتب عشق میں طالب علم بننے کے لئے قبول کر لیا جائے۔ ہم آج سے سیرت کا مطالعہ کریں گے اور یقین ہے کہ یہ سلسلہ بڑا مبارک ہوگا اور اس کے بانی صد ہزار مبارک باد کے مستحق ہوں گے اگر آپ کے اندر یہ جذبہ بیدار ہو جائے کہ اب ہم سیرت کا مطالعہ کریں گے اور ہم یہ سمجھیں گے کہ ابھی ہم نے کچھ نہیں پڑھا ہے۔

میں سب سے پہلے آپ کے سامنے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی کیا کام کرتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو یہ مقام بلند حاصل ہے جو ذمہ داری اس کے سپرد کی جاتی ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور وہ نوع انسانی کے لئے اتنا کیوں ضروری ہے؟ رواں دواں قافلہ انسانیت کے سفر کے لئے یہ بات کیوں خطرے کی ہے کہ اس کو اس سفر میں ایک پیغامبر کی رہنمائی حاصل نہیں۔ میں سب سے پہلے اس پر مختصر روشنی ڈالوں گا پھر یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ نبی کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ نبوت کی حقیقت اور اس کا امتیاز کیا ہے اور اس اہم اور مقدس کام کے لئے کس طرح کی شخصیت درکار ہے؟ آنحضرت کو انبیاء کرام کی صف میں اللہ تعالیٰ نے کیا امتیاز عطا فرمایا اور کیا کامیابی آپؐ کے حصے میں رکھی۔ میں یہ بتانے کے لئے کہ نبوت کا کام ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسانیت کے سفینے کے لئے خطرہ ہے کہ وہ کس وقت ڈوب جائے وہ کون سی مہم ہے جو نبی ہی انجام دیتا ہے اور وہ کون سا خلاء ہے جو وہ تنہا پر کرتا ہے اس کے لئے میں ایک کہانی کا سہارا لوں گا اور آپ جانتے ہیں کہ بعض اوقات کہانیوں سے بہت سے ایسے عقدے اور ایسی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں جو بڑی بڑی فلسفیانہ بحثوں سے نہیں سلجھتیں، خاص طور پر جب وقت کم ہو اور آدمی زیادہ گہرائی میں نہ جانا چاہے۔

آپ نے یہ کہانی سنی ہوگی کہ کچھ نوجوانوں کو سیر کا خیال آیا وہ دریا کے قریب کسی بستی کے رہنے والے تھے۔ برسات کا موسم تھا سہانا وقت تھا ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور فرصت کے دن تھے۔ ان کو شوق ہوا کہ وہ دریا کی سیر کریں اور موسم کا لطف اٹھائیں ایک کشتی انہوں نے کرائے پر لی اس پر سوار ہوئے دریا بھی روانی پر تھا اور ان کی طبیعت بھی موج پر تھی وہ بے تکلفی سے آپس میں باتیں کرتے تھے، مگر اس وقت انہوں نے ملاح کو اپنا مخاطب بنایا، اس سے پوچھا (چچا یا دادا کہہ کر مخاطب کیا) آپ کی عمر کیا ہے؟ وہ بے چارہ بے پڑھا آدمی تھا اس نے اپنی عمر بتائی ۶۰ سال کی عمر، ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ چچا آپ نے کیا کیا پڑھا ہے؟ اس نے کہا کہ میری اوقات کیا؟ میں نے شروع ہی سے کشتی چلانے کا پیشہ اختیار کر لیا اور مجھے پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ دوسرے تیز طرار صاحب زادے بولے کہ چچا! آپ نے جغرافیہ تو ضرور پڑھا ہوگا؟ بیچارے ملاح نے کہا کہ میں نے اس کا نام ہی نہیں سنا۔ پہلے

تو اس کو یہی سمجھنا مشکل ہوا کہ جغرافیہ کسی آدمی کا نام ہے یا کسی علم کا؟ لوگوں نے کہا کہ اچھا آپ نے ہسٹری تو پڑھی ہوگی؟ پھر اس نے کانوں پر ہاتھ رکھا' پھر ان لوگوں نے جیومیٹری کو پوچھا اور ان کے کالج اور یونیورسٹی میں جو مضامین داخل تھے۔ ان تمام مضامین کا (SUBJECTS) انہوں نے باری باری سے نام لیا اور اس بیچارے نے سب پر سر جھکا دیا' وہ پشیمان اور شرمندہ ہوا اس نے کہا کہ صاحب میں نے تو آج تک ایسے نام بھی نہیں سنے تھے عمر تو پہلے پوچھ لی تھی کہنے لگے کہ آپ نے اپنی آدھی عمر کھودی ہے۔ آپ نے کچھ کام کیا ہی نہیں۔ خیر دریا اس وقت مزے میں تھا۔ موجیں اٹھ رہی تھیں اور کہیں بارش بھی ہوئی تھی۔ اب دریا کی موجیں اس کشتی کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے لگیں اور کشتی ڈگمگانے لگی' کبھی ادھر جھکتی تھی' کبھی ادھر جھکتی تھی' اب اس ملاح کی بن آئی۔ خدا کو اس کی عاجزی اور اس کی بے زبانی پر رحم آیا۔ اب ملاح کی باری آئی۔ اس نے کہا کہ صاحبزادو! ایک بات میں بھی پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ سب کچھ پڑھا ہے۔ تیرنا بھی سیکھا ہے؟ اگر یہ کشتی الٹ گئی تو تم دریا کے پار کس طرح پہنچو گے؟ انہوں نے کہا تیرنا تو ہم نے نہیں سیکھا ہے! ملاح نے کہا جاؤ تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی۔

انہوں نے تو یہ کہا تھا کہ تم نے اپنی آدھی عمر کھوئی اور اس ملاح نے کہا تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی۔ اگر کہیں کشتی الٹ گئی تو میں ہاتھ پیر مار کر کنارے پہنچ جاؤں گا۔ یہ ندی دریا تو میرا گھر ہے۔ میں اس کی مچھلی ہوں مگر تم نے جو بڑے بڑے ڈراؤنے نام لئے تھے (اتنی جلدی جاہل آدمی کو نام یاد نہیں ہو سکتے تھے) وہ آپ کے کیا کام آئیں گے؟ آپ اگر ڈوبیں گے تو ان میں سے کوئی چیز آپ کو نہیں بچا پائے گی۔ یہاں تو سیدھا سادھا تیرنا کام آئے گا۔ جس کو تیرنا آتا ہے یا آپ یوں کہہ لیں کہ جس کو تیرنے کی سائنس آتی ہے وہ کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اپنی جان بچا لے گا اور دریا پار کر لے گا۔ یا کشتی چلانا جس کو آتا ہے وہ کشتی کنارے لگا دے گا۔ لیکن اگر سب کچھ آتا ہے اور تیرنا ہی نہیں آتا ہے زندگی کے اس طوفانی دریا کو جس نے عبور کرنا نہیں سیکھا اور جس نے اس کی موجوں سے جو منہ پھیلائے ہوئے بڑھتی ہیں بچنے کا فن نہیں معلوم کیا تو اس نے یہ جو کچھ پڑھا ہے کچھ کام نہیں آئے گا۔

حضرات! ہماری اس پوری زندگی کی مثال یہی ہے ہمارے تمام محسن، انسانی علوم کے بانی بڑی بڑی کتابوں کے مصنف، دنیا کے دانش ور، فلسفی، حکیم، ریاضی داں اور سائنس داں یہ سب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔ یہاں انجمن اسلام اور اس کے سکول کے بالکل سائے کے نیچے بیٹھ کر یہ گزارش کر رہا ہوں ہم ان میں کسی کی تحقیر نہیں کرتے ہیں خاص طور پر میرے جیسے طالب علم کی گردن ان کے احسانات کے بوجھ سے دبی جا رہی ہے اور میں جو آپ کے سامنے یہ دو حرف کہہ رہا ہوں اس کو بھی ان کا احسان سمجھتا ہوں لیکن واقعہ اپنی جگہ پر واقعہ ہے یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعلان امریکہ کی کسی بڑی یونیورسٹی کی لائبریری میں بھی لیبارٹری میں بھی، بڑے سے بڑے دانش کدے اور بڑے سے بڑے ایوان علم میں بھی کیا جا سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں نے بارہا اس حقیقت کا اعلان کیا ہے اور ببانگ دہل کہا کہ اے دانشورو! علم کو وسعت اور ترقی دینے والو! اے انسانی عقل کے کمالات دکھانے والو! اے زمین کے خزانے کو اگلوا دینے والو! آسمان سے تارے توڑ کر لانے والو! اور اے چاند کی سطح پر پہنچ جانے والو! تم سب خطرے میں ہو جب تک تم کو شناوری کا یہ علم نہیں آتا اور وہ حقائق اولین جن پر زندگی کی بنیاد ہے اور یہ انسانی شیرازہ جس کی وجہ سے مجتمع ہے اور وہ بڑے مقاصد جن کی وجہ سے اس زندگی اور اس دنیا میں معنویت پائی جاتی ہے اگر ان پر نظر نہیں اور اگر تم نے زندگی گزارنے کا سلیقہ نہیں سیکھا جو تنہا پیغامبر سکھاتے ہیں وہ بغیر کسی تواضع اور انکساری کے اور بغیر کسی ادنیٰ خوف اور لحاظ کے صاف صاف کہتے ہیں ”انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی“ (میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں فرق مجھ میں اور تم میں یہ ہے کہ میری طرف وحی آتی ہے) زندگی کا سلیقہ کسی نے اگر نہیں سیکھا ہے اور سب کچھ سیکھ لیا ہے وہ اگر فرد ہے تو خطرے میں ہے۔ اگر قوم ہے تو خطرے میں ہے اگر تمدن ہے تو خطرے میں ہے، تہذیب ہے تو خطرے میں ہے علمی مرکز ہے تو خطرے میں ہے کوئی تجربہ گاہ ہے تو خطرے میں ہے قیادت کے مقام پر ہے تو خطرے میں ہے میں نے ایک سیدھی سادی کہانی کا (جو نبوت اور نبیؑ کے مقام سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی) سہارا لیا ہے آج بھی دنیا کا حال یہ ہے کہ ہمیں اپنی حقیقت کا علم نہیں رکھتی) ہمیں معلوم نہیں کہ زندگی کیا ہے۔ کتنی وسیع کتنی

عمیق، کتنی نازک، کتنی لطیف ہے، زندگی گزارنا کتنی بڑی ذمہ داری ہے۔ اس زندگی کے دریا کو عبور کرنے کے لئے اور اپنی کشتی کو پار لگانے کے لئے کن بنیادی حقیقتوں پر ایمان لانے اور ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے، ان کی حفاظت کرنے اور ان کو زندہ رکھنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ کیسے تعاون کی ضرورت ہے؟ آج ہمارے اس متمدن اور ترقی یافتہ دور کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کو زندہ رہنے کا فن معلوم نہیں بلکہ معلوم کرنے کی کوئی خواہش بھی اس کے اندر نہیں۔ پیغمبر خاص انکشافات کے مدعی نہیں ہوتے وہ ادب اور شاعری کے دعوے دار نہیں ہوتے وہ بہت بڑی ذہانت، موشگافی، بال کی کھال نکالنے کے مدعی نہیں ہوتے، وہ کہتے ہیں کہ زندگی کے دریا کو پار کرنے کا فن ہم سے سیکھا جا سکتا ہے اگر تمہیں زندگی عزیز ہے اور اگر تم انسانوں کی طرح اس دنیا میں رہنا چاہتے ہو اگر تمہیں اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرنا ہو اگر تمہیں خالق کائنات کو صحیح طور پر سمجھنا اس کا علم حاصل کرنا اس کو راضی کرنا اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہو تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں۔ ہمیں خدا نے اس خدمت کے لئے مامور کیا ہے نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ نہ اس میں وہ کسی معذرت سے کام لیتے ہیں نہ کسی فخر و تعلّی سے بالکل حقیقت پسندانہ اور عملی انداز میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی چیز کے مدعی نہیں۔ ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ زندگی گزارنے اور انسانوں کی طرح زندہ رہنے کا فن ہم سے سیکھو، سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ اس دنیا کو کس نے بنایا اور کس لئے بنایا، تم کہاں سے آئے تھے کہاں جاؤ گے؟ ہم نے مانا کہ تم کو سب کچھ آتا ہے مگر اپنے پیدا کرنے والے اور مقصد زندگی سے غافل ہو تو ان کمالات و ترقیات اور تسخیر کائنات سے کیا حاصل؟ بقول اقبال۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

ہم مانتے ہیں کہ تم سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتے ہو، چاند پر پہنچ سکتے ہو تم سمندر کی تہ سے موتی نکال کر لا سکتے ہو، مگر سوال یہ ہے کہ تم کو آدمیوں کی طرح اس زمین پر چلنا بھی آتا ہے؟ کسی مغربی فلسفی نے ایک مشرقی دانشور سے بہت فخر و ناز سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے ہماری مغربی تہذیب نے کیا کیا کمالات دکھائے ہیں ہم نے بلند پروازی اور تیز رفتاری

کے کیسے کیسے ریکارڈ قائم کئے ہیں؟ مشرقی فلسفی نے جواب دیا کہ ہاں تمہیں فضائے آسمانی میں چڑیوں کی طرح اڑنا آ گیا اور تمہیں دریا میں مچھلیوں کی طرح تیرنا آ گیا لیکن یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں زمین پر آدمیوں کی طرح چلنا بھی آیا؟ تو پیغمبر بغیر کسی کسر وانکسار کے یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ بتاتے ہیں کہ خدا کے بنائے اور پیدا کئے ہوئے انسان کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح رہا جاتا ہے دنیا کے اس سفر کو کامیاب طریقے پر طے کر کے کس طرح اپنے مالک کے پاس انعام لینے کے لئے جایا جاتا ہے۔ ہم یہ فن بتاتے ہیں نہ کم نہ بیش یہ ہے نبوت کا وہ کارخاص جو نبوت اور انبیاء انجام دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی انفرادیت سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آپ کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ آپؐ اور آپؐ کے مقدس رفقاء جن کو انبیاء کے نام سے ہم جانتے ہیں (اللہ کا درود وسلام ان سب پر) وہ کیا کام انجام دیتے آئے ہیں اس کے لئے میں نے ایک حقیری سی کہانی آپ کے سامنے رکھی ہے کہ وہ ملاح تھا تو دو ٹکے کا آدمی، لیکن ان نوجوانوں کے مقابلے میں جنہوں نے اپنے دماغ میں لائبریوں کی لائبریریاں اتار لی تھیں اور جنہوں نے فلسفے کے سمندر پی لئے تھے جن کو دنیا کی تاریخ پوری یاد تھی وہ اس کم سواد بلکہ بے سواد ملاح کے سامنے بے حقیقت انسان تھے ان کی زندگی خطرے میں تھی وہ کشتی پر سوار تھے ان کی قسمت کشتی سے وابستہ تھی اور کشتی کی قسمت اس فن ملاحی سے وابستہ تھی اور وہ اس سے ناآشنا تھے یہ ہے نبوت کا کارخاص جو نبوت ہی انجام دیتی ہے۔

اب میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی کو دوسروں کے مقابلے میں کیا امتیاز حاصل ہوتا ہے ان کو یہ کہنے کا حق کیوں حاصل ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی اور محسوسات اور مشاہدات کا جو عالم ہمارے اور آپ کے سامنے ہے۔ ان کے پیچھے اور کون سی طاقتیں کام کر رہی ہیں ہم ان کو دیکھتے نہیں ہیں اس قانون تکوینی (NATURAL LAWS) کے پیچھے کوئی اور طاقت اور ارادہ ہے جو اس کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اور اس کے متضاد عناصر کو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے بچا رہا ہے سورج کی حرارت کو اس سے زیادہ بڑھنے نہیں دیتا جو کہ اس زمین کو خاک سیاہ کر دے زمین کی پرت کو اس سے زیادہ موٹا ہونے نہیں

دیتا کہ یہ زمین ڈوب جائے سمندر اور خشکی کے درمیان جو تناسب ہے' اس تناسب میں ذرا سا فرق آنے نہیں دیتا اگر آپ کریسی کی کتاب MAN DOSE NOT STAND ALONE (انسان اکیلا کھڑا نہیں ہے) کا مطالعہ کریں' (اور آپ میں سے بہت سے لوگوں نے اس موضوع پر مجھ سے زیادہ پڑھا ہوگا) تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس دنیا کو کس تناسب کے ساتھ بنایا گیا ہے اور اس میں کتنے متضاد عناصر ہیں آگ اور پانی کا مجموعہ کس طرح چل رہا ہے' سلبی اور ایجابی) POSITIVE AND NEGATIVE مثبت اور منفی طاقتیں کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مصالحت اور تعاون کے ساتھ کام کر رہی ہیں' ان میں کسی وقت ٹکراؤ نہیں ہوتا ہے' ان میں کسی وقت بغاوت نہیں ہوتی۔ ان میں کہیں برہمی' ناہمواری نہیں پیدا ہوتی' نشیب و فراز نہیں پیدا ہوتے' کوئی چیز اپنی حد سے آگے نہیں بڑھنے پاتی' اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرنے پاتی' اس حقیقت کے جاننے کا نبی کے پاس کیا ذریعہ ہے' اور یہ کہنے کا اس کو کیوں حق حاصل ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں اور تم نہیں دیکھتے اور نہیں جانتے؟ اس کے لئے میں پھر ایک واقعے کا سہارا لوں گا مگر اس مرتبہ یہ واقعہ ہندوستانی کہانیوں اور ہماری نصابی کتابوں کا واقعہ نہیں ہوگا بلکہ سیرت نبوی کا واقعہ ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت "وانذر عشیر تک الاقربین" (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ قریبی لوگوں اور اپنے سے قریبی تعلق رکھنے والوں کو ڈرایئے) نازل ہوئی' مکہ معظمہ کی اس سادہ اور محدود زندگی میں جس میں ابلاغ و اطلاع کے ذرائع مفقود یا بہت محدود تھے' وقت کم اور مکہ کی آبادی پھیلی ہوئی اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے پوری آبادی کو جو کہ مکہ کی وادی میں مکہ کے آگے پیچھے بکھری ہوئی تھی سب کو کیسے جمع کیا جائے؟ صدیوں سے جس کے آباء و اجداد نبوت کے مفہوم اور غیبی حقائق سے ناآشنا تھے ان کو کیسے ان غیبی حقائق سے مانوس کیا جائے یہ وہ ایک عظیم امتحان تھا جو بڑے سے بڑے دماغوں کو بھی شل کر سکتا تھا اس کا حل کرنا آسان نہیں تھا لیکن یہ بھی الہام کی بات تھی اور اللہ کی تائید تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح راستہ بتایا' آپؐ صفا کی پہاڑی پر چلے گئے آپ میں بہت سے بھائی حج کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہوں گے انہوں نے صفا کو دیکھا ہوگا آج سے ۱۴۰۰ سال

پہلے اس کی حالت دوسری تھی آج سے پچاس سال پہلے بھی وہ کچھ اور تھا کوہ صفا پر آپؐ چلے گئے، وہاں آپؐ نے ایک آواز بلند کی ‘‘یا صباحاہ’’ یہ ایک جملہ تھا جو اپنے اندر معانی کا ایک دفتر رکھتا تھا۔ اس جملے میں عرب کے لوگوں کے لئے ایک نوٹس تھا اور وہ خطرے کی گھنٹی تھی یہ ایک ایسا جملہ تھا جس سے عرب کی ایک پوری تاریخ وابستہ تھی وہ تاریخ یہ تھی کہ جب عرب کے کسی قبیلے کا حملہ ہوتا تھا جو ان کا دن رات کا مشغلہ تھا ایک شاعر کہتا ہے کہ ‘‘میرا گھوڑا جب جوان ہو جائے تو اللہ کرے کہ کہیں نہ کہیں لڑائی چھڑ جائے تا کہ میں اپنے گھوڑے کے جوہر دکھا سکوں’’ ان کا تو یہ کھیل تھا اس موقع پر کوئی شخص کسی بلند جگہ پر چلا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ ‘‘یا صباحاہ’’ (خطرہ ہے خطرہ ہے) لوگ جمع ہو جاتے تھے چنانچہ یہی ہوا کہ جن لوگوں نے آپؐ کی آواز پہچانی انہوں نے کہا کہ ‘‘الصادق الامین’’ یہ اس دنیا کے صادق ترین انسان کی آواز ہے) بھیڑیا آیا، بھیڑیا آیا کی کہانی ہم لوگوں نے کتابوں میں پڑھی ہے اور آخر میں اعتبار جاتا رہا اور سچ مچ بھیڑیا آیا اور کھا گیا، عرب کے لوگوں میں سب خرابیاں تھیں لیکن یہ چالاکی ان کے اندر نہیں تھی وہ سیاسی پروپیگنڈے سے نا آشنا تھے تو کوئی شخص بھی چلا جاتا اور کہتا ‘‘یا صباحاہ’’ عربوں کی اصل فطرت دروغ بیانی سے بہت دور ہے اسی بناء پر مفسرین نے کہا ہے کہ نفاق عربوں کا مرض نہیں، عربوں کی نفسیات سے اس کو مناسبت نہیں یہ مرض وہاں پیدا ہوا جہاں غیر عرب عناصر (یہودی وغیرہ) معاشرے میں تھے اس آواز کے سننے کے بعد کسی کو کوئی شک نہیں رہتا تھا بہر حال آپ نے آواز لگائی ‘‘یا صباحاہ’’ اور سارا مکہ دوڑ کر کوہ صفا کے دامن میں جمع ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا، کون ہے؟ پہچان تو لیا انہوں نے فوراً اور یہ بھی یقین ہو گیا کہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے کوئی لشکر ہے جو ہم پر حملہ کرنے والا ہے اب وہ منتظر تھے کہ وہ لشکر کہاں سے آنے والا ہے کدھر سے حملہ کرنے والا ہے؟ آپؐ نے عجلت سے کام نہیں لیا فرمایا لوگو! تم نے مجھے آج تک کیسا پایا، لوگوں نے کہا کہ ‘‘الصادق الامین’’ (سچ بولنے والا اور امانت دار) یہ پہلا اسٹیج تھا جو نبوت ہی کی تاریخ میں نہیں بلکہ ہر اصلاح کی تاریخ میں ضروری مرحلہ ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اصلاح کا جھنڈا لیکر کھڑا ہو وہ کسی قوم کی اصلاح اور نجات کا صحیح راستہ دکھانے کے لئے کھڑا ہو تو پہلے

اس کے متعلق یہ اطمینان کر لینا چاہئے کہ وہ کیسا ہے، بے غرض ہے، مخلص ہے، اسی لئے فرمایا کہ تم نے آج تک مجھ کو کیسا پایا؟ لوگوں نے کہا کہ سچا اور امین، فرمایا کہ میں اگر تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر جو رات کے اندھیرے میں یہاں آ کر چھپ گیا ہے۔ تم پر اچانک حملہ کرنے والا ہے تو تم باور کرو گے؟ عرب کے لوگ زیادہ تر ناخواندہ تھے، اور فلسفے وغیرہ علوم سے ناآشنا، لیکن اللہ نے ان کو ایک دولت دی تھی، جس میں وہ دنیا کی قوموں میں (جو تمدن کی بیماریوں میں مبتلا ہو چکی تھیں اور جنہوں نے فلسفہ، شاعری اور ادب میں بڑی ترقی کی تھی) عربوں کو امتیاز حاصل تھا وہ یہ تھا کہ وہ فطرت سلیم رکھتے تھے اور فطرت سلیم یا عقل سلیم اللہ کی بڑی نعمت ہے'' ذہانت سے بڑھ کر عقل سلیم (COMMON SENSE) چاہئے، انہوں نے فوراً صورت حال کا جائزہ لیا، انہوں نے دیکھا کہ ہم پہاڑ کے نیچے ہیں اور ایک شخص پہاڑ کے اوپر کھڑا ہوا ہے پہاڑ کے نیچے کے حصے کو بھی دیکھ رہا ہے سامنے کے حصے کو بھی دیکھ رہا ہے تو اگر وہ یہ کہتا ہے کہ پہاڑ کے عقب (پیچھے) میں ایک لشکر چھپا ہوا ہے تو اس بنا پر اس کے جھٹلانے کی کوئی وجہ اور کوئی جواز نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہم تو نہیں دیکھتے، ہمیں دکھلایئے اس لئے کہ ہم پہاڑ کے نیچے ہیں اور وہ پہاڑ کے اوپر ان کی عقل سلیم نے فوراً ان کی رہنمائی کی کہ اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ یہ دعویٰ کرے کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے، ہمیں یہ نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم جو زندگی گزار رہے ہو تمہارے جو عقائد ہیں تمہارے جو اخلاق ہیں تمہارا جو ایک دوسرے کے ساتھ سلوک ہے تمہاری زندگی کے جو مقاصد بن گئے ہیں تمہارا جو طرز زندگی ہے وہ حقیقی خطرہ ہے اور ہزار دشمنوں اور ہزار لشکروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے، تم کس دشمن سے ڈر رہے ہو؟ اس دشمن سے جو آئے گا اور سو دو سو اونٹوں کو ہنکا کر لے جائے گا اور دس بیس آدمیوں کو مار دے گا اور تھوڑا سا مالی نقصان اور جانی نقصان پہنچا دے گا میں تمہیں اس دشمن سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے دلوں کے اندر بیٹھا ہوا ہے تمہارے دماغوں کے اندر اس نے اپنی چھاؤنیاں قائم کر لی ہیں وہ تمہارے گھروں کے اندر موجود ہے اس حقیقی اور جان لیوا دشمن سے ڈرو، یہ تمہارے غلط عقائد، تمہاری خطرناک جہالت، تمہارا قہر

خداوندی کو بھڑکانے والا اور دنیا کو دوزخ کا نمونہ بنانے والا طرز زندگی ہے، یہ تمہاری نفس پرستی، ہوا و ہوس اور محض نائے ونوش اور ''بعیش کوش'' کے فلسفے والی زندگی ہے یہ وہ زندگی ہے جسے خدا کی رہنمائی اور آسمانی تعلیمات منظم نہیں کرتیں بلکہ خود ساختہ قوانین اور ذاتی معاملات چلا رہے ہیں یہ نبوت کی حقیقت ہے، آپؐ نے چند لفظوں میں اور ایک عملی مظاہرہ کر کے ثابت کر دیا کہ نبی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اعلان کرے کہ اس عالم شہود اور اس عالم محسوسات سے پرے بھی دنیا ہے اس کے پیچھے حقائق کی ایک دنیا ہے موجد کائنات ہے۔ خالق کائنات ہے اس کی ذات ہے اس کی صفات ہیں اس کا طریقہ کار ہے اس کے افعال ہیں اس کا انسانوں کے ساتھ معاملہ ہے اس کے مرضیات و نامرضیات کا ایک سلسلہ اور نظام ہے اس تفہیم کے لئے اس سے بہتر اور کوئی عام فہم اور دل نشین طریقہ نہیں ہوسکتا تھا نہ صرف عرب کی اس محدود زندگی اور معاشرے میں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی نبوت کی حقیقت کو سمجھانے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

حضرات! وقت کم ہے اس لئے میں یہ عرض کروں گا کہ یہ مسئلہ کہ انسانوں کی زندگی تبدیل ہو، انسانوں کے عقائد تبدیل ہوں انسانوں کے مسلمات (جن چیزوں کو انہوں نے سمجھ لیا کہ زندگی کے لئے ناگزیر ہیں) خواہ وہ معیار زندگی ہوں خواہ وہ مقاصد زندگی ہوں خواہ وہ دولت ہو خواہ وہ طاقت ہو یا اقتدار کا حصول ہو خواہ وہ نفس کے تقاضوں کی تکمیل ہو خواہ وہ اپنی برتری کا اظہار ہو، ان چیزوں کو یکسر بدل دینا انسان کی قلب ماہیت کر دینا انسان کو اندر سے اتنا تبدیل کر دینا کہ وہ بھی بدل جائے اور دنیا کو بھی بدل کر رکھ دے یہ کھیل نہیں ہے یہ ارادۂ الٰہی خدائی فیصلے خدا کی تائید اور نبوت کے منصب و مقام اور اس کے ساتھ جو خدا کی مدد ہوتی ہے اور نبی کی شخصیت کے بغیر نہیں ہوسکتا ہندوستان کی عظیم ترین اور طاقتور ترین شخصیتوں نے چاہا کہ چھوت چھات دور ہو جائے، نابرابری دور ہو جائے اور مساوات و اشتراکیت کا دور دورہ ہو یہ بھی نہ ہو سکا اور جہاں ہوا وہاں جبر اور قہرا ہوا ہے، اگر اس معاشرے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو ابھی بغاوت کرنے کے لئے تیار ہے کل آپ سن سکتے ہیں کہ وہ نظام الٹ کر رہ گیا اور پورے ملک میں انقلاب آ گیا اور آتا رہتا ہے۔

چھوت چھات آج تک دور نہیں ہوئی ملک کی رسم میں نہیں جانتا کہ آپ کے یہاں اس کے لئے کیا اصطلاح ہے اور میری دعا ہے کہ آپ کے یہاں یہ بیماری نہ ہو لیکن ہمارے ہندوستان میں کئی ریاستیں ہیں جہاں یہ بیماری اپنے پورے شباب پر ہے کہ لڑکیاں بیٹھی ہیں اور ان کو اس لئے بر نہیں مل رہے ہیں جوڑا رشتہ نہیں مل رہا ہے کہ صاحبزادے اور صاحبزادے سے زیادہ ان کے ‘‘والدین ماجدین’’ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کے لئے یورپ جانے کا انتظام کیا جائے امریکہ جا کر تعلیم حاصل کرنے کا انتظام کیا جائے اس کے لئے بینک میں اتنا حساب جمع کر دیا جائے۔ اس کے لئے کار کم سے کم اس کے لئے اسکوٹر کا انتظام کر دیا جائے۔ آج قانون بھی اس کے خلاف ہے عقل بھی اس کے خلاف ہے ہم اس کے نہایت مہیب اور نہایت منحوس نتائج دیکھ رہے ہیں بڑے بڑے شریف لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں اور گھروں کی زندگی جہنم بن گئی ہے ماں باپ کو میٹھی نیند نصیب نہیں لیکن یہ رسم ہے کہ پورے طور پر موجود ہے۔

اسی طریقے سے امریکہ جیسے ملک نے شراب کو ختم کرنا چاہا، اس نے کوشش کی کہ شراب نوشی کی عادت ختم ہو، یہ مسٹر ہور (HOOVR) کے زمانے کا واقعہ ہے، اب تفصیلات دیکھ لیجئے کہ امریکہ نے گھٹنے ٹیک دیئے اور اپنے پورے وسائل اس کے لئے استعمال کئے لیکن شراب نوشی حد جنون تک پہنچ گئی یعنی جو لوگ صرف شراب نوش تھے۔ ان لوگوں نے شراب نوشی پر کمر کس لی اور حکومت کو شکست تسلیم کرنی پڑی، حکومت نے مات کھائی، لیکن شراب پینا لوگوں نے نہ چھوڑا، وقت کم ہے اس لئے اختصار سے کام لیتا ہوں عہد جاہلیت کی چند رسمیں آپ کے سامنے مثال کے طور پر رکھتا ہوں اس وقت دختر کشی کی رسم تھی اور ایسی رسم تھی کہ اس کی جڑیں عربوں کے مزاج میں عربوں کی تاریخ، عربوں کے معاشرے میں اتنی گہری تھیں کہ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ عرب دختر کشی سے باز آ سکتے ہیں، لیکن چند برسوں میں ایسا انقلاب ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لے گئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی امامہ گھر سے دوڑی دوڑی آئی اور بھائی بھائی کہہ کر آپ سے لپٹ گئی اس وقت صحابہ کرام میں یہ مقابلہ شروع ہو گیا کہ یہ بچی پرورش کے لئے ہم کو دی جائے یعنی جو مائیں بچیوں سے اپنی گودیں خالی کرتی تھیں اور جو باپ شقی

اور سنگدل بچیوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے، ایسے واقعات ہیں کہ آپ سنیں تو آپ تڑپ جائیں حضرت علیؓ نے کہا کہ بچی مجھے ملنی چاہئے میری بہن ہے، حضرت جعفرؓ نے کہا کہ مجھے عطا ہو کہ میں بھائی بھی ہوں اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے، حضرت زیدؓ نے کہا کہ میرا حق ہے کہ مسلمان ہونے کے رشتے سے ان دونوں سے کم نہیں۔ آپ نے حضرت جعفرؓ کے حوالے کیا کہ بچی کی خالہ ان کے گھر میں ہے اس کو وہاں زیادہ آرام ملے گا اسی طرح شراب جو عرب کی گھٹی میں پڑی تھی جب اس کی حرمت کا اعلان ہوا تو ہونٹوں سے لگائے ہوئے جام ہٹا دیئے گئے شراب کے ظرف اس طرح لنڈھا دیئے گئے کہ وہ مدینے کی نالیوں میں بہتی تھی۔

سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل پیغام یہی ہے آپ کو ایک کام کے لئے مامور کیا گیا، آپؐ کے ساتھ اللہ کی تائید تھی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ انقلاب عظیم دنیا میں رونما ہوا کہ اس کی مثال نہ اس سے پہلے کی تاریخ میں ملتی ہے اور نہ اس وقت کی تاریخ میں ملتی ہے آج لوگوں کو مطمئن کرنے کے ذرائع وافر مقدار میں موجود ہیں لیکن ہم انسانوں کو مطمئن نہیں کر سکتے، معاشرے میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں لا سکتے۔

جہاں تک عام انسانی جذبات کا تعلق ہے خلوص کا تعلق ہے قربانی کا تعلق ہے ان کی مثالیں دور تک نہیں ملیں گی مگر ان کو کوئی ایسی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہی نابرابری ہے وہی طبقاتی تفریق ہے وہی انسانی آبرو وعزت کی بے قیمتی ہے وہی انسان انسان کا بھکاری ہے وہی انسان انسان کا شکاری ہے وہی دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہے وہی چھوت چھات ہے وہی شراب نوشی کا جنون ہے اور ہزاروں آدمیوں کی جانیں زہریلی شراب میں جاتی ہیں۔

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ سنجیدگی کے ساتھ سیرت کا مطالعہ کریں اور ہمارے ہندوستان میں اردو کا جو لٹریچر تیار ہو گیا ہے اس کا بغور مطالعہ کریں اگر اس مجلس سے اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ تحریک پیدا ہو جاتی ہے تو یہ مجلس اور یہ اہتمام جو اس مبارک موقع کے لئے کیا گیا پورے طور پر وصول ہوا۔

وما التوفیق الا من عند اللہ

سب سے زیادہ پیارا لفظ

رحمۃ للعالمین

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

وما ارسلنک الا رحمة للعلمین (الانبیاء:۱۰۷)

اس آسمان کے شامیانے کے نیچے زمین کے فرش پر، آفتاب کو قندیل بنا کر، چاند کو شمع بنا کر ایک سوال کیا جائے کہ بتاؤ سب سے زیادہ پیارا لفظ کون سا ہے تو میں سمجھتا ہوں اور دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سب کی طرف سے جواب ہوگا کہ ''رحم''۔

ایک چیز جس کا دنیا میں کوئی شاکی نہیں کوئی اس کا فریادی نہیں، کوئی اس پر تنقید کرنے والا نہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کا مارا ہوا ہوں، کوئی نہیں، کہہ سکتا کہ میں اس کا زخمی ہوں۔

وہ ہے صرف رحم دل، وہ ہے صرف رحم

رحم کا ہر ایک محتاج ہے

کون ہے دنیا میں جو آج بتادے، مخالفوں میں بتادے، ہمنواؤں میں بتادے، فاتحوں اور مفتوحوں میں بتادے، جاہلوں اور عالموں میں بتادے، غنی اور ذہین انسانوں میں بتادے پسماندہ اور ترقی یافتہ قوموں میں بتادے؟ کہ اس کو رحم کی ضرورت نہیں اس کو رحم سے انکار ہے اس کو رحمت نہیں چاہئے؟ ایسا وقت آتا ہے کہ آدمی کو طاقت کی ضرورت نہیں ہوتی علم کی ضرورت نہیں رہتی لیکن کوئی ایسا وقت نہیں کہ جس میں آدمی کو رحم کی ضرورت نہ ہو رحمت کی ضرورت نہ ہو رحم کا ہر ایک محتاج ہر ایک قدردان۔

کس چیز کی کمی ہے مولی تیری گلی میں

اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں، کیا اللہ تعالیٰ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ''آپ کو ہم نے دنیا کا فاتح بنا کر بھیجا''۔ ایسا فاتح جس کے غلاموں نے دنیا کا سب سے بڑا امپائر قائم کیا، انہوں نے مشرق و مغرب، جنوب و شمال میں اپنی کامیابی کے پرچم لہرادیئے، ان کی

حکومت کا جھنڈا چاہے نہ لہراتا ہو، سکہ چاہے نہ چلتا ہو لیکن غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محبت کے قلمرو میں ساری دنیا شامل تھی۔ ''جو دلوں کو فتح کر لے، وہی فاتح زمانہ''

جو تہذیب انہوں نے پھیلائی، جو علوم انہوں نے پیدا کئے، علم کے جو دریا بہائے، محبت کے جو چشمے رواں کئے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کا سب سے بڑا فاتح، سب سے بڑا معلم اخلاق، سب سے بڑا معلم کہنا بالکل صحیح ہے، اگر خدا یہ کہتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو دنیا کا مصلح اور معلم بنا کر بھیجا تو دنیا کے گوشے سے یہ آواز نہیں اٹھتی کہ ''ہمیں اس میں شک ہے'' ساری دنیا کے علماء فضلاء، فلاسفہ، مفکرین، مورخین، ناقدین سر جھکا کر کہتے کہ **امنا و صدقنا**، بے شک آپ دنیا کے سب سے بڑے معلم اور سب سے بڑے مصلح ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرما سکتا تھا **وما ارسلناک الا معلما للعلمین** " ہم نے آپ کو سارے جہانوں کا معلم اور مصلح بنا کر بھیجا اس طریقہ سے اور بہت سی صفات ہو سکتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی صفات اور اس سے جو کام لینا ہے اس کی حقیقت جس لفظ میں سمیٹ کر آ سکتی ہے وہ استعمال فرماتا ہے۔ **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین**"

صفت رحمت اللہ تعالیٰ کی محبوب صفت ہے۔ سورہ فاتحہ کا آغاز بھی اس نے اسی صفت سے کیا ہے۔ بسم اللہ میں بھی یہی صفت غالب ہے۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم.**

قرآن مجید میں ہے "**رحمتی وسعت کل شیء**، (میری رحمت سب پر حاوی ہے) دنیا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے جو کچھ ملا، جو انعام ملا، جو تحفہ ملا، جو زندگی ملی، اس کے لئے اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہو سکتا تھا۔ **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین**".

سب سے اہم سب سے بنیادی سب سے عزیز سب سے محبوب سب سے زیادہ فراوانی کے ساتھ جو چیز ہر برادری ہر ملک ہر قوم کو پوری فیاضی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی وہ ہے "رحمت" آپ کے ذریعہ اللہ کی رحمت کے دروازے کھل گئے، ساری نسل انسانی ہری ہو گئی"۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

مردوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کیا۔ عورتوں پر آپ نے احسان کیا غلاموں

پر آپ نے احسان کیا۔ غریبوں پر آپ نے احسان کیا جانوروں تک پر آپ نے احسان کیا' اگر ان احسانات کا ذکر کروں تو پوری رات گزر جائے۔ قرآن مجید اور سیرت کی کتابوں کا آپ مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت واحسان سے ہر طبقہ زیر بار ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب

جس نے ظلم کرنے سے روکا' مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دینے کا حکم دیا' جس نے سچے تاجر کو پیغمبروں کے قرب کی شہادت دی جس نے یتیم کی پرورش کرنے والے کی فضیلت بیان کی جس نے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی ہدایت فرمائی۔ جس نے غلاموں کو آقا کا ہمسر بنایا۔ جس نے رنگ و نسل کے امتیاز کو ختم کیا۔ جس نے قیدیوں کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمایا' وہی ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا پرتو زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کو نظر آئے گا فوجیوں کو ہدایت کی کہ زخمیوں کا کام تمام نہ کرنا' عابدوں زاہدوں پر ہاتھ نہ اٹھانا' عورتوں اور بچوں کو ایذا نہ پہنچانا' پھلدار درختوں اور ہرے بھرے کھیتوں کو نہ اجاڑنا' کسی بھی قوم کی عبادت گاہ کو نقصان نہ پہنچانا۔

وہ تو سراپا رحمت ہے اس وقت کی دنیا اور موجودہ نسل انسانی آپ کو خدا کا پیغمبر مانے یا نہ مانے' لیکن سب کے سب آپ کے احسان کے سائے تلے ہیں' سب آپ کے احسانات کے مقروض ہیں' چھٹی صدی مسیحی میں پوری نسل انسانی اپنی افادیت کھو چکی تھی۔ انسانوں سے آباد ملک' جانوروں کے جنگل بن گئے تھے۔ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل رہی تھی طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا' عام انسان غلامی کے لئے اور شہنشاہ اور امراء عیش وعشرت کے لئے زندہ تھے۔ آپ ''تاریخ زوال روما'' پڑھئے' آپ ''تاریخ اخلاق یورپ'' پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ ظلم وسفا کی اور عیش وعشرت کے کیا نقشے تھے۔ امیروں کی دعوت میں رات کے وقت غریبوں کے جسموں سے چراغاں ہوتا تھا' انسانوں کے جسم کی مشعلیں جلتی تھیں چند امیر لذت کام ودہن میں مصروف رہتے تو چند غریب انسان جل جل کر تڑپ تڑپ کر وہیں دم توڑتے ہماری اس دنیا میں ظلم کی کیسی کیسی داستانیں کیسے کیسے واقعات ہوئے کوئی سکندر اور

سیزر بن کر دنیا کو تہہ تیغ کر رہا تھا کوئی نیرو کے روپ میں روم کو آگ لگا رہا تھا ہوس ملک گیری میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کبڈی کھیلی جا رہی تھی دنیا نے خدا کے دربار میں نالش کر دی تھی کہ ہمیں ختم کر دیا جائے وہ زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ ہماری اب ضرورت نہیں، ہم وحشی بن گئے ہیں۔ خدا کو سب بھلائے ہوئے تھے انسان انسان کا معبود بن گیا تھا ساری دنیا میں فساد عام تھا۔ بڑی بات یہ تھی کہ برائیوں کو ہنر سمجھا جا رہا تھا جیسا کہ ہمارے عزیز مولوی اسحاق جلیس صاحب نے کہا برائیاں تو ہر زمانے میں رہی ہیں لیکن یہ دور ایسا تھا کہ برائیوں سے لڑنے والا ان سے پنجہ آزمائی کرنے والا کوئی نہیں تھا بے شک شاعری تھی ذہانت تھی ایران میں بڑے بڑے پہلوان تھے لیکن برائی کی کلائی موڑنے والا کوئی نہیں تھا۔ ہر شخص پر مایوسی طاری تھی۔ یہ دنیا کسی کی بات ماننے والی نہیں تھی یہ آسانی سے برائی چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ بادشاہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے، فلسفی کسی کو وقعت نہ دیتے، شاعر کسی کا نام نہ لیتے، سب سہمے ہوئے تھے۔ ڈرے ہوئے تھے۔ ایسے ٹھٹھرے ہوئے تھے گویا برف اور سخت سردی پڑ رہی ہو کہ رحمت الٰہی کو جوش آیا۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا   دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحاؑ

وہ نبی رحمت تشریف لائے جن کو قرآن مجید نے کہا:

(وماآرسلنک الا رحمة للعلمین)

ومآ ارسلنک الا رحمة للعلمین

مگر نہ آیا کوئی رحمت عالم بن کر

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

میں نے آپ کے سامنے سورہ انبیاء کی ایک آیت پڑھی ہے' اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ”ہم نے آپ کو سارے جہاں اور سارے جہان والوں کے لئے محض رحمت بنا کر بھیجا ہے“ یہ خدا کی طرف سے ایک حیرت انگیز (اور اگر رحمت کی روح اور مفہوم کے منافی نہ ہوتا تو میں کہتا کہ) ایک تہلکہ خیز اعلان ہے' یہ اعلان اس صحیفہ میں کیا گیا ہے جس کے لئے تقدیر الٰہی کا فیصلہ تھا کہ وہ دنیا کے ہر حصہ میں (اور اپنے نزول کے بعد) تاریخ انسانی کے ہر دور میں پڑھا جائے گا' اس کے پڑھنے والے بھی لاکھوں کروڑوں انسان ہوں گے۔ اس پر غور کرنے والے اس کی تشریح کرنے والے اس کے اسرار اور رموز بیان کرنے والے اس کے ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف کی تحقیق کرنے والے اس کو تنقید اور شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھنے والے اور اس کو علم و تحقیق کی ترازو میں تولنے اور اس کو واقعات کی کسوٹی پر کسنے والے انسانوں کا سلسلہ بھی قیامت تک ختم نہیں ہوگا۔ ایک شخص ایک بیان جاری کرتا ہے کوئی مضمون نگار کسی اخبار یا رسالہ میں (جس کی زندگی عام طور پر مختصر اور پڑھنے والوں کا حلقہ اکثر محدود ہوتا ہے) کوئی مضمون لکھتا ہے' تو اس کو اس اندیشہ سے کئی کئی بار غور کرنا پڑتا ہے اور وہ ترازو میں تول تول کر کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ کوئی اس کی تردید نہ کر دے' اور اس کی صداقت کو چیلنج نہ کر دے کتابوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ ان کی عمریں عام طور پر اخبارات ورسائل سے زیادہ طویل ہوتی ہیں اور بعض اوقات سالہا سال تک وہ لوگوں کے مطالعہ میں رہتی ہیں اور کوئی کوئی کتاب صدیوں تک بھی زندہ رہتی ہے اس میں کسی بات کو درج یا کسی چیز کا دعویٰ کرتے ہوئے مصنف کو اپنی ذمہ داری کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔ وہ

لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو اس کو پہلے کسوٹی پر کستا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس دعویٰ یا اعلان کا پڑھنے اور سننے والوں پر کیا ردعمل ہوگا اس کے بعد غور کیجئے کہ خدائے عالم الغیوب ایک ایسی کتاب میں یہ اعلان کرتا ہے کہ جس کے متعلق وہ خود ہی کہتا ہے کہ:

لایأتیه الباطل من بین یدیه و لامن خلفه تنزیل من حکیم حمید (حم سجدہ:۴۲)

''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے خدا کی اتاری ہوئی ہے''۔

اور جس کے متعلق اس کا اعلان ہے کہ:

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون (الحجر:۹)

''بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی

اس اعلان کی وسعت اس کے زمانی و مکانی رقبہ کا طول و عرض دونوں ایسی غیر معمولی باتیں ہیں جن سے سرسری طور پر گزرا نہیں جاسکتا۔

زمانی رقبہ سے مراد یہ ہے کہ بعثت محمدی سے لے کر قیامت تک جتنی نسلیں دنیا میں آئیں گی اور تاریخ کے جتنے دور گزریں گے یہ اعلان ان سب پر حاوی ہے اور یہ آیت پوری زمانی رقبہ کو جو ہزاروں سال پر پھیلا ہوا ہے۔ گھیرتی (**COVER**) کرتی ہے۔

مکانی رقبہ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا' یہ نہیں کہا گیا کہ ہم نے آپ کو جزیرۃ العرب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یا مشرق کے لئے یا کسی براعظم مثلاً ایشیا کے لئے پیام رحمت بنایا ہے اس کے برخلاف یہ کہا گیا ہے کہ یہ رحمت ساری دنیا پر محیط ہے گویا اردو کے شاعر حالی کی زبان میں۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

واقعہ یہ ہے کہ اس اعلان کی وسعت' عمومیت' عظمت اور لامحدودیت کے سامنے دنیا کے سارے مورخین' فلاسفہ' مفکرین' مصنفین بلکہ پورے فکر انسانی کو انگشت بدنداں' حیرت زدہ اور ششدر ہو کر کھڑا ہو جانا چاہئے' اور ایک بار سب کام چھوڑ کر واقعہ کی تصدیق اور اس

اعلان کی صداقت کی تحقیق میں مصروف ہو جانا چاہئے مذاہب ہی کی تاریخ میں نہیں، تمدنوں اور فلسفوں ہی کی تاریخ میں نہیں اصلاحی اور انقلابی تحریکوں اور کوششوں ہی کی تاریخ میں نہیں بلکہ پوری تاریخ انسانی اور پورے انسانی لٹریچر میں ایسا پر ازاعتماد ایسا واضح اور بے لاگ ایسا عمومی و عالمگیر اعلان کسی شخصیت یا کسی مذہب و دعوت کے متعلق نہیں ملتا۔ مذاہب عالم کی تاریخیں انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں اور تعلیمات کا جو ریکارڈ دنیا میں محفوظ ہے وہ بھی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

”رحمت“ ہماری روزمرہ زندگی کا ایک کثیر الاستعمال لفظ ہے

کسی چیز کی اہمیت و عظمت اور قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لئے عام طور پر دو پیمانے ہوتے ہیں ایک اس کی تعداد اور مقدار جس کو ہم جدید علمی اصطلاح میں ”کمیت“ یا QUANTITY کے لفظ سے ادا کرتے ہیں اور ایک کسی شی کا جوہر یا صفت ہے جس کو اصطلاحا ”کیفیت“ (QUALITY) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ قرآنی اعلان جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا گیا ہے ان دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہے یعنی آپ کی بعثت و نبوت، آپ کے وجود گرامی، اور آپ کی تعلیمات سے انسانیت کو جو فیض پہنچا۔ اس کو حیات نو کا جو پیغام ملا اور اس کی بیماریوں کا جو مداوا، اس کے مصائب کا جو خاتمہ ہوا اس پر رحمتوں اور برکتوں کا جو دروازہ کھلا وہ اپنی وسعت و کثرت اپنی مقدار و کمیت (QUANTITIY) کے اعتبار سے بھی اور اپنی نوعیت و افادیت، اپنے جوہر و کیفیت (QUANTITIY) کے اعتبار سے بھی بے نظیر و بے مثال ہے۔ ”رحمت“ ہماری روزمرہ زندگی کا ایک کثیر الاستعمال لفظ ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس سے کسی انسان کو فائدہ یا راحت حاصل ہو۔ اس کے انواع و اقسام اور اس کے مراتب و درجات کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اگر کوئی کسی کو پانی پلا دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی ”رحمت“ ہے اگر کوئی کسی کو راستہ بتا دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی ”رحمت“ ہے اگر گرمی میں کوئی کسی کو پنکھا جھل دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی ”رحمت“ ہے۔ ماں اپنے بچہ کو پیار کرتی ہے باپ اپنے لڑکے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتا ہے اور اس کے لئے زندگی کا ضروی سامان مہیا کرتا

ہے وہ اس سے بھی بڑی ایک ’’رحمت‘‘ ہے استاذ طالب علم کو پڑھاتا ہے اس کو علم کی نعمت بخشتا ہے یہ بھی ایک بڑی قابل قدر ’’رحمت‘‘ ہے بھوکے کو کھانا کھلانا‘ ننگے کو کپڑا پہنانا سب ’’رحمت‘‘ کے مظاہر ہیں اور سب کا اعتراف ضروری اور شکریہ واجب ہے۔

رحمت کا مظہر

لیکن ’’رحمت‘‘ کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ کسی جاں بلب مریض کی جان بچالی جائے۔ ایک بچہ دم توڑ رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب آخری ہچکی لے گا ماں رو رہی ہے کہ میرا لال دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اس سے کچھ نہیں ہو سکتا باپ مارا مارا پھر رہا ہے اور سر پھوڑ رہا ہے سب بے بس معلوم ہوتے ہیں کہ اچانک ایک طبیب حاذق فرشتہ رحمت بن کر پہنچتا ہے اور کہتا ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں! وہ دوا کا ایک قطرہ بچہ کے حلق میں ٹپکاتا ہے وہ آنکھیں کھول دیتا ہے سب اس کو خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ کہیں گے اور وہ ساری رحمتیں جن کا میں نے نام لیا۔ اس ’’رحمت‘‘ کے سامنے مات ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ یہ اس مریض ہی پر نہیں بلکہ اس کے چھوٹے سے کنبہ اور اس سے محبت کرنے والوں پر بھی احسان عظیم ہے کہ اس کی جان بچائی گئی۔ کوئی نابینا چلا آ رہا ہے راستہ میں کوئی خندق یا کوئی کنواں پڑ گیا قریب ہے کہ اس کا اگلا قدم اسی خندق یا کنویں میں ہو اللہ کا ایک بندہ عین وقت پر پہنچتا ہے اور وہ اس کی کمر پکڑ لیتا ہے اور اس کو اس خندق میں گرنے سے بچالیتا ہے تو وہ اس کے حق میں فرشتہ کہلائے گا ایک نوجوان جو اپنے باپ کی آنکھ کا تارا اور اپنے کنبہ کا سہارا ہے دریا میں ڈوبنے لگا وہ غوطے کھا رہا ہے کوئی گھڑی ہے کہ وہ تہ نشین ہو جائے ایسے میں کوئی اللہ کا بندہ اپنی جان پر کھیل کر کود پڑتا ہے اور اس کی جان بچالیتا ہے اس کے ماں باپ اور بھائی فرط مسرت اور احسان مندی کے جذبہ سے اس سے لپٹ جاتے ہیں اور ساری عمر اس کا احسان نہیں بھولتے۔

لیکن ’’رحمت‘‘ کا آخری مظہر یہ ہے کہ پوری انسانیت کو ہلاکت سے بچایا جائے‘ پھر ہلاکت ہلاکت اور خطرہ خطرہ میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک عارضی ہلاکت اور تھوڑی دیر کا خطرہ ہے۔ ایک ابدی ہلاکت اور دائمی خطرہ ہے خدا کے پیغمبر انسانوں کے ساتھ ’’رحمت‘‘ کا جو معاملہ کرتے ہیں وہ ان رحمتوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ زندگی کا موج

سمندر، یہ زندگی کا طوفانی دریا، جو انسانوں اور افراد ہی کو نہیں قوموں اور ملکوں کو غرق کر چکا ہے تہذیبوں اور تمدنوں کو لقمہ اجل بنا چکا ہے جس کی موجیں نہنگوں کی طرح منہ پھیلا کر بڑھتی اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح انسانوں پر حملہ کرتی ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس بے رحم دریا سے کس طرح پار اترا جائے اور انسانی قافلہ کو ساحل مراد بلکہ ساحل نجات پر پہنچایا جائے نوع انسانی کا سب سے بڑا محسن اور اس کا نجات دہندہ وہ قرار پائے گا جو انسانی کشتی کو جو ڈانواں ڈول ہو رہی ہے جس کے سوار موجود ہیں لیکن ملاح مفقود، ساحل تک پہنچا دے نوع انسانی ان کی بھی شکر گزار ہے جو اس کو علم و فن کا تحفہ دیتے ہیں وہ ان کی بھی شکر گزار ہے جو اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں وہ ان کی بھی شکر گزار ہے جنہوں نے اس کی زندگی کو پر راحت بنایا اور اس کی زندگی کی مشکلات کو ختم یا کم کیا۔ وہ کسی کے احسان کی ناقدری نہیں کرتی لیکن اس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس کو دشمنوں سے بچایا جائے جو اس کی جان کے دشمن ہیں اور اس کی کشتی پار لگائی جائے۔

پس جاہلیت کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ پوری زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی بلکہ ٹوٹ گئی تھی۔ انسان نہیں رہا تھا، انسانیت کا مقدمہ اپنے آخری مرحلہ میں خدا کی عدالت میں پیش تھا انسان اپنے خلاف گواہی دے چکا تھا اس حالت میں خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ارشاد ہوا:۔

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین (سورۃ انبیاء:)

"اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو تمام جہاں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا۔"

آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر
مگر نہ آیا کوئی رحمت عالم بن کر

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی
مخلوق کے ساتھ غیر معمولی شفقت

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

لقدجآء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم فان تولوا فقل حسبی اللہ لآ اله الا ھو علیه توکلت وھو رب العرش العظیم (التوبہ:۱۲۸تا۱۲۹)

”اے لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں۔ (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔“

رحمت بھی عربی کا لفظ ہے۔ اور رحم بھی عربی کا لفظ ہے لیکن اردو میں رحم کا لفظ زیادہ استعمال ہوتا ہے، رحمت اور رحم کے معنی ہیں ترس کھانا، دوسرے کی مدد کرنا اور دوسرے کی تکلیف کو محسوس کرنا، اس کی تکلیف سے انسان کو تکلیف ہونا اور اس کی تکلیف کو دور کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا۔ یہ معنی ہیں رحم اور رحمت کے۔ یہ اچھے انسان کی فطرت ہے۔ اگرچہ یہ اللہ کی صفت ہے، وہ ارحم الراحمین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ صفت درجہ بدرجہ انسانوں کو عطا فرمائی ہے اس کا سب سے بڑا حصہ اس نے اپنے پیغمبر رسول پاک رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم

"اے ایمان والو! تمہارے پاس ایک ایسا پیغمبر آیا ہے، جس بات سے تم کو تکلیف ہو اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے، تمہاری اس کو بڑی فکر ہے۔ ایمان والوں کے ساتھ بہت ہی مہربان، بہت ہی شفقت والے۔"

اگر تمہارے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ جس سے تم مشکل میں پڑو دشواری میں پڑو وہ اس کو شاق ہے وہ اسکو پسند نہیں **حریصٌ علیکم** تمہاری اس کو بڑی فکر ہے، اس کو تمہارا بڑا دھیان۔ ایمان والوں کے ساتھ بہت ہی مہربان، بہت ہی شفقت والے۔

ہم کو اور آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں ماں باپ سے بڑھ کر کسی اور کی شفقت نہیں، ماں کی مامتا دنیا میں ضرب المثل ہے، اگر کوئی عورت، اگر کوئی انسانی ہستی اگر دنیا کی کوئی بھی مخلوق ماں کی محبت سے بڑھ کر دعویٰ کرے تو سب اس کو جھوٹا کہتے ہیں، جھوٹا سمجھتے ہیں اور اس پر اعتماد نہیں کرتے، اور اس کو بناوٹ، نفاق اور جھوٹا دعویٰ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بچے کی محبت ماں کے دل میں ڈال دی ہے۔ جب سے یہ نظام عالم قائم ہے، یہ محبت رہی ہے۔ اس نظام عالم میں جسمانی پرورش کا نظام ایک خاص اسٹیج پر چل رہا ہے۔ جس طریقے سے ہمارا یہ جسمانی نظام چل رہا ہے اسی طرح سے روحانی اخلاقی تربیت کا نظام پیغمبروں سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی محبت اور شفقت عطا فرمائی ہے کہ اس محبت اور شفقت کے سامنے ماں باپ کی محبت سچ پوچھئے تو گرد ہے، ماند ہے، ہم اندازہ نہیں کرسکتے کہ پیغمبروں کے دل میں اپنی امت کی کس درجہ محبت اور شفقت ہوتی ہے۔ وہ کسی طرح سے ان کے دل کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ ان کے پاؤں میں، ان کے تلوے میں کانٹا چبھتا ہے، انگلی میں ان کے جسم کے کسی حصہ میں پھانس لگتی ہے تو اس کی خلش وہ سارے جسم میں محسوس کرتے ہیں۔ اپنے امتی کے ساتھ ان کا کیسا تعلق ہوتا ہے، اس کا اندازہ کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میں نے جو آپ کے سامنے آیت پڑھی آپ کو مسلمانوں کی حیثیت سے اور اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو علم دیا ہے سیرت کا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے ہم کو تھوڑی واقفیت ہے تو ہم اس کی لفظ بہ لفظ نہیں، حرف بہ حرف نہیں بلکہ نقطہ بہ نقطہ تصدیق کریں گے۔

لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص

علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الہ الاھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم.

(ایسا پیغمبر آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے اور اگر وہ ہم میں سے نہیں ہوتا تو اس کو ہمارے درد دکھ کا احساس نہ ہوتا، ہماری مشکلات کو وہ نہ جانتا، اسے جانتا بھی تو اس مشکل میں شریک نہ ہوتا۔ انسان کا درد انسان محسوس کرتا ہے، بھائی کی تکلیف بھائی محسوس کرتا ہے۔ ایک گاؤں کے رہنے والے، ایک دوسرے کے دکھ درد کو جانتے ہیں، ایک گاؤں کے لوگ بعض اوقات ایک دوسرے کی مشکلات کو نہیں سمجھتے، ریاست، صوبہ، ملک تو بڑی چیز ہیں اور دنیا تو بعد میں بنتی ہے ایک چھوٹے سے گاؤں کے لوگ بھی بسا اوقات ایک دوسرے کی مشکلات کو نہیں سمجھتے، تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا ہے جو تم میں سے ہے، تمہاری جنس میں سے ہے۔ یعنی جس چیز سے تم کو ذرا بھی تکلیف ہو وہ اس کو شاق گزرتی ہے وہ اس کو برداشت نہیں ہوتی۔ وہ اس کو کھل جاتی ہے۔ اس کی جان پر بن جاتی ہے۔ **عزیز علیہ ماعنتم**، جس سے تم کو ذرا بھی تکلیف ہو، تمہاری شفقت، تمہارے درد سے، تمہاری بے چینی سے وہ بے چین ہوتا ہے۔ **حریص علیکم** اس کو تمہاری بڑی فکر ہے، تمہاری دھن اس کو لگی ہوئی ہے کہ تم اللہ کے مقبول بندے بن جاؤ۔ اللہ کی رحمت تم پر رہے، مغفرت رہے، اس کی تھوڑی سی غفلت سے تمہارا دامن کہیں خالی نہ ہو جائے۔ کفر کا کلمہ تمہارے حلق سے اترنے نہ پائے۔ انسان جہنم کے حلقے میں شامل نہ ہونے پائے۔ شیطان کے حلقے میں جانے نہ پائے اور خدا کے دین کی خدمت چھوٹنے نہ پائے بس جو بھی انسان ہے وہ انہیں میں آ جائے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جھولی میں آ جائے۔

ایمان والوں کے ساتھ نہایت شفقت کرنے والا اور بہت مہربان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے ساتھ جو تعلق تھا، فکر تھی جو درد تھا اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ وہ کس درجے کی تھی، بس یوں سمجھئے کہ جیسے ایک ماں کی ایک اولاد ہو، ماں کا ایک چھوٹا بچہ ہو، اکلوتا اور ساری زندگی کا سہارا اور سارے گھر کا چراغ، اس ماں کو جیسے اپنے بچے کی فکر ہوتی ہے اس کی ترقی سے خوشی ہوتی ہے، اس کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے تو سمجھئے ایسا ہی تعلق ایک

پیغمبر کو اپنی امت کے ساتھ ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کا تعلق تھا، یہاں تک وہ لوگ جو مکہ کے رہنے والے تھے ان میں سے بعض آپ کے عزیز تھے اور بعض ان میں سے اہل شہر تھے، مگر بدر میں قیدیوں کی حیثیت سے جب وہ پیش ہوئے تو نماز میں بھی آپ بے چین رہے۔ نماز سے آپ کو جو عشق تھا نماز میں جو مزہ ملتا تھا اور جو طمانیت ہوتی تھی خدا کی طرف توجہ ہوتی تھی اس کا اندازہ ہم آپ کر ہی نہیں سکتے۔

آپ فرماتے ہیں **قرة عيني في الصلوة** میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

آپ بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ اے بلال رضی اللہ عنہ!

بلال رضی اللہ عنہ آپ کے مؤذن تھے، دنیا کی باتیں ہو رہی تھیں، وہاں کیسی باتیں ہوں گی، اچھی باتوں کے سوا وہاں اور کیا ہو سکتا، اسلام کی تبلیغ کی باتیں، اسلام کو پھیلانے کی تدبیریں، کوششیں اور علم قرآن و حدیث، لیکن آپ کے نزدیک نماز کا جو مقام تھا، نماز سے جو تعلق تھا، آپ نماز کے لئے بے چین ہو کر بلال سے کہتے۔ اے بلال! اذان کہہ کر ہم کو آرام دو، بہت انتظار کیا، اب انتظار نہیں ہوتا، بلال رضی اللہ عنہ خدا کے لئے اذان دو تا کہ ہم کو سکون حاصل ہو، تا کہ ہم کو آرام ملے، بس نماز سے آپ کا یہ تعلق تھا اور اُمت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تعلق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ میں کبھی کبھی نماز میں ہوتا اور پیچھے سے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی، دل تو چاہتا کہ نماز لمبی کروں، دل کھول کر قرآن شریف پڑھوں، اپنے خدا کے سامنے خشوع و خضوع کے ساتھ لمبے لمبے سجدے کروں۔ خوب اس سے باتیں کروں، خوب اس سے دعائیں کروں، اسکا نام لوں، اچھی طرح سے اس کو پکاروں، راضی کروں اور مناؤں، لیکن اس بچے کی آواز کان میں آتی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اس کی ماں بھی نماز میں ہوگی۔ اس زمانے میں مسلمان عورتیں بھی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتی تھیں، اور وہ زمانہ فتنہ و فساد کا زمانہ نہیں تھا۔ خیر القرون کا زمانہ تھا، اس لئے عورتوں کو اجازت تھی کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ، اپنے باپ کے ساتھ، اپنی اولاد کے ساتھ وہ بھی اللہ کے گھر آئیں اور نماز پڑھیں، آپ فرماتے ہیں کہ نماز میں ہوتا ہوں اور میرا اس وقت ارادہ ہوتا ہے کہ اپنے خدا سے دل کھول کر مانگوں گا، دل کھول کر دعائیں مانگوں گا، دل کھول کر قرآن شریف پڑھوں گا، اتنے میں کان میں ایک بچے کی آواز آتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ شاید اس کی ماں نماز میں ہو اور اس کا دل بے چین

رہے گا، اس کا دل نماز میں نہ لگے گا، وہ اپنے بچے کو جلد لینا چاہے گی، اس وقت میں نماز مختصر کر دیتا ہوں، بھائیو! اس سے بڑھ کر کیا تعلق ہو سکتا ہے کہ یہ کتنی بڑی قربانی ہے۔ یہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی بڑی قربانی تھی، وہ نماز میں دنیا و آخرت سے بے خبر ہو جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بالکل یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس وقت دنیا میں کیا ہو رہا ہے، آپ اپنے خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر رونے، مانگنے اور گڑگڑانے میں مصروف رہتے، اس میں آپ ایک بچے کی آواز سے نماز کو مختصر کر دیتے تھے کیوں؟ اس لئے کہ اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو، آپ کا امت کے ساتھ یہ حال تھا، آپ نے فرمایا: اے مسلمانوں، میری مثال اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے الاؤ روشن کیا، بہت ہی تیز آگ جلائی، جیسے کہ جنگلوں میں آگ ہوتی ہے، لوگ اس کے چاروں طرف بیٹھ کر تاپتے ہیں، برسات کی راتوں میں آپ نے دیکھا ہوگا آگ کے پاس کیا ہوتا ہے، پروانے آ کر گرتے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں آ کر جمع ہو جاتے ہیں ایک بتی روشن کر دیجئے بس کافی ہے، روشنی پھیلتے ہی خدا جانے کون ان کو خبر کر دیتا ہے، وہ آتے ہیں امنڈ آتے ہیں، بادلوں کی طرح امنڈ آتے ہیں وہ سب کے سب آگ میں آ کر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی نے الاؤ روشن کیا اور پتنگے آ کر اس پر گرنے لگے اسی طرح سے تم جہنم کی آگ میں گرنا چاہتے ہو، اے انسانو! تم جہنم کی آگ میں، دوزخ میں گرنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو آگ سے ہٹاتا ہوں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے ساتھ تعلق کا معاملہ ہے، امت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الفت تھی، ایسی الفت کہ اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید میں کہنا پڑا۔ سورۂ کہف میں آیا ہے:

فلعلک باخع نفسک علی آثارھم، ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفًا

”کیا تم جان دے دو گے ان انسانوں کے پیچھے، کیا تم اپنا گلا گھونٹ لو گے ان کے اسلام نہ لانے پر، ایمان نہ لانے پر؟“۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے کوئی بھی جہنم میں نہ جانے پائے، سب جنت کے مستحق ہو جائیں۔“

اتباع سنت ہی دین ہے

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ

نعت عظمیٰ

عمر کے ساتھ ساتھ کچھ بیماری نے بھی مجھ کو پست ہمت کر دیا ہے اب زیادہ کام کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ جو لمحات زندگی کسی کار خیر میں صرف ہو جائیں وہی سرمایہ آخرت ہیں اگر ایک دل کو بھی اللہ پاک ہدایت عطا فرما دیں تو بس بہت ہے۔ دین بڑی نعمت ہے اللہ پاک کی ہماری لئے، ہم اس کی قدر نہیں کرتے۔ آج جس صورت میں بھی دین ہمارے پاس آیا ہے بڑا احسان ہے اللہ تعالیٰ کا۔ اس کی ناقدری نہ کیجئے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا جس امتی کے دل میں دین کی تھوڑی سی بھی عظمت و محبت ہے، انشاء اللہ نجات ہو جائے گی خواہ اعمال میں کوتاہی کیوں نہ ہو اور صحیح معنوں میں امتی تو وہی ہے جس کے دل میں اتباع سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت ہے۔

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں گے حوض کوثر پر اس وقت ایک گروہ آ کر کہے گا کہ ہم بھی آپ کے امتی ہیں۔ لیکن فرشتے کہیں گے کہ نہیں انہوں نے سینکڑوں فتنے پیدا کر دیئے تھے بعد میں آپ کے دین میں نئی باتیں شامل کر دی تھیں۔ آپ فرمائیں گے دور رہو، دور رہو۔

حقیقت دین

دیکھنا تو یہ چاہیے کہ دین بھی ہمارے پاس پورا ہے یا نہیں کمزور ہے یا قوی ہے لیکن یہ بعد میں دیکھا جائے گا اس وقت تو اس کی فکر کرنا ہے کہ...... روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ ہی صرف

دین نہیں ہے دین کے پانچوں عنوان پر عمل تم پر فرض ہے۔ جہاں جہاں صورت دین تو نظر آتی ہے مگر حقیقت دین مفقود ہوتی چلی جا رہی ہے ہمارے دلوں میں دین کی عظمت و محبت نہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم کو دین کا صحیح علم ہی نہیں ہے جس کی وجہ سے تاویلیں اور مصلحت اندیشی سے کام لینا شروع کر دیا ہے آپ نے اپنے منشاء کے مطابق دین کے ہر معاملہ میں تاویلیں کر لیں، پھر وہ اصل دین کہاں رہا۔ لا الہ الا اللہ اب آپ کہیں گے۔ پھر وہی بات دہراتا ہوں کیا کروں آج کل کا خطرناک ماحول ہر وقت پیش نظر ہے۔ پھر تکرار کرنا ہی پڑتا ہے۔ دین کی عظمت کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام امور زندگی میں احکام الٰہی کے آگے بے چون و چرا سر جھکا دیا جائے لیکن عظمت پیدا ہوتی ہے اللہ کے احکام کا علم ہونے پر جب احکامات شرعیہ پر عمل کیا جاتا ہے تو اس پر وعدہ ہے حیات طیبہ اور نجات اخروی کا اور یہ اعلان بھی ہے کہ اگر ان احکام کی خلاف ورزی کی تو ابدالاباد تک جہنم کی آگ اور عذاب والی زندگی ہے...... الامان الحذر:

ایمان کا حق واجب

عظمت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے دین کا علم نہ ہونا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دین حاصل کرنے کے ذرائع بہت کم ہیں۔ دین کی عظمت پیدا ہوتی ہے اس پر غور کرنے سے کہ کتنے انعامات الٰہیہ ہر لحہ ہم پر ہوتے رہتے ہیں اور کتنے جہنمی اعمال سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو بچا رکھا ہے۔ علم حاصل ہوتا ہے اہل علم کی صحبت سے اور اہل علم کی کتابوں سے ان سے ضرورت کے مطابق دین کے مسائل معلوم ہو جاتے ہیں عورتوں کیلئے بھی اور مردوں کیلئے بہشتی زیور بہت جامع کتاب ہے اس سے بہتر دینی معلومات کی کوئی کتاب آسان اور مکمل اس جیسی دوسری نہیں ہے۔ ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے کہ علم دین والے علمائے دین کہلاتے اور محبت پیدا کرنے والے صوفیاء اولیاء کرام دونوں سے تعلیم و تربیت کے بعد دین کی عظمت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور محبت بھی اور اسی تعلیم و تربیت سے ہمارا ایمان و اسلام مکمل ہوتا ہے۔ اللہ سے محبت کرنے کے انداز بھی سیکھنے کے قابل ہیں۔ اب اس زمانے میں اس طرح دین حاصل کرنے کا کہیں

موقع ہی نہیں ملتا اور نئی نسلیں تو ان سب باتوں سے بیگانہ ہوئی چلی جاتی ہیں کیونکہ اس طرح کی تعلیم و تربیت کے مواقع ہی نصیب نہیں ہیں اب جو کچھ بھی وضع داری، رواداری پہلے لوگوں کی رہ گئی ہے یہ بھی اللہ کی نعمتیں ہیں اور اب یہ بھی سلب ہوتی جا رہی ہیں...... اس سے آج کل تو ہمارا یہ حال ہے کہ اللہ کے انعامات کا استحضار ہی نہیں ہے اور اسی وجہ سے شکر کی توفیق نہیں ہے۔ اب ہم کو کرنا چاہیے کہ اللہ کے دین کی عظمت و محبت پیدا ہو جائے تاکہ ہماری نجات ہو سکے اس کیلئے تھوڑا اہتمام کرنا ضروری ہے اس کیلئے اپنا جائزہ لیجئے آپ کتنے دین دار ہیں۔ میں اپنی اور آپ کی خیر اندیشی کیلئے یہ مختصر بات عرض کر رہا ہوں۔ نماز کی پابندی کے ساتھ فرائض و واجبات حقوق کا علم کیا کیا ادا کر رہے ہیں کیا صرف یہ کہ اس نے اطاعت کی میری تو اللہ پاک اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ بتا رہے ہیں تاکہ آپ کی عظمت و محبت ہمارے دل میں اتر جائے۔ اور ہم ان کی اتباع کر کے اپنے ایمان و اسلام کا حق واجب عملاً ادا کریں۔

اسلامی زندگی

اگر ہم چاہتے ہیں کہ محبت و عظمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدا ہو اس کے لئے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضروری ہے اور جب اللہ کے پیارے سے محبت کرو گے تو اللہ کی نظر میں تمہاری کیا حیثیت ہو جائے گی۔ ہمارے آپ کے سارے دن کی زندگی کے اعمال اتباع شریعت کے تحت ہو جائیں گے۔ ہماری آپ کی معرفت یہی ہے کہ صبح سے شام تک کی زندگی کو دیکھ لیں حقوق اللہ، حقوق العباد، حقوق نفس یہ کس طرح ادا ہوتے ہیں یہ جو کچھ بھی سنت کے مطابق ہوگا وہی ہمارا عمل مقبول ہوگا۔ پھر وہی بات ہے یہ انداز زندگی کس طرح حاصل ہو۔ برخلاف اس کے آج کل کے معاشرے میں ہمارا ایمان خطرہ میں ہے۔ گھر گھر یہ ٹیلی ویژن تصاویر گانے بجانے، میز کرسی پر کھانا، محرم نامحرم کا اختلاط غیر مذہبی تعلیم و تمدن لڑکے لڑکیوں کے بے پردہ لباس کھلا ہوا بدن اس میں کون سی ادا اسلامی زندگی کی ہے۔ تم جب پانچ سات افراد پر اسلامی حکومت قائم نہیں کر سکتے اور بلند و بانگ دعوے پر جوش نعرے لگا کر سارے ملک میں اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے کہاں جا رہے ہو۔ پہلے اپنی زندگی کو تو اسلامی بنا لو۔

اسلامی لباس

اللہ پاک نے تو انسان کو بہترین خلعت عطا فرمائی اور انسان اسفل السافلین میں چلا جا رہا ہے۔ تم نے تو نصرانیوں کی وضع کے کپڑے پہن لئے اور دربارِ الٰہی میں انداز رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے نماز کیلئے کھڑے ہو گئے اب یہ تو اللہ کی مرضی ہے قبول کرے یا نہ کرے مگر یہ وضع نماز کے وقار کے خلاف ہے۔ یہ بے ادبی تم کس تاویل سے جائز کر لیتے ہو جو قطعی ناجائز ہے اگر تمہاری عورتوں کے سر ڈھکے ہوں جسم ننگا نہ رہے تو کون تمہاری گردن دبائے گا۔ ہاں ابلیس زدہ ذہنیت والے لوگ ضرور فیشن کے خلاف کہیں گے مگر خدا اور رسولؐ کے نزدیک تو شریفوں کا لباس اسلامی ہے تم کو کوئی سونے کے زیور کے دام لے کر پیتل کا زیور دے دے تو تم کیا سوچو گے' کیا کہو گے' تم خود یہ دھوکہ والی بات کرتے ہو کہ نماز پڑھتے ہو اور لباس ہے فرنگیوں کا۔ پہلے زمانہ کے لوگ اس لباس کو رزیلوں، کمینوں اور ننگوں کا لباس کہتے تھے جس کو تم نے آج شریفوں کے لباس کا نام دے رکھا ہے۔

نصرت خداوندی

ہاں مجرم ہو کر ان بے حیائیوں کا اعتراف کر لو اور ان کو چھوڑنے کا ارادہ بھی ہو تو پھر خدا تمہارے لئے اپنی آخرت کا سامان بھی ایسا ہی پیدا کر دے گا۔ تم کو مدد ملے گی ان کو چھوڑنے میں۔ ایک صاحب لاہور سے آئے کہنے لگے ہم تو بڑی عیش و عشرت کے سامان میں رہتے ہیں۔ اپنے ایک عزیز کے ہاں مہمان ہیں اور بڑے عیش و آرام کے سامان مہیا ہیں۔ ریڈیو' ٹیلی ویژن تصاویر صوفے ہمارا گھر تو جنت کدہ بنا ہوا ہے اور آپ کی مجلس میں بیٹھ کر یہ معلوم ہوا کہ یہ تو سارے سامان عیش خلاف شروع ہیں اور دوزخ کی طرف لے جانے والے ہیں۔ جب ہم گھر لوٹ کر گئے تو وہ جنت کدہ ہم کو جہنم کدہ معلوم ہوا کہ ہم نے اپنے میزبان سے کہا یا تو ان جہنم کی چیزوں کو نکالو اپنے گھر سے یا پھر اس گھر میں قیام نہ کریں گے خدا حافظ!

سبحان اللہ! ذرا سی دیر میں ایک شخص نے کیا اثر لیا ہم آپ عرصے سے یہ باتیں سن رہے ہیں کاش ہماری زندگی بھی اس فسق و فجور والی چیزوں سے بچ جائے اور اسلامی معاشرہ کی راحت و عیش نصیب فرمائے۔

قرب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت

ہم اپنے معاشرے میں ان گندگیوں کے ساتھ ساتھ درود شریف بھی پڑھا کرتے ہیں لیکن اس کی اہمیت سے بالکل بے خبر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا قرب میری جالی کے پاس آنے میں نہیں ہے بلکہ اتباع میں ہے۔ ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ کسی کو ساری عمر روزانہ خواب میں زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور اتباع شریعت نہ ہو تو وہ زیارت اس کے کسی کام نہ آئے گی۔ سنت کے مطابق اعمال ضروری ہیں۔ جن پر مدار ہے ہمارے ایمان و اسلام کا۔

میں یہ باتیں بار بار اسی لئے دہراتا ہوں کہ آج فیصلہ کرلیں کہ ہم کو جنت کے اعمال کرنا ہیں یا جہنم کے اعمال کو جائز سمجھتے ہو تو آخرت کے دردناک عذابوں کیلئے تیار ہو جاؤ جب تمہاری لذتیں وابستہ ہیں ان بے حیائی و ناپاکی کے کاموں سے توبہ نہ کرو گے تو یاد رکھو دنیا میں بھی عذاب ہوگا قبر میں بھی برزخ میں بھی قیامت میں بھی بداعمالیاں کرے گا وہ عذاب آخرت سے بچ نہیں سکتا اور جس نے اچھے اعمال کئے عورت ہو یا مرد ہو اور ایمان شرط ہے اس کو یہاں بھی حیوۃ طیبہ ملے گی اور قبر میں بھی برزخ اور حشر میں بھی عیش و کامیابی ہے۔

توفیق ندامت

خدا کیلئے پہلے اخباروں اور فوٹو والی کتابوں کو گھر سے نکال دو اور اس خوف سے نکالو کہ ان کی موجودگی میں جنت کے اعمال کی توفیق نہ ہوگی۔ آج وہ بھی ایک مسلمان ہے جو سود و شراب، رشوت میں ملوث ہے اور جس نے تصاویر، گانے، بے پردگی کے سامان کو حلال اور جائز سمجھ رکھا ہے۔ بس سن لیا کہ مسلمان کو نماز پڑھنا اور قرآن پڑھنا فرض ہے۔ ارے بغیر عظمت اور محبت الٰہی و اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دین کے سارے اجزاء نہیں مل سکیں گے۔ اب غور سے سنو کہ تم کو کیا کرنا ہے۔ دو رکعت نماز خشوع خضوع سے ادا کرو پھر اپنے دل کو متوجہ کرو اور گڑگڑا کر اپنے مولا سے کہو: **ایاک نعبد و ایاک نستعین** اور کہو یا اللہ میں عاجز ہوں میں مغلوب ہوگیا ہوں میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں آپ توبہ قبول کرنے والے ہیں۔

یا اللہ یا رحمن یا رحیم یا حیی یا قیوم برحمتک استغیث

یہ اسم اعظم ہے اس کو خوب پڑھو اور کہو یا اللہ جو کچھ میرے اوپر ہے میری شامت اعمال ہے۔ یا اللہ اتنا بوجھ مجھ پر نہ ڈالئے کہ اٹھائے نہ اٹھ سکے اور یا اللہ یہ مناجات آپ ہی نے عطاء فرمائی ہیں اپنے بندوں کو ہلاکت سے بچانے کیلئے۔ یا اللہ آج دنیا جہنم کدہ بنی ہوئی ہے تمام تر نفسانی وشیطانی اعمال سے اور مجھ میں اتنی طاقت ایمانی نہیں کہ ان کا مقابلہ کر سکوں یا اللہ مجھے تو دعا کرنا بھی نہیں آتی یہ آپ ہی سکھا رہے ہیں یا اللہ مجھے توبہ کرنا بھی نہیں آتی یا اللہ میں دل سے بھی نہیں کہہ رہا ہوں صرف زبان سے کہہ رہا ہوں یا اللہ یہ گناہ بھی مجھ سے نہ چھوٹیں گے۔ کچھ تو میں چھوڑ دوں گا اور بعض جو مجھ سے پھر بھی نہیں چھوٹیں گے مگر میں ڈرتا ہوں ان کے عذاب سے اور گناہ پھر گناہ ہی ہیں میں تو قدرت نہیں رکھتا ان کو چھوڑنے کی یا اللہ آپ خود ہی چھڑا لیجئے اپنی رحمت سے اپنے فضل وکرم سے آپ بچا لیجئے اور مجھے اپنی مغفرت ورحمت سے محروم نہ فرمایئے۔ آپ ہی ندامت کی توفیق دیجئے آپ ہی ندامت قبول فرما لیجئے اور ان گناہوں سے میرے دل میں نفرت بٹھا دیجئے۔ اور موخذہ نہ فرمایئے اور عذاب سے بچا لیجئے۔ (ربنا وقنا عذاب النار)

یا اللہ ہماری حالت بڑی خراب ہے ہم آپ کی رحمتوں سے محروم ہو گئے ہیں شیطان ابلیس نے ہمارے نفس پر قبضہ کر رکھا ہے ہم ذلیل وخوار ہو گئے ہیں ہماری تمام بداعمالیاں معاف فرما دیجئے ہم پر اپنا فضل فرمایئے۔ ہم کو ہمارے اہل وعیال کو سارے عالم کے مسلمانوں کو ہدایت فرمایئے اور معاف فرما دیجئے اور شامت اعمال سے نجات فرما دیجئے ہم کو دنیا اور آخرت میں حیوۃ طیبہ نصیب فرمایئے۔ ہماری عاقبت بخیر فرمایئے...... (آمین بحق رحمت للعالمین)

اتباع سنت کا صحیح طریق کار

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمد لله و کفٰی و سلام علی عباده الذین اصطفی!

سیرت طیبہ کیلئے منعقد ہونے والی اس عالمی محفل کیلئے قرآن کریم کا سب سے واضح اور جامع ہدایت نامہ یہ ہے۔ **لقد کان لکم فی رسول الله اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا الله والیوم الآخر وذکر الله کثیراً**

”بلاشبہ تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات طیبہ میں بہترین نمونہ ہے ان لوگوں کیلئے جو اللہ (کی رحمت) اور یوم آخرت سے امید رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔“

اس آیت نے ہمارے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و مقالات پڑھنے اور سننے کے مقصد کو واضح کیا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپؐ کے حالات و مقالات کو عام دنیا کے بادشاہوں، فلسفیوں، دانش وروں اور لیڈروں کی طرح محض ایک تاریخ اور سوانح نہ سمجھا جائے بلکہ درحقیقت سیرت طیبہ ایک عملی قرآن کا نام ہے جس میں تمام اسلامی تعلیمات اور ان پر عمل کرنے کے طریقے سموئے ہوئے ہیں۔ وہ ایک صبغۃ اللہ“ (خدائی رنگ) ہے جس میں پوری دنیا کو رنگنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ یہ وہی ”صبغۃ اللہ“ ہے جس کی معجزانہ تاثیر نے بڑی بڑی طاقتوں کے مقابلے اور ہزار ہا مخالفتوں کے نرغے میں رہتے ہوئے صرف تیئس سال کی مختصر مدت میں پورے جزیرہ عرب کو مسخر کر لیا اور خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد انسان جن میں مرد عورت اور چھوٹے بڑے سب شامل ہیں، اس رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ ان کے دیکھنے والوں پر بھی پہلی نظر

ہی میں یہ رنگ چڑھنے لگتا تھا۔ ان کی شان یہ تھی کہ الذین اذا را وا ذکر اللہ یعنی جب ان پر نظر پڑتی ہے تو خدا یاد آتا ہے۔ چنانچہ اسلام کی تاریخ میں ایسے واقعات بے شمار ہیں کہ دنیا کے اطراف میں جب اس نرالے رنگ کے مسلمان تجارت اور کاروبار کیلئے بھی کہیں پہنچ گئے تو وہاں کے لوگ ان کے حالات و معاملات کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ مثلاً مالا بار کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ نہ وہاں کوئی تبلیغی مشن گیا نہ کوئی تبلیغی کانفرنس منعقد ہوئی اور نہ دعوت و تبلیغ کے معروف اور رسمی طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا گیا' بلکہ وہاں صرف چند مسلمان تاجر اور مزدور پہنچ گئے تھے اور معاملات میں ان کی صفائی سچائی اور عصمت وعفت کے حیرت انگیز واقعات دیکھ کر وہاں کے لوگوں میں ان کے دین کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا جذبہ پیدا کیا جو بالآخر انہیں کشاں کشاں اسلام کی طرف لے گیا۔

جس چیز نے انسانوں کے افکار و اعمال میں یہ حیرت انگیز انقلاب برپا کیا وہ درحقیقت عبادت و طاعت، حسن معاملہ، حسن اخلاق، حسن صورت، حسن سیرت، حسن معاشرت، عدل و انصاف، رحم و کرم، عفت و عصمت اور امانت و دیانت کا وہ دلآویز رنگ تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار و گفتار' نشست و برخاست اور آپ کی ہر ہر حرکت و سکون سے مترشح تھا' اور صحابہ کرامؓ نے اس رنگ کو سمجھنے اور اپنانے کیلئے اپنی عمریں وقف کی ہوئی تھیں۔ چنانچہ ان کی زندگیاں سیرت رسولؐ کے رنگ کا نمونہ تھیں۔ ان کی بیشتر مجلسیں اور باہمی ملاقات و گفتگو اسی رنگ کو تازہ اور گہرا کرنے کیلئے ہوتی تھیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرات صحابہ کرامؓ میں حکیم الامت کا لقب رکھتے تھے ان سے دوسرے صحابہؓ یہ کہا کرتے تھے:

اجلس بنا نو من ساعۃً " کچھ دیر کیلئے ہمارے ساتھ بیٹھ جایئے تاکہ ہم ایمان تازہ کرلیں"

حضرات صحابہؓ کے ایک ایک فرد کا حال یہ تھا کہ اپنے رہن سہن، نشست و برخاست، سونے جاگنے اور کھانے پینے کے تمام احوال میں ان کو کوئی ایسی چیز برداشت نہیں تھی جو سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو۔ ان حضرات کا حال یہ تھا کہ انہوں نے خواہ کسی کام کا کتنا پختہ عزم کر رکھا ہو' کسی مقصد کیلئے خواہ کتنا مستحکم منصوبہ بنا رکھا ہو، اگر ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ عمل سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے تو اس پورے منصوبہ کو چھوڑ

دینے میں انہیں مطلق تامل نہیں ہوتا تھا اور اس کیلئے انہیں بڑی سے بڑی قربانی بھی گوارا تھی۔

حضرت معاویہؓ کا یہ واقعہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ اور سلطنت روم کے درمیان جنگ بندی کا ایک معاہدہ ہوا۔ حضرت معاویہؓ نے صلح کی مدت کے دوران ہی فوجوں کو سرحد کی طرف روانہ کرنا شروع کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ جونہی صلح کی مدت ختم ہوگی فوراً حملہ کر دیا جائے گا رومی حکام اس خیال میں ہوں گے کہ ابھی تو مدت ختم ہوئی ہے' اتنی جلدی مسلمانوں کا ہم تک پہنچنا ممکن نہیں، اس لئے وہ حملہ کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں گے اور اس طرح فتح آسان ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جیسے ہی مدت پوری ہوئی آپ نے فوراً پوری قوت سے رومیوں پر یلغار کر دی۔ ظاہر ہے کہ رومی اس ناگہانی حملے کی تاب نہ لا سکے اور پسپا ہونے لگے۔ عین اسی حالت میں جبکہ حضرت معاویہؓ کا لشکر فتح کی امنگیں دل میں لئے آگے بڑھ رہا تھا' پیچھے سے ایک شہسوار آتا دکھائی دیا جو پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ ''اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لا غدر '' (اللہ اکبر اللہ اکبر مومن کا شیوہ وفا ہے غدر وخیانت نہیں) یہ شہسوار قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمرو بن عبسہ صحابی ہیں۔ حضرت معاویہؓ کی ذاتی رائے میں یہ چیز غدر وخیانت نہیں تھی۔ کیونکہ حملہ جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کے بعد ہو رہا تھا۔ لیکن حضرت عمرو بن عبسہؓ نے فرمایا۔ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو وہ اس عہد کو نہ کھولے نہ باندھے (یعنی اس کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے) تاوقتیکہ یا اس معاہدے کی مدت گزر جائے یا کھلم کھلا معاہدے کے اختتام کا اعلان کر دیا جائے۔''

حضرت عمرو بن عبسہؓ کا مقصد یہ تھا کہ اس حدیث کی رو سے جنگ بندی کے دوران جس طرح حملہ کرنا ناجائز ہے اسی طرح دشمن کے خلاف فوجیں لے کر روانہ ہونا بھی جائز نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے وہ مرحلہ کس قدر نازک تھا اس کا اندازہ بھی شاید ہم آپ اس وقت نہ کر سکیں۔ حضرت عمرو بن عبسہؓ کی نصیحت اور مطالبہ پر عمل کرنے سے بظاہر ان کی ساری اسکیم فیل ہو رہی تھی ان کا وہ منصوبہ پیوند زمین ہو رہا تھا جو انہوں نے نہ جانے کب سے سوچ رکھا ہوگا۔ ساری فوج کے مشقت آمیز سفر کی محنت اکارت جا رہی تھی اور

سب سے بڑھ کر یہ کہ لشکر کی فتح کی امنگیں مجروح ہو رہی تھیں۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کا یہ ارشاد سننے کے بعد ان تمام مصلحتوں کو قربان کر کے لشکر کو فوراً واپسی کا حکم دے دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الایمان)

اس وقت نہ کوئی حکمت و مصلحت آڑے آئی۔ نہ ارشاد نبویؐ میں کسی تاویل کا کوئی خیال آیا، بلکہ انہوں نے اپنے اس عظیم اقدام کو فوراً واپس لے لیا اور مفتوحہ علاقہ تک دشمن کے حوالے کر دیا۔

حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ مہاجرین صحابہؓ میں سے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں اسلام سے پہلے عناق نامی ایک عورت سے ان کے تعلقات تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کسی کام سے مکہ مکرمہ بھیجا وہاں عناق ان سے ملی اور حسب سابق اپنے تعلقات جتائے لیکن حضرت مرثدؓ نے جواب میں فرمایا کہ: ''اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکا ہے''۔ اس پر عناق نے ان سے نکاح کی درخواست کی لیکن حضرت مرثدؓ نے فرمایا کہ ''میں نکاح پر راضی ہوں لیکن جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ نہ کر لوں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

چنانچہ مدینہ منورہ پہنچ کر انہوں نے آپؐ سے مشورہ کیا اس پر یہ آیت قرآنی نازل ہوئی کہ:

ولا تنکحوا المشرکت حتیٰ یؤمن یعنی مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں) چنانچہ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے اس امر الٰہی کے سامنے سر جھکا کر نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔ (تفسیر مظہری ۲۵۵ جلد ۱)

غرض صحابہ کرامؓ کا حال یہ تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیلئے اپنی جان و مال اور جذبات و خواہشات کو ہر آن قربان کرنے کیلئے تیار رہتے تھے اپنی ہر ہر نشست و برخاست کو آپ کے اسوہ حسنہ کے مطابق ڈھالنے کی فکر میں رہتے تھے اور اس معاملہ میں ان کے جذبہ اطاعت کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دینے کیلئے تشریف لائے اور جب منبر پر بیٹھ گئے تو کھڑے ہوئے لوگوں سے فرمایا۔ ''بیٹھ جاؤ'' اتفاق سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی طرف تشریف لا رہے تھے اور ابھی دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ آپ کی یہ آواز کانوں میں پڑی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

نے یہ حکم سن کر ایک قدم آگے بڑھانا گوارا نہ کیا اور وہیں دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ آپؐ نے ان کا یہ جانثارانہ جذبہ اطاعت دیکھا تو اس کی تعریف فرمائی اور پھر اندر بلا لیا۔ (کنز العمال)

صحابہ کرامؓ کو سیرت طیبہ کی اتباع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کی نقل اتارنے کا اس قدر شوق اور اتباع سنت کا اس قدر اہتمام تھا کہ وہ اس معاملہ میں غیروں کے استہزاء سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے بلکہ مخالف سے مخالف ماحول میں اپنی وضع اور اپنے طرز زندگی پر ثابت قدم رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت جثامہ بن مساحق رضی اللہ عنہ کو ہرقل بادشاہ روم کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا۔ وہ ہرقل کے دربار میں پہنچے تو ان کے اکرام کیلئے ہرقل نے انہیں سونے کی ایک کرسی پر بٹھایا۔ حضرت جثامہؓ فرماتے ہیں کہ میں شروع میں بے خیالی کے عالم میں اس کرسی پر بیٹھ گیا۔ لیکن جب احساس ہوا کہ یہ سونے کی کرسی ہے تو اس سے فوراً اتر کر کھڑا ہو گیا۔ ہرقل نے میرے اس عمل پر ہنس کر پوچھا کہ ہم نے تو اس کرسی کے ذریعہ تمہارا اکرام کیا تھا، تم اتر کیوں گئے؟ میں نے جواب میں کہا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپؐ نے اس جیسی (سونے کی چیز) پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔" (کنز العمال)

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایلچی کی حیثیت میں مکہ مکرمہ پہنچے اور مکہ مکرمہ کے سرداروں سے ملنے کیلئے جانے لگے تو ان کا ازار طریق سنت کے مطابق ٹخنوں سے اوپر تھا مکہ مکرمہ کے سرداروں کے عام رواج کے مطابق یہ طریقہ کسی سردار کے شایان شان نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے چچا زاد بھائی نے ٹوکا کہ آپ مکہ کے سرداروں کے پاس جا رہے ہیں وہ آپ کی اس وضع کو نہ جانے کیا سمجھیں؟ اس لئے اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے کر لیجیے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے پاس ایک ہی ٹکسالی جواب تھا:

هكذا اذرة صاحبنا

"ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار اسی طرح ہوتا ہے"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اس طرح کے واقعات سے بلاشبہ ایک ضخیم کتاب

تیار ہوسکتی ہے اہل علم کے مجمع میں اس قسم کے واقعات زیادہ سنانے کی ضرورت نہیں لیکن توجہ دراصل اس طرف دلانی ہے کہ اسلام نے دنیا کی تاریخ میں خوشگوار اور حسین انقلاب برپا کیا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں نے آپ کی سیرت طیبہ کے ایک ایک جزو کی پوری پوری نقل اتارنے کی کوشش کی اور اس معاملے میں نہ کسی قسم کی ذہنی مرعوبیت اور کسی قسم کی تاویل وتحریف کو آڑے آنے دیا اور نہ اس راہ میں دوسروں کے طعن وتشنیع اور تمسخر واستہزاء کی کوئی پرواہ کی۔ اگر وہ حضرات آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ اصحابہ وسلم کی سیرت طیبہ کے صرف زبانی تذکرے پر اکتفا کرتے تو دنیا کو اسلام کی حکمرانی کی برکات نصیب نہیں ہوسکتی تھیں۔ لہٰذا میری گزارش کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور حالات ومقالات کا سننا سنانا ہر حال میں نور ہی نور اور نفع ہی نفع ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے جتنے بھی اجتماعات منعقد ہوں وہ ناکافی ہیں۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ہم سیرت طیبہ کو ہر تعلیمی ادارے اور ہر مسلمان گھر تک پہنچانے کی فکر کریں لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ حقیقت ہر آن پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ہم دنیا کے دوسرے لیڈروں کی طرح محض کسی شخص کی تاریخی سوانح نہیں پڑھ رہے، بلکہ دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح کا ایک نسخہ اکسیر لے اور دے رہے ہیں جس کا صرف پڑھ لینا اور سمجھ لینا کافی نہیں بلکہ اپنے جسم اور روح پر اس کا استعمال ضروری ہے۔ لہٰذا سیرت طیبہ کے لئے منعقد ہونے والی ہر محفل کا ہم سے ایک تقاضا ہے اور وہ تقاضا یہ ہے کہ اس محفل کے دوران ہم بار بار اپنے آپ سے یہ محاسبہ کریں کہ ہم نے کس کی حیات طیبہ کو اپنا موضوع بنایا ہے اور خود ہماری زندگی کو اس سے کیا نسبت ہے؟ یہ فریضہ یوں تو ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہے لیکن ہم لوگ چونکہ عام مسلمانوں تک سیرت طیبہ پہنچانے کا ذریعہ ہیں اس لئے ہم پر اس فریضے کی اہمیت کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ سیرت طیبہ کے بارے میں ہماری ہر تقریر اور ہر مقالہ ہم سے یہ سوچنے کا مطالبہ کرتا ہے کہ ہم اپنی عملی زندگی میں کس مقام پر کھڑے ہیں؟ ہم نے دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح کے اس نسخہ اکسیر سے عملاً کتنا فائدہ اٹھایا ہے، جسے قرآن کریم ہمارے لئے بہترین نمونہ قرار دیتا ہے اور جس کے فضائل ومناقب میں ہم خود رطب اللسان ہیں۔ سیرت طیبہ کیلئے اجتماعات بہت ہوتے

رہے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک ہوتے رہیں گے لیکن درحقیقت صرف وہ اجتماع ہماری انفرادی اور اجتماعی سعادت کی صبح صادق ثابت ہوگا جو ہمارے دلوں میں ان سوالات کا کھرا کھرا جواب تلاش کرنے کے بے تابانہ لگن پیدا کر سکے۔

جو ہمارے فکر و عمل سے منطقی تاویلات کی غلیظ تہیں اتار کر ہمیں سیرت طیبہ کے آئینہ میں اپنی صحیح صورت دکھا سکے اور جس کے بعد ہم سیرت طیبہ کی صرف نظری اور فلسفیانہ تعریفیں کرنے کے بجائے اتباع سنت کی اس راہ پر گامزن ہو سکیں جس پر ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ اور دوسرے تمام صحابہؓ کے نقوش قدم ثبت ہیں۔

لہٰذا ہم میں سے ہر شخص پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس مبارک اجتماع کو صرف حاضرین کی کثرت و قلت اور مقالات کے حسن و قبح کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس عملی معیار پر کامیاب بنانے کی کوشش کریں اور جب ہم اس اجتماع سے لوٹیں تو سیرت طیبہ کا صحیح اتباع کرنے اور کرانے کا جذبہ ہمارے دلوں میں پہلے سے زیادہ بیدار ہو اور ہم سیرت طیبہ کا محض نظری فلسفہ نہیں بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی دنیا کے سامنے رکھ سکیں۔

آخر میں میری گزارش یہ ہے کہ سیرت کانگریس کے اس آخری اجلاس میں ہم اپنے آپ سے یہ پوچھیں کہ کیا ہم ایک ہفتے کی بحث کے بعد کسی عملی اقدام تک پہنچے ہیں یا نہیں؟ اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ سوال صرف میرے دل میں پیدا نہیں ہوا بلکہ اکثر مندوبین کے دل میں پیدا ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس سوال کا جواب دینے کیلئے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کانفرنس کے اختتام تک پہنچنے سے پہلے ہم کم از کم کچھ عملی تجاویز مرتب کر لیں۔ ان میں سے بعض تجاویز عام مسلمانوں کیلئے ہوں بعض اہل علم و فکر کیلئے اور بعض مسلمان حکومتوں کیلئے۔ میرے ذہن میں تین تجاویز ہیں اگر ان کو اس کانفرنس کی طرف سے منظور کر کے شائع کر دیا جائے تو امید ہے کہ یہ اجتماع جس پر مسلمانوں کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں، انشاء اللہ دینی فائدے سے خالی نہیں ہوگا وہ تجاویز یہ ہیں:۔

1۔ یہ کانفرنس ہر دور اور ہر جگہ کے مسلمانوں سے یہ اپیل کرے کہ ان میں سے ہر ایک روزانہ تھوڑا سا وقت سیرت طیبہ کے مطالعہ کیلئے نکالے، خواہ یہ وقت آدھا گھنٹہ یا اس

سے بھی کم ہی کیوں نہ ہو۔ سیرت کے واقعات اپنے اہل خانہ کی موجودگی میں پڑھے جائیں اور اپنے نفس کا محاسبہ کیا جائے کہ وہ ان پر کس حد تک عمل پیرا ہیں۔

2۔ یہ کانفرنس تمام مسلمان حکومتوں سے مطالبہ کرے کہ وہ (الف) سیرت نبویہ کو ہر قسم کی تعلیم کے ہر مرحلے اور تمام کالجوں اور سکولوں میں لازمی مضمون قرار دے۔ (ب) نشر و اشاعت کے تمام اداروں میں سیرت پر مشتمل ایک پروگرام روزانہ پابندی سے نشر کیا جائے۔

3۔ یہ کانفرنس تمام اہل علم و فکر سے مطالبہ کرے کہ وہ (الف) عام مسلمانوں میں سیرت طیبہ کو عام فہم طریقے سے پھیلانے کیلئے کوشش کریں۔ (ب) قرآن و سنت کو نئے نظریات کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے ہر ایسے اقدام سے احتراز کریں جو تحریف کی حد تک پہنچتا ہو۔ اس کی بجائے سیرت طیبہ کو اپنی صحیح اور اصلی صورت میں مسلمانوں کے تمام مسائل کے حل کیلئے زندگی کے ہر شعبہ میں نمونہ بنائیں۔

دعا فرمایئے کہ اللہ تعالی مجھے اور تمام مسلمانوں کو سنت نبویؐ پر عمل پیرا
ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین

وأخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

اتباعِ مجتبیٰ ہی ہے رضائے مصطفیٰ ﷺ

پروفیسر سید عشرت حسین جاوید

اسلام کے فروغ میں سب سے زیادہ اہمیت جس چیز کو حاصل ہے وہ عشق رسولؐ ہی ہے۔ یہ عشاقِ رسول ہی تھے جو اسلام کے پیغام کو لے کر کوہ و دشت میں سرگرداں پھرتے تھے۔ اس عشق کا ہی کرشمہ تھا جس نے ان لوگوں کو سیلاب باطل کے مقابلے میں دیوارِ حق بنا دیا تھا۔ اس عشق کا جادو ہی تھا جو قیصر و کسریٰ جیسی عظیم طاقتوں کے سر چڑھ کر بولا۔ یہ حب مصطفیٰ اور عشق مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھا جس نے میدانِ وفا میں حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو صبر، زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ کو استقلال، بلال رضی اللہ عنہ و صہیب رضی اللہ عنہ کو ثابت قدمی، خالد بن ولید کو شجاعت اور طارقؒ بن زیاد کو اولوالعزمی عطا کی تھی۔ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سوز و تپش نے ہی تو عرب کے صحرا نشینوں کو تاجِ ایران اور تختِ روم کا مالک بنایا تھا۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے انہیں زندگی کے ہر میدان میں کامیابی عطا کی تھی۔

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نور حیات عشق سے نارِ حیات
(اقبال)

لیکن یہ جوشِ محبت اور ذوقِ عشق ہم لوگوں کی طرح محض زبانی دعویٰ نہیں تھا۔ آج ہم لوگ ہیں جو صرف زبان سے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس دعویٰ کے صلہ میں اپنی مغفرت کو یقینی خیال کرتے ہیں۔ گویا اس نام نہاد دعویٰ سے اللہ تعالیٰ پر (نعوذ باللہ) ہماری مغفرت لازم ہو گئی کیا یہی حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ہم نہ تو احکامِ الٰہی کی پابندی کریں اور نہ اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس؟ کیا یہی عشقِ نبی ہے کہ ہم پوری زندگی کو لہو و لعب میں گزار دیں اور دین کا خیال تک نہ آئے اور

اپنے اس خالصتاً زبانی دعوے پر خود کو جنت کا حقدار تصور کرنے لگیں۔

محض زبان سے محبت کا دعویٰ محبت کی دلیل نہیں بن سکتا ہے۔ کوئی شاگرد اگر زبان سے یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنے استاد کا فرمانبردار ہے اس کی بہت عزت کرتا ہے، اس سے بے پناہ محبت اور عقیدت ہے، اس کے حکم کو جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ لیکن دوسری طرف وہ نہ اس کے دیئے ہوئے سبق کو یاد کرتا ہے نہ کلاس میں پابندی سے حاضر رہتا ہے۔ سکول کے اوقات میں کھیل تماشوں میں گھومتا پھرتا ہے۔ کتاب پڑھتا ہے نہ فیس دیتا ہے۔ تو پھر اس کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ ہے فریب ہے۔ ایسا طالب علم اپنے امتحان میں شرطیہ ناکام ہوگا۔

دراصل یہ محض ایک ایسا تصور ہے جو ایمان کی کمزوری کے سبب پیدا ہوتا ہے جس طرح عیسائیت میں یہ تصور پیدا ہوگیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی امت کی خاطر اپنا خون بہادیا اور اب مغفرت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس امت میں شامل ہو جائیں۔ بھیڑوں کے اس گلہ میں شامل ہوجائیں جس کی گلہ بانی حضرت عیسیٰؑ کررہے ہیں۔ ان کے خون کے بدلے میں، ہم سب کی مغفرت قبول اور گناہ معاف ہوگئے۔ اب ہمارے اعمال وافعال کی پرسش ہمارے نجات دہندہ (Sarrour) کی قربانی کی وجہ سے نہیں ہوگی۔ اس تصور نے عیسائیوں پر یہ اثرات مرتب کئے کہ وہ برے سے برے افعال اور گندے سے گندے اعمال میں ملوث ہوتے چلے گئے۔

ٹھیک اسی طرح یہ تصور ہمارے ذہن وفکر میں بھی گھر کر چکا ہے۔ ہمارے کچھ خودغرض، نام نہاد رہبر اس تصور کو تقویت دے رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین سے محبت کا یہ نام نہاد دعویٰ ہی ہماری مغفرت کا ضامن ہے۔ چونکہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی ہیں اور وہ ”رحمتِ عالم“ ہیں اس لئے وہ ہماری شفاعت فرمائیں گے اور ہماری مغفرت ہوجائے گی۔

احکامِ الٰہی کی پابندی اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے پر اگر ہم غور کریں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ رسول کریم کو وصال کے وقت جب مرض کی شدت سے افاقہ ہوتا ہے اور نقاہت کم ہوتی ہے تو پہلے نماز ہی کا خیال آتا ہے۔ اسی حالت میں اٹھتے ہیں اور مسجد نبوی میں جاکر نماز میں شریک ہوجاتے ہیں۔ صحابہٴ کرامؓ ہیں کہ ان کے محبوب رسول صلی

اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ کر جانے والے ہیں۔ وہ حالات کی اس نزاکت کو محسوس کر رہے ہیں کہ رنج والم کا کوہِ گراں ان پر ٹوٹنے والا ہے مگر وہ اپنے محبوبؐ کے بتائے ہوئے راستہ سے ایک لمحہ کے لئے غافل نہیں ہوتے۔

بزرگان دین اور اولیائے کرام کا بھی یہی اسوہ رہا ہے۔ حضرت معین الدین چشتیؒ مرض الموت کی شدت سے بے ہوش ہیں کبھی کبھی ہوش آجاتا ہے۔ مگر جب ہوش آتا ہے تو صرف دو سوال کرتے ہیں۔ کون سی نماز کا وقت ہے؟ کیا میں نے یہ نماز ادا کرلی ہے؟ اگر ایسے بلند پایہ بزرگوں کے لئے احکامِ شرعیہ سے رخصت نہیں تو پھر ہم عام لوگوں کے لئے کیسے ممکن ہے؟

داعی اسلامؐ نے جب پیغامِ حق دیا تو ان کی آواز پر لبیک کہنے والے چند غلام، کچھ نو عمر لڑکے، کچھ عورتیں اور کچھ بوڑھے تھے۔ ایک یتیم اور بے سہارا شخص مادی اعتبار سے دیکھا جائے تو نہ کوئی طاقت وحکومت، نہ مال و دولت، نہ رؤساؤ امراء کی امداد۔ تیرہ سال کی مسلسل کوشش و جستجو کے بعد ایک مختصر سی جماعت تیار ہوئی وہ بھی مادی طور پر اتنی کمزور کہ مکہ کے شب و روز اس پر تنگ تھے مگر اصل چیز یہ تھی کہ ان کے عشق کی بلندیاں آسمان کو چھونے والی تھیں۔ ان پر اذیتوں کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں مگر سچے عشاق کی زبانوں سے اُف تک نہیں نکلتی۔ کبھی جلتی ریت پر گھسیٹے جاتے ہیں تو کبھی لوہے کی زرہیں پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑے کر دیئے جاتے ہیں، کبھی چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دی جاتی ہے تو کبھی انگاروں پر لٹایا جاتا ہے۔ ان کے محبوبؐ کا بھی یہ حال ہے کہ کبھی ان کو قریش کے سردار زخمی کر دیتے ہیں تو کبھی ان کی گردن میں چادر ڈال کر امیٹھتے ہیں اور کبھی سجدہ کی حالت میں ان کی پشت پر غلاظت رکھ دیتے ہیں۔ جو ان کی حمایت کا دم بھرتا ہے اس کا مقاطعہ **(Social Boycott)** کر دیا جاتا ہے۔

پھر ایک وقت ایسا آپہنچتا ہے کہ اس داعی حق کو رات کی تاریکی میں دشمن سے چھپ کر اپنے وطن عزیز کو خیر آباد کہنا پڑتا ہے۔ وطن سے سینکڑوں میل دور پہنچ جانے پر بھی دشمن اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور اللہ کی اس جماعت کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

لیکن انہیں نہیں معلوم کہ عشق رسولؐ کی جو چنگاری ان کے سینوں میں پوشیدہ تھی وہ

اب شعلہ بن چکی ہے، بغض وعناد کے یہ تندو تیز جھونکے اب اس شعلہ کو خاموش کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور یہ دشمن اپنی ہر ممکن کوشش کے باوجود اس جماعت کو نہ مٹا سکے۔ اس کا پیغام سورج کی روشنی کی طرح اس عالم کو منور کرتا چلا گیا۔

عالمِ آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ　　ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
(اقبال)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ظاہری طور پر اتنی کمزور جماعت جس کے پاس کسی بھی طرح کے مادی وسائل نہیں تھے۔ اپنے اتنے طاقتور دشمن پر کس طرح حاوی آ گئی؟ چند غلاموں، بوڑھوں اور لڑکوں نے اول عرب کے نامور سرداروں کو خاک میں ملا دیا۔ پھر عرب کے صحرا سے نکل کر ایران وروم کی حکومتوں کو تہہ وبالا کر ڈالا۔ ایسی حکومتوں کو جن کا ثانی دنیا میں نہیں تھا۔

اس کے بہت سے جواب مل سکتے ہیں جیسے:

اسلام دین فطرت ہے اس لئے جلد ہی لوگوں کی طبیعت کو [illegible] رلیا! یہ دین حق ہے اس لئے اللہ نے اپنے بندوں کی غیبی مدد فرمائی! جاہلی دور کے لوگوں کے اخلاق اور کردار نہایت پست تھے اس لئے بلند کردار مسلمانوں کے مقابلے پر نہ ٹک سکے! دشمن اسلام بے دین اور بے عمل تھے اس لئے وہ اسلام کی ضرب کو برداشت نہ کر سکے! یا اسی طرح کے اور بہت سے جوابات مل سکتے ہیں۔ یہ سب باتیں درست، لیکن ان سب باتوں سے بلند کوئی اور ہی چیز ہے جس نے اسلام کو مشرق بعید میں انڈونیشیا اور فلپائن تک اور مغرب میں امریکہ تک پہنچا دیا۔ اور وہ چیز ''عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے سوا کچھ اور نہیں ہے اور اس عشق کی بدولت ہی پوری دنیا ان کے قدموں میں تھی۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی　　کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی
(اقبال)

دراصل اس عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی جماعت تشکیل دی تھی جن کی زندگی کا حاصل محمد! محمدؐ!!...... محمدؐ!!! صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ ایک ایسا گروہ تھا جو فنافی الرسول تھا۔ ان کا کردار اُسوۂ رسولؐ کے سانچہ میں پوری طرح ڈھل گیا تھا۔ انہوں نے

اپنی زندگیوں کا شعار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو بنالیا تھا۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہ وولدہ والناس اجمعین.

''جب تک تم اپنے باپ، اپنے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرنے لگو، تب تک تم مومن نہیں ہو سکتے۔''

شوق اگر ترا نہ ہو میری نماز کا امام　　　میرا قیام بھی حجاب! میرا سجود بھی حجاب!

(اقبال)

اور وہ لوگ واقعی ایمان کے اس درجہ کو پہنچ چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حقیقی بیٹا عبدالرحمٰن بن ابی بکر کفار کے ساتھ بدر کے میدان میں موجود تھا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر پڑی تو تلوار لے کر اس کے قتل کو لپکے اور پکارا کہ ''اے اللہ کے دشمن سن!'' مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے پر آپ اس کے قتل سے باز رہے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو قتل کر ڈالا۔ اسی میدان میں حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ کو مقابلے کے لئے طلب کیا مگر وہ سامنے نہ آیا۔ عاص بن ہشام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حقیقی ماموں تھا جب وہ ان کی زد میں آیا تو پکارا ''انت یا ابن اُختی!'' (میرے بھانجے کیا تو مجھے قتل کرے گا؟) تو حضرت عمر نے کہا: ''نعم یا عدو اللہ'' (ہاں اے اللہ کے دشمن) اور اس کا کام تمام کر ڈالا۔ حضرت عمیر بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بہن ان کے سمجھانے پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے سے باز نہ آئی تو انہوں نے اس کافرہ کو قتل کر ڈالا۔ ان کے خون کی محبت عشق رسول کے مقابلے میں کہاں ٹکنے والی تھی۔

یہ عشق ان کے رگ و پے میں سما چکا تھا۔ قولِ رسول کا اتنا پاس تھا کہ جو لفظ زبان مبارک سے نکلتا اس کا پورا کرنا ان کا ایمان بن چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ان کا نصب العین تھا۔ آپ کی دلجوئی ان کی زندگیوں کا مقصد تھا۔ رسول کا دشمن ان کا دشمن تھا اور رسول کا دوست ان کا دوست تھا۔ جس چیز سے رسول اللہ محبت کرتے تھے اس سے یہ بھی محبت کرتے تھے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفرت کرتے تھے اس سے یہ بھی نفرت

کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی ان کے لئے آبِ حیات تھا اور آپ کا لعاب دہن انہیں شفا بخشتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جاتے تو عورتیں آپ کی سلامتی کی دعائیں مانگتیں اور بخیریت لوٹنے کے لئے منتیں اور نذریں مانتی تھیں۔ ان کی زندگی کی کل کائنات بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر　　وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ
(اقبال)

آپ کی تکلیفوں کا خیال کر کے ہی یہ لوگ رو دیتے تھے۔ دنیا کی دولت اور عیش و تنعم جب ان کی زندگیوں میں عام ہوئے تو وہ صرف اسی خیال سے روتے تھے کہ یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میسر نہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھا سکے تو پھر ہم یہ عمدہ غذائیں کیوں کھائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی پر لیٹ کر زندگی بسر کی تو ہم آرام دہ بستر کیوں استعمال کریں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کھانے پر بلایا۔ آپ نے جب دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے لگتے دیکھے تو فوراً کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صاع فی ہفتہ کھانے والا یہ عمدہ غذا کھا کر اپنے اس خلیل کو کیا منہ دکھائے گا۔

اُسوۂ رسول کی پابندی کا خیال یہ زندگی کے ہر میدان میں رکھتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حسنہ ان کی زندگی میں پوری طرح اُتر چکے تھے امانت و دیانت، عدل وانصاف، ایثار و قربانی، حق گوئی و بیباکی، عفو و درگزر، عفت و پاکبازی، شرم وحیا، عدل وانصاف ان کی زندگی میں رچ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تین سو تیرہ افراد کی بے سروسامان ایک مختصر جماعت، جس میں بوڑھوں بچوں اور غلاموں کی کثرت تھی، بدر کے میدان میں ایک ہزار جنگجو لوگوں پر، جو ہر طرح کے سامانِ حرب سے لیس تھے، بھاری ثابت ہوئی۔

یہ عشق رسولؐ ہی کا پیدا کیا ہوا جوش تھا کہ جب آپؐ بدر میں لشکر کو ترتیب دیتے ہیں تو بچے اپنا لمبا قد ظاہر کرنے کے لئے ایڑیاں اٹھا لیتے ہیں اور بوڑھے اپنا سینہ پھلا کر آکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ کہیں ان کی کمزوری کی بنا پر انہیں جنگ کی شرکت

سے روک نہ دیا جائے اور وہ اپنے محبوب کی حفاظت میں جان دینے سے محروم نہ رہ جائیں۔ اُحد کے میدان میں وقتی طور پر کفار غالب آ جاتے ہیں۔ ان کی بھرپور کوشش ہے کہ شمع نبوت کی اس لَو کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیں۔ مگر پروانے اس شمع کے گرد جمع ہیں عشق کی آگ میں خود کو خاکستر کیے ڈالتے ہیں۔ حضرت ابودُجانہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں کہ دشمن کے تیروں کی طرف اپنی پشت کر کے اس طرح کھڑے ہو جاتے ہیں کہ کوئی تیر رسول اللہ کو نقصان نہ پہنچا دے یہاں تک کہ ان کی کمر چھلنی ہو جاتی ہے۔ اور گر پڑتے ہیں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نشانِ رسول کو بلند کیے ہوئے ہیں۔ دشمن کے وار سے ہاتھ کٹ جاتا ہے تو دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں۔ جب وہ ہاتھ بھی کٹ جاتا ہے تو دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے نشان کو سینے سے لگا کر تھام لیتے ہیں اور جب تک دشمن ان کو شہید نہیں کر دیتا تب تک علمِ رسول کو بلند ہی رکھتے ہیں۔ حضرت طلحہؓ کی ڈھال ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے تو اس خوف سے ڈھال اٹھانے کے لئے نہیں جھکتے کہ کہیں وہ جھکیں اور کوئی وار ان کے محبوبؑ پر ہو جائے۔ ہر وار کو اپنے ہاتھ پر ہی روکتے ہیں یہاں تک کہ اس عاشق صادق کا ہاتھ زخموں سے شل ہو جاتا ہے۔

جن شیدائیوں نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر اس طرح نثار کرنے کا فیصلہ کیا ان کے مقدر پر رشک کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد نے ان الفاظ میں ان کو دادِ تحسین دی ہے۔

”پس کیا مبارک ہیں وہ دل، جنہوں نے اپنے عشق اور شیفتگی کے لئے رب السموت والارض کے محبوب کو چنا اور کیا پاک و مطہر ہیں وہ زبانیں جو سید المرسلین و رحمتہ للعالمین کی مدح و ثنا میں زمزمہ سنج ہوئیں۔

انہوں نے اپنے عشق و شیفتگی کے لئے اس کی محبوبیت کو دیکھا جسے خود خدا نے اپنی چاہتوں اور محبتوں سے ممتاز کیا اور ان کی زبانوں نے اس کی مدح و ثنا کی، جس کی مدح و ثنا میں خود خدا کی زبان، اس کے ملائکہ اور قدسیوں کی زبان اور کائنات ارض کی تمام پاک روحوں اور سعد ہستیوں کی زبان، ان کی شریک و ہم نوا ہے۔

ان اللہ وملئکتہٗ یصلون علی النبی یا یھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما.

(اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجو۔ اچھا سلام۔

"بلاشبہ محبت نبوی اور عشق محمدیؐ کے یہ پاک ولولے اور یہ مخلصانہ ذوق وشوق تمہاری زندگی کی سب سے زیادہ قیمتی متاع ہے اور تم اپنے ان پاک جذبات کی جتنی بھی حفاظت کرو، کم ہے، تمہارا یہ عشق الٰہی ہے، تمہاری یہ محبت ربانی ہے، تمہاری یہ شیفتگی انسانی سعادات اور راست بازی کا سرچشمہ ہے، تم اس وجود مقدس ومطہرؐ سے محبت رکھتے ہو جس کو تمام کائناتِ انسانی میں تمہارے خدا نے ہر طرح کی محبوبیتوں اور ہر قسم کی محمودیتوں کے لئے چن لیا اور محبوبیت عالم کا خلعتِ اعلیٰ صرف اسی کے وجودِ اقدسؐ پر راس آیا۔ کرۂ ارض کی سطح پر انسان کے لئے بڑی سے بڑی بات جو کہی جا سکتی ہے، زیادہ سے زیادہ عشق جو کیا جا سکتا ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ مدح وثنا جو زبان پر آ سکتی ہے، غرض انسان کی زبان، انسان کے لئے جو کچھ کہہ سکتی ہے اور کر سکتی ہے وہ سب کا سب صرف اسی انسان کامل واکملؐ کے لئے ہے اور اس کا مستحق اس کے سوا کوئی نہیں۔" (رسالہ "البلاغ" جنوری ۱۹۱۶ء)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان شیدائیوں کی زندگی سے کچھ واقعات اس عنوان کے تحت مرتب کئے گئے ہیں جس سے اللہ کے ان پراسرار بندوں کے کردار کا اندازہ ہو سکے۔ اللہ کے ان مخلص بندوں کی تعداد تو ہر آنے والے زمانے میں نسبتاً کم سے کم تر ہوتی گئی مگر ان کا فقدان کسی زمانے میں نہیں رہا۔ آج بھی اگر ہمیں کچھ پانا ہے تو اس ذوق وشوق کو زندہ و بیدار کرنا پڑے گا۔ اگر وہ ذوق وشوق اور تپش وگداز پیدا ہو جائے تو یقیناً ہم عشاقِ رسولؐ کی فہرست میں شامل ہو سکتے ہیں۔ ورنہ خالی دعویٰ سے کچھ ملنے والا نہیں ہے۔

ذوق حاضر ہے تو پھر لازم ہے ایمان خلیلؑ ورنہ خاکستر ہے تیری زندگی کا پیرہن
(اقبال)

(از پراسرار بندے جلد اول)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمہ اللہ

الحمدلله و كفىٰ وسلامٌ علىٰ عباده الذين اصطفىٰ

اما بعد اعوذبالله من الشيطين الرجيم . بسم الله الرحمن الرحيم

لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولاً من انفسهم الخ

اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہ نے اس آیت شریفہ میں اپنے ایک بڑے احسان کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے بہت بڑا احسان کیا مومنین پر ایمان لانے والوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے۔ انہی کی قسم میں سے ہے۔ انہی کی نوع میں سے۔ یہ بہت بڑا احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات

اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں۔ ہمیں پیدا کیا کتنا بڑا احسان ہے۔ نہ پیدا کرتے تو ہمارا کیا زور تھا۔ پیدا کیا تو انسان بنایا۔ اگر انسان نہ بناتے جانور بنا دیتے تو ہمارا زور تھا کچھ؟ گدھے بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، کتے بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، سانپ بچھو بھی اسی نے پیدا کئے ہیں۔ اگر خدا ہمیں انسان نہ بناتا، سانپ بچھو بناتا تو ہمارا کوئی زور تھا اس پر؟ تو کیا ہوا ہوتا؟ جو دیکھتا وہی مارنے کو دوڑتا، گدھا بناتا، بیل ہاتھی بناتا تو کیا ہوتا۔ یہ سب بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اس نے ہمیں انسان بنایا کتنا بڑا احسان کیا پھر انسانوں میں بھی کتنے انسان ایسے ہیں جو بے شمار عوارض میں مبتلا ہیں، پریشانیوں میں مبتلا ہیں، کسی کی آنکھ نہیں، کسی کا کان نہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی، کسی کے معدے میں درد، کسی کی کمر میں درد، قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ساری

بیماریوں سے محفوظ فرمایا۔ کتنا بڑا احسان کیا اور کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو اپنے ہاتھ سے بت بناتے ہیں۔ اس کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ اس کو خدا، معبود اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔ مالک الملک سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ جانتے ہی نہیں اپنے پیدا کرنے والے کو اپنے خالق کو اپنے رازق کو پہچانتے نہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ نام تو ان کا مسلمان ہے لیکن کبھی مسجد میں نہیں آتے ہیں، کبھی قرآن کریم نہیں پڑھتے۔ کبھی سر نہیں جھکاتے، خدا کے سامنے کبھی کلمہ نہیں پڑھتے، جانتے نہیں۔ تو اللہ نے کتنا بڑا احسان فرمایا کہ اپنے گھر میں آنے کی اجازت دی۔ مسجد میں آنے کی، اگر مہر لگا دیں دلوں پر تو کوئی آ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں آ سکتا۔

ایک واقعہ

ایک صاحب بابو، ان کے ساتھ ملازم، ملازم نماز کا بہت پابند، کہیں ساتھ لیے جا رہے ہیں، چلتے چلتے بازار سے کچھ سامان سودا خریدا۔ ادھر اذان ہو گئی۔ ملازم نے کہا حضور میں تو جا رہا ہوں میرے آقا نے میرے مولانا نے مجھے بلایا ہے۔ اس نے کہا تیرا آقا تو میں ہوں تجھے کس نے بلایا۔ اس نے کہا نہیں ایک دوسرا آقا ہے جو ہم سب کا آقا ہے۔ اس نے بلایا ہے۔ اذان ہو گئی۔ مسجد میں جانے کے لئے حکم ہے۔ چنانچہ وہ باہر بیٹھ گئے۔ اور ملازم مسجد کے اندر آ گیا، ملازم نے نماز پڑھی، کچھ تسبیح وظیفہ پڑھنے لگا۔ دیر ہو گئی نہیں گیا۔ وہ صاحب آئے آواز دی، ارے آتا نہیں کیا ہو گیا؟ ملازم نے کہا جانے نہیں دیتے۔ اس نے کہا ارے کون نہیں جانے دیتا، وہاں کون بیٹھا ہے، دیکھا ادھر ادھر کوئی وہاں بیٹھا نہیں ہے، پھر کون جانے نہیں دیتا۔ ملازم نے کہا وہی جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا جو آپ کو اندر مسجد میں آنے نہیں دیتے وہ مجھ کو مسجد سے باہر جانے نہیں دیتے۔

اللہ میاں کی طرف سے کتنا بڑا احسان ہے کہ اپنے دربار میں اس نے آنے کی اجازت دے دی۔ دنیا میں کسی کلکٹر سے کسی ڈپٹی سے کسی بڑے آدمی سے ملنا چاہو تو کتنی دیر لگتی ہے۔ اس کے یہاں درخواست بھیجو۔ ملازمین سے بات کرو۔ ٹیلیفون پر بات کرو۔ وقت بتاؤ۔ اپنا مقصد بتاؤ۔ کیوں آئے ہو۔ یہ بتانا پڑے گا پھر بھی الجھن ہے اجازت ملے یا نہ ملے۔ اللہ میاں کے یہاں کچھ نہیں، کوئی درخواست نہیں دیتے، کسی کی سفارش نہیں، آؤ وہ اعزاز و اکرام

سے بلاتے ہیں۔ اجازت ہے آؤ آؤ، اس لئے اللہ تعالیٰ کے احسانات تو بہت بے شمار ہیں۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ کتنا بڑا احسان ہے۔ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ ایک ایک سورۃ عالی۔ ایسا کہ ثواب بہت بڑا۔ قل ھو اللہ شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر ایک تہائی قرآن شریف کا ثواب ملتا ہے۔ یٰسین شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ ایسی ایسی نعمتیں اس نے دے رکھی ہیں۔ نماز کس کی بدولت عطا ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت عطا ہوئی۔ پانچ وقت حاضری کا حکم۔ اور اللہ تعالیٰ قدردانی سے بلاتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی گھر سے وضو کر کے مسجد کے لئے نکلتا ہے تو ایک ایک قدم پر ایک ایک نیکی ملتی ہے۔ ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ ایک قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے، کتنا بڑا احسان ہے کتنا بڑا اکرم ہے۔ کتنا بڑا اعزاز ہے۔ وہیں سے اعزاز شروع ہوتا ہے۔ اپنے گھر آنے والے کے لئے یہ احسانات انعامات ہیں حق تعالیٰ کے ان پر شکر ادا کرنا چاہئے۔ جیسی بڑی نعمت ہوتی ہے ویسا اس کا بڑا شکر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا۔ بہت بڑا انعام ہے۔ قرآن پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا۔ روزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا، زکوٰۃ کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا۔ حج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا۔ کتنے بڑے احسانات ہیں۔ پانچ وقت سارے محلے والے جمع ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، اس کی خیریت پوچھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نہیں آیا تو تحقیق کرتے ہیں کہ کیا بات ہے خیریت پوچھتے ہیں۔ طبیعت تو اچھی ہے، کہیں باہر تو نہیں گیا، کوئی عارض پیش نہیں آیا۔ ایک ہمدردی یہی ہے، جو نماز کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ ہفتے میں ایک روز جمعہ کے دن ساری بستی کے لوگ جمع ہوتے ہیں، تو ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنا محسن سمجھتے ہیں، اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتے ہیں، کتنی بڑی ہمت اور قوت دلوں کے اندر پیدا ہوتی ہے نماز کی بدولت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ.

جو لوگ عربی سے واقفیت رکھتے ہیں جانتے ہیں "ل" تاکید کے لئے آتا ہے۔ "قد" تحقیق کے لئے آتا ہے۔ بالتحقیق بالیقین اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا۔ احسان تو سب کے لئے

ہے۔ آپ کی ذات عالیہ ذات مبارکہ، ذات مقدسہ سب کے لئے احسان ہے۔ آسمانوں کے لئے بھی، زمینوں کے لئے بھی، فرشتوں کے لئے بھی، جنات کے لئے بھی، حیوانات کے لئے بھی، بشر کے لئے بھی، سب کے لئے رحمت ونعمت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ، لیکن فائدہ اٹھانے کے لئے مومن ہونا شرط ہے۔ جو لوگ آپ پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ احسان خاص طور پر مومنین کے لئے ہے۔ ایمان لانے والوں کے لئے ہے۔ جیسا بڑا احسان ہوتا ہے ویسا ہی بڑا اس کا شکر بھی ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس کا حق بھی ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار حقوق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بے شمار ہیں۔ ان کو اگر سمویا جائے تو تین قسم میں سمویا جاسکتا ہے (ا) پہلا حق ہے محبت کا آپ کی ذات مقدسہ سے محبت ہونی چاہئیے۔ خود حدیث پاک میں آتا ہے لَا یُوْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ تم میں سے کوئی شخص مومن کہلانے کا حق نہیں رکھتا، مومن کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے جب تک کہ میری محبت اس کے دل میں اس کے ماں باپ سے اس کے اولاد سے سب انسانوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔

پہلا حق......محبت

لہٰذا پہلا حق محبت کا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے محبت ہونی چاہئیے۔ ہر مسلمان کے قلب میں محبت ہونی چاہیے۔ محبت جو ہوتی ہے آدمی کو اپنے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے، اپنی دکان سے، اپنے عہدے سے، اپنی اولاد سے، اپنے مال سے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت ہے وہ سب محبتوں سے بالاتر اور اعلیٰ ہونی چاہئیے۔ اس کا اندازہ ہوتا ہے مقابلے کے وقت، ایک کی محبت کا تقاضا کچھ اور، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا کچھ اور، تو آدمی کس کی محبت اختیار کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو یا کسی اور کی محبت کو۔ اس کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا حال۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس

طرح محبت کی ہے اور کیسے کیسے مقابلے کے وقت میں کیا کیا نوبت آئی ہے۔

پہلا معرکہ حق و باطل

اسلام کا سب سے پہلا جہاد غزوۂ بدر کہلاتا ہے۔ قصہ طویل ہے۔ اس میں تھوڑا سا ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں۔ قرآن پاک میں بھی غزوۂ بدر کا تذکرہ آیا ہے۔ احادیث میں تشریح سے آیا ہے۔ جب غزوۂ بدر ہوا۔ ادھر سے چلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، کثرت سے پیادہ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک دو گھوڑے تھے۔ ایک دو تلواریں تھیں۔ باقی کسی کے پاس تلوار نہیں، گھوڑا بھی نہیں تھا وہاں پہنچ کر پہلا کام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے سامنے نماز پڑھ کر دعا کی۔ اس طرح دعا کی کہ یا اللہ اتنے برسوں کی محنت کے بعد یہ مسلمان تیار ہوئے ہیں۔ ایمان لائے ہیں۔ ۳۱۳ تھے مسلمان، کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ۳۱۳/ آدمی ایمان لائے ہیں۔ مدتوں کی محنت کے بعد۔ بڑی مشقتوں سے بڑی مصیبتوں سے۔ اگر آج یہ قتل ہوئے تو کل تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ بس بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا قبول ہوگئی۔ ایک چھپر ڈال دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس چھپر میں رہیں۔ اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آوے، کوئی بات کہنی ہو اس چھپر تک آجاوے۔ پہچاننے کے لئے چھپر ڈال دیا گیا۔ تلاش نہ کرنا پڑے۔ ادھر اُدھر کہاں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ چھپر کو دیکھ کر وہاں آجاوے۔ اور پہرے کے لئے حفاظت کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تجویز تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں۔ اگر پچاس قدم کے فاصلے پر بھی کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کے دیکھتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تلوار لئے ہوئے شیر کی طرح اس پر جھپٹتے تھے۔ اس حفاظت کیلئے قدرت کی بات اس جہاد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو ادھر تھے اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر مشرکین کے ساتھ کافروں کے ساتھ تھے۔ وہ اس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔ اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ ستر ۷۰ مشرکین قتل ہوئے۔ ۷۰ ستر گرفتار ہو کر قیدی بنا لئے گئے۔ اللہ نے وہ دن کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن

ابی بکر بھی ایمان لائے۔ ایک دن کہنے لگے کہ بدر کی لڑائی میں آپ ایک مواقع پر آئے تھے۔ نشانے پر آئے تھے، میں چاہتا تو آپ کو قتل کر دیتا، لیکن باپ ہونے کا خیال کیا کہ آپ میرے باپ بھی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا جواب دیا، جانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ تم نے باپ ہونے کا خیال کیا۔ لیکن اگر تو میرے نشانہ پر آ جاتا تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑ دیتا۔ میں خیال نہ کرتا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ میں تجھے فوراً قتل کر دیتا۔ تیری مجال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں تلوار لے کر آئے۔ یہاں سے اندازہ لگانے کی ضرورت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی۔ ایسے مقابلے کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کس کی بات صحیح ہے کس کی نہیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی اُمِ حبیبہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ان کے پاس ان کے باپ ابوسفیانؓ آئے۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ جب باپ آئے ہوئے ہیں تو جو بسترہ بچھا ہوا تھا جلدی سے لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔ باپ نے پوچھا یہ کیا۔ دنیا کا دستور یہ ہے کہ جب باپ جاتا ہے بیٹی کے پاس تو بیٹی اس کے لئے بسترہ بچھا دیتی ہے۔ تو نے بچھا بچھایا بسترہ اٹھا کے رکھ دیا۔ انہوں نے بتلایا، یہ بسترہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ تم نجس ہو، کافر ہو، مشرک ہو، ایمان نہیں لائے ہو، تم اس قابل نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بسترے پر بیٹھ سکو۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ تھی باپ کی محبت سے۔

بہت واقعے ساری زندگی بھری ہے۔ اسی طریقے پر کہ ان حضرات کے یہاں محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تھی اور اسی سے پتہ چلتا ہے ان واقعات سے ہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حق ہے محبت کرنا۔ لیکن اتنا یاد رہے کہ خالی محبت بغیر عقیدت کے بغیر اطاعت کے خالی محبت کا دم بھرنا نجات کے لئے کافی نہیں۔

دوسرا حق..... عقیدت

دوسرا حق ہے عقیدت کا، عقیدت کے کیا معنی؟ یہ یقین کر لیں اور یہ فیصلہ کر لیں کہ

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے، جو کتاب لے کر آئے، جو احکام لے کر آئے وہ سب حق ہیں۔ وہ سب سچے ہیں، ایسے سچے ہیں کہ ان کو اختیار کئے بغیر نجات نہیں۔ نجات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں ہے۔ یہ یقین رکھنا، یہ عقیدت رکھنا یہ دوسرا حق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا، چنانچہ چالیس سال کی زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تھی مکہ مکرمہ کی کہ سب لوگ آپ سے محبت کرتے تھے، مرد بھی اور عورت بھی۔ آپ کو امین کہتے تھے، سچے بہت سچے امانت دار۔ لوگ آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔ آپ کو سچا مانتے تھے، سبھی محبت کرتے تھے۔ لیکن ہوا کیا؟ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ **وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَ قْرَبِیْنَ**۔ کہ آپ اپنے خاندان کے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے۔ اللہ کے احکام کی طرف دعوت دیجئے۔ یعنی نبوت کا آپ نے اظہار فرمایا۔ آپ کے ساتھ یہ عقیدت رکھنا کہ آپ کی ہر بات میں نجات ہے۔ آپ بالکل سچے ہیں۔ آپ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ اپنے گھر کے لوگوں کو بلایا، نام نام لے کر کے پکار کر آواز دی سب کے سب گھبرا گئے، یہ کیسی آواز ہے، اس سے پہلے تو کسی نے اس طرح تو پکارا نہیں تھا اور آواز سارے مکہ میں پھیل گئی۔ ایک تو وہاں آبادی اور بڑے بڑے محلات مکانات تو اس زمانے میں تھے نہیں، اس لئے آواز پہنچی، دوسرے یہ کہ وہ آواز تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تھی جو اللہ کے حکم سے دی گئی تھی۔ اس کو کون روک سکتا تھا۔ کون رکاوٹ بن سکتا تھا۔ کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ چنانچہ سب لوگ دوڑ کر آئے۔ یہ کیا قصہ پیش آیا ہے کیوں ایسے پکارا جا رہا ہے۔ اور جو خود نہیں آسکا کسی مشغولی کی وجہ سے دوسرے آدمی کو بھیجا کہ دیکھو کیا معاملہ ہے۔ تحقیق کرو۔ جب وہ سارے جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو ان کا امتحان لیا۔ فرمایا اگر میں یہ کہوں تو تم کو کہ پہاڑ کے پاس دشمن کا لشکر ٹھہرا ہوا ہے جو صبح ہوتے ہی تم پر حملہ کر دے گا، تم رات سے ہی اپنی بچاؤ کا انتظام کر لو، کیا تم مجھے سچا مانو گے؟ یہ پوچھا۔ سب نے کہا کہ **ماجربنا علیک الکذب**۔ آپ کے متعلق غلط بیانی کا تجربہ نہ ہوا۔ آپ نے آج تک جو بات فرمائی، سچ فرمائی، ہم ضرور مانیں گے۔ تسلیم کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کوئی دشمن کا لشکر تو موجود نہیں، لیکن

جب آپ فرماتے ہیں تو ہم اپنی آنکھوں کو جھٹلا دیں گے اور آپ کی باتوں کو مانیں گے۔ تب آپ نے فرمایا میں خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ آپ کی طرف آیا ہوں۔ خدا کے عذاب سے ڈرو، مرنے کے بعد دوبارہ پھر زندہ ہونا ہے اور ذرّے ذرّے کا حساب ہوگا۔ وہاں پر۔ اس مجمع میں اس مجلس میں جو شخص سب سے زیادہ دعویٰ محبت کرنے کا دم بھرنے والا تھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا اس کا نام تھا ابولہب۔ اس نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، محبت تو وہ کرتا تھا لیکن اس عقیدت کے لئے تیار نہیں ہوا۔ کہ آپ کو رسول جانے۔ جو بات آپ اللہ کی طرف سے پہنچاتے ہیں اس کو تسلیم کریں۔ وہیں سے الگ ہوا۔ اس نے سخت لفظ کہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں۔ حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورۃ تبت یدا نازل کی، اس کو جہنمی دوزخی فرمایا۔ ابولہب کو اس ساری محبت کے باوجود محبت کیسی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد تھے عبداللہ۔ ان کے گھر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، پیدا ہوئے۔ ابولہب کی ایک باندی تھی ثوبیہ اس نے آ کر ابولہب کو خوشی خوشی اطلاع کی کہ تمہارے گھر بھتیجا پیدا ہوا ہے۔ ابولہب نے خوشی میں آ کر جبھی اس کو آزاد کر دیا تھا۔ بعد میں کتنی محبت تھی۔ کیسی خوشی کی بات سنا دی۔ خدا جانے کتنی دفعہ کندھے پہ اٹھایا ہوگا، گود میں بٹھایا ہوگا، بھتیجے کو محبت کی وجہ سے، یہ ساری محبت بے کار گئی۔ اس واسطے کہ عقیدت نہیں تھی۔ عقیدت کیا تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول مانیں۔

محبت یہ ہے بنیادی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول ماننا اور یہ فیصلہ کر لینا جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے ہم اس کے ماتحت رہیں گے۔ یہ عقیدت ہے سچا تو سبھی مانتے تھے۔

کافر کو آپ کی صداقت کا یقین

حضرت سعدؓ مدینہ طیبہ میں انصار کے سردار تھے اپنے قبیلے کے۔ ان کا معمول تھا جب مکہ معظمہ آتے تو امیہ بن خلف کے یہاں ٹھہرتے اور اس کے ساتھ تعلقات تھے۔ اُمیہ بن خلف جب مدینہ طیبہ آتا حضرت سعدؓ کے یہاں ٹھہرتا۔ جب یہاں سے ہجرت کا قصہ پیش آیا صحابہ کرامؓ مدینہ طیبہ میں ٹھہرے۔ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ آئے اور آ کر اپنے معمول اور طرز کے مطابق اُمیہ بن خلف کے پاس ٹھہرے۔ اُمیہ سے کہا میرا جی چاہتا ہے طواف کرنے کو، کونسا

وقت مناسب ہے اس نے کہا دن چڑھے مناسب ہے۔ دن چڑھے گئے۔ طواف کرنے کو وہاں ابوجہل بھی تھا۔ ابوجہل نے کہا اُمیہ سے، یہ تیرے ساتھ کون ہے، اس نے کہا یہ سعد ہے۔ ابوجہل نے کہا جو لوگ ہمارے باغی تھے مخالف تھے ان کو تم نے اپنے یہاں پناہ دی، اپنے یہاں ٹھہرایا اور مزے سے طواف کرتے ہو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو تم نے ٹھکانا دیا، اپنے یہاں ٹھہرا دیا۔ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہم نے ان کو نکالا ہے اور آج تم ہمارے علاقے میں طواف کرتے ہو خوشی خوشی، اس پر حضرت سعدؓ نے کہا دیکھ اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو میں تیرا شام کا راستہ روکوں گا۔ دستور یہ تھا کہ قریش مکہ کے رہنے والے ملک شام جایا کرتے تھے، ایک سفر تو وہ کرتے تھے یمن کا اور ایک سفر کرتے تھے شام کا۔ قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِھِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ

(چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں)

ایک جگہ جاتے تھے سردی کے زمانے میں اور ایک جگہ جاتے تھے گرمی کے زمانے میں اور سارے سال کی ضروریات وہاں سے خرید کر لاتے تھے مکے والوں کے لئے اور جتنے ڈاکو چور تھے وہ قریش کے قافلے کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ شام جانے کا راستہ مدینہ طیبہ کے قریب تھا۔ حضرت سعدؓ نے کہا۔ اگر تو نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تمہارا ملک شام جانے کا جو راستہ ہے مدینہ طیبہ میں تمہارا وہ راستہ روکوں گا۔ شام نہیں جا سکے گا۔ اُمیہ نے کہا سعد سے زور سے نہ بول ابوجہل کے سامنے یہ قوم کا بڑا آدمی ہے۔ یہاں کا سردار ہے۔ انہوں نے اسے بھی ڈانٹا۔ میں نے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے قتل کریں گے۔ اب اُمیہ نے کہا مجھے۔ سعدؓ نے کہا ہاں۔ کہاں۔ مکے میں کہ کہیں اور۔ کہا یہ نہیں بتایا کہاں۔ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات اس کے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ بالکل غمگین ہو گیا۔ پھر جا کر اپنی بیوی سے گھر میں کہا کہ سعد نے ایسا کہا۔ چنانچہ میں مکہ سے نکلوں گا ہی نہیں۔ مکے میں ہی بیٹھوں گا۔ اس واسطے کہ مکہ پر ان لوگوں کا اتنا تسلط تھا قبضہ تھا کہ سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آ ہی نہیں سکتے۔ قتل کی نوبت آئے گی تو باہر ہی آئے گی۔ میں باہر جاؤں گا ہی نہیں۔ یہ بیوی سے بھی کہہ دیا۔ پھر جب بدر کا قصہ پیش آیا۔

ابوجہل لوگوں سے کہتا ہے چلو بدر چلو بدر تو اُمیہ سے بھی کہا۔ اُمیہ نے کہا میں نہیں جاؤں گا۔ سعدؓ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قتل کریں گے۔ ابوجہل نے پٹی پڑھائی اگر تو نے انکار کیا تو اور لوگ بھی بیٹھ جائیں گے۔ تو چل تھوڑی دور پھر چپکے سے واپس آ۔ اس نے کہا اچھی بات ہے۔ بیوی سے کہا ذرا سامان تیار کرنا میں جارہا ہوں۔ اس نے کہا یاد نہیں رہا تمہارے دوست سعد نے کیا کہا تھا۔ کہا مجھے یاد ہے لیکن میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا جلدی واپس آؤں گا۔ گیا اور چلتا رہا چلتا رہا یہاں تک کہ بدر پہنچا اور اللہ نے وہاں قتل کرایا۔ اس کے جی کے اندر غیر اختیاری طور پر ایسی بات بیٹھ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات فرمائی وہ ہو کے رہے گی لیکن ایمان اس کا نام نہیں۔ ایمان نام ہے اپنے اختیار سے اپنے آپ کو پیش کر دینا اور طے کر دینا کہ میری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت گذرے گی۔ اس فیصلے کا نام ایمان ہے جو اپنے اختیار سے ہوتا ہے۔

دوسرا حق کیا ہے؟ عقیدت کا۔ عقیدت کا حاصل یہ ہے کہ آپ کو سچا رسول ماننے اور یقین کے ساتھ جانے کہ نجات اسی میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں نجات ہے اور یہ طے کر کے فیصلہ کرے کہ میری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت گزرے گی۔ جو کچھ ارشاد فرمائیں گے وہ کروں گا۔ یہ عقیدت ہونا ضروری ہے دوسرا حق۔

تیسرا حق اطاعت

تیسرا حق ہے اطاعت کا۔ محبت بھی ہو عقیدت بھی ہو مگر اطاعت نہ ہو۔ اس کی مذمت آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ چہیتی اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو فرمایا اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ پیغمبر کی بیٹی ہوں بخشی جاؤں گی، وہاں اپنا عمل کام آئے گا۔ دنیا میں پیسے روپے کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لے لیکن عمل کرو۔ اپنا عمل کام آئے گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔ ایسی محبت تھی جس کو بیان نہیں کر سکتے۔ اتنی محبت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں خدمت اقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسے آنا ہوا۔ فاطمہؓ نے عرض کیا کہ حضرت آج میں نے روٹی پکائی تھی۔ میرا جی

نہ مانا کہ آپ کے بغیر خود کھاؤں۔ اس لئے آپ کے واسطے لے کر آئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کو دیکھتے تھے تو ان کو گلے سے لگا لیتے۔ لپٹا لیتے، سینے سے لگا لیتے۔ پیار کرتے ان کو بڑی محبت فرماتے۔ فرمایا اہل جنت بیویوں کی فاطمہ سردار ہے۔ فاطمہ سیدہ ہے۔ جنت میں جتنی عورتیں جائیں گی، سب کی سردار حضرت فاطمہؓ ہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی زیادہ تھی، عقیدت بھی جانتی تھیں کہ سچے رسول ہیں، ایمان لائیں، سبھی کچھ تھا لیکن ان کو بھی فرمایا کہ بغیر اطاعت کے کام نہیں چلے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دیکھو اس خیال میں نہ رہنا کہ پیغمبر کی پھوپھی ہوں، بخشی جاؤں گی، اپنے اعمال کام آئیں گے، اس رشتہ داری کی بناء پر کوئی نہیں بخشا جائے گا۔ اگر رشتہ داری کی بناء پر کوئی بخشا جاتا تو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے بخشے جاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کے باپ تھے اگر بخشش ہوتی تو حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کی بیوی تھیں لیکن نہیں ایسا نہیں۔

لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔ (بیان القرآن)

جو آدمی خود ایمان لایا اس کا ایمان اس کے لئے ذریعۂ نجات ہے اور اگر اس کے خاندان کے دوسرے لوگ ایمان لائیں وہ ذریعۂ نجات نہیں۔ کوئی شخص یوں سوچے کہ میں بڑے گھرانے کا آدمی ہوں، بخشا جاؤں گا، اس کو سوچنا چاہئیے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو فرمایا، تو پھر اور کے لئے گنجائش ہے۔ سوچنا چاہئیے کہ کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا لڑکا ہوں، ہاں بادشاہ کا بیٹا ہے لیکن خود اپنا عمل بھی ہونا چاہئیے۔ اگر اپنے پاس کچھ نہیں تو بادشاہ کونسی گدی پر بٹھا دے گا۔ اس لئے اطاعت کی ضرورت ہے۔

اطاعت صحابہ کا ایک واقعہ

حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ممبر پر۔ آپ نے فرمایا۔

يَاَيُّهَاالنَّاسُ اِجْلِسُوْا (لوگو بیٹھ جاؤ)

جو جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ یہ نہیں سوچا کہ پہلی صف میں بیٹھوں، دوسری صف میں بیٹھوں۔ جس کے کان میں یہ آواز آئی وہ وہاں پر بیٹھ گیا۔ یہ تھی اطاعت، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، اس وقت مسجد سے باہر تھے مسجد کے اندر نہیں آسکے ان تک یہ آواز پہنچ گئی، باہر ہی بیٹھ گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا ابن مسعود اندر آجاؤ، تو وہ آگئے۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ، مسجد کے اندر بیٹھنے کو کہا۔ یا میں مسجد کے اندر جا کے بیٹھوں گا، یہ نہیں سوچا۔ سوچتے کیسے ان حضرات کو ہر وقت موت کا تصور غالب رہتا تھا۔ اگر یہ سوچتے کہ اندر چل کر بیٹھوں گا۔ کیا خبر تھی کہ اندر پہنچنے سے پہلے پہلے موت آجائے۔ گردن پکڑ لے۔ کل قیامت میں سوال ہوگا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تمہارے کانوں میں پڑی بیٹھ جاؤ تم بیٹھے کیوں نہیں؟ کیا انہوں نے کہا تھا کہ اندر آ کے بیٹھ جاؤ۔ اس لئے فوراً حکم کی تعمیل کرنا ان حضرات کا کام تھا اور موت کا تصور ان حضرات کو ایسا رہتا تھا۔

فکر آخرت کی دعوت

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، اپنی دیوار کو لیپ رہے تھے ان کی والدہ بھی لیپ رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا کر رہے ہو، عرض کیا حضرت دیوار لیپ رہے ہیں پرانی ہوگئی ہے۔ گر جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے لیپ رہا ہوں تاکہ کچھ روز کھڑی رہے دیوار۔ فرمایا کہ موت اس سے قریب ہے۔ دیوار کے متعلق تو تم اندازہ لگا رہے ہو اتنی دیر تک ٹھہری رہے گی لیکن موت اس سے قریب ہے۔ موت نہیں دیکھتی، جلدی سے جلدی بھی آجاتی ہے۔

ایک اور واقعہ

ایک مرتبہ اونٹوں پر سوار تھی صحابہ کرامؓ کی جماعت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود، تشریف لے جا رہے ہیں۔ سرخ چادریں یمنی اونٹوں پر پڑی ہوئی ہیں اور ایک عجیب منظر

تھا خوشنما۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کی طبیعتیں سرخی کی طرح مائل ہوتی جا رہی ہیں۔ بس فوراً اسے کود دے۔ اونٹوں سے چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر ختم کیا۔ جو چیز آقائے نامدار کو ناپسند ہو اس کو رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ تھا اطاعت کا مادہ

فاروق اعظم اور اطاعت رسول

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جبہ پہن کر خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہوئے۔ ریشمی جبہ تھا۔ حضرتؐ نے فرمایا ریشم تو مرد کے لئے ناجائز ہے۔ اُٹھے جبّے کو اُتارا۔ سامنے تنور تھا روٹی پکانے کا۔ جا کے تنور میں ڈالا جبّے کو آگ میں۔ دوسرے وقت حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جبّے کا کیا ہوا۔ عرض کیا حضرت میں نے اس کو جلا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں تمہارے لئے ہی تو ناجائز تھا۔ بچیوں کے لئے کپڑے بنوا دیتے۔ ان کے لئے درست تھا، لیکن بھائی جس شخص کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جمی ہوئی ہے ہر چیز کی محبت پر غالب ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لباس ناپسند ہے وہ تو یہ سوچتا بھی نہیں کہ کسی اور کام آسکتا ہے کہ نہیں۔ وہ تو یہ سمجھے گا کہ وہ چیز آگ میں جلانے کے قابل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے۔

حضرت علی اور اطاعت رسول

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا داعیہ یہاں تک تھا کہ حضرت علیؓ اونٹ پر سوار ہوئے، سفر میں جانے کے لئے آپ نے چند کلمات پڑھے **سُبْحَانَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ**۔ اونٹ کو تھپکی ماری، ہنسے، کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ اسی طرح اونٹ پر سوار ہوئے تھے، اسی طرح یہ کلمات پڑھے۔ اسی طرح اونٹ کو تھپکی ماری اور ہنسے۔ اتنی اتنی باتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے تھے۔

اتباع کا اعلیٰ مقام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے راستے میں سفر کرتے ہوئے ایک جگہ اونٹ سے اُترے اور ایک درخت کے نیچے ذرا دیر لیٹے۔ آرام کیا

اور اس کے بعد سوار ہوئے چل دیئے۔ کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ اتنی دیر آرام فرمایا ہے۔ ایک جگہ اُترے اپنے اونٹ سے۔ اونٹ کو بٹھایا، خود بیٹھ گئے جیسے آدمی پیشاب کرنے کے لئے بیٹھتا ہے، پیشاب تو نہیں کیا، بس بیٹھ گئے، پیشاب کرنے کی ہیئت بنائی۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ کہا کہ اس جگہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا تھا۔ تو انہوں نے پیشاب تو نہیں کیا۔ ہاں وہ ہیئت بنا کر بیٹھے۔ یعنی جو چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر نہیں کی تھی۔ اپنی ضرورت کے لئے کیں۔ ان میں بھی یہ لوگ اتباع کرتے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دن رات میں کیا عمل کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا صبح اٹھو اور آ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس، تو دیکھتے رہو۔ جس طرح یہ وضو کرتے ہیں سمجھ لو اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے۔ جس طرح یہ نماز پڑھتے ہیں، نماز میں قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ کرتے ہیں، سمجھ لو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح سے کرتے تھے۔ جس طرح یہ چلتے ہیں سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح چلتے تھے۔ جس طرح کسی کے سلام کا جواب دے کر مصافحہ کرتے ہیں، جس طرح یہ بیٹھتے ہیں، کسی کے سوال کا جواب دیتے ہیں۔ اسی طرح غرضکہ ہر چیز میں انہوں نے اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگ لیا تھا، ڈھال لیا تھا۔

یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے اس دنیا میں۔ اور کہا کہ ہم کو ایسی زندگی چاہیئے جیسے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ آج ہم اپنے گھروں میں بیٹھ کر، مجلس میں بیٹھ کر چاہے محبت کے دعوے کریں کہ ہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت محبت ہے۔ لیکن دیکھنا چاہیئے کہ اس محبت کا اثر ہمارے دلوں پر کتنا ہے؟ تو ہم اپنے گھر میں اپنی مجلس میں بیٹھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ بہت محبت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن کیا ہماری صورت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کے مطابق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص آیا جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُدھر منہ پھیر لیا۔ معلوم ہوا کیا بات ہے کہ تمہاری

داڑھی منڈی ہوئی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں فرمایا اور ناخوش ہو کر چہرۂ مبارک پھیر لیا۔ آج ہمارا جو حال ہے' ہمارے دل میں کبھی خیال بھی آتا ہے اس کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا داڑھی کا منڈانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعْفُوا اللُّحیٰ اور اَرْخُوا اللُّحیٰ۔ داڑھی بڑھاؤ۔ داڑھی لٹکاؤ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حکم ہے اور ہم کٹا کٹا کے منڈا منڈا کے اسے ختم کر دیں۔ یہ محبت کا تقاضا نہیں۔ یہ عقیدت کا تقاضا نہیں۔ یہ اطاعت کا تقاضا نہیں۔ لہٰذا بغیر عقیدت اور اطاعت کے جو شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا دعویٰ کب قابل قبول ہے؟ قابل قبول نہیں اس کا دعویٰ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بے شمار بھری ہوئی ہیں۔ ہر چیز کے متعلق ہدایات موجود ہیں حتیٰ کہ جو لوگ زیادہ عبادت کریں ایسی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

تین حضرات کا واقعہ

تین شخص آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر۔ اور پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر کیا عمل کرتے ہیں' دن بھر کیا کرتے ہیں؟ بتلایا کہ رات میں یہ عمل کرتے ہیں' دن میں یہ عمل کرتے ہیں۔ ان تینوں نے آپس میں یہ معاملہ طے کر لیا' عہد کر لیا' ایک نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ کبھی بے روزہ نہیں رہوں گا۔ ایک نے کہا میں ساری رات نماز پڑھوں گا بالکل نہیں لیٹوں گا۔ بالکل نہیں سوؤں گا۔ ایک نے کہا کہ میں شادی نہیں کروں گا۔ عورتوں کے پاس نہیں جاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو بلا کر فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں' تم سے زیادہ تقویٰ مجھ کو حاصل ہے لیکن میں رات میں سوتا بھی ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں۔ ایسا نہیں کہ ساری رات جاگوں بلکہ رات میں کچھ حصہ سوتا ہوں' کچھ نماز پڑھتا ہوں' میں روزہ بھی رکھتا ہوں' افطار بھی کرتا ہوں' ایسا نہیں کہ ہمیشہ روزہ رکھوں۔ عامۃً معمول تھا پیر کو اور جمعرات کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے اور فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے روز بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں اور گنہگار لوگوں کو معاف فرماتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے نامۂ اعمال ایسے حالات میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں۔ اور فرمایا کہ میں شادی بھی کرتا ہوں۔ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔ یعنی اگر ساری رات جاگنا۔ ساری رات عبادت کرنا اور پھر نکاح نہ کرنا۔ اگر ان چیزوں کو کوئی اختیار کرتا تو وہ قابل قبول نہیں۔ تو جو چیزیں گناہ کی ہیں تو وہ گناہ ہیں ہی۔ جو چیزیں طاعت اور عبادت ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے مطابق نہ ہوں وہ بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ مقبول وہ چیزیں ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح نماز میں قیام کرتے ہیں وہ مقبول۔ جس طرح رکوع کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح سجدہ کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح قرآن پاک پڑھتے، لباس پہنتے وہ مقبول، جیسی صورتِ مبارکہ وہ مقبول، اور جو چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہوں وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔

حضور کے تینوں حقوق کی ادائیگی کی ضرورت

اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بڑا نبی، بڑا انعام ہم کو ملا۔ اس کے مطابق شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے اور شکر کرنے کے لئے یہ تین چیزیں ضروری ہیں جو میں نے بیان کیں، کہ محبت اعلیٰ درجہ کی ہو، عقیدت اعلیٰ درجہ کی ہو کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کسی بات پر یقین نہیں۔ اپنے اعمال پر یقین نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر یقین ہے۔ تیسری چیز اطاعت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر زندگی اختیار کرنا، یہ تین حق ہیں۔ اگر ان تین حقوق کو ادا کیا تو اللہ کے یہاں مقبول۔ اگر ادا نہیں کیا تو اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ دنیا میں بھی بڑی عزت، آخرت

میں بھی بڑی عزت اطاعت سے ہی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کیا بات تھی؟ یہی بات تھی کہ ہر ایک ان میں سے اطاعت کرتے تھے کہ ہر کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ اور اشرف بنایا۔ باکمال بنایا۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے چھوٹے سے چھوٹے صحابی ہوں یا بڑے سے بڑے صحابہؓ میں بھی فرق ہے کوئی باپ' کوئی بیٹے' کوئی دادا' کوئی استاذ تھے' کوئی شاگرد' کچھ خدمتِ اقدس میں زیادہ حاضر ہوئے کچھ کم ہوئے۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن ہمارے لئے سب کے سب سارے صحابہ واجب التعظیم ہیں۔ اور کسی کی شان میں کسی گستاخی' کسی بے ادبی کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کچھ ان کے دلوں میں ڈالا' جو کچھ طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہم کو وہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہنے والے کو بھی اور سننے والے کو بھی۔ (آمین)

(از خطبات محمود جلد سوم)

عظمت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمان الرحیم.

ورفعنا لک ذکرک. صدق اللہ العظیم

تفسیر... ورفعنا لک ذکرک

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کا نام بلند کر دیا۔ بلند کر دیں گے نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ بلند کر دیا۔ وعدہ نہیں ہے کہ آئندہ بلند کریں گے، اس کا انتظار کیجئے۔ انتظار کی تکلیف ہم آپ کو نہیں دینا چاہیے، اپنے محبوب کو کوئی تکلیف دیتا ہے؟ اس لئے **ورفعنا لک ذکرک** ازل سے ہی ہم نے آپ کا نام بلند کر دیا۔ صحابہ نے پوچھا کہ اس کی تفسیر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' جس نے قرآن پاک نازل کیا اس کی تفسیر بیان کی ہے اور تفسیر دُرِّ منثور میں یہ موجود ہے کہ (**ورفعنا لک ذکرک**) کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمائی کہ (**اِذَا ذُکِرتُ ذُکِرتَ مَعِی**) جب میرا ذکر کیا جائے گا تو آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا' میرے نام کے ساتھ آپ کا نام بھی لیا جائے گا۔ حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا۔ یعنی اکثر جگہ شریعت میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک مقرون کیا گیا ہے جیسے خطبہ میں، تشہد میں، نماز میں، اذان میں، اقامت میں۔

ایمان بالرسالۃ توحید کا لازمی جز ہے

اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میرے نام کے ساتھ اے رسول آپ کا نام بھی آئے گا پس اگر کوئی شخص ایک کروڑ مرتبہ میرا نام لے اور آپ کا نام نہ لے یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے لیکن مُحَمَّدٌ رَّسُولُ

اللّٰہِ نہ کہے، یعنی اللہ پر ایمان لائے لیکن رسول اللہ پر ایمان نہ لائے تو اس کی توحید قبول نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، رسالت کی تعظیم اور تصدیق توحید کے لئے ضروری ہے جب اللہ کی عظمت بیان کی جائے اور رسول اللہ کی عظمت بھی بیان کی جائے تب توحید کامل ہوتی ہے۔ یعنی عظمت اللہ اور عظمت رسول اللہ دونوں کی تصدیق کا نام توحید ہے۔ اللہ کی عظمت کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کی تصدیق کی جائے۔ جتنا بڑا ملک ہوتا ہے اس کا سفیر اتنا ہی بڑا ہوتا ہے۔ دیکھیے اگر امریکہ کا سفیر آ جائے تو دنیوی حکومتوں میں زلزلہ مچ جاتا ہے، سب لوگ ڈر جاتے ہیں کہ بھئی اس کے خلاف کوئی کام نہ کرو اور یہ تو محض دنیاوی عزت ہے کہ ملک بڑا ہے، یہ کوئی عزت نہیں ہے محض دنیاداری ہے لیکن اس مثال سے معلوم ہوا کہ ملک کی عظمت سے سفیر کی عظمت ہوتی ہے۔ رسول، اللہ کا سفیر ہوتا ہے۔ پس جب اللہ عظیم الشان ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ کا رسول بھی عظیم الشان ہے اور یہ بات سو فیصد یقینی ہے کہ اگر کوئی عمر بھر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتا رہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہ کہے یعنی آپ کی رسالت پر ایمان نہ لائے تو یہاں علماء بیٹھے ہوئے ہیں وہ بتائیں کہ اس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟

(مجلس میں موجود علماء نے عرض کیا کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جامع)

کیونکہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو اس نے مانا لیکن مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تسلیم نہیں کیا جب کہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے۔ (اٰمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ) یعنی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر ایمان لانے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا لازم کر دیا۔ پس جس نے رسالت کا انکار کیا اس نے اللہ کے حکم کا انکار کیا اس لئے منکر رسالت کافر ہے۔ عظمت رسالت کا انکار اللہ کا انکار ہے اسی کو مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اقرار ہے اللہ کا اقرار محمد
اللہ کا انکار ہے انکار محمد

اسی لئے حدیث قدسی میں اللہ نے فرمایا: (اذا ذکرت ذکرت معی) جب میرا نام لیا جائے گا تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا نام بھی لیا جائے گا جب کوئی مؤذن اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے گا تو اشھد ان محمدًا رسول اللہ بھی کہے گا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اب مرا نام بھی آئے گا ترے نام کے ساتھ

یہ ہے عاشقوں کی عزت، عاشقوں کو اللہ نے یہ درجہ دیا ہے، اللہ اپنے عاشقوں کو عزت دیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا اللہ کا عاشق کوئی نہیں ہوسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اللہ کے سب سے بڑے عاشق ہیں، آپ جیسا عاشق ہونا ناممکن ہے، آپ جیسا اللہ کا عاشق نہ کوئی ہوا، نہ ہے اور نہ قیامت تک ہوگا۔ آپ کی بے مثل شان عشق بخاری شریف کی اس حدیث سے ظاہر ہے؛

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں یہ محبوب رکھتا ہوں کہ میں اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ سبحان اللہ! جان پاک رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا عشق تھا کہ اللہ کے راستہ میں بار بار شہادت کی تمنا فرما رہے ہیں اور آپ سید الانبیاء ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام خلائق میں آپ سب سے زیادہ پیارے ہیں یہ مضمون اتنا ضروری ہے کہ جزوِ ایمان ہے عظمت توحید اور عظمت رسالت دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔

ہجرت کا حکم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل ہے

اب دوسری بات یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہوا تو تمام صحابہ کو بھی حکم دیا گیا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے وطن، اپنی دکان اور اپنی تجارت سے نہ چپکا رہے، دوکان چھوڑ دو، چلی چلائی جمی جمائی دکان چھوڑ دو اور مدینہ جاؤ۔ اسباب رزق کو چھوڑ دو اور اپنے ساتھ رزاق کو لے جاؤ۔ یہاں سے تم خالی ہاتھ جاؤ وہاں اللہ پھر تمہارا ہاتھ بھر دے گا کیونکہ رزاق تمہارے ساتھ ہے۔

کعبہ شریف اللہ کا گھر ہے، بغیر اس کے حج نہیں ہوتا، زم زم کتنا متبرک پانی ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتا، ہر سال کتنے حاجی جاتے ہیں، ہر وقت ڈول چلتا رہتا ہے مگر معجزہ ہے کہ زم زم ختم ہی نہیں ہوتا، اور وہیں مولد رسول یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ ہے اور بہت

سے انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں، کتنے معجزات اس بلد امین میں ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو اجازت نہیں دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر مکہ شریف میں رہ جائیں کعبہ میرا گھر ہے مگر گھر والے کو وہیں پائیں گے جہاں میرا رسول ہوگا اس لئے سب کے سب صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے گئے۔

اور جب مکہ فتح ہو گیا تب بھی اجازت نہیں دی گئی کہ اب تو ستانے والے سب ختم ہو گئے' اب وہ ماحول نہیں رہا، جغرافیہ بدل گیا تو تاریخ بھی بدل جانی چاہیے مگر اللہ تعالیٰ نے وہی تاریخ رکھی کہ جن صحابہ نے ہجرت کی ہے سب واپس مدینہ چلے جائیں اور مستقل رہنے کی نیت سے مکہ نہ آئیں۔ ہمارا رسول بھی مدینہ میں ہی رہے گا اور جہاں ہمارا رسول رہے گا وہیں تم کو بھی رہنا ہوگا۔ لہٰذا تمام صحابہ کو حکم ہو گیا کہ میرے نبی کے ساتھ مدینہ میں رہو' ایک صحابی بھی میرے رسول کو چھوڑ کر نہ جائے۔

بتائیے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی عظمت ثابت ہوتی ہے اللہ نے اپنے رسول کو اکیلا نہیں چھوڑا سب صحابہ کو حکم ہوا کہ جاؤ تم سب میرے نبی کے ساتھ رہو۔ اللہ تم کو رسول اللہ سے ملے گا اور صحابہ نے پوری زندگی وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزار دی۔ کیا وفاداری تھی! ستر صحابہ دامن احد میں ایک وقت میں شہید ہو گئے گویا وہ ستر شہید بزبان حال کہہ رہے تھے۔

ان کے کوچہ سے لے چل جنازہ مرا
جان دی میں نے جن کی خوشی کیلئے

بے خودی چاہیے بندگی کے لئے

بس سمجھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اگر کسی کے قلب سے نکل جائے تو اسی وقت وہ کافر ہو جائے گا۔ یہ مقام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور جب ہجرت کا حکم ہوا تو تمام صحابہ کو حکم ہوا۔ جو قوی صحابی تھے ان کو بھی رہنے کی اجازت نہیں ملی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کتنے قوی تھے۔ سب تو چھپ کے نکل گئے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار کو فضاؤں میں لہرا کر اعلان کیا کہ عمر ہجرت کر رہا ہے اور اللہ کے حکم سے کر رہا ہے' کسی سے ڈر کے نہیں کر

رہا ہے، جس کو اپنی بیوی کو بیوہ کرنا ہو، اپنے بچوں کو یتیم کرنا ہو وہ آ کر میرا مقابلہ کرے لیکن ان کو بھی اجازت نہیں ملی کہ وہ مکہ شریف میں رہ جائیں اور رسول اللہ کے ساتھ نہ رہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی صحبت سے اللہ ملے گا اور اس سے صحبت کی اہمیت ظاہر ہے۔

ہجرت کا حکم اور وطنیت کا بت

اور دوسری بات یہ ہے کہ ہجرت کے حکم سے وطن کا بت بھی گر گیا ورنہ اپنا وطن انسان کو کتنا عزیز ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وطنیت کا بت بھی دلوں سے نکل جائے۔ اسلام میں وطن کوئی چیز نہیں۔ جس زمین پر اللہ راضی ہو، جس زمین پر اللہ مل جائے وہی مومن کا وطن ہے، جب گھر سے بے گھر ہو گئے تو وطن کا بت بھی نکل گیا میرا شعر ہے۔

بت وطن کے بھی ہجرت سے سب گر گئے   سوئے طیبہ چلے جب نبی کے قدم

اللہ کیلئے گھر سے بے گھر ہونا، وطن سے بے وطن ہونا بھی سنت ہے، سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے، سنت صحابہ ہے۔ اس طرف عام لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔ اگر ضرورت ہو تو اس کیلئے تیار رہنا چاہیے۔

بیت اللہ کے مختصر ہونے کی حکمت

ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ جتنے بڑے لوگ ہوتے ہیں ان کا گھر بھی بڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑے ہیں لیکن گھر بالکل چھوٹا سا بنایا۔ میں نے کہا اللہ تو قادر ہے، وہ چاہتا تو یہاں سے جدہ تک کعبہ بنا دیتا مگر آپ ایک ہی پھیرے میں بے ہوش ہو جاتے اور ڈاکٹر آپ کے خون چڑھاتے۔ اس لئے اپنے مہمانوں اور حاجیوں کا طواف آسان ہو جائے بوجہ شان رحمت چھوٹا گھر بنایا۔ اس حکمت پر میرے اشعار ہیں

اور بنوایا گھر اپنا یوں مختصر   سہل ہوتا کہ سب کو طواف حرم
ورنہ مالک اگر گھر بناتا بڑا   کھا کے غش گرتے سب زائران حرم
اپنے کعبہ کا پھیرا کیا مختصر   صاحب بیت کی ہے یہ شان کرم

کعبۃ اللہ کے اردگرد سبزہ زار نہ ہونے کے اسرار

اور کعبہ شریف کے پہاڑوں پر درخت نہیں ہیں اور ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ درخت صحت کے لئے بہت مفید ہیں، یہ آکسیجن نکالتے ہیں مگر رات کو کاربن ڈائی آکسائیڈ بھی نکالتے ہیں۔ اگر کعبہ کے اردگرد درخت ہوتے تو رات کو حاجیوں کو کعبہ چھوڑ کر بھاگنا پڑتا۔ اللہ نے چاہا میرے عاشق رات دن میرے پاس رہیں، جب حج اور عمرہ کرنے آئیں تو کعبہ سے چپکے رہیں، ہمارے بندوں کو کاربن ڈائی آکسائیڈ کے خوف سے کعبہ چھوڑنا نہ پڑے لہٰذا وہاں دن رات قدرتی آکسیجن رہتی ہے اتنی زیادہ آکسیجن وہاں اللہ نے پیدا کی ہے کہ ملک شام کے بڑے بڑے پہلوان جو آکسیجن میں ڈوبے رہتے تھے آئے اور صحابہ سے شکست کھا کر چلے گئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بہت زیادہ درخت اور مناظر ہوتے تو حاجی لوگ کعبہ چھوڑ کر کیمرہ لئے ہوئے درختوں میں بیٹھے سینری لیا کرتے اور اس طرح وہ درخت حاجیوں کو اللہ سے دور کر دیتے۔ اللہ نے چاہا کہ غیر اللہ کو مت چاہو صرف مجھ سے محبت کرو، یہ توحید ہے۔ میرے اشعار ہیں

گو حرم کے پہاڑوں پہ سبزہ نہیں — ہیں مگر دوستو پاسبانِ حرم
ورنہ حاجی درختوں میں بیٹھے ہوئے — کیمرے میں لیا کرتے باغِ حرم
رب کعبہ سے بھی اور کعبہ سے بھی — دور کر دیتے ہم کو جبالِ حرم
ان پہاڑوں پہ بھی حفظ توحید کا — رب کی جانب سے ہے انتظامِ حرم

درختوں پر تو قیامت آجائے گی، یہ سب اجڑ جائیں گے لیکن میری محبت تمہیں جنت تک لے جائے گی اور دنیا کے جو ٹھاٹ باٹ ہیں سب فانی ہیں۔ قیامت کا زلزلہ دنیا کو فنا کر دے گا لیکن جو مر گیا اسی وقت اس کی قیامت آگئی۔ پھر کہاں جاؤ گے آکسیجن لینے۔ آکسیجن تو زندگی کیلئے ہے۔ مرنے کے بعد مردہ کو آکسیجن کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ انتظام کیا ہے کہ ان کو یاد کرو ہمیشہ ہمیشہ تروتازہ رہو گے۔ اگر مکہ شریف کے پہاڑوں پر درخت ہوتے تو رات کو وہاں رہنا مشکل ہوتا۔ ڈاکٹر اور سائنس دان کہتے ہیں کہ رات کو باغات میں

مت سوؤ ورنہ کاربن ڈائی آکسائیڈ بلا اجازت پھیپھڑوں میں گھس جائے گی۔ مدینہ شریف کے پہاڑوں کا بھی یہی حال ہے وہاں بھی درخت نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کا جغرافیہ ایسا بنایا ہے کہ صرف اللہ سے دل لگے۔ مگر شریف میں کعبہ سے چپکے رہو، مدینہ شریف میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوتے رہو۔ مناظر قدرت دیکھنا مقاصد میں نہیں ہے۔ دیکھو اللہ نے اپنا گھر ایسے جغرافیہ میں بنایا جو توحید کو بلند کرتا ہے مکہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ کہیں درخت ہیں؟ ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ نمی میں جراثیم زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ پس اگر یہاں درخت ہوتے تو نمی زیادہ ہوتی اور جب حاجی حج کر کے جانوروں کی قربانی کرتے تو نمی کی وجہ سے ان کی اوجھڑیوں سے، بہت ہی جراثیم پیدا ہو جاتے اور حاجیوں میں ہیضہ (کالرا) پھیل جاتا اور اب بغیر درخت کے لق و دق پہاڑ ہیں اور تیز دھوپ سے اوجھڑی جل کے خاک ہو جاتی ہے اور جراثیم پیدا نہیں ہوتے۔

بیت اللہ اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فاصلے کی عجیب حکمت

بعض لوگوں نے کہا کہ اگر ہجرت فرض نہ کی جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک بھی وہیں بنتا جہاں کعبہ شریف ہے تو اللہ بھی مل جاتا اور رسول اللہ بھی۔ تو میں نے اس کا جواب دیا کہ دل ایک ہے، اس کے دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ اگر روضہ مبارک بھی مکہ مکرمہ میں ہوتا تو عاشقوں کے دل کے ٹکڑے ہو جاتے۔ جب طواف کرتے تو دل لگا رہتا کہ کب روضہ رسول اللہ پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھیں اور جب روضہ مبارک پر جاتے تو دل لگا رہتا کہ کب کعبہ شریف جائیں تو کعبہ شریف اور روضہ مبارک کے درمیان دل کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔ دیکھو رکوع کے بعد سجدہ فوراً فرض نہیں کیا۔ پھر قومہ کا حکم دیا کہ کھڑے ہو جاؤ، کچھ فاصلہ کر لو۔ فصل کے بعد وصل کی قدر ہوتی ہے۔ اگر رکوع کے ساتھ ہی بغیر قومہ کئے سجدہ کا حکم ہو جاتا تو مزہ نہ آتا۔ تھوڑا سا فاصلہ کر دیا تاکہ فراق سے تڑپ کر پھر سجدہ کرو تو سجدہ کا مزہ آجائے گا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف میں اور مدینہ شریف میں فاصلہ کر دیا، تقریباً پانچ سو کلومیٹر کا فاصلہ ہے تاکہ جب کعبہ میں رہو تو کعبہ والے پر قربان ہو جاؤ اور جب مدینہ جاؤ تو چونکہ

فاصلہ ہو گیا تو عشق بڑھ گیا لہٰذا اب روضۂ رسول اللہ پر فدا ہو جاؤ۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔ سب باتیں کتاب ہی میں نہیں ملتیں کچھ آسمان سے بھی ملتی ہیں۔ میرا شعر ہے

میرے پینے کو دوستو سن لو　　آسمانوں سے مے اترتی ہے

بیت اللہ اور روضہ رسول اللہ میں فاصلے کی حکمت پر میرے اشعار ہیں کہ

یہ بھی ہجرت کا اک رازِ تکوین ہے　　ورنہ روضہ بھی ہوتا جوارِ حرم
قلبِ عاشق کے دو ٹکڑے ہوتے یہاں　　درمیانِ حرم روضۂ محترم
جا کے طیبہ میں دے سبز گنبد پہ جاں　　اور کعبہ میں ہو جا فدائے حرم

مدینہ منورہ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

مدینہ پاک کی مٹی سے محبت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جب آپ غزوات سے فارغ ہو کر (مدینہ) پہنچتے تھے تو اپنے بدن مبارک سے چادر اتار کر اونٹنی پر رکھ دیتے تھے تا کہ مدینہ کی مٹی میرے بدن کو لگ جائے۔ معلوم ہوا کہ جہاں سے اللہ کا دین پھیلتا ہے وہ جگہ اللہ کے عاشقوں کے نزدیک بہت محبوب ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں

خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود　　کہ مرا با تو سرِ سودا بود

سب سے بہترین زمین وہ ہے کہ جہاں میرے سر کا سودا آپ کی ذات پاک کے ساتھ ہو جائے، میرا سر فروخت ہو جائے آپ پر، وہ زمین مجھے سب سے پیاری ہے۔ مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا سودا کیا ہے اور آپ کے طفیل میں صحابہ کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی۔

مدینہ منورہ میں مرنے کی فضیلت

اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو استطاعت ہو کہ مدینہ میں مرے وہ مدینہ میں آکر مر جائے اس لئے کہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ (ترمذی)

اور یہ شفاعت ہے اس آدمی کیلئے جو مدینہ میں مرے اور اس کو صحیح قرار دیا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو مدینہ میں مرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ مدینہ میں مرے اس لئے کہ میں مدینہ میں مرنے والے کی

شفاعت کروں گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنے جامع میں حدیث ابن عمر کے حوالہ سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو حسن اور صحیح قرار دیا۔ (المرقاۃ)

اور دوسری فضیلت یہ ہے کہ مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت پہلے ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سب سے پہلا میں وہ شخص ہوں جس سے زمین ہٹائی جائے گی پھر ابوبکر سے پھر عمر سے، پھر میں بقیع کی طرف آؤں گا تو ان کو (اہل بقیع کو) جمع کیا جائے گا پھر اہل مکہ کا انتظار کروں گا پس میں اٹھایا جاؤں گا حرمین کے درمیان سے اور ابن نجار کی روایت میں ہے پس نکلوں گا میں اور ابوبکر اور عمر بقیع کی طرف پس وہ (اہل بقیع) اٹھائے جائیں گے پھر اہل مکہ کو اٹھایا جائے گا۔ (ترمذی و مشکوٰۃ) اور دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

سب سے پہلے جن کی میں سفارش کروں گا اہل مدینہ ہوں گے، پھر اہل مکہ پھر اہل طائف ہوں گے۔ (فتح الباری)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: عبدالمالک بن عباد بن جعفر سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے جن کی سفارش کروں گا وہ اہل مدینہ اور اہل مکہ اور اہل طائف ہوں گے اس کو بزار اور طبرانی نے روایت کیا۔ (مجمع الزوائد)

معلوم ہوا کہ جب مدینہ والوں کی شفاعت ہو جائے گی پھر مکہ والوں کی باری آئے گی۔ وحی کے نزول کا زمانہ تھا۔ اللہ نے یہ وحی نازل نہیں فرمائی کہ ہمارے گھر والوں کو آپ نے بعد میں رکھا، ایسا نزول وحی نہیں ہوا، سکوت ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ بھی اس بات سے راضی ہے جس بات سے اس کا رسول راضی ہے۔

صحابہ کرام کی نظر میں صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت

اور صحابہ نے نفلی حج اور عمرہ کا بہت زیادہ اہتمام نہیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا زیادہ اہتمام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دے دی کہ حج اور عمرہ کا بار بار کرنا

محاء الذنوب ہے، خطاؤں کی معافی بھی ہوگی اور روزی بھی بڑھے گی۔ حج میں تو خرچ ہوتا ہے، بتائیے کتنے تعجب کی بات ہے کہ حج اور عمرہ بار بار کرو تمہاری روزی بڑھ جائے گی۔ معلوم ہوا کہ رزاق کو خوش کرنے سے روزی بڑھ جاتی ہے اور حج وعمرہ بھی عاشقانہ عبادت ہے۔ کعبہ کا طواف کرنا صفا مروہ پر دوڑنا یہ کیا عشق نہیں ہے؟ عرفات منیٰ مزدلفہ یہ سب ارکان عاشقانہ ہیں مگر جب سنت کے مطابق ہوگا، تب قبول ہوگا بہر حال کعبہ شریف اور مدینہ شریف دونوں کی محبت ہمارے ذمہ ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان

جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ دنیوی حکومتوں کا سفیر اس ملک کے بادشاہ کا نمائندہ، ترجمان اور امین ہوتا ہے اور جتنا ہی بڑا ملک ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ اس کے سفیر کی عزت ہوتی ہے۔ سفیر کی زبان بادشاہ کی زبان ہوتی ہے۔ اسی طرح پیغمبر اللہ کا سفیر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سفیر ہیں۔ اسی لئے آپ کا فرمان اللہ کا فرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحیٌ یوحیٰ) (سورۃ النجم)

ترجمہ: ''اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں بلکہ ان کا ارشاد خالص وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔'' (بیان القرآن)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ ہی کا حکم ہے۔ اس میں فرق کرنے والا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو اللہ کے فرمان سے الگ سمجھنے والا یعنی آپ کے ارشادات کا انکار کرنے والا ایمان سے خارج ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اہل ایمان سے فرماتے ہیں

ما آتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا (سورہ حشر پارہ ۲۸)

یعنی ہمارا رسول تمہیں جو کچھ دے اسے سر آنکھوں پر رکھ لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو (اور یہی حکم ہے افعال واحکام میں بھی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کی اجمالی معرفت کیلئے یہی انتساب کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **محمد رسول الله** کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ بظاہر تو یہ تین لفظ ہیں، محمد، رسول اور اللہ لیکن اس میں کس قدر عظمت چھپی ہوئی ہے، ذرا اس انتساب کو دیکھو کہ کس کے رسول ہیں، میری عظمت وجلال وکبریائی سے میرے رسول کی عظمت شان کو پہچانو کہ یہ میرے رسول ہیں اور رسول بھی کیسے کہ خاتم النبیین ہیں، نبوت آپ پر ختم کر دی گئی،

ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين

معارف القرآن میں ہے کہ صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالات نبوت ورسالت میں آپ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ قرآن کریم نے خود اس کو واضح کر دیا ہے۔

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتى یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔ (انبیاء سابقین کے دین بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھے کوئی ناقص نہ تھا لیکن کمال مطلق اس دین مصطفوی کو حاصل ہوا جو اولین وآخرین کیلئے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔

لفظ خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کے بعد قیامت تک آنے والی سب نسلیں اور قومیں آپ ہی کی امت میں شامل ہوں گی اس وجہ سے آپ کی امت کی تعداد بھی دوسری امتوں سے زیادہ ہوگی اور آپ کی روحانی اولاد دوسرے انبیاء کی نسبت سے بھی زیادہ ہوگی۔ (معارف القرآن)

پس آپ سید الانبیاء ہیں، تمام نبیوں کے سردار ہیں، اللہ کے بعد آپ ہی کا درجہ ہے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے نشر الطیب فی الذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس ضمن میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان کے تحت چند احادیث نقل فرمائی ہیں:۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے (یعنی ان کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا) روایت کیا اس کو احمد اور بیہقی نے اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد بھی کہا ہے اور مشکوٰۃ میں شرح السنۃ سے بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیلئے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ جس وقت آدم علیہ السلام ہنوز روح اور جسد کے درمیان میں تھے (یعنی ان کے تن میں جان بھی نہ آئی تھی) روایت کیا اس کو ترمذی نے اور حدیث کو حسن کہا۔

اور حضرت ابو جعفر محمد بن علی (یعنی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء سے تقدم کیسے ہو گیا حالانکہ آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی آدم سے یعنی ان کی پشتوں میں سے ان کی اولاد کو (عالم میثاق میں) نکالا اور ان سب سے ان کی ذات پر یہ اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب سے اول (جواب میں) بلیٰ (یعنی کیوں نہیں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اور اسی لئے آپ کو سب انبیاء سے تقدم ہے گو آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے۔

نشر الطیب کی دوسری فصل ''سابقین میں آپ کے فضائل ظاہر ہونے میں'' یہ روایت منقول ہے کہ حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

فائدہ: اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا اظہار آدم علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہے۔

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے چوک ہو گئی تو انہوں نے (جناب باری تعالیٰ میں) عرض کیا کہ اے پروردگار میں آپ سے بواسطہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت ہی کر دیجئے۔ سو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ ہنوز میں نے ان کو پیدا ہی نہیں کیا۔ عرض کیا کہ اے رب میں نے اس طرح سے پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی (شرف دی

ہوئی) روح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر جو اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سو میں نے معلوم کرلیا کہ آپ نے اپنے نام پاک کے ساتھ ایسے ہی شخص کے نام کو ملایا ہوگا جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق میں زیادہ پیارا ہوگا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم سچے ہو، واقع میں وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے واسطے سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کی اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے الخ اور روایت کیا اس کو حاکم نے اور اس کی تصحیح کی طبرانی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے اور اتنا اور زیادہ ہے کہ (حق تعالیٰ نے فرمایا کہ) وہ تمہاری اولاد میں سب انبیاء سے آخری نبی ہیں۔

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتا ہے کہ میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شعر پڑھا تھا جو اس مضمون کی تائید کرتا ہے۔

اے ختم رسل قرب تو معلوم شد   دیر آمدئ زراه دور آمدئ

اے ختم رسل آپ کا قرب معلوم ہوگیا اس وجہ سے آپ بہت دیر سے آئے اور بہت دور یعنی اللہ تعالیٰ کے بہت قریب سے آئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان

قرآن پاک کی مذکورہ بالا بعض آیات اور بعض احادیث مبارکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کی اجمالی معرفت کیلئے بیان کی گئیں لیکن آپ کی معیت اور صحبت مبارکہ جو کہ صحابہ پر اثر انداز ہوئی اور ان کی زندگی میں جو انقلاب آیا اس کو اللہ تعالیٰ سند کے طور پر قیامت تک آنے والی امت کیلئے قرآن پاک میں بیان فرمارہے ہیں کہ:

محمد رسول الله، والذين معه اشدآء على الكفار رحمآء بينهم ترهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله ورضواناً ، سيماهم في وجوههم من اثر السجود. (سورة الفتح پاره ٢٦)

اے لوگو! میرے رسول کی جلالت شان کو تھوڑا سا سمجھنے کیلئے تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تم جان لو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے رسول ہیں۔ جتنا عظیم میں ہوں اسی سے میرے رسول کی عظمت کو پہچانو۔ بادشاہ کی عظمت سے سفیر کی عظمت ہوتی ہے۔ جتنے بڑے ملک کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اتنی ہی اس کے سفیر کی عظمت واہمیت ہوتی ہے۔ میں تو رب العالمین ہوں' احکم الحاکمین ہوں، سلطان السلاطین ہوں اس سے میرے رسول کی عظمت کو پہچانو لیکن جس طرح تمہاری عقل وفہم وادراک میری عظمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتے اسی طرح میرے رسول کی عظمتوں کا تم کیا احاطہ کرو گے' میرے رسول کے انوار نبوت کو بلا واسطہ دیکھنے سے تمہاری آنکھیں قاصر ہیں۔ لہٰذا میرے رسول کے انوار کو ''**والذین معہ**'' میں دیکھو یعنی ان لوگوں کے اندر دیکھو جن پر میرے رسول کے نور کا عکس پڑ گیا ہے، جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول کی خوشبو میں بسائے گئے ہیں ان میں میرے نبی کی خوشبو سونگھو کہ جن کے شاگردوں کی یہ شان ہے تو استاد کی کیا شان ہو گی! یہ اس ''**معہ**'' یعنی معیت رسول کا فیض ہے جس نے صحابہ کو کیا سے کیا بنا دیا۔

تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوق فراواں کر دیا
پہلے جاں پھر جان جاں پھر جان جاناں کر دیا

جو پہلے کفر وشرک سے مردہ تھے معیت رسول سے حیات ایمانی سے مشرف ہو گئے' جو بتوں کے آگے سر جھکاتے تھے اب اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں سرگرم ہیں اور کفر و شرک سے ایسی شدید نفرت ہو گئی کہ آگ میں جل جانا ان کو کفر پر لوٹ جانے سے زیادہ محبوب ہے' جان مال آل اولاد سب سے زیادہ اب اللہ پیارا ہو گیا' جو شدت غضب پہلے اللہ اور اللہ کے عاشقوں سے تھی رسول پاک کی معیت وصحبت کی برکت سے اب وہ شدت اللہ کے دشمنوں پر محض اللہ کی رضاء جوئی کیلئے صرف ہونے لگی جس کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں موقع مدح میں بیان فرما رہے ہیں (اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ) میرے نبی کے صحبت یافتہ کافروں کے مقابلہ میں بہت اشد، بہت سخت اور تیز ہیں لیکن آپس میں ان کا کیا حال ہے: (رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ) آپس میں بہت مہربان ہیں' ایک دوسرے پر فدا ہیں یہ اس معہ کا فیض ہے کہ جو محبت پہلے نفسانی خواہشات کیلئے تھی میرے نبی کی صحبت نے اس کا رخ بدل دیا اور

وہی محبت اب اللہ کے لئے اللہ سے محبت کرنے والوں پر نثار ہونے لگی۔

میرے رسول کی معیت کا فیض دیکھو کہ بندوں کے ساتھ ان کے اخلاق میں یہ حیرت انگیز انقلاب آ گیا اور میرے ساتھ ان کی عبادت کا کیا مقام ہے: (تَرٰاهُم رُكَّعًا سُجَّدًا) تم دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں جھکے ہوئے ہیں، کبھی سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو لوگ کبھی باطل خداؤں کی عبادت کیا کرتے تھے میرے رسول کی صحبت نے اس محبت کا رخ پھیر دیا اور باطل معبودوں کے سامنے جھکنے والے سروں کو معبود حقیقی کے سامنے جھکا دیا۔ اور ان کے اخلاق و اعمال میں یہ انقلاب کس وجہ سے آیا؟ کافروں کے ساتھ شدت اور ایمان والوں کے ساتھ محبت و رحمت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رکوع و سجود میں انہماک کس غرض کیلئے تھا۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (يَبتَغُونَ فَضلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضوَانًا) ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ میرے شیخ اول حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ یوں فرماتے تھے کہ صحابہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو سونگھتے پھرتے ہیں کہ کیا کر لوں کہ میرا رب خوش ہو جائے۔ ان کے اخلاص کا یہ اثر ہے کہ

(سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود)

ان کی عبدیت کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں سے نمایاں ہو رہے ہیں، یہ آثار خشوع و خضوع کے انوار ہیں جو مومن متقی کے چہرہ میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں، کمال اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہروں پر نور ہے۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ دل جب نور سے بھر جاتا ہے تو آنکھوں سے چھلکنے لگتا ہے، چہرہ سے جھلکنے لگتا ہے۔ اسی کو علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں سیما کی تفسیر میں فرمایا:

(ھو نور یظھر علی العابدین یبدأ من باطنھم الی ظاھرھم)

سیما ایک نور ہے جو اللہ کے عبادت گزار بندوں پر ان کے باطن سے چھلک کر ان کے ظاہر پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ بتا دیا کہ یہ اوصاف جو صحابہ میں پیدا ہوئے یہ ان کی ذاتی صفات نہیں تھیں بلکہ چونکہ وہ ’’وَالَّذِينَ مَعَه‘‘ تھے یعنی معیت رسول پاک

صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حاصل تھی یہ اسی معیت کا فیض تھا کہ اب قیامت تک ان کا مثل پیدا نہیں ہوسکتا، کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا کیونکہ اب سیدالانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کسی کو میسر نہیں ہوسکتی۔ جو وَاِن کانوا مِن قَبلُ لَفِی ضِلاَلٍ مُبِینٍ کے مصداق تھے' کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے اب نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس پڑ جانے سے ہدایت کے چراغ بن گئے' ہر صحابی ستارہ ہدایت بن گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم) میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں' ان میں سے تم جس کی بھی اقتدا کرو گے' ہدایت پا جاؤ گے۔ مشکوٰۃ نبوت سے جس صحابی پر جس قسم کی جو شعاع پڑ گئی وہ اس کا مصداق ہوگیا۔ نگاہ رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق پر پڑی تو ارحم امتی بامتی ابو بکر ہوگئے کہ میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ رحمدل ابوبکر ہیں اور اسی نگاہ مبارک کے صدقے میں شب معراج کی ایک تصدیق سے آپ صدیق ہوگئے جس کو مولانا رومی فرماتے ہیں

چشم احمد بر ابو بکرے زدہ　　از یکے تصدیق صدیق آمدہ

حضرت ابوبکر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک کا ایسا فیضان ہوا کہ ایک تصدیق سے وہ صدیق ہوگئے اور صدیق آئینہ نبوت ہوتا ہے اور مشکوٰۃ نبوت سے فاروق بین الحق والباطل کی ایک شعاع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑ گئی اور آپ فاروق ہوگئے اور اسی نگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اشدھم فی امر اللہ عمر" یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں سب سے اشد عمر ہے۔ حیاء نبوت کی ایک ایک شعاع نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "اصدقھم حیاء عثمان" بنا دیا کہ میرے صحابہ میں حیاء کے اعتبار سے سب سے بڑھے ہوئے حضرت عثمان ہیں اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شعاع کے فیضان ہی سے آپ ذوالنورین بھی ہوگئے اور نگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیض تھا کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علوم و معارف سے آراستہ کر کے باب العلم (علم کا دروازہ) اور اسد اللہ (شیر خدا) اور "اقضاھم علی" یعنی سب سے اچھا فیصلہ کرنیوالا بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک لفظ "معہ" نازل کر کے بتا دیا کہ معیت رسول پاک

صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی کایہ پلٹ دی اور جیسا کہ اوپر حدیث پاک مذکور ہوئی کہ ہر صحابی ستارہ ہدایت ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ صحبت میں اللہ تعالیٰ نے کیمیا کا اثر رکھا ہے۔ جس طرح کیمیا تانبہ کو سونا بنادیتا ہے اسی طرح صحبت کفر وفسق سے مردہ دلوں کو حیات ایمانی سے مشرف کرتی ہے اور دوسری آیت میں ”**کونوا مع الصادقین** “نازل فرما کر مزید صراحت فرمادی کہ اہل صدق اہل تقویٰ کی صحبت ومعیت کے بغیر تم صاحب تقویٰ اور صاحب ولایت نہیں ہو سکتے کیونکہ تقویٰ ہی ولایت کی بنیاد ہے۔ ”**کما قال تعالیٰ ان اولیآء ہ الا المتقون**“ کہ اللہ کا کوئی ولی نہیں سوائے ان کے جو متقی ہیں اور صادقین اور متقین کلی متساوی ہیں جس کی دلیل قرآن پاک کی آیت **اُولٰٓئِکَ الَّذِینَ صَدَقُوا وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُونَ** ہے معلوم ہوا کہ جو صادق ہے وہ متقی ہے اور جو متقی ہے وہ صادق ہے۔

عظمت رسالت کا منکر جہنمی ہے

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کیا شان دی ہے۔ علماء امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا درجہ ہے لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ قربان ہو، پھر اس کی کیا قربانی ہے، کوئی اللہ پر قربان ہے، شہادت کیلئے تیار ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اس کے دل میں نہیں ہے تو جہنم میں جائے گا اس لئے عظمت رسالت بھی ایمان کیلئے لازمی ہے۔ (مولانا منصور الحق صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے بہت قیمتی بات بتائی۔ جامع) بعض لوگ شہید ہونے کیلئے تیار ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت میں کمی ہے جس کی دلیل ہے کہ سنت کی اتباع نہیں کرتے، گناہوں سے نہیں بچتے تو یہ دلیل ہے کہ ان کے دل میں اللہ کی عظمت میں بھی کمی ہے۔ عظمت رسول عظمت اللہ کی دلیل ہے جس کے دل میں اللہ کی جس قدر عظمت ہوگی اسی قدر اس کے دل میں رسول کی عظمت بھی ہوگی۔ ثابت ہوا کہ جس کے دل میں رسول اللہ کی عظمت نہیں اس کے دل میں اللہ کی بھی عظمت نہیں ہے، اس لئے رسالت کا منکر اللہ کا منکر ہے اس لئے جہنمی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ کن لوگوں کو محبوب ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے ارشاد لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة لمن کان یرجو ا الله والیوم الأخر وذکر الله کثیراً سے معلوم ہوا کہ اتباع سنت کس کو نصیب ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ کن کو محبوب ہے اور کون لوگ آپ کے اسوہ حسنہ کو اختیار کرتے ہیں؟ جو اللہ سے ڈرتے ہیں قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتے ہیں، ذکر اللہ سے مراد صرف ذکر لسانی نہیں ہے بلکہ تمام احکامات خداوندی کی اطاعت ہے ان کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے رسول ہی میں بہترین نمونہ ہے۔ اس میں ایک علمی نکتہ یہ ہے کہ آیت میں متعلقات کو مقدم کیا گیا جن کا حق تاخر کا تھا جس سے معنی حصر کے پیدا ہو گئے التقدیم ما حقه التاخیر یفید الحصر تو معنی یہ ہوئے کہ صرف میرے رسول ہی میں اسوہ حسنہ موجود ہے، رسول اللہ کے علاوہ اسوہ حسنہ کسی اور میں ہو ہی نہیں سکتا اور چونکہ اسوہ حسنہ وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں یعنی مومن کامل ہیں اور ذاکر یعنی مطیع و فرماں بردار ہیں اس لئے صوفیاء ایمان میں ترقی، اللہ اور آخرت پر یقین اور اللہ کے احکامات کی بجا آوری کیلئے ذکر اور مجاہدات کراتے ہیں تاکہ یرجوا الله کے مصداق ہو کر متبع سنت ہو جائیں۔ سنت پر عمل وہی کرے گا جو اللہ تعالیٰ اور یوم قیامت سے ڈرے گا اور فرماں بردار ہوگا۔ یہ لطائف قرآنیہ سے ہے تفسیر نہیں ہے۔

درود شریف کی اہمیت اور لفظ درود کے معانی

درود شریف کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا حکم دیا ہے: ان الله وملٰئکته یصلون علی النبی یآیھا الذین ا منوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً۔

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اے

ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (تا کہ آپ کا حق عظمت جو تمہارے ذمہ ہے ادا ہو جائے (بیان القرآن)

اس کی تفسیر میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا رحمت بھیجنا تو رحمت فرمانا ہے اور مراد اس سے رحمت مشترکہ نہیں ہے کہ اس سے اختصاص مقصود ثابت نہیں ہوتا بلکہ رحمت خاصہ ہے جو آپ کی شان عالی کے مناسب ہے اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا اور اسی طرح جس رحمت کے بھیجنے کا ہم کو (مسلمانوں کو) حکم ہے اس سے مراد اس رحمت خاصہ کی دعا کرنا ہے اور اسی کو ہمارے محاورہ میں درود کہتے ہیں (انتھی کلامہ) یعنی اللہ تعالی کے رحمت بھیجنے سے مراد نزول رحمت ہے اور رحمت بھی مشترکہ نہیں جو دوسروں کو بھی حاصل ہے، بلکہ وہ رحمت خاصہ مراد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کے شایان شان ہے اور جو مخلوق میں سوائے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو حاصل نہیں اور فرشتوں کے رحمت بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس رحمت خاصہ کی دعا کرتے ہیں اور آیت میں آگے مومنین کو جو رحمت بھیجنے کا حکم ہو رہا ہے اس سے بھی مراد اس رحمت خاصہ کی دعا کرنا ہے جس کو عرف عام میں درود کہتے ہیں اور آیت کا عاشقانہ ترجمہ میں یہ کرتا ہوں کہ "اللہ تعالی اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار کرتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی میرے نبی سے پیار کرو۔"

حضرت مولانا فضل رحمان صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشقانہ ترجمانہ یوں کرتے تھے کہ اللہ پیار کرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور سلامت رکھے ان کو۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اصل مقصود آیت کا مسلمانوں کو یہ حکم دینا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کریں مگر اس کی تعبیر و بیان میں اس طرح فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ نے خود اپنا اور اپنے فرشتوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عمل صلوٰۃ کا ذکر فرمایا، اس کے بعد عام مومنین کو اس کا حکم دیا جس میں آپ کے شرف اور عظمت کو اتنا بلند فرما دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جس کام کا حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے وہ کام ایسا ہے کہ

خود حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی وہ کام کرتے ہیں تو عام مؤمنین جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات بے شمار ہیں ان کو تو اس عمل کا بڑا اہتمام کرنا چاہیے اور ایک فائدہ اس تعبیر میں یہ بھی ہے کہ اس سے درود و سلام بھیجنے والے مسلمانوں کی ایک بڑی فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام میں شریک فرما لیا جو کام حق تعالیٰ خود بھی کرتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی (انتہیٰ) پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم الشان شرف حاصل ہے کہ اس عمل میں اللہ تعالیٰ خود شریک ہیں۔ آگے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو نسبت صلوٰۃ کی ہے، اس سے مراد رحمت نازل کرنا ہے اور فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ ان کا آپ کیلئے دعا کرنا ہے اور عام مؤمنین کی طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعا و مدح و ثناء کا مجموعہ ہے۔ عامہ مفسرین نے یہی معنی لکھے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو العالیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد آپ کی تعظیم اور فرشتوں کے سامنے مدح و ثناء ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تعظیم دنیا میں تو یہ ہے کہ آپ کو بلند مرتبہ عطاء فرمایا، کہ اکثر مواقع اذان و اقامت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر شامل کر دیا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو دنیا بھر میں پھیلا دیا اور غالب کیا اور آپ کی شریعت پر عمل قیامت تک جاری رکھا۔ اس کے ساتھ آپ کی شریعت کو محفوظ رکھنے کا یہ ذمہ حق تعالیٰ نے لے لیا اور آخرت میں آپ کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کا مقام تمام خلائق سے بلند و بالا کیا اور جس وقت کسی پیغمبر اور فرشتے کو شفاعت کی مجال نہ تھی اس حال میں آپ کو مقام شفاعت عطاء فرمایا جس کو مقام محمود کہا جاتا ہے (انتہیٰ کلامہ)

درود شریف کے کچھ مزید معانی

بعض اور علماء نے بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود تک پہنچانا ہے جو مقام شفاعت ہے اور فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی درجات کیلئے دعا اور آپ کی امت کیلئے استغفار کرتے ہیں اور مؤمنین کے درود سے مراد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ

کے ساتھ محبت کرنا اور آپ کے اوصاف جمیلہ وسیرت عالیہ کا تذکرہ وتعریف کرنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل محبوبیت

اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل محبوبیت ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعریف وتوصیف اور اعزاز واکرام فرمایا مثلاً آدم علیہ السلام کیلئے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا لیکن کسی حکم اور کسی اعزاز واکرام میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی کرو۔ یہ اعزاز صرف ہمارے پیارے نبی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے کہ درود شریف کی نسبت پہلے اپنی طرف فرمائی اور پھر فرشتوں کی طرف کرنے کے بعد اہل ایمان کو حکم دیا کہ اے مسلمانو! تم بھی میرے نبی پر درود بھیجو۔ اس عمل میں اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ شرکت نعمت نہیں ہے؟ جس تجارت میں بادشاہ کا حصہ بھی ہو اس تجارت میں خسارہ اور (Loss) ہوسکتا ہے؟ وہ بزنس گھاٹے میں جاسکتی ہے؟ درود شریف بھیجنا اللہ کا کام ہے اور فرشتوں کا کام ہے اس میں اپنا حصہ لگالو، یہ ”تجارۃ لّن تبور“ ہے اس میں خسارہ ہے ہی نہیں۔

درود شریف کی فضیلت پر بعض احادیث مبارکہ

نشر الطیب میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس کے دس گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند ہوتے ہیں۔ روایت کیا اس کو نسائی نے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میرے ساتھ سب آدمیوں سے زیادہ قرب رکھنے والا وہ ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجتا ہو روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے ملائکہ زمین میں سیاحت کیا کرتے ہیں

اور میری امت کا سلام مجھ کو پہنچاتے ہیں۔ روایت کیا اس کو نسائی اور دارمی نے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ذلیل وخوار ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جاوے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے، روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

فائدہ: اس حدیث سے محققین نے کہا کہ آپ کا نام مبارک سن کر اول بار درود پڑھنا واجب ہے پھر مکرر اگر اسی مجلس میں ذکر ہو تو مستحب ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ دعا معلق رہتی ہے درمیان آسمان وزمین کے اس میں سے کچھ بھی (مقام قبول تک) نہیں پہنچتی جب تک کہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود نہ پڑھو، روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

درود شریف کی ایک عجیب خصوصیت

میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت حکیم الامت تھانوی صاحب سے صرف سات برس چھوٹے تھے اور حضرت کے بہت پرانے خلفاء میں تھے اور دوسرے خلفاء بھی حضرت کی خدمت میں باادب بیٹھتے تھے وہ فرماتے تھے کہ صرف درود شریف ایسی عبادت ہے جس میں منہ سے بیک وقت اللہ تعالیٰ کا نام بھی نکلتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی نکلتا ہے' دونوں نام ایک ساتھ نکلتے ہیں' درود شریف کے علاوہ اور کوئی عبادت ایسی نہیں جس میں دونوں نام ساتھ ساتھ نکلیں

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ما ایم میان دو کریم

اے میرے رب آپ کریم ہیں اور آپ کا نبی بھی کریم ہے' سینکڑوں شکر ہے کہ ہم دو کریم کے درمیان ہیں' ہماری کشتی پھر کیسے ڈوب سکتی ہے۔ ایک شاعر نے کہا کہ جب میں نے درود شریف پڑھا تو اللہ تعالیٰ کا نام بھی منہ سے نکلا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی نکلا اس وقت اتنا مزہ آیا کہ جیسے

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
ہاتھ میرے دونوں نکلے کام کے

اس لئے جو فرائض وواجبات وسنت موکدہ ادا کرتا رہے' گناہوں سے بچتا رہے اور

صرف درود شریف کثرت سے پڑھتا رہے اس کی مغفرت کی ضمانت ہے۔ ارے محبت بھی تو کوئی چیز ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تو عین ایمان ہے۔

درود شریف پڑھنے کا ایک دل نشین طریقہ

میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب درود شریف پڑھو تو سوچو کہ میں روضہ مبارک کے سامنے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو بارش ہو رہی ہے اس کے کچھ چھینٹے مجھ پر بھی پڑ رہے ہیں۔ اس تصور سے درود شریف پڑھیے پھر دیکھیے کیسا مزہ آتا ہے درود شریف ایسی عبادت ہے جس میں منہ سے بیک وقت اللہ تعالیٰ کا نام بھی نکلے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی نکلے۔ اللہ و رسول دونوں جس عبادت میں جمع ہو جائیں اس کا کیا کہنا ہے کہ اللہ بھی راضی اور رسول اللہ بھی راضی

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جانا نعمت عظمیٰ ہے اکثر درود شریف کی کثرت اور کمال اتباع سنت اور غلبہ محبت سے یہ نصیب ہو جاتی ہے لیکن یہ کوئی کلیہ اور لازمی امر نہیں اس لئے اگر کسی کو نصیب نہ ہو تو مغموم نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کسی کو اتباع سنت‘ تقویٰ اور گناہوں سے حفاظت حاصل ہے لیکن خواب میں زیارت نہیں ہوئی تو مغموم نہ ہو کہ اس کو مقصود یعنی اتباع حاصل ہے اور اگر کسی کو زیارت ہو گئی لیکن اطاعت و تقویٰ نصیب نہیں تو یہ اس کیلئے کافی نہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی متبع سنت، متقی اور پرہیزگار خواب میں روزانہ خود کو جہنم میں جلتا ہوا دیکھتا ہے تو یہ خواب اس کیلئے کچھ مضر نہیں اور کوئی غیر متقی فاسق و فاجر کو روزانہ خواب میں زیارت ہوتی ہے تو یہ خواب اس کیلئے کچھ مفید نہیں کیونکہ ان کو کیا مل گیا جنہوں نے بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لیکن اتباع نہ کی جیسے ابوجہل اور ابولہب۔ یہ صورۃً قریب تھے معناً دور تھے اور بعضے جنہوں نے آپ کو نہیں دیکھا لیکن اتباع و محبت کی وجہ سے وہ صورۃً دور تھے معناً قریب تھے جیسے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ، بہرحال چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نعمت عظمیٰ اور سعادت ہے۔ اس لئے نشر

الطیب سے چند احادیث زیارت کی فضیلت کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے مجھ کو ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

فائدہ: اس میں بشارت ہے اس خواب دیکھنے والے کیلئے حسن خاتمہ کی چنانچہ بزرگان دین نے ایسے خواب کی یہی تعبیر دی ہے کہ اس شخص کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ پورا قصیدہ بردہ شریف روزانہ تہجد کے وقت پڑھتے تھے۔ سب زبانی یاد تھا' ساتوں منزل روزانہ پڑھتے تھے ہم لوگوں سے تو ایک منزل بھی نہیں پڑھی جاتی اور ساتوں منزل مناجات مقبول کی روزانہ پڑھتے تھے اور بارہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایک مرتبہ تو ایسا دیکھا کہ فرمایا حکیم اختر میں نے آج خواب میں ایسا دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے لال لال ڈورے بھی نظر آئے۔ میں نے خواب ہی میں پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں نے آپ کو خوب دیکھ لیا تو فرمایا ہاں عبدالغنی تم نے اپنے رسول کو آج خوب دیکھ لیا۔ کیا کہوں پوری داستان آنکھوں کے سامنے سے گزر گئی۔ سترہ سال ساتھ رہا۔ میں سمجھتا تھا کہ میرے شیخ کے انتقال کے بعد صدمہ و غم میں میرا بھی انتقال ہو جائے گا مگر انتقال اللہ کے قبضہ میں ہے جب ان کا حکم ہوگا تب ہوگا انتقال۔

(حضرت مولانا عبدالحمید صاحب نے کہا انشاء اللہ ابھی تو بہت دور ہے۔ آمین۔ جامع)

فرمایا کہ میرے شیخ کی آواز ایسی پیاری تھی کہ جب تلاوت کرتے تھے تو لگتا تھا کہ ساز بج رہا ہے۔ حضرت فجر کی نماز پڑھا رہے تھے ہندوؤں کی بارات رک گئی۔ ایسی پیاری آواز آئی کہ بارات آگے نہ بڑھ سکی جب تک نماز ختم نہیں ہوئی تب تک سب ہندو تلاوت سنتے رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر رحمت و شفقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو محبت، رحمت اور شفقت اپنی امت کے ساتھ تھی اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اس کی شہادت دے رہے ہیں:

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص

علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم. (سورۃ توبہ‘ پ: ۱۱)

یعنی ہم نے تمہارے پاس اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے جو تم میں ہی سے ہیں یعنی تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کی شفقت ورحمت کی کیا شان ہے؟ کہ تمہاری مضر کی بات ان کو گراں گزرتی ہے‘ چاہتے ہیں کہ تم کو کوئی ضرر نہ پہنچے اور وہ تم پر حریص ہیں اور حریص کس بات پر ہیں؟ علامہ آلوسی اس کی تفسیر فرماتے ہیں کہ:

(حریص علی ایمانکم وصلاح شأنکم)

وہ تمہارے ایمان پر اور تمہاری صلاح شان پر حریص ہیں کہ تم ایمان لے آؤ اور تمہاری حالت کی اصلاح ہو جائے۔ اس کو کسی شاعر نے کہا ہے

حرصکم دائر علی ایماننا لا بذات بل صلاح شاننا

اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی حرص کا تعلق ذات سے نہیں ہے بلکہ ہمارے ایمان اور ہماری صلاح شان سے ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ **فان الحرص لا تتعلق بذواتھم** کیونکہ اس حرص کا تعلق اے صحابہ تمہاری ذات سے نہیں ہے ان کی نظر تمہاری دنیا اور تمہارے مال پر نہیں ہے‘ وہ صرف تمہارے ایمان اور تمہاری اصلاح حال پر حریص ہیں کیونکہ ہم نے اپنے ہر نبی کی زبان سے یہ اعلان کرایا ہے کہ **وما اسئلکم علیه من اجرٍ ان اجری الا علی رب العالمین** (سورۃ الشعراء)

میں تم سے اس دعوت الی اللہ کا کوئی بدلہ اور صلہ نہیں مانگتا‘ میرا صلہ تو میرے رب کے پاس ہے۔ اس **حریص علیکم** میں امت دعوت یعنی کفار بھی شامل ہیں۔ آپ کی شفقت و رحمت کی یہ شان ہے کہ کفار کے ایمان و اسلام کیلئے بھی آپ اپنی جان پاک کو گھلا رہے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا اور فرمایا اے نبی کیا ان کافروں کے ایمان نہ لانے کے غم میں آپ اپنی جان دے دیں گے۔ **کما قال اللہ تعالیٰ فلعلک باخعٌ نفسک علی اٰثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفاً** (سورۃ کھف‘ پ:۱۵)

لعلک باخعٌ نفسک الا یکونوا مؤمنین (سورۃ الشعراء‘ پ: ۱۹)

جب دشمنوں پر آپ کی رحمت کی یہ شان ہے تو اہل محبت یعنی مومنین کے ساتھ آپ کی

رحمت وشفقت کا کیا عالم ہوگا اسی کو حق تعالیٰ نے اگلی آیت میں بیان فرمادیا جو "**تخصیص بعد التعمیم**" ہے یعنی "**حریص علیکم**" میں تو عموم ہے کہ اس میں مؤمنین وکفار دونوں شامل ہیں لیکن آگے مومنین کو خاص فرمارہے ہیں کہ "**بالمؤمنین رءوف رحیم**" مومنین کے ساتھ تو آپ رؤف ورحیم ہیں یعنی بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ رأفت کے معنی ہیں دفع مضرت اور رحمت کے معنی ہیں جلب منفعت تو یہ معنی ہوئے کہ جو باتیں اہل ایمان کیلئے مضر ہیں ان کو دفع کرتے ہیں اور جو باتیں مؤمنین کیلئے نفع بخش ہیں وہ عطا کرتے ہیں اور ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین پر آپ کی شان رحمت کی یوں شہادت دی ہے کہ: **النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم** (سورۃ احزاب' پ: ۲۱)

یعنی اے ایمان والو! جتنی محبت تمہیں اپنی جانوں کے ساتھ ہے ہمارے نبی کو اس سے زیادہ محبت تمہاری جانوں سے ہے۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری جانوں کے ساتھ ایسا تعلق ہے جو خود ہمیں اپنی جانوں سے نہیں تو ہم پر آپ کا حق اپنی جان سے زیادہ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم اپنی جان سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں اور اس محبت کا ثبوت یہ ہے کہ ہر کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں

(فان المحب لمن یحب مطیع)

کیونکہ عاشق جس سے محبت کرتا ہے اس کا فرماں بردار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر ہم اپنی کروڑوں جانیں قربان کردیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حق ادا نہیں ہوسکتا

یا رب صل وسلم دائماً ابداً　　علی حبیبک خیر الخلق کلھم

اے ہمارے رب! آپ اپنے محبوب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ قیامت تک پیار فرمایئے اور ان کو سلامت رکھئے یعنی ان پر رحمت وسلامتی نازل فرماتے رہئے جو ساری خلائق میں سب سے زیادہ آپ کے پیارے ہیں۔

اِسمِ مُحَمَّد

صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ

عظمت اسلام

اللہ نے ہمیں ایمان دیا ہے، اللہ کی رحمت کی اتنی بڑی بارش ہمارے اوپر ہوئی ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا، ساری دنیا کے کافر مسلمانوں کی وجہ سے زندہ ہیں، ساری دنیا کے مشرک، عیسائی، یہودی، مسلمانوں کی وجہ سے زندہ ہیں، ایمان نہ ہو تو ساری کائنات توڑ دی جائے مسلمان نہ ہو تو زمین و آسمان کا نقشہ ٹوٹ جائے۔ **لا تقوم الساعة حتی یقال علی وجه الارض** اللہ اللہ جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، آپ اندازہ لگائیں اور یہ مسلمان بھی پکا ہوگا جس کو نہ نماز کا پتہ ہے اور نہ روزے کا، نہ حلال کا پتہ ہے، نہ حرام کا پتہ، صرف وہ **لا اله الا الله محمد رسول الله** پڑھتا ہے اور اسے کچھ پتہ نہیں۔ ابھی اللہ کا فضل ہے کہ ہم اس سطح کے نہیں ہیں کچھ اچھے کام بھی کرتے ہیں کچھ برے کام بھی کرتے ہیں، جب تک مسلمان زندہ ہے یہ سورج چمکے گا، یہ چاند گھٹے اور بڑھے گا، یہ ہوائیں چلتی رہیں گی، یہ بادل اٹھتے رہیں گے، یہ بارشیں برستی رہیں گی اور یہ زمین اپنے غلے اگلتی رہے گی، یہ موسم بدلتے رہیں گے زمین و آسمان کی گردش چلتی رہے گی، فرشتوں کا آنا جانا ہوتا رہے گا، یہ پورا نظام چلتا رہے گا۔ یہ بند نہیں ہوسکتا جب تک یہ مسلمان موجود ہے۔ جب یہ مرے گا تو اب اللہ کو اس کائنات کی کوئی ضرورت نہیں، ساری کائنات کے اوپر پروندہ پھیر دے گا، تو مسلمان اتنا قیمتی ہے۔ ہم اپنی قیمت کو محسوس کریں، احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں، آسٹریلیا والے آپ کی برکت سے کھا رہے ہیں، یہ نہیں کہ ہم ان کی برکت کی وجہ سے کھا رہے ہیں، امریکہ والے، یورپ والے، ساتوں براعظم کی چیونٹیاں تک مسلمان کی برکت سے روزی کھا رہی ہیں۔ شیطان کو بھی

رزق مسلمانوں کی وجہ سے مل رہا ہے' کافر جنات کو بھی مسلمانوں کی وجہ سے مل رہا ہے' پرندے چرندے' سانپ کیڑے مکوڑے مسلمانوں کی وجہ سے رزق کھا رہے ہیں۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی دنیا سے مٹ جائے گا تو کائنات کا نظام بھی توڑ دیا جائے گا' اللہ کو کسی کے ساتھ رشتہ داری نہیں ہے اور اللہ نے یہ دولت ہمیں مفت دی ہے' بغیر مانگے دی ہے۔ اب ہمارا فقیر سے فقیر آدمی بھی امریکہ کے صدر سے زیادہ خوش قسمت ہے کہ اس نے اللہ کو پہچان لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہچان لیا' ہمارا ان پڑھ جاہل اجہل جو انگوٹھے لگانا بھی نہیں جانتا وہ بھی دنیا کے بڑے سائنس دان آئن اسٹائن سے زیادہ سمجھدار ہے' اس نے اللہ اور رسول کو پہچان لیا اور اس پاگل نے اللہ کو پہچانا اور نہ رسول کو پہچانا' سارے آسٹریلیا کے سائنسدانوں سے ہمارا ریڑھی چلانے والا مسلمان زیادہ سمجھدار ہے۔ وہ آخرت کو جان گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اللہ پر ایمان لایا' وہ اس کائنات کے رب کو جان گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا آخری رسول مان لیا اور اس سے زیادہ دنیا میں کوئی عقل مند نہیں۔ گارے مٹی کی زندگی میں جستجو کھپا دینا یہ تو عقل کی کوئی انتہا نہیں' مگر بے عقلی کی ضرور ہے ایک دفعہ گشت میں بات ہو رہی تھی ایک آدمی نے کہا کہ لوگ چاند تک پہنچ گئے لیکن تم لوگ ابھی تک نماز' روزہ کی باتیں کرتے پھرتے ہو؟ ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ جانور بن کے چاند پر پھرنے سے زیادہ بہتر ہے کہ انسان بن کے زمین پر چلا جائے' ہر ایک چیز کی تخلیق میں الگ الگ مقصد ہے اللہ نے ہمیں ایک مقصد دیا ہے آپ غور فرمائیں کہ ہم خود پیدا ہوتے ہیں یا اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ یہ شکل میں نے اپنی مرضی سے اختیار نہیں کی اور میرے ماں باپ سے اللہ نے نہیں پوچھا' ہمیں پنجاب میں پیدا کیا ہم سے مشورہ نہیں لیا' آپ لوگوں کو یہاں آسٹریلیا میں پیدا کیا آپ لوگوں سے مشورہ نہیں کیا' عربی کو عربی بنایا' عجمی کو عجمی بنایا' مرد کو مرد بنایا' عورت کو عورت بنایا رنگ الگ شکل الگ' کسی کی ناک کھڑی' کسی کی ناک چپٹی' کسی کو اونچا کسی کو نیچا' کوئی کالا کوئی گورا' کوئی موٹا کوئی پتلا' کسی سے اللہ نے مشورہ لیا؟ آسمان سے فیصلہ کیا ﴿هو الذی يصوركم فی الارحام كيف يشاء﴾ اللہ وہ رب ہے تمہیں ماں کے رحم میں جیسا چاہتا ہے شکل دیتا ہے۔ شکل اس نے دی' صورت بھی اس نے

دی، زندگی گزارنے کا طریقہ بھی اس نے دیا ہے، پوری دنیا کے علوم اکٹھے کیے جائیں تو اس میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں مل سکتا کہ جو بتائے کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ جو آدمی اپنی زندگی کے مقصد کو نہ پہچان سکے تو اس کے پاس کون سا علم ہے جو اس کو نجات دے سکے۔ زمین کیوں ہے؟ ہوا کیا ہے؟ لوہا کس لئے ہے؟ اور کیا ہے وہ ساری کائنات کے ذرے ذرے کی چھان بین میں لگ کر ہم سے غافل ہو گئے کہ میں کیوں ہوا اور کیا ہوں؟ یہ تو سب سے بڑا سوال تھا حل کرنے والا کہ میں کیوں اور کیا ہوں؟

کائنات کا مقصد

میرے بھائیو! آپ یہ غور فرمائیں کہ ہمارا وجود اپنا نہیں بنانے والے نے اسے بنایا ہے، اور مقصد بھی اسی نے دیا ہے، ساری دنیا کے ڈاکٹر اور سائنس دان بتا نہیں سکتے کہ میں کیوں، پیدا ہوا ہوں؟ اللہ نے اصل مقصد بتایا ہے کہ یہ کائنات کیوں پیدا ہوئی ہے اور اس کا کیا مقصد ہے؟ اسی مقصد پر آنا زندگی کی معراج ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنا کامیابی ہے۔ مال کا آنا اور اس کا چلا جانا اس بات سے کامیابی اور ناکامی کا کوئی جوڑ نہیں کامیاب زندگی وہ ہے جو اللہ کی منشاء کے مطابق ہے، جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے غافل ہو کر نفس اور شیطان کی پوجا میں لگا ہوا ہے تو یہ درحقیقت ایک ناکام زندگی کا تصور ہے۔ ہمیں زندگی کا جو تصور دیا گیا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ آج کی دنیا میں تصور زندگی یہ ہے کہ مال و دولت ہے بڑی گاڑیاں، بڑی بڑی بلڈنگ، بڑی بہترین زندگی ہے، کچھ نہیں اس کا کیا پوچھنا، بڑا ذلیل آدمی ہے، چھوٹا آدمی ہے، تھکڑ سا آدمی، زندگی کا یہ رخ ہمیں اللہ کی طرف سے نہیں ملا۔

دنیا کا کامیاب انسان کون؟

اللہ نے جو رخ دیا ہے وہ یہ ہے کہ جو میری مان کے چل رہا ہے اور میرے نبی کی مان کے چل رہا ہے وہ دنیا کا سب سے کامیاب انسان ہے۔ جو مجھ سے ہٹ کر چل رہا ہے اور میرے نبی کے طریقوں سے دور چل رہا ہے وہ دنیا کا ناکام ترین انسان ہے، اللہ کہہ رہا ہے الم يعلموا کیا تمہیں پتہ نہیں ہے ﴿انه من يحادد الله ورسوله فان له نار جهنم

خالدا فیها ذالک الخزی العظیم ﴾ تمہیں پتہ نہیں جو میرا اور میرے رسول کا دشمن ہو جائے وہ جہنم کی آگ میں جائے گا' یہی اصل ناکامی ہے' یہی بڑی ذلت ورسوائی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ فقیر ہو گئے تو ذلیل ہو گئے جبکہ اللہ کہتا ہے کہ میرے اور میرے رسول کے نافرمان ہو گئے تو ذلیل ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھ کے نماز پڑھ رہے ہیں' ایک نبی میں چالیس آدمیوں کی طاقت ہوتی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں کتنی طاقت ہوگی' آپ بیٹھ کے نماز پڑھ رہے ہیں' حضرت ابوہریرہؓ آئے یارسول اللہ بابی انت وامی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' آپ بیٹھ کر کیوں نماز پڑھ رہے ہیں؟ پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بھوک' ہمت نہیں ہے پاؤں میں کھڑے ہونے کی۔ یہ جو میرا اور آپ کا ذہن ہے اس کے مطابق بڑی ذلت کی بات یہ ہے کہ روٹی نہیں مل رہی۔ سب سے اونچی ذات جس کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو جائے' جہاں ساری کائنات کی طاقتیں ختم ہو جائیں' کائنات کی سب سے بڑی مخلوق جبرائیلؑ ہیں' جبرائیلؑ کی جہاں جسمانی اور روحانی طاقتیں ختم ہوئیں وہیں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی پرواز شروع ہوئی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر عرش سے ایک تجلی پڑی تو چالیس دن بے ہوش رہے اور ہوش نہیں آیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے کھڑا کر کے خطاب فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری تجلیات کو برداشت کیا ہے۔

میرے بھائیو! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان ہونا بہت بڑی دولت ہے' ڈالر سے پاؤنڈ سے' گاڑیوں سے' بنگلوں سے' سب سے اعلیٰ چیز یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں ایمان کی دولت دی ہے۔

ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آنسو نکلا ہوا ہے' لہٰذا کسی کو کبھی گھٹیا نہیں سمجھنا چاہئے مسلمان کو ذلیل کرنا بیت اللہ کو گرانے سے بڑا گناہ ہے' (الحدیث) بیت اللہ کو کسی نے توڑ دیا یہ چھوٹا گناہ ہے بنسبت اس بات کے کہ کسی مسلمان کو بے عزت کر دیا یہ بڑا گناہ ہے۔

مومن جہنم میں نہیں جائے گا

کمزور سے کمزور مسلمان کیلئے بھی قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہوگی۔ دنیا کی سب سے قیمتی متاع مسلمان ہیں' ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی جہنم میں رہیں

گے تو اللہ پاک انبیاء سے صدیقین سے، شہداء سے کہے گا جاؤ جتنے انسان جہنم سے نکال کر لا سکتے ہو تو نکالو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر بے شمار مخلوق نکلے گی، اب اللہ پاک فرمائیں گے کہ اب میری باری ہے تم سب فارغ ہو گئے **لم یقض الا ارحم الراحمین** اب اللہ پاک اپنے دونوں ہاتھوں سے جہنم کے اندر سے ایمان والوں کو نکالے گا اسی طرح تین دفعہ نکالیں گے اور جس کے دل میں ایٹم کے کروڑواں حصہ کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ پھر بھی رہ جائے گا اس کے بعد جہنم سے جبرائیلؑ کو یا حنان، یا منان کی آواز آئے گی کہیں گے ایک ابھی باقی ہے اس کی باری نہیں آئی، تو اللہ پاک کہیں گے جاؤ اس کو نکال لے آؤ، تو وہ آئیں گے اور داروغہ جہنم سے کہیں گے ارے بھائی ایک اٹکا ہوا آخری قیدی ہے اس کو نکال دو، تو وہ جہنم کے اندر جا کر واپس آئیں گے اور کہیں گے کہ دوزخ نے اب کروٹ بدل دی ہے اور ہر چیز پلٹ دی ہے پتہ نہیں وہ کہاں ہے، دوزخ کا ایک پتھر ساتوں براعظم کے پہاڑوں پر رکھ دیا جائے تو سارے پہاڑ پگھل کر سیاہ پانی میں تبدیل ہو جائیں گے اور دوزخ کی ایک چٹان ساری دنیا کے پہاڑوں سے وزنی اور بڑی ہے دوزخ میں اگر سوئی کے برابر بھی سوراخ ہو جائے تو اس کی آگ سارے جہاں کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ دوزخ سے ایک آدمی کو بھی نکال کر ایک لاکھ آدمیوں میں بٹھایا جائے اور وہ ایک سانس بھی لے تو اس کی ایک سانس کی وجہ سے ایک لاکھ آدمی مر کے ختم ہو جائیں گے۔

پل صراط پر آگ پکارے گی

یہ قید خانہ ہے کوئی معمولی چیز نہیں کہ دو چار تھپڑ لگیں گے پھر اٹھا کر جنت میں لے آئیں گے، آسان مسئلہ نہیں ہے، اگر دھلائی ہوگی تو بڑی زبردست ہوگی، تو جبرائیلؑ آئیں گے اللہ سے عرض کریں گے کہ پتہ نہیں چل رہا وہ کہاں ہے، اللہ تعالیٰ بتا دے گا کہ جہنم کی فلاں چٹان کے نیچے پڑا ہے، تو وہ آئیں گے چٹان کو اٹھائیں گے تو نیچے سانپ اور بچھو میں پھنسا پڑا ہوگا، ایک دفعہ وہ دوزخ کا سانپ ڈنگ مارے تو چالیس سال تک تڑپتا رہے گا، اس کو جھٹکا دے کر نکالیں گے پھر صاف ہو جائے گا، اس کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا اس سے وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا

نکلے گا، پل صراط سے اس کو گزارا جائے گا اور پل صراط فقط مسلمانوں کیلئے ہے کافروں کیلئے نہیں ان کو تو سیدھا جہنم کے گیٹ سے داخل کیا جائے گا۔ وسیق الذین کفروا الی جھنم زمرا، حتی اذا جآء وھا وفتحت ابوابھا یہ کافر کیلئے ضابطہ ہے، کہ اندھے گونگے بنا کر ان کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا، پل صراط مسلمانوں کیلئے ہے، اس پر ان کو گزارا جائے گا تاکہ ان کے ایمان کا پتہ چل جائے۔ بعض ایسے گزریں گے کہ جہنم کی آگ نیچے سے پکارے گی جز جزا رے اللہ کے واسطے جلدی چل جلدی، اطفأ نورک لھبی ' تیرے ایمان نے مجھے ٹھنڈا کر دیا، اور بعض ایسے گزریں گے مخدوش کہ ان کے دونوں طرف آریاں لگ جائیں گی، اس کے کانٹے اس کے اندر پھنسیں گے، اس کو کہا جائے گا کہ چل وہ کبھی گرے گا کبھی چلے گا۔

اللہ کی شان کریمی

وہ پکارے گا کہ یا اللہ پار لگا دیں، یا اللہ پار لگا دیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا ایک وعدہ کر لے تو پار لگا دوں گا۔ وہ کہے گا کیا؟ تو باہر جا کے اپنے سارے گناہ مان لے تو پار لگا دوں گا، تو وہ کہے گا پار لگا دیں میں سارے گناہ مان جاؤں گا اب اللہ تعالیٰ پار لگا دیں گے تو سامنے جنت نظر آ رہی ہوگی اور پیچھے دوزخ نظر آ رہی ہوگی اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب بتا کیا کیا تھا دنیا میں، تو اب وہ ڈرے گا کہ مان گیا تو دوبارہ نہ پھینک دیں، تو وہ کہے گا میں نے کچھ کیا ہی نہیں، یعنی آخر وقت تک دغا بازی، اللہ تعالیٰ کہے گا گواہ لاؤں، تو وہ تسلی کیلئے ادھر ادھر دیکھے گا تو کوئی نظر نہیں آئے گا جنت والے جنت میں ہیں اور دوزخ والے دوزخ میں ہیں، وہاں کوئی بھی نہیں ہوگا، پھر اللہ پاک اس کی زبان کو بند کر دے گا اور اس کے جسم سے کہے گا تو بول، پھر اس کے ہاتھوں سے اس کی رانوں سے آوازیں آئیں گی۔ تو وہ کہے گا کہ میرا وجود ہی میرا دشمن ہو گیا۔ وہ کہے گا یا اللہ بڑے بڑے گناہ کئے تو معاف کر دے دوبارہ نہ بھیج، تو اس سے کہا جائے گا کہ جا جنت چلا جا، جب جائے گا تو اللہ پاک اس کو ایسی جنت دکھائے گا جیسے کہ وہ ساری کی ساری جنتیوں سے بھری ہوئی ہے۔ تو وہ دیکھ کر واپس آ جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ارے تو جاتا کیوں نہیں، تو پھر جنت دیکھ کر واپس آ جائے گا۔ پھر کہا جائے گا تو

جاتا کیوں نہیں کہے گا آپ نے کوئی جگہ خالی چھوڑی ہی نہیں میں کہاں جاؤں۔

اب اللہ تعالیٰ اس کی قیمت دے گا، اچھا تو راضی ہے کہ میں نے جب سے دنیا بنائی تھی اور جس وقت وہ ختم ہوئی اس کا دس گنا کر کے تمہیں دوں، کیا تو راضی ہے، تو اس کا منہ کھل جائے گا **اتستهزا بی وانت رب العالمین** آپ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں حالانکہ آپ تمام جہاں کے رب ہیں، تو اس کو یقین نہیں آئے گا اللہ فرمائے گا بلیٰ **انا علی ذالک قدیو** مجھے اس پر قدرت ہے، جا میں نے تجھے دنیا اور اس کا دس گنا دے دیا۔

کتنی بڑی دولت ہے ایمان کی جو اللہ نے ہمیں عطا فرمائی، فرض نماز کا ایک سجدہ زمین و آسمان سے زیادہ قیمتی ہے۔

نفل روزوں کی قیمت اور اجر و ثواب

حدیث پاک میں آتا ہے **من صام یوما تطوعاً ثم اعطی ملء الارض ذھبا لمن توف ثوابه دون یوم الحساب،** جس نے نفل روزہ رکھا، اور اس نفل روزے کے بدلے میں سات براعظم کو سونے سے بھر کر کہا جائے کہ یہ تیرے روزے کا بدلہ ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب اس کے روزے کا بدلہ نہیں بن سکتا، یہ تو نفل روزہ ہے تو فرض، پھر نماز روزہ سے بھی زیادہ طاقتور اور زیادہ قیمتی ہے، یہ ادنی درجہ کا جنتی جنت میں جائے گا تو اس کیلئے جنت کا دروازہ جنت کا خادم کھولے گا تو اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر یہ سر جھکائے گا، اور وہ کہے گا تم کیا کر رہے ہو تو یہ کہے گا تم فرشتے ہو، تو وہ کہے گا میں آپ کا خادم ہوں، اور نوکر ہوں، اور اس کیلئے جنت میں قالین ہوں گے اس پر یہ چالیس سال تک چل سکتا ہے، اور اس کے دونوں طرف اسی ہزار خادم ہوں گے۔ اور وہ کہیں گے اے ہمارے آقا آپ اتنی دیر سے آئے، تو وہ کہے گا کہ شکر کرو میں آ گیا ہوں تمہیں کیا خبر کہ میں کہاں پھنسا ہوا تھا، ایسی دھلائی ہو رہی تھی کہ مت پوچھو! اسی ہزار نوکر کوئی تنخواہ ان کو نہیں دینی پڑے گی، ان کا سارا خرچہ اللہ کے ذمہ ہے، پھر آگے جائے گا تو بڑا چوڑا میدان ہے، جس کے وسط میں ایک تخت بچھا ہوا ہے، اس پر اس کو بٹھایا جائے گا ہر نوکر ایک کھانے کی قسم پیش کرے گا اور ایک مشروب کی قسم پیش کرے گا اسی ہزار قسم کے کھانے اسی ہزار قسم کے

مشروبات، نہ پیٹ تھکے، نہ آنت تھکے نہ دانت تھکیں نہ جبڑا تھکے نہ زبان دانتوں کے اندر اٹکے، یہ سارا نظام اس کیلئے چل رہا ہے اور ہر لقمہ کی لذت اس کیلئے بڑھتی جائے گی بڑھتی چلی جائے گی، ہر مشروب کی لذت بھی بڑھتی ہی جائے گی، دنیا کا پہلا نوالہ زیادہ مزیدار ہوتا ہے پھر اس سے کم پھر اس سے کم پھر نہ پینے کو جی چاہتا ہے نہ کھانے کو، لیکن جنت میں اس کے برعکس ہوگا، اللہ تعالیٰ ایسی قوت دے گا کہ کھاتا اور پیتا رہے گا۔ پیشاب کوئی نہیں پاخانہ کوئی نہیں، پھر خادم کہیں گے اب اس کو اس کے گھر والوں سے ملنے دو، وہ سب واپس چلے جائیں گے پھر سامنے سے پردہ ہٹے گا فاذا یملک الاخرۃ ایک اور پورا جہاں نظر آیا، پوری جنت جیسے یہ تخت ایسا ہی آگے ایک تخت، اس پر ایک لڑکی جنت کی حور بیٹھی ہوگی اس کے جسم پر ستر جوڑے ہوں گے، ہر جوڑے کا رنگ الگ ہوگا، خوشبو الگ ہوگی، ستر جوڑوں میں اس کا جسم نظر آئے گا، جب چہرے پر دیکھے گا تو اس میں اپنا چہرہ نظر آئے گا اس کے سینے پر نظر پڑے گی تو اس پر بھی اپنا چہرہ نظر آئے گا، ایسا شفاف جسم اس کا ہوگا، چالیس سال اس کو دیکھنے میں گم سم رہے گا، ابھی ابھی جہنم کے کالے کالے فرشتے دیکھ کے آیا تھا ابھی ایک حور کو دیکھ کر اپنے آپ کو بھی بھول جائے گا، چالیس سال دیکھنے میں لگا ہوا ہے، پھر وہ حور اس کی بے ہوشی کو توڑے گی امالک منی رغبۃ ارے ولی کیا آپ کو میری ضرورت نہیں، پھر اس کو ہوش آئے گا کہ کہاں بیٹھا ہے، پوچھے گا تو کون ہے؟ وہ کہے گی کہ مجھے اللہ نے تیری آنکھوں کی ٹھنڈک کیلئے بنایا ہے۔ تو بھائی یہ تو اس سینٹی میٹر کے کروڑواں ایمان کا حصہ ہے، جو اس کے اندر اٹکا ہوا ہے۔ یہ جنت اس کی قیمت ہے۔ اب امریکہ والوں کے پاس کیا ہے، آسٹریلیا والوں کے پاس کیا ہے، تو ہمیں احساس کمتری سے نکلنا چاہیے ہماری برکت سے ساری کائنات کو رزق مل رہا ہے، ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں ساری امتوں کی سردار امت، انتم خیرھا واکرمھا تم سب سے بہترین امت ہو سب سے افضل ترین امت ہو اللہ کی نظر میں ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یا اللہ میری امت سے کوئی اچھی امت ہے؟ میری امت پر من وسلویٰ اور بادلوں کا سایہ جیسی نعمتیں رہی ہیں۔ اللہ نے فرمایا اما تدری یا موسیٰ ان فضل امۃ احمد علی الامم کفضلی علی خلقی؟ یا موسیٰ آپ کو پتہ نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کو ساری امتوں پر وہ عزت حاصل ہے جو

میری ذات کو میری مخلوق پر عزت حاصل ہے۔ ہمارے تو مزے ہو گئے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بن گئے۔

اللہ کا تعارف کرانا اس امت کی ذمہ داری

بھائی یہ قیمت ہے کس لئے بحیثیت مسلمان اللہ نے ہمارے ذمے بہت بڑا کام لگایا ہے' جو ہر مسلمان کر سکتا ہے' اپنے دین کی دعوت دینا اور اپنے دین پر جمنا یہ ہمارا کام ہے' بطور مقصد کے یہ ہمیں ملا' یہ سارے فضائل اس لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کا سلسلہ چلایا اور اس کا عروج محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام ہوا' اب تو انسانیت کو ہر وقت ضرورت ہے نبوت کی' **﴿فالھمھا فجورھا و تقواھا﴾** اس کے اندر برائی بھی ہے اور اچھائی بھی ہے لہٰذا یہ دونوں مادے ٹکراتے رہیں گے نبوت تو ختم ہو گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر' اب کون ہے جو انسانیت کی رہبری کا کام کرے۔ اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو منتخب فرما کے اس پوری امت کو مخاطب فرمایا **ھو اجتبکم**' اب میں نے تیری امت کو لے لیا ہے **(ھو سمکم المسلمین)** اس کا نام بھی رکھ دیا ہے' مسلمان' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اسمان من اسمآء اللہ تعالیٰ سمیٰ بھا امتی** اللہ نے میری امت کا نام بھی اپنے نام پر رکھا ہے' **سمی نفسہ السلام** اللہ کا ایک نام سلام ہے **سمی بہ بالمسلمین**' اللہ نے میری امت کا نام مسلمین رکھا ہے' ہم سے پہلے کسی امت کا نام مسلمین نہیں رکھا گیا' یہود' نصاریٰ' مسلم صرف اس امت کو خطاب ملا ہے' **سمیٰ نفسہ المؤمن، سمیٰ امتی بالمؤمنین** اللہ کا نام مؤمن ہے میری امت کا نام اللہ نے مؤمنین رکھا ہے سارے نبیوں پر جب تک میں نہ چلا جاؤں اور ساری امتوں پر بھی جب تک میری امت جنت میں نہ چلی جائے وہ کہیں گے کہ یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے یہ لوگ آئے ہمارے بعد اور جا رہے ہیں ہم سے پہلے تو اللہ پاک فرمائیں گے **ذالک فضلی أت من اشآء**' یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں دوں۔

ارے بھائی بحیثیت مسلمان' اللہ اکبر' خدا کی قسم سات زمین و آسمان کی دولت اس کے سامنے ہیچ ہے کہ میں مسلمان ہوں میرے پاؤں میں جوتے نہ ہوں' جسم پر کپڑے نہ ہوں' کھانے کو روٹی نہ ملے' در در کی ٹھوکر کھایا ہوا ہوں پھر بھی میرے پاس آسمان و زمین سے قیمتی دولت ہے۔

اللہ نے ایمان دیا اور ایمان کی محنت دی اب اللہ کا تعارف کرانا اس امت کا کام بن گیا۔ پہلے نبی کا کام ہوتا تھا کہ جاؤ لوگوں کو بتاؤ کہ تمہارا رب اللہ ہے اور آگے موت ہے، اور حشر ہے، آگے حساب وکتاب ہے لہٰذا اللہ کی مان کے چلو یہ اللہ کا غیبی نظام ہے۔ خبردار کرنا نبی کا ذمہ تھا جنت سے جہنم سے خبردار کرنا ہر نبی کا کام تھا۔ اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے طفیل یہ کام اس امت کو دیا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا تعارف کروائے یہ ہمیں بطور کام کے ملا ہے۔ یہ جو کمپنیوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں یہ کمپنی کی دوا بیچتے ہیں کمپنی ان کو پیسہ بھی دیتی ہے اور لائسنس بھی دیتی ہے گھر بھی دیتی ہے اور گاڑی بھی دیتی ہے، اسی طرح ہم اللہ اور اس کے رسول کے سفیر ہیں اللہ کا تعارف کرانا ہمارا کام ہے۔ ہمارے بڑے کا بھی چھوٹے کا بھی، نوجوان کا بھی بوڑھے کا بھی، ان پڑھ کا بھی، پڑھے لکھے کا بھی، ڈاکٹر کا بھی، انجینئر کا بھی، عورت کا بھی، مرد کا بھی، غریب کا بھی، امیر کا بھی، چاہے ہم افریقہ میں چلے جائیں یا دنیا کے کسی گوشے میں چلے جائیں تو ہمارا کام نہیں بدلا۔

اللہ کے سفیر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے ناطے ہمیں بڑا عزت والا کام دیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنا سفیر بنایا، سفیر کی طاقت اس کی حکومت کی طاقت کے برابر ہوتی ہے، ہم اللہ کے سفیر ہیں ہمارے پیچھے اللہ کی طاقت ہے، آپ جہاں کہیں بھی رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سفارت کا کام دیا ہے۔۔ ارے بھائی اب پوری دنیا کو یہ سمجھانا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اب یہ ہمارا کام ہے اس وقت سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کمائیں گے تو پیسہ آئے گا، پیسہ آئے گا تو ضرورتیں پوری ہوں گی، ضرورتیں پوری ہونے سے ہمارے حالات درست ہو جائیں گے، ہم ان کو یہ بات سمجھائیں کہ ساری کائنات پر بادشاہی صرف ایک اللہ کی ہے **له ملك السموٰت، له ما فى السموٰت وما فى الارض وما بينهما وما تحت الثرىٰ** یہ بات ہر انسان کو سمجھانی ہے، آسمان پر اللہ بادشاہ ہے اور زمین پر بھی اللہ بادشاہ ہے اور تحت ثریٰ میں بھی اللہ بادشاہ ہے، **لله ما فى السموٰت وما فى الارض** یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ہر

گھر میں جا کر ان کو بتا دیں کہ اللہ کی مان کر اس کی زمین پر چلنا ہی کامیابی ہے، اللہ کا یہ نظام بھی عجیب ہے کہ اپنے دین کا کام اکثر غریبوں سے لیتا ہے اور مالداروں سے زیادہ نہیں لیتا کیونکہ ان کا گمان ہے کہ جب پیسہ آئے گا تو تبلیغ کریں گے اللہ کہتا ہے دنیا میں تو جتنا تھوڑا ہوگا اتنا ہی آسانی سے میرا قرب نصیب ہوگا۔

دو سردار آئے اقرب بن حابس اور عیینہ بن حسن خزاری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہ ہم تیری بات لیتے ہیں لیکن ان غریبوں کو اٹھادو، بلالؓ صہیبؓ ہے، عمار بن یاسرؓ ہے، عبداللہ بن مسعودؓ ہے یہ غریب لوگ ہیں چھوٹے ہیں، ان کو اٹھاؤ، ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری ہتک ہے۔ پھر ہم آپ کی بات سنیں گے، ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو آپ کے غلام ہیں، ہم کو اٹھالیں یا ہم کو بٹھالیں تو بھی ہم آپ ہی کے ہیں تو ممکن ہے، ہم کو اٹھانے سے وہ بیٹھ جائیں اور بات سن کر ایمان لے آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بات تو ٹھیک ہے تم آؤ گے یہ نہیں ہوں گے، انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں لکھ کر دو آپ نے ان سے کہا کہ لکھو، لکھنے والے کے آنے سے پہلے اللہ نے جبرائیلؑ کو بھیجا ﴿**لا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی**﴾ ان کو آپ نہیں اٹھا سکتے وہ آئے یا نہ آئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امیہ بن خلف سے بات کر رہے ہیں اور عبداللہؓ ابن مکتوم آگئے جو نابینا بھی ہیں اور غریب بھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سمجھا رہے تھے اور وہ بڑی توجہ سے آپ کی باتیں سن رہے تھے اتنے میں عبداللہ ابن مکتوم آکے فرمانے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **علمنی ما علمک اللہ**، اتنا سا خیال آیا تو ادھر سے جبرائیلؑ آئے ﴿**عبس وتولیٰ، ان جآءہ الاعمیٰ الخ کرام بررۃ**﴾ تک یہ کلام پڑھا، اچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتھے پر تیوری چڑھ گئی منہ پھیر لیا، کیونکہ یہ غریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگیا، اندھا آگیا، جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا طلب گار ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سیکھنا چاہتا ہے اور یہ بدبخت اس کو نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر نہ دین کی قدر نہ میری پہچان، اور اس کی وجہ سے آپ اس غریب کو چھوڑ رہے ہیں، یہ مسلمان چاہے غریب ہو یا امیر ہو اگر یہ ٹھان لیں کہ مجھے دین زندہ کرنا ہے تو اللہ اس سے کام لے گا، اس کی غریبی نہ آڑے آئے گی نہ اس کا پیسہ آڑے آئے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان

قیامت تک اللہ اور اس کے رسول کے نام ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے اللہ نے ہر جگہ اپنے نام کے ساتھ اپنے حبیب کے نام کو جوڑا ہے۔ بھائی ہمیں یہ بتانا ہے کہ تم کامیابی چاہتے ہو تو ہمارے نبی کے طریقہ پر آجاؤ اور اپنی ضرورتوں کو اور حاجتوں کو نماز کے ذریعہ سے پورا کراؤ۔ اللہ نے ہمیں سب سے بڑا عمل دیا ہے۔ میرے بھائیو! اللہ نے اپنے خزانے سے نکالنے کیلئے ہمیں نماز عطا فرمائی ہے۔ پہلی امتوں پر صرف دو نمازیں فرض تھیں، فجر اور عصر وہ بھی دو رکعت، ہمیں اللہ نے پچاس عطا فرمائیں، پچاس نمازیں پڑھ سکتے تھے کون پڑھتا۔ اللہ نے اپنی محبت بڑھا دی اس امت سے اتنی محبت ہے کہ یہ سجدے میں پڑے ہی رہے اٹھے ہی نہیں اور اپنا تعلق بتانا چاہتے ہیں کہ یہ امت مسجد میں ہی رہے مسجد سے نکلے ہی نہیں۔ جو ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوتا ہے تو والدین چاہتے ہیں کہ یہ ہماری آنکھوں میں ہی رہے ادھر ادھر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب سے پیار اور اس کی امت سے بھی پیار اس لئے یہ میرے سامنے ہی رہے۔ یا اللہ ہمیں روٹی بھی کھانی ہے اور تقاضے بھی پورے کرنے ہیں، تو اللہ نے پانچ ہی دینی تھیں، وہ ساری کہانی چلوائی اور موسیٰ کو ذریعہ بنایا، انہوں نے کہا کہ یہ پانچ بھی نہیں پڑھیں گے۔ میری امت پر دو فرض ہوئی تھی وہ بھی نہیں پڑھ سکی۔ آپ اور بھی کم کروالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ اللہ نے آپ کو آسمان پر بلا کے نماز عطاء فرمائی ایک دفعہ کہا کہ سور نہ کھاؤ، ایک دفعہ کہا شراب نہ پیو، ایک دفعہ کہا زنا نہ کرو، لیکن دسیوں دفعہ کہا کہ نماز قائم کرو نماز قائم کرو۔

جبرائیل آئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سجائے جا چکے ہیں اللہ کے عرش پر آپ کا انتظار ہو رہا ہے، پھر بیت اللہ سے بیت المقدس پہنچے۔ یہ نماز کا تحفہ عرش سے ملا ہے۔ یہ اتنی عظیم الشان چیز ہے کہ جہاں وقت ہو اذان دے کے نماز پڑھے، جب آپ اذان دیں گے تو جہاں جہاں تک آواز جائے گی قیامت کے دن ہر ہر پتھر آپ کی گواہی دے گا، ہر درخت اور پتہ آپ کی گواہی دے گا، جہاں آپ سجدے میں سر رکھیں گے تو تحت الثریٰ تک

زمین پاک ہو جاتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی زمین پر سر رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قدموں پر سر رکھتا ہے، جب اللہ اکبر کہتا ہے تو زمین و آسمان کا خلا نور سے بھر جاتا ہے، عرش کے پردے اٹھ جاتے ہیں، جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور جنت کی حوریں جنت کے دروازے کھول کر نمازی کو دیکھتی ہیں۔ جتنا لمبا قیام کرے گا اس کی موت کی سختی آسان ہوتی چلی جائے گی لمبی نماز موت کی سختی کو توڑ دیتی ہے، جب رکوع کرے گا تو جتنا جسم کا وزن ہے اتنا سونا صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ جب رکوع سے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سجدے میں جاتا ہے تو سارے گناہ اس کے دھل جاتے ہیں، جب التحیات پڑھتا ہے تو صابرین کا اجر ملتا ہے، جب نماز میں درود پڑھتا ہے تو اللہ پاک دس دفعہ درود بھیجتا ہے۔ جب سلام پھیرتا ہے تو گناہوں سے باہر ہو جاتا ہے۔ اللہ نے اتنی بڑی نعمت عطاء فرمائی ہے کہ اگر کوئی تکلیف ہے تو نماز پڑھ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف ہوتی تو فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ ﴿قد افلح المؤمنون﴾ ہر ایمان والا انہیں پورا کامیاب ﴿الذین هم فی صلوتهم خاشعون﴾ جس کی نماز ایسی ہوگی وہ کامیاب ﴿قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلیٰ﴾ کامیاب ہو گیا وہ جس نے وضو کر کے پاک ہو کر اللہ کو سجدہ کیا وہ کامیاب ہو گیا ﴿الا المصلین الذین هم علی صلوتهم دائمون﴾ انسان بڑا بے صبراً، بڑا بخیل، بڑا متکبر ہے لیکن نمازی متکبر نہیں ہوتا اللہ گواہی دے رہا ہے ﴿من اللیل فاسجد له وسبحه لیلا طویلا﴾ اور اللہ اپنے حبیب سے کہہ رہا ہے کہ ہر رات میرے پاس آجایا کر ﴿فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب﴾ رات کو سارے سو جائیں تو میرے پاس آیا کر میں نماز میں اللہ سے باتیں کرتا ہوں، الصلوٰۃ صلة بین عبدو رب اب آپ بتائیں پچاس سال ہو گئے نماز پڑھتے ہوئے ایک سجدہ بھی ایسا نہ ملا ہو جو اللہ کے دھیان کے ساتھ ہو تو وہ نماز کیسی نماز ہو گی۔ پھر اس کا اقرار بھی نہیں کہ میری نماز خراب ہے۔ دنیوی مسئلہ اٹک گیا ہو تو دعا کراتے ہیں کہ میرا مسئلہ اٹک گیا ہے، یہ نہیں ہو رہا، وہ نہیں ہو رہا، چالیس برس میں نماز میں خشوع نہیں، توجہ نہیں، اللہ کا حضور نہیں، اور اس کیلئے کوئی دعا بھی نہیں، اللہ سے رو رو کے مانگو کہ یا اللہ میری نماز ٹھیک کر دیں، وہ نماز کیسی نماز ہے جس میں اللہ کا

دھیان نہ ہو۔ سب سے اعلیٰ نماز ہے جب آدمی اللہ اکبر کہتا ہے، پھر اللہ ہی اللہ ہو اللہ کا غیر نہ ہو، ابو ریحانہؓ کی نماز کا قصہ پیچھے گزر چکا ہے کہ بیوی انتظار میں ہے کہ آج کی رات حقوق کی ادائیگی، دو رکعت نماز کی نیت باندھی تو فجر کی اذان ہو گئی اور نماز ختم نہ ہوئی، ایسی نمازوں پر آنا اور لانا ہے۔ اللہ نے قرآن عطا کیا ہے، یہ اللہ کا بہترین کلام ہے، جنت کی زبان ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تورات کے مقابلہ میں سورۃ فاتحہ ملی ہے، انجیل کے بدلے سورۃ مائدہ ملی ہے، زبور کے بدلے میں حم کی سورتیں ملی ہیں، مفصلات کے ذریعہ جو باقی قرآن ہے اس کے ذریعے مجھے عزت ملی ہے۔ جنت میں قرآن سنایا جائے گا اور کوئی کتاب نہیں، ہر مسلمان قرآن کو نکالے اور پڑھے اور سیکھے کیونکہ یہ اللہ کی بات ہے۔ اللہ جنت میں سب اولین اور آخرین کو اکٹھا کرے گا، جنت میں ایک میدان ہے اس کا نام مزیب ہے۔ اس کی چوڑائی کو اللہ کے علاوہ جانتا کوئی نہیں، اللہ اس میں سب کو بلائے گا اور بٹھائے گا۔ پھر ان کو کھانا کھلائے گا، پانی پلائے گا، پھل کھلائے گا، کپڑے پہنائے گا اس میں خوشبو لگائے گا، شاہی دربار میں جانے کیلئے ایک خاص لباس ہوتا ہے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ جنت کی حوروں سے فرمائے گا آؤ، اور سناؤ میرے بندوں کو آج جنت کا نغمہ سناؤ، تو ان کی آواز اتنی دل فریب ہوگی کہ ان کی آواز سن کر سارے جھوم جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار

آخر میں اللہ پاک پردے اٹھائیں گے اللہ کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے ﴿الی ربها ناظرہ﴾ ارے میرے بھائیو! کیا بتاؤں، ایوب علیہ السلام ۱۸ برس بیمار رہے۔ وہ بیماری کسی دوسرے پر نہیں آئے گی پھر اللہ نے صحت دے دی، تندرستی، توانائی، قوت دی، کسی نے پوچھا کہ بیماری کے دن یاد آتے ہیں، کہنے لگے وہ دن بڑے مزے کے تھے، واہ واہ کیسے مزے کے تھے، فرمانے لگے جب میں بیمار تھا تو اللہ تعالیٰ روزانہ پوچھتا تھا کہ ایوب کیا حال ہے اس ایک بول میں ایسی لذت تھی جو کسی چیز میں نہیں تھی۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہو اور پوچھ بھی رہا ہو۔ حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں سے ہر ایک کا اللہ نام لے کر بات کرے گا کہ تیرا کیا حال ہے تیرا کیا حال ہے ایک ایک کا نام لیا جائے گا پھر اللہ کو

دیکھیں گے ان کا کلام سنیں گے کیا لذت ہوگی۔

یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر عورتوں نے ہاتھوں پر چھریاں چلالیں اور یوسف علیہ السلام کو بنانے والے کے حسن کو کوئی ناپ سکتا ہے۔ پھر اللہ قرآن سنائے گا۔ یہ وہ قرآن ہے جو اللہ نے ہمیں عطاء فرمایا' ہر مسلمان قرآن سیکھے' عربی میں قرآن پڑھے قرآن کی تلاوت کیلئے وقت نکالا جائے' اللہ کے ذکر کیلئے وقت نکالا جائے' قرآن قیامت میں شفاعت کرے گا' جو آگے رکھے گا قیامت میں اس کو کھینچ کر جنت میں لے جائے گا' جو قرآن کو پیچھے کرے گا اس کو دھکیل کر دوزخ میں ڈالے گا' اور بھائی نبوت والے اخلاق سیکھیں۔ آپ نے فرمایا بعثت لأتمم مکارم الاخلاق میں اخلاق کو چوٹیوں تک پہنچانے کیلئے آیا ہوں۔ نبوت کے اخلاق کیا ہیں؟ صل من قطعک' تعطی من حرمک' واعف عمن ظلمک' واحسن من اساء إلیک' آپ نے فرمایا جو یہ اخلاق سیکھ لے گا میں اس کو جنت الفردوس میں گھر لے کر دوں گا' لمن حسن خلقه جو اپنے اخلاق کو اچھا کر لے تو میں ضامن ہوں کہ جنت الفردوس میں گھر لے کر دوں گا۔ تو بھائی اخلاق ایسی طاقت ہے۔ اگر کوئی خوشبو لگائے گا تو وہ بتائے یا نہ بتائے ہر صورت میں آپ کو پتہ چل جائے گا' لہٰذا اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ہمارے اندر آ جائیں تو یوں ہوا میں ایمان اور اسلام پھیلتا چلا جائے گا' نبوت والے اخلاق کو سیکھیں' یہ اخلاق بڑے سے بڑے آدمی کو گرا دیتے ہیں بڑی سے بڑی طاقت کو توڑ دیتے ہیں' بڑے سے بڑے کفر کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ تو بھائی یہ ہمارا کام ہے اللہ کا تعارف کرانا اور اپنے نبی کا تعارف کرانا' نمازوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ طریقے سے قائم کرنا' اوروں کو نمازوں پر لانا' قرآن کی تلاوت کرنا' اللہ کا ذکر کرنا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے اخلاق کو سیکھنا اور سکھانا' اور اس کی دعوت دینا' اللہ کو راضی کرنے کیلئے ہر کام کرنا اور اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب سمجھ کر' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں ساری دنیا کے انسانوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کی نیت کر کے اپنی جان و مال سے کوشش کرنا۔ نیت کرتے ہی اللہ کا نظام ہمارے حق میں ہو جائے گا۔ غیبی نظام

ہمارے موافق ہو جائے گا۔ دنیا بھی بنے گی اور آخرت بھی بنے گی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں پتہ ہے کہ جنت میں سب سے پہلے کون جائے گا؟ یا رسول اللہ یہ آپ کو اور آپ کے رب کو پتہ؟ کہا **الفقراء المھاجرون** فقراء اور مہاجر میرے دین کیلئے ہجرت کرنے والے جو مصیبتیں سہتے رہے' **یموت احدھم وحاجتہ فی صدرہ**' وہ مرتے تھے اور ضرورتیں ان کے سینے میں گھٹ کے رہ جاتی تھیں۔ ضرورت پوری نہ کر سکے اور مر گئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہے گا کہ جاؤ ان کو سلام کرو' فرشتے کہیں گے یا اللہ یہ کون ہیں جن کو آپ کہہ رہے ہیں کہ ان کو ہم سلام کریں' اللہ فرمائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو میرے دین کی خاطر دھکے کھاتے پھرتے ہیں فرشتے آئیں گے ﴿**سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار**﴾ کہیں گے ہم آپ کو سلام کرنے آئے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اونچا مقام عطاء فرمایا' اور اللہ تعالیٰ دین کی محنت کرنے والوں کو وہ درجات دیتے ہیں کہ گھر میں عبادت کرنے والے کو اس کی ہوا نہیں لگ سکتی۔ جنت میں نور کی چمک اٹھے گی' ساری جنت روشن ہو جائے گی لوگ کہیں گے یہ نور کیسا ہے؟ یہ جنت الفردوس کے جنتی کے چہرے کا نور ہے' یا اللہ اس کو یہ درجہ کیسے دیا؟ اللہ فرمائے گا یہ میرے راستہ میں نکل کر میرے دین کو پھیلاتا تھا اور تم گھر بیٹھ کے مجھے یاد کرتے تھے تم اور وہ برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ ایک صحابیؓ آئے یا رسول اللہ میں اللہ کے راستے میں مال خرچ کروں اور خود نہ جاؤں؟ کیا خیال ہے؟ مجھے اللہ کے راستے میں جانے کا ثواب ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے پیسے ہیں تیرے پاس؟ کہنے لگا چھ ہزار' تو آپ نے فرمایا تم اگر ان سب کو خرچ کر دو تو جو آدمی اللہ کے راستے میں سویا ہوا ہے اس کی نیند کے اجر کو بھی حاصل نہیں کر سکتے؟ اللہ تعالیٰ نے جنت کو لفظ کن سے بنایا اور فردوس کو اپنے ہاتھ سے بنایا' پھر اس پر مہر لگا دی' اس کو کسی کو نہیں دکھایا' پھر دن میں پانچ دفعہ کہتا ہے **ازدادی طیباً لاولیآئی وازدادی حسنا لاولیآئی**' اے جنت میرے دوستوں کیلئے خوبصورت ہو جا' میرے دوستوں کیلئے پاکیزہ ہو جا' وہ آگے سے دعا کرتی ہے اے اللہ! میرا پھل پک گیا

نہروں کا پانی باہر نکل رہا ہے، کنارے چھلک پڑے، اے اللہ میں جنت والوں کی مشتاق ہوں کب آئیں گے جنت کو آباد کریں گے ان کو میرے پاس بھیج دیں۔ دن میں پانچ دفعہ حکم ہو رہا ہے کہ خوبصورت ہو جا۔

دین کی محنت پر دنیا بھی آخرت بھی

تو بھائیو! یہ پوری محنت سے حاصل ہوگا اور محنت بھی اللہ نے خود ہمیں دی ہے ہمارے علاقہ میں ایک غریب آدمی کا بیٹا ڈاکٹر بن گیا اس کی مثال دیتے تھے کہ دیکھا وہ ڈاکٹر بن گیا اس کی اتنی عزت ہے، کتنی اس کی شہرت ہے تو بھی ایسے ہو جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی کام بتا رہے ہیں اور کام کی فضیلت بتا رہے ہیں کہ تم میرے کام کو کرو دنیا میں عزت و آخرت میں جنت اور میری رضا ﴿ورضوان من اللہ اکبر﴾ کیا خیال ہے بھائی اللہ کی رضا مندی ہے۔ اس سے تمام مسائل حل ہوں گے۔ دین پر آنا دین پر لانا یہ ہمارا کام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کروانا، علم اور ذکر کی فضاؤں کو قائم کرنا اور کروانا یہ ہمارا کام ہے اس پر اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ دنیا بھی دے دوں گا اور آخرت بھی دے دوں گا۔ مجھے پتہ ہے آپ خالی جنت پر راضی نہیں ہوں گے تمہیں میں نے ہی بنایا ہے، جو اللہ کا بن کر اللہ سے مانگے گا اسے اللہ تعالیٰ دے دیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے اس کے دین پر چلنا سیکھے، اور اس کو دوسروں کو سکھائے، اس کیلئے یہ آواز لگتی ہے کہ کچھ وقت لگا کر اس کام کو سیکھا جائے۔

وأخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العالمین

امتی ہونے کا حق

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

چند نصیحتیں

آپ حضرات یہاں بیانات سننے کے لئے تشریف لائے ہیں، بہت سے علماء حقانی وعلماء ربانی آپ کو اپنے بیانات سے مستفید فرما رہے ہیں، چند گزارشات آپ کی خدمت میں میں بھی عرض کرتا ہوں۔

نعرہ بازی میرا مزاج نہیں

پہلی بات یہ کہ نعرے بازی اور ہاؤ ہو، میرے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی، اس لئے نہ میں نعرہ لگواؤں گا اور نہ آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ نعرے لگائیں، البتہ یہ گزارش کروں گا کہ توجہ کے ساتھ میری بات کو سنیں۔

مسلمانوں پر اللہ کا احسان

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل فرمایا، میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر اللہ نے ہم پر یہ احسان نہ فرمایا ہوتا اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے منور نہ کیا ہوتا تو خدا جانے ہم کہاں ہوتے؟ (نعوذ باللہ!) میں نے انگلینڈ میں بھی دیکھا ہے اور دوسرے ممالک میں بھی دیکھا ہے کہ عورتوں کا برا حال ہے، مردوں کا برا حال ہے، نہ ان بے چاروں کو کھانے کی تمیز ہے اور نہ پینے اور رہنے کی تمیز، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان نہیں بلکہ حیوانات ہیں۔

اللہ کا کرم

میں اکثر سوچتا ہوں کہ میرے اللہ نے ہم پر کرم نہ فرمایا ہوتا تو ہمارا بھی وہی حال ہوتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی صحابہ کرامؓ کو یہ کلمات تلقین کیا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا (بخاری ج:۱ص:۳۹۸)

(ترجمہ: ”اے اللہ آپ اگر نہ ہوتے تو ہم نہ ہدایت پاتے، نہ ہم صدقہ ادا کرتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔“

غرض یہ کہ ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں پیدا فرمادیا۔ الحمدللہ! ثم الحمدللہ!

کیا ہم نے اُمتی ہونے کا حق ادا کیا؟

دوسری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بھائی! الحمدللہ! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی تو ہیں، لیکن ایک بات ہمارے لئے سوچنے کی ہے کہ کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کا کوئی حق بھی ادا کرتے ہیں یا نہیں؟

رفاقتِ نبویؐ کی شرائط

ایک حدیث شریف میں ہے:

”حَدَّثَنِیْ رَبِیْعَۃُ بْنُ کَعْبَ الْاَسْلَمِیّ) قَالَ کُنْتُ اَبِیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاٰتِیْہِ بِوَضُوْئِہٖ وَحَاجَتِہٖ فَقَالَ لِیْ : سَلْ ! فَقُلْتُ: اَسْأَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ . قَالَ : اَوَغَیْرَ ذَالِکَ ؟ قُلْتُ: ھُوَ ذَاکَ ! قَالَ : فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِکَ بِکَثْرَۃِ السُّجُوْدِ. “

(صحیح مسلم ج:۱ص:۱۹۳)

ترجمہ: ”حضرت ربیعہ بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری، میں (رات کو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کا پانی اور آپ کی (دوسری) ضروریات کی چیزیں لے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: مانگ کیا مانگتا

ہے! میں نے کہا کہ: میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اس کے علاوہ (کیا مانگتا) ہے؟ میں نے کہا: بس یہی (چاہتا ہوں کہ جنت میں آپ کی رفاقت مل جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میری مدد کرو کثرت سجود کے ساتھ"۔

مطلب یہ کہ صحابیؓ سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ مبارک جہاں لگا ہوا تھا، انہوں نے طے کر لیا کہ آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاؤں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے دروازہ پر سر رکھ کر سو گئے، انہوں نے سوچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر نکلیں گے یا اندر کھٹ کھٹ کی آواز آئے گی تو مجھے فوراً جاگ آجائے گی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کے وقت اپنے معمول کے مطابق جب اٹھے تو اس صحابیؓ کو فوراً جاگ آگئی، رات کو آپ کی جو ضروریات تھیں یعنی پانی وغیرہ انہوں نے وہ تمام ضروریات مہیا کیں، پانی کا لوٹا لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروایا، تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے! وہ کہنے لگے کہ میں اور کچھ نہیں مانگتا ہوں، صرف ایک چیز مانگتا ہوں وہ یہ کہ جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے علاوہ کچھ اور مانگو، اس صحابیؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بس یہی ایک چیز مانگی ہے، یہ مل جائے تو ٹھیک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دیکھو وعدہ ہو گیا لیکن تم میری مدد کرنا کرنا سجود کے ساتھ۔

تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہو، لیکن من مانی اپنی کرتے ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بھائی! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتے ہو تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چال ڈھال، آپ کی شکل وشباہت، آپ کی رفتار وگفتار، طور طریقے اختیار کرو۔

اسلامی وضع قطع

میں اپنے تمام بھائیوں سے گزارش کروں گا کہ میری بات کو نوٹ کر لیں اور آئندہ میرے ساتھ وعدہ کر لیں کہ ہم اپنی چال ڈھال، شکل وشباہت، رفتار وگفتار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بنائیں گے، مگر ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم نے بال بھی الٹے بنائے ہیں، سر بھی

ننگے ہیں، قیصوں کو کالر لگائے ہوئے ہیں، غرض یہ کہ ہم نے اپنا حلیہ انگریزوں جیسا بنایا ہے اور کہلاتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی......!!

اس پر ایک بات مجھے یاد آ گئی کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ:

"کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ اہل جنت میں تم چوتھائی ہو (یعنی کل دنیا تین حصہ ہو اور ایک حصہ تمہارا)؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: جی ہاں! آپؐ نے پھر فرمایا کہ: کیا تم چاہتے ہو کہ ایک تہائی تم ہو اور دو تہائی تمام امتیں ہوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: جی جہاں! آپؐ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو کہ آدھے جنت میں تم ہو اور آدھی دوسری تمام اُمتیں ہوں؟......الخ" (ترمذی)

اُمت پر آپؐ کی شفقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے:

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى." (الضحیٰ: ۵)

ترجمہ: عنقریب دے گا آپ کو آپ کا رب اتنا کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ آپ کو راضی کرنا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم! جب تک میرا ایک اُمتی بھی دوزخ میں ہے اس وقت تک میں راضی نہ ہوں گا۔

اُمت کی نالائقی

ایسا شفیق نبیؐ، ایسا محبوب نبیؐ، ایسا پیارا نبی مگر تم اس کی شکل بھی نہ اپناؤ، تم اس کا طور طریقہ بھی نہ اپناؤ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں جو لائن دی ہے تم اس کو چھوڑ کر دوسری لائن اختیار کرو اور وہ تمہاری مغفرت اور نجات کے لئے بے چین ہو، الغرض تم اپنی شکلوں کو بدلو، اپنی عقلوں کو بدلو، اپنے رسم و رواج کو بدلو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلو، صحابہ کرامؓ نے یہی سیکھا تھا کہ جدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے، ادھر صحابہ کرامؓ بھی چلتے تھے، جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، وہی صحابہ کرامؓ کرتے تھے۔

نبوت کے رنگ میں صحابہ کرامؓ کا رنگ جانا

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں باہر سے کوئی آدمی آجاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما ہوتے تھے، صحابہ کرامؓ کا مجمع لگا ہوتا تھا، تو باہر سے آنے والا آدمی پہچان نہیں سکتا تھا کہ ان میں نبی کون سے ہیں؟ اس لئے باہر کا آدمی آکر پوچھتا تھا کہ "مَامُحَمَّدٌ مِنكُمْ؟" "تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم اشارہ کر کے کہتے: "هٰذَا الْاَبْیَضُ!" "یہ گورے چٹے جو بیٹھے ہیں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والے صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں اتنے رنگین ہو گئے تھے کہ کوئی دوسرا باہر کا بندہ پہچان نہ سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کون ہیں؟

صحابہ رضی اللہ عنہم کی نقل اتارو

میرے بھائی! اگر ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی کہلانا چاہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی شمار ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی چاہئے کہ ہم صحابہ کرامؓ کی نقل اتاریں، ہماری نمازیں بھی خراب ہیں، میں تو بعض دفعہ دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ ماشاء اللہ نماز تو پڑھتے ہوں گے، کہنے لگتے ہیں: کہ اجی! کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں۔ (بہت اچھی بات ہے) کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، میرا بھائی! تم سے اگر کوئی پوچھے کہ روٹی کھاتے ہو؟ تو تم اس کو جواب دو کہ کبھی کبھی کھا لیتا ہوں، کیا یہ معقول جواب ہوگا؟ بلکہ کیا کہتے ہو کہ نہیں نہیں، روٹی دو وقت نہیں بلکہ تین وقت کھاتے ہیں لیکن افسوس کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کے لئے ہم سے پوچھا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ: جی! کبھی کبھی کر لیتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل چھوڑو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ صحیح صحیح اپناؤ۔

قبر کے احوال کو پیشِ نظر رکھو

تیسری بات یہ ہے کہ ہم سب کے سب ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں، میں بھی اپنی والدہ کے پیٹ سے پیدا ہوا ہوں اور جب میں پیدا ہوا تو میرا نام محمد یوسف رکھ دیا گیا،

اسی طرح آپ حضرات بھی سارے کے سارے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں، کسی آدمی کو اس کے حالات جو ماں کے پیٹ میں ہوئے ہیں وہ محفوظ نہیں ہیں، میرے اوپر جو حالات گزرے ہیں مجھے یاد نہیں، ہوسکتا ہے کہ آپ کو یاد ہوں گے لیکن جب پیدا ہوگئے تو ہم رو رہے تھے، اور ماں باپ خوشی کر رہے تھے۔ سبحان اللہ! اور لوگ مبارکباد کہہ رہے تھے، بچپنا تھا، بچپن سے پھر جوان ہوئے، جوانی سے بڈھے ہوگئے اور پھر جوان اولاد اپنے ماں باپ کو کہنے لگی کہ یہ بات نہیں سمجھے ہیں، اکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں کہ:

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں   کہ جن کو پڑھ کر بچے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

بچوں نے پڑھ لیا اور پڑھنے کے بعد باپ کو خبطی سمجھنے لگے، خیر باپ تو چلے گئے اور اب آپ بھی جانے والے ہو۔

میرے والد ماجد کا انتقال شوال ۱۳۹۵ھ میں ہوا یعنی چودھویں صدی کے پانچ سال باقی تھے، میرے والد کو گویا فوت ہوئے پچیس سال ہوگئے ہیں، میں اس وقت جوان تھا، اب خود بوڑھا ہوگیا ہوں، میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں جو ہم پر گزری وہ ہم کو یاد نہیں، مگر جب دوسری ماں کے پیٹ "قبر" میں ہم جائیں گے وہ ہم کو ضرور معلوم ہوگا۔

قبر میں ہوش ہوگا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ! یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ قبر میں عذاب وثواب ہوگا، جزا وسزا ہوگی، اس میں ہمیں کچھ ہوش بھی ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ: اتنا ہوش سب کو ہوگا جتنا اب تم کو ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: پھر ہم نمٹ لیں گے۔

قبر کی تیاری

میرے بھائیو! قبروں میں سب جا رہے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے مولانا رشید احمد صاحبؒ تک، اور آپ بھی سب تیار بیٹھے ہیں، کبھی کسی کو بھول کر بھی خیال آیا کہ ہمیں بھی جانا ہے؟ اور ہم نے اس کے لئے کوئی تیاری بھی کی ہے؟ یہاں پلاٹ

لینے کے لئے، دوسری چیزیں حاصل کرنے کے لئے ہم ہر طرح کی تیاریاں کرتے ہیں، لیکن قبر میں جانے کے لئے اور وہاں رہنے کے لئے بھی کوئی تیاری کی ہے؟

قبر کا خطاب

حدیث شریف میں ہے کہ:

”کوئی دن ایسا نہیں آتا کہ قبر پکار کر ہر آدمی کو کہتی ہے کہ میں مسافری کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں“۔ (مشکوٰۃ)

قبر کی فکر کرو!

کبھی کسی کو دفن ہوتے ہوئے دیکھو، دفن کرنے والے دفن کرنے کے بعد مٹی ڈال دیتے ہیں، مٹی کے بعد اگر اللہ کی طرف سے کوئی انتظام نہ ہو تو میرے بھائی! کیا صورت بنے گی؟ اس لئے قبر کی بہت فکر کرو، ہمیں بھی جانا ہے اور ہمارے بچے ہمارے پیچھے آئیں گے، یہاں مت پھنسو، ٹھیک ہے، کھانا پینا، لباس وغیرہ یہ آدمی کی ضرورت ہے لیکن یہ نہیں کہ کپڑے جوڑے سی سی کر جمع کرتے رہو، نہیں! اپنی آخرت کی بھی فکر کرو، کیونکہ ہم ایک ماں کے پیٹ سے نکلے ہیں اور دوسری ماں کے پیٹ میں جانے کے لئے تیار ہیں، کچھ اس کا انتظام بھی کرلو۔

میدانِ حشر کا منظر

چوتھی بات، قبر میں جو حالات گزرتے ہیں ان میں سے اتنی مختصر سی بات ذہن میں رکھو کہ جب قبروں سے آدمی اٹھیں گے اس وقت پچاس ہزار سال کا ایک دن ہوگا۔

”ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: میں نے کہا: یا رسول اللہ! قیامت کے دن سب لوگ ننگے اٹھائیں جائیں گے، مرد وعورت سب یکساں ہوں گے تو ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عائشہ! معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہوگا (ایسا نہیں ہوگا، بلکہ ہر ایک کی آنکھیں آسمان پر لگی ہوئی ہوں گی) کس کو ستر دیکھنے کا اسوقت ہوش ہوگا؟“ (مشکوٰۃ)

”ایک اور روایت میں ہے کہ: سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جوڑا پہنایا

جائیگا۔'' (مشکوٰۃ)

اور فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو ننگا کر کے آگ میں ڈالا گیا تھا اور بعض اکابرؒ فرماتے ہیں کہ متکلم اپنی بات نہیں کرتا ہے' دوسروں کی کرتا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا' صحابہ کرامؓ کو الگ لباس پہنایا جائے گا' اپنے اپنے درجوں کے مطابق لباس پہنایا جائے گا' لیکن میرے بھائی! یہاں پر سِلا سِلا کر رکھتے ہو' وہاں کے لئے بھی کچھ بھیج دو! وہاں کا لباس بھی کبھی بھیجا؟

میدانِ عرفان میں اُمت کے لئے دعائیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے' زوال کے بعد سارا دن اونٹنی پر کھڑے دعائیں مانگتے رہے' اپنی امت کے لئے دعائیں مانگتے رہے' اور جب شام ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ سے کہا کہ اے اللہ! آپ میری اُمت کی بخشش کر دیجئے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میں اپنے حقوق تو معاف کر دوں مگر لوگوں کے حق کیسے معاف کر دوں؟ میں نے بہت کہا کہ: یا اللہ! آپ اپنا حق بھی معاف کر دیں اور دوسروں کے حق بھی معاف کر دیں۔ فرمایا کہ: ایسا نہ ہوگا!

مزدلفہ میں دعائیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ چلے گئے' مزدلفہ پہنچے' صبح صادق ہوئی' اذان ہوئی' آپ نے نماز پڑھائی اور پھر وقوف مزدلفہ شروع کر دیا' اللہ سے مانگ رہے ہیں بمع صحابہ کرامؓ کے' دعا مانگتے مانگتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے' حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو جائیں' یا رسول اللہ! یہ کوئی ہنسنے کا موقع نہیں تھا' آپؐ کیسے مسکرائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے کل جو دعا کی تھی وہی دعا یہاں کی کہ یا اللہ! میری اُمت کی بخشش فرما دیجئے' اللہ پاک نے فرمایا کہ: میں اپنے حقوق چھوڑتا ہوں مگر بندوں کے حق کیسے چھوڑ دوں؟ میں نے کہا کہ یا اللہ! آپ ایسا بھی تو کر سکتے ہیں کہ بندوں کو اپنے پاس سے حقوق دے دیں اور مستحقوں کو معاف کر دیں'

فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا کہ: چلو قبول ہوا۔ ادھر میں نے جب یہ بات اللہ پاک سے کی تو قبول فرمائی، ادھر شیطان کو پتہ چلا تو وہ مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی بخشش ہوگئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے احسانات ہیں ہم پر، لیکن ناز نہیں کرنا چاہیے کہ معلوم نہیں کہ ہم پر کیا کیا گزرنے والی ہے، اپنی عاقبت کی فکر کرو!

تین جگہوں میں سے کسی ایک پر ملاقات

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ: آپؐ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں ضرور آپ کی شفاعت کروں گا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: پہلے پل صراط پر دیکھنا۔ میں نے کہا: اگر میری وہاں آپؐ سے ملاقات نہ ہو تو؟ فرمایا: میزان پر دیکھنا۔ میں نے کہا: اگر میزان پر ملاقات نہ ہو تو؟ فرمایا: حوض کوثر پر دیکھنا، میں ضرور ان تین جگہوں (میں سے کسی ایک جگہ) پر ہوں گا۔" (ترمذی)

یعنی ہر جگہ دیکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے غم میں ہر جگہ ہوں گے، مگر یہ اُمت وفا کرنے والی نہیں ہے۔ قیامت کا دن ہوگا، بعض لوگوں کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور بعض کے بائیں ہاتھ میں، ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ یہ کھیل ہے، میرے بھائیو! اب پیدا ہو گئے ہو تو اب یہ سارا سلسلہ سامنے آنے والا ہے، اس کے لئے تیاری کرو۔

بس میں تھک گیا ہوں، اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے چند معجزات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے چشمہ ابلنا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم تو معجزات کو برکت سمجھتے تھے اور تم ان کو خوف کی چیز سمجھتے ہو۔ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ پانی کی کمی ہوگئی۔ آپ نے فرمایا تلاش کرو کسی کے پاس کچھ پانی بچا ہو تو لے آؤ۔ لوگ ایک برتن لے آئے جس میں ذرا سا پانی تھا۔ آپؐ نے برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور فرمایا چلو اور وضو کا پانی اور خدا کی برکت لو۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ آپؐ کی انگلیوں سے پانی چشمہ کی طرح پھوٹ رہا ہے اور آپؐ کے عہد مبارک میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہم کھانا کھایا کرتے تھے اور کھانے کی تسبیح اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

فائدہ: ملا علی قاریؒ اس حدیث کے یہ معنی بیان فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کو یہ معجزات سودمند ہوتے ہیں جن میں عذاب اور خوف کا ظہور ہوا اور صحابہ کرام کو یہ معجزات نافع ہوتے تھے جو موجب برکت ہوتے۔

امام طحاویؒ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ صحابہ کرام کے قلوب میں معجزات دیکھ کر حق تعالیٰ کی ہیبت پیدا ہوتی اور اس سے ان کے ایمانوں میں اور ترقی ہوتی اس لئے معجزات ان کے لئے موجب برکت ہوتے تھے۔ تم معجزات دیکھ کر صرف ڈرتے تو ہو مگر

تمہارے ایمانوں میں ان سے نہ تو کوئی ترقی ہوتی ہے اور نہ اعمال کا کوئی نیا جذبہ ابھرتا ہے اس لئے وہ تمہارے حق میں موجب برکت نہیں ہوتے۔ (المعتصر ص ٦)

چشمہ کے پانی میں زیادتی

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوۂ تبوک کے لئے چلے آپ اس سفر میں دو دو نمازیں ملا ملا کر ادا فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ نے نماز میں (کچھ) تاخیر کی پھر تشریف لائے۔ پہلے ظہر وعصر کی نمازیں پڑھیں اس کے بعد اندر تشریف لے گئے اور باہر تشریف لا کر مغرب وعشا ملا کر پڑھیں۔ اس کے بعد فرمایا ان شاء اللہ کل تم لوگ تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے اور اس وقت تک نہیں پہنچو گے جب تک کہ دن چڑھ نہ جائے تو جو شخص بھی وہاں پہنچے وہ تاوقتیکہ میں نہ آلوں پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ ہم سے پہلے دو شخص تبوک کے چشمے پر پہنچ چکے تھے۔ جب ہم پہنچے دیکھا تو چشمہ تاگے کی طرح باریک بہہ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پوچھا تم نے اس کے پانی کو ہاتھ تو نہیں لگایا۔ انہوں نے عرض کی جی لگایا تو ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناگواری فرمایا۔ اس کے بعد صحابہؓ نے چلو بھر بھر کر اس چشمے سے تھوڑا تھوڑا پانی جمع کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنا دست مبارک اور چہرۂ مبارک دھویا اور وہ پانی اس چشم میں ڈال دیا۔ اسی وقت وہ ایک بڑے چشمے کی طرح بہہ پڑا اور لوگوں نے خوب پانی پیا۔ اس کے بعد فرمایا معاذ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم اس جگہ اتنا پانی دیکھو گے کہ اس سے باغات پر ہوں گے۔ (مسلم)

مبارک انگلیوں سے پانی کا جوش مار کر نکلنا

جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس کو عبادۃ بن الولید نے روایت کیا ہے جس کی ابتداء میں دو درختوں کے مل جانے ان کے مطیع ہونے اور الگ ہونے اور حضورؐ کے دو قبروں پر دو شاخیں لگانے کا ذکر ہے اور جس کے اخیر میں مذکور ہے کہ ہم اپنے لشکر میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا جب نہ ملا) تو آپؐ نے فرمایا

لشکر میں تلاش کرو۔ میں نے عرض کی قافلہ بھر میں ایک قطرہ پانی بھی مجھ کو نہیں ملا۔ انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی مشکوں میں پانی ٹھنڈا کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اس کے پاس ہی جا کر دیکھو اس کی مشک میں کچھ بھی پانی ہے۔ میں گیا تو ان کے مشک میں بھی اتنا سا پانی ملا کہ اگر میں اس کو انڈیلتا تو جو حصہ اس کا خشک تھا وہ اس کو پی جاتا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ان کی مشک میں تو صرف اتنا ہی پانی ہے کہ اگر میں اس کو انڈیلوں تو وہ اس کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جائے گا۔ آپ نے فرمایا اور جا کر وہی لے آؤ۔ میں اس کو لے آیا۔ آپ نے اس کو اپنے دست مبارک میں لیا اور اس پر کچھ پڑھنے لگے مجھ کو معلوم نہیں کہ آپ نے کیا پڑھا تھا اور اس کو اپنے ہاتھ سے ملنے لگے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا جس کسی کے پاس اتنا بڑا پیالہ ہو جو پورے قافلے کے لئے کافی ہو جائے اس کو آواز دو۔ میں نے اعلان کر دیا کہ جس کے پاس بھی ایسا پیالہ ہو وہ لے آئے چنانچہ اتنا ہی بڑا ایک پیالہ پیش کیا گیا جس کو لوگ اٹھا کر لائے۔ میں نے اس کو آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ آپ نے اس میں اپنا دست مبارک ڈال کر اپنی انگلیاں پھیلا دیں اور اس کو طشت کے اندر رکھ دیا اور فرمایا کہ جابر الو اور بسم اللہ کہہ کر میرے ہاتھ پر ڈالو۔ میں نے بسم اللہ کہہ کر پانی ڈالا۔ میں نے دیکھا کہ پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی امنڈ آیا پھر پورے پیالہ میں پانی جوش سے چکر لگانے لگا حتیٰ کہ پیالہ پانی سے لبریز ہو گیا۔ آپ نے فرمایا جابر اعلان کر دو جس کو پانی کی ضرورت ہو وہ آ کر لے لے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ (دوڑ دوڑ کر) آتے رہے اور پی پی کر سیراب ہوتے گئے۔ یہ بیان کرتے ہیں میں نے کہا کوئی شخص ایسا اور ہے جس کو پانی کی ضرورت ہو؟ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ سے اپنا ہاتھ باہر نکال لیا اور پیالہ تھا کہ جوں کا توں بھرا کا بھرا تھا۔ (مسلم)

فائدہ: یہاں آپ کے انگشتان مبارک سے پانی کا جوش مار کر پھوٹنے کا تذکرہ ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی جتنی مخلوق تھی وہ سب اس سے سیراب ہو گئی مگر یہ تنبیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میمون میں برتن بہت بڑے بڑے بنائے جایا

کرتے تھے۔ اس لئے یہاں پیالہ کے بڑے ہونے کی وجہ سے چند لوگوں کو اس کو اٹھا کر لانا پڑا اور اس بارے میں اب تک بھی شہر اور گاؤں کے برتنوں میں فرق ہوتا ہے گاؤں کے برتن شہر کے برتنوں کی نسبت اکثر بڑے ہوتے ہیں۔

مشکیزوں سے پانی ابلنا

حضرت عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں میں ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا۔ ہم ساری رات چلتے رہے صبح کے قریب آرام کے لئے اترے اور (ایسے غافل سو گئے کہ) ہماری آنکھ نہ کھل سکی یہاں تک کہ آفتاب چمک اٹھا۔ جو شخص ہم سب میں پہلے بیدار ہوئے وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ ہمارا دستور یہ تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتے میں جگایا نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ خود ہی بیدار نہ ہو جاتے کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ نئی بات کیا ہے جو بحالت خواب آپ کو پیش آ رہی ہے۔ اس کے بعد عمرؓ بیدار ہوئے اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے لگے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاگ اٹھے۔ آپ نے جب سر اٹھایا اور دیکھا کہ آفتاب چمک اٹھا ہے تو فرمایا یہاں سے نکل چلو اور ہم کو لے کر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ اب دھوپ میں سفیدی آ گئی تھی۔ (یعنی کراہت کا وقت نکل گیا تھا) آپؐ نے اتر کر ہم کو نماز پڑھائی۔ ہمارے ساتھ ایک شخص تھا کہ وہ علیحدہ جا کر بیٹھ گیا اور اس نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر اس سے سوال کیا ہمارے ساتھ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کی کہ مجھ کو غسل کی ضرورت پیش آ گئی تھی اور پانی تھا نہیں۔ آپؐ نے اس سے فرمایا مٹی سے تیمم کر لے وہ تیرے لئے کافی ہے۔ اس نے تیمم کیا اور نماز ادا کی۔ پھر ہم کو سخت پیاس لگی تو آپؐ نے پانی کی تلاش کے لئے ایک قافلہ جو آگے جا رہا تھا اس کی طرف جلدی سے ہم کو روانہ کیا۔ ہم چل دیئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت اپنی چھاگلوں کے درمیان اونٹنی پر پیر لٹکائے جا رہی ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا پانی کا چشمہ کہاں ملے گا۔ اس نے جواب دیا ارے پانی کہاں۔ ہم نے اس سے پوچھا تیرے گھر اور پانی کے درمیان کتنا فاصلہ ہو گا۔ اس نے کہا

ایک دن رات کا۔ ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل۔ اس نے کہا رسول اللہ کس کو کہتے ہیں۔ ہم اس کے ساتھ اور کوئی بات نہ کر سکے۔ پس اس کو ساتھ لے کر چل دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر اس کو پیش کر دیا۔ آپؐ نے پانی کے متعلق اس سے دریافت کیا اس نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو ہم کو دیا تھا اور یہ کہنے لگی کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور میرے بچے یتیم ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کی اونٹنی بٹھا دی جائے چنانچہ تعمیل ارشاد کی گئی۔ آپؐ نے اس کی چھاگلوں کے اوپر کے دہانے میں دہن مبارک سے کلی کر کے پانی ڈال دیا اور اس کی اونٹنی کو کھڑا کر دیا (تاکہ نیچے کے دہانے سے پانی لے لیا جا سکے) اس وقت ہم چالیس شخص تھے سب پیاسے تھے۔ سب نے شکم سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے اپنے پانی کے اونٹ اور مشکیزے اور جتنے برتن تھے سب پانی سے بھر لئے۔ اور ہمارے اس رفیق نے غسل بھی کر لیا۔ مگر صرف اتنا کیا کہ اپنے اونٹوں کو پانی نہیں پلایا۔ لیکن چھاگلیں تھیں کہ پانی کے جوش کے مارے پھٹی جا رہی تھیں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اب تھوڑا بہت جو کچھ کھانے کا سامان تمہارے پاس ہو وہ اس کے لئے لے آؤ۔ ہم نے اس عورت کے لئے کچھ روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں جمع کر دیں۔ آپؐ نے ان کو ایک تھیلی میں ڈال کر اس سے کہا جا یہ اپنے بچوں کو جا کر کھلا دے اور یہ یاد رکھنا کہ ہم نے تیرے پانی کا کچھ نقصان نہیں کیا ہے۔ جب وہ اپنے گھر آئی تو اس نے کہا میں نے ایسا بڑا جادوگر کوئی نہیں دیکھا ورنہ تو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ شخص سچا نبی ہے۔ جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے اس نے یہ یہ کرشمے دکھائے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس عورت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس کے قبیلے کے قبیلے کو ہدایت نصیب فرمائی چنانچہ خود وہ اور اس کا سب خاندان مسلمان ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: اس حدیث میں پانی کے معجزہ کے سوا کچھ اور بھی امور ہیں جو بہت زیادہ قابل یادداشت ہیں۔ پہلی بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیدار نہ کرنے کے متعلق صحابہؓ کی عادت میں منقول ہے۔ وہ ترجمان السنہ کی تیسری جلد میں قوم انبیاء کے زیر عنوان باوجود تلاش کے ہم کو حدیث میں نہ مل سکی اس لئے اس کا تذکرہ ہم نے علماء کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔ حالانکہ وہ خود صحابہؓ کی عادت میں منقول ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں اختلاف

ہے کہ پہلے بیدار ہونے والوں میں کون شخص تھے۔ روایت مذکورہ سے حضرت ابوبکرؓ کا نام معلوم ہوتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب نماز قضا ہو جائے تو اس کی قضا وقت مکروہ میں نہ کرنی چاہئے۔ یہاں راوی نے **حتی ابیضت الشمس** اور **بزعت** کے لفظ فرما کر اس بات کو صاف کر دیا ہے بقیہ طرق میں سب جگہ اجمال ہے اس کو اسی تفصیل پر حمل کر لینا چاہئے۔

برتن سے پانی کا نکلتے رہنا

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم لوگ آج شام اور ساری رات سفر کرنے کے بعد کل انشاء اللہ تعالیٰ چشمہ پر جا پہنچو گے بس لوگ چل پڑے اور ایک دوسرے کی طرف کوئی توجہ نہ کرتا تھا۔ بس سفر طے کرنے میں مشغول تھے۔ اس کے بعد وادی میں پہنچنے اور وہاں غفلت کی نیند سو جانے کا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد یہ کہتے ہیں کہ وضو کے پانی کا جو برتن میرے ساتھ تھا۔ آپؐ نے اس کو منگایا اس میں تھوڑا سا پانی تھا آپؐ نے اس پانی سے مختصر سا وضو فرمایا اور جو پانی بچا اس کے متعلق فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا آئندہ چل کر اس سے ایک بڑا معجزہ ظاہر ہوگا۔ یہ کہتے ہیں کہ جب صبح ہو گئی تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک تشریف نہیں لائے۔ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ فرمائیں اور پھر اس کا خلاف کریں۔ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے سامنے ہیں۔ ادھر ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے بڑے اصحاب موجود ہیں اگر ان کی رائے پر عمل کرو گے تو کامیاب ہو گے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم ان لوگوں سے اس وقت آ کر ملے جب کہ دن چڑھ چکا تھا اور آفتاب کی تمازت سے ہر چیز جلنے لگی تھی۔ لوگوں نے آپ سے فریاد کی یا رسول اللہ ہم تو پیاس سے مرے۔ آپؐ نے فرمایا ہمیں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ یہ کہہ کر اپنے وضو کے پانی کا برتن منگایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برتن سے پانی ڈالتے تھے اور ابو قتادہؓ لے کر لوگوں کو پلاتے جا رہے تھے۔ لوگوں کا برتن کے پانی کو دیکھنا تھا کہ اس پر ٹوٹ پڑے۔ آپؐ

نے فرمایا اپنے اخلاق درست رکھو۔ تم میں سے ہر ہر فرد پانی پی کر سیراب ہوگا۔ چنانچہ فوراً لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور آپ بدستور پانی ڈالتے رہے اور ابو قتادہؓ لے لے کر لوگوں کو پلاتے رہے۔ یہاں تک کہ مجمع بھر میں میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نہ رہا۔ آپؐ نے فرمایا اب تم بھی پی لو۔ میں نے عرض کی جب تک آپ نہ پی لیں میں کیسے پی سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا طریقہ یہی ہے کہ جو تقسیم کرنے والا ہوتا ہے اس کا نمبر سب سے آخر ہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے پانی پی لیا اور آپ نے بھی نوش فرمالیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر لوگ (اگلے روز) چین سے پانی پر پہنچے اور وہ خوب سیراب تھے۔ عبداللہ بن رباحؒ کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو جامع مسجد میں بیان کر رہا تھا کہ دفعۃً عمران بن حصینؓ نے مجھ کو ٹوکا اور فرمایا ذرا سوچ کر حدیث بیان کرو۔ کیونکہ اس شب کے قافلہ میں میں بھی شریک تھا۔ میں نے عرض کی آپ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں انہوں نے پوچھا تم کس قبیلے کے آدمی ہو۔ میں نے کہا انصار میں کا۔ عمران بن حصینؓ نے فرمایا کہ تم اپنی حدیث کو بہتر جانتے ہو۔ عمرانؓ کہتے ہیں کہ اس شب میں میں بھی شریک تھا اور مجھ کو یہ خیال نہ تھا کہ اس واقعہ کو جس طرح تم نے محفوظ کیا ہے اس طرح کسی اور نے محفوظ کیا ہوگا۔ (شیخین)

کنوئیں کے پانی میں زیادتی

حضرت زیاد بن حارث صدائی سے روایت ہے جس میں امام احمدؒ اور ترمذی اور ابوداؤد نے اتنا اضافہ اور نقل کیا ہے جس کے آخر میں ہے کہ اس کے بعد ہم نے عرض کی یا رسول اللہؐ ہمارا کنواں ہے جب جاڑوں کا موسم آتا ہے تو اس کا پانی ہم کو کافی ہوتا ہے۔ اور ہم اس کے گرد آباد ہو جاتے ہیں اور جب گرمی کا موسم آتا ہے تو اس میں پانی بہت کم رہ جاتا ہے اور ہم اپنے اردگرد کے پانیوں پر پھیل کر متفرق ہو جاتے ہیں اور ہمارے چاروں طرف ہمارے دشمن آباد ہیں۔ آپ ہمارے کنویں کے لئے دعا فرما دیجئے کہ اس کا پانی ہمیشہ ہم کو کافی ہو جایا کرے اور ہم کو ادھر ادھر متفرق ہونے کی ضرورت نہ ہو۔ آپؐ نے سات کنکریاں منگائیں اور ان کو اپنے ہاتھ میں ملا اور ان پر کچھ دعا پڑھی اور فرمایا اچھا ان کنکریوں کو لے جاؤ اور جب اپنے کنویں پر

جانا تو ان کو بسم اللہ کہہ کر ایک ایک کر کے ڈالنا۔ صدائی بیان کرتے ہیں ہم نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی تو کنویں میں اتنا پانی ہو گیا کہ ہم کوشش کر کے بھی اس کی تہہ کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ لشکر میں کسی کے پاس پانی نہ رہا تھا۔ آپؐ نے پوچھا تمہارے پاس کچھ پانی ہے اس نے کہا کہ ہے۔ فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ وہ ایک برتن لے آیا اس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپؐ نے اپنی انگلیاں برتن کے اوپر پھیلائیں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں میں سے پانی کے چشمے ابل پڑے۔ آپؐ نے بلالؓ سے فرمایا آواز دے دو کہ وضو کے لئے برکت کا پانی لے لیں۔ (مسند امام احمد)

چند قطرے پانی کا چودہ سو کے لئے کافی ہو جانا

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی حدیث میں بھی اسی طرح ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک غزوہ میں تھے تو ہمیں بھوک سے تکلیف ہونے لگی یہاں تک کہ ہمارا ارادہ یہ ہوا کہ اپنی سواری کے ایک آدھ اونٹ کو ذبح کر دیں۔ تب ہم کو اللہ کے نبی نے حکم دیا کہ ہم سب اپنے اپنے ناشتہ دانوں کو اکٹھا کریں تو ہم نے چمڑے کا ایک دستر خوان بچھایا اور سب لوگوں کا توشہ اسی دستر خوان پر اکٹھا ہوا تو میں نے گردن اٹھائی کہ اس کا اندازہ کروں کہ کل ملا کر کتنا جمع ہو گیا۔ تو میں نے اندازہ کیا کہ وہ کل اتنا ہو گا جیسا کہ بکری کی ٹیک ہوتی ہے۔ (یعنی اس کی نشست گاہ) اور ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم سب نے کھایا اور پیٹ بھر بھر کر کھایا۔ پھر ہم سب نے اپنے اپنے توشہ دان بھی بھر لئے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہیں کچھ پانی بھی ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک برتن لے کر آیا جس میں چند قطرے پانی تھا تو آپ نے اسے ایک برتن میں انڈیل لیا تو ہم سب چودہ سو آدمیوں نے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر وضو کیا۔ اس کے بعد آٹھ آدمی اور آئے اور انہوں نے پوچھا کچھ اور پانی وضو کے لئے بچا ہے یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس اب پانی ختم ہو گیا۔ (بخاری)

تھوڑے سے پانی کا تین سو کو کافی ہو جانا

حضرت انسؓ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ

مقام زوراء میں تھے یہ مدینہ طیبہ میں بازار کے پاس ایک مقام کا نام تھا اور وہاں مسجد بھی تھی۔ آپ نے پیالہ منگایا، جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا تو پانی آپ کی انگلیوں سے پھوٹ پھوٹ کر ابلنے لگا یہاں تک کہ آپؐ کے سب ہمراہیوں نے وضو کر لیا۔ میں نے پوچھا اے ابوحمزہ (حضرت انسؓ کی کنیت ہے) آپ کے ان ساتھیوں کی کل تعداد کتنی ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا تقریباً تین سو کے قریب صحابہؓ ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ پانی اتنا تھا کہ آپؐ کی انگلیاں بھی اس میں نہ ڈوبتی تھیں۔ (شیخین)

انگلیوں سے پانی ابلتا رہا اور صحابہ وضو کرتے رہے

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس وقت نماز عصر کا وقت آ چکا تھا۔ لوگوں نے وضو کے لئے پانی تلاش کیا تو نہ ملا۔ آپؐ کے سامنے تھوڑا سا پانی پیش کیا گیا آپ نے اس برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور لوگوں سے کہا کہ وضو کریں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے آپؐ کی انگلیوں سے پانی ابل ابل کر نکلتا ہوا دیکھا اور تمام حاضرین نے ایک ایک کر کے وضو کر لیا۔ (شیخین)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا۔ میں نے دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا ہے اور ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔ صرف جو کسی کے پاس بچا کھچا رہ گیا تھا بس وہی تھا تو وہ ایک برتن میں ڈال کر آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک اس میں ڈالا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں۔ اس کے بعد فرمایا لوگو چلو اور وضو کا پانی اور اللہ کی طرف سے برکت لوٹو۔ میں نے دیکھا کہ پانی تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر آپ کی انگلیوں سے ابل رہا تھا۔ حتیٰ کہ تمام صحابہؓ نے وضو بھی کر لیا اور خوب پی بھی لیا اور میں نے تو جتنا پانی میرے پیٹ میں سما سکتا تھا وہ بری طرح پی ڈالا کیونکہ میں جان چکا تھا کہ یہ برکت ہی برکت کا پانی ہے۔ میں نے جابرؓ سے سوال کیا اس وقت تم کتنے صحابہ تھے انہوں نے کہا ایک ہزار اور چار سو (شیخین)

یہ روایت بھی جابرؓ ہی سے ہے کہ صلح حدیبیہ میں ہم کو پانی نہ مل سکا اور ہم کو سخت پیاس لگی۔ آپ کے سامنے ایک چمڑے کا تھیلا تھا۔ آپؐ نے اس سے پانی لے کر وضو کیا پھر کیا تھا لوگ پانی دیکھ کر بے تابی کے ساتھ اس کی طرف لپکے۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا تمہیں کیا

ہوگیا ہے۔ انہوں نے عرض کی ہمارے پاس نہ وضو کے لئے پانی ہے نہ پینے کے لئے بس یہی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ آپؐ نے اس تھیلے میں اپنا دست مبارک ڈالا۔ بس پانی تھا کہ آپ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح ابل ابل کر نکلنے لگا۔ ہم نے خوب پیا بھی اور وضو بھی کیا۔ میں نے پوچھا تم کتنے تھے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی کا عالم یہ تھا کہ ان کو بھی کافی ہوتا۔ مگر اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔ (شیخین)

فائدہ: بخاری کے واقعات متفرق ہیں ان کے اجزاء میں کہیں کہیں تفاوت بھی ہے آپ چاہیں ان سب کو ایک واقعہ کہہ سکتے ہیں۔ اس میں اگر کچھ نقصان ہوگا تو آپ ہی کا نقصان ہے کہ پیغمبر خداؐ کے معجزات کی تقلیل لازم آئے گی اور تکلف بھی اختیار کرنا پڑے گا۔ بہرحال اپنے نبیؐ کے معجزات کو لطف اندوزی کے لئے یہاں سب کو نہیں تو بعض طرق کو جمع کر دیا ہے ان میں کہیں انگلیوں کا کرشمہ ہے تو کہیں لعاب دہن کا۔

خشک کنوئیں میں پانی بھر آنا

حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ تم لوگ تو فتح مکہ کے ”فتح عظیم“ کا مصداق سمجھتے ہو اور کسی شک وشبہ کے بغیر وہ بڑی فتح تھی لیکن ہم تو بیعت الرضوان کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی بڑی فتح سمجھتے ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ تھے اور حدیبیہ وہاں ایک کنواں تھا۔ جس کا پانی ہم نے سب کھینچ کھینچ کر نکال لیا تھا۔ حتیٰ کہ اس میں پانی کا ایک قطرہ تک باقی نہیں چھوڑا تھا۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی۔ آپ تشریف لائے اور اس کی منڈیر پر آ کر بیٹھ گئے اور ایک برتن میں کچھ پانی منگایا اور وضو فرمایا اور کلی کر کے وہ پانی اس کنویں میں ڈال دیا۔ ہم نے کچھ زیادہ دیر بھی نہیں کی تھی کہ اس میں اتنا پانی بڑھ گیا کہ جتنا ہوسکا ہم نے خود پانی پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا اس وقت ہماری تعداد چودہ سو ہوگی یا اس سے کچھ زیادہ۔ (بخاری شریف)

ایک پیالہ پانی ستر اسی آدمیوں کا وضو کرلینا

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پانی طلب فرمایا۔

آپؐ کے سامنے ایک کشادہ پیالہ پیش کیا گیا اور لوگوں نے اس سے وضو کرنا شروع کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے اندازہ لگایا تو کوئی ستر اور اسی کے درمیان لوگ تھے۔ (شیخین)

یہی واقعہ بعض روایات میں اس طرح ہے کہ آپ کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے اور اس سفر میں آپؐ کے ہمراہ آپؐ کے کچھ صحابہ بھی تھے وہ چلتے رہے یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا اور وضو کے لئے پانی نہ مل سکا۔ قافلہ میں سے ایک شخص گیا اور ایک پیالہ میں تھوڑا سا پانی لے کر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر وضو فرمایا اور اپنی چاروں انگلیاں پانی کے پیالے پر پھیلا دیں اور فرمایا لوگو اٹھو اور وضو کر لو۔ یہ لوگ ستر یا کچھ کم وبیش ہوں گے۔

فائدہ: اس واقعہ میں کل ستر اور اسی افراد موجود ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ آپ کا دل گوارا کرے تو اس کو علیحدہ واقعہ شمار کر لیجئے یا ایک ہی بنا دیجئے۔ ہمارا مقصد تو صرف معجزات شماری کا ایک نمونہ پیش کرنا ہے۔

کھانے میں تین گنا اضافہ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ تہی دست لوگ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو اسے چاہئے کہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو اسے چاہئے کہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو اپنے ساتھ (کھانا کھلانے) لے جائے۔ اور حضرت ابوبکر تین آدمیوں کو ساتھ لے کر گھر آئے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو ہمراہ لے کر چلے اور خود حضرت ابوبکرؓ نے بھی رات کا کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کھا لیا۔ پھر ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھ لی گئی پھر نماز سے لوٹے اور اتنی دیر ٹھہرے رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رات کا کھانا کھا لیا اور ابوبکرؓ رات کا اتنا حصہ گزرنے کے بعد گھر پہنچے جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان کی بیوی نے ان سے پوچھا کہ اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر آپ اتنی دیر کہاں رک گئے؟ تو ابوبکرؓ نے پوچھا یہ بتاؤ کہ تم نے ان کو کھانا کھلا دیا یا نہیں؟ کہنے لگیں کہ ان لوگوں نے کہا کہ اس وقت تک نہ کھائیں گے جب تک تم نہ آ جاؤ

گے تو حضرت ابوبکرؓ کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں تو کھانا نہ کھاؤں گا۔ تو ان کی اہلیہ نے بھی قسم کھا کر کہا کہ پھر میں بھی کھانا نہ کھاؤں گی اس پر ان مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ پھر ہم بھی یہ کھانا نہ کھائیں گے۔ اب حضرت ابوبکرؓ کو تنبیہ ہوا اور فرمانے لگے کہ یہ سب کچھ شیطان کی وجہ سے ہوا اس کے بعد انہوں نے کھانا منگوایا اور خود کھایا تو مہمانوں نے بھی کھانا کھایا تو یہ حال تھا کہ جب وہ لوگ ایک لقمہ اٹھاتے تھے تو اس کے نیچے اس سے زیادہ کھانا ازخود اضافہ ہو جاتا تھا۔ تو انہوں نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ اے بنوفراس کی خاتون! دیکھ یہ کیا ہے؟ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! ارے یہ تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہو گیا ہے۔ تو ان سب نے خوب کھایا اور ابوبکرؓ نے وہ کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھجوایا۔ راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے کھایا۔ (شیخین)

حضرت براء کا بیان

حضرت براء بن عازبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کا واقعہ نقل کرتے ہوئے خود سراقہ بن مالک کا یہ بیان نقل کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ ہم سخت پتھریلی زمین میں تھے تو ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو اب پکڑے گئے۔ آپ نے فرمایا فکر نہ کرو یقین جانو اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر حضورؐ نے اسے بددعا دی تو اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ اس نے کہا اچھا میں سمجھ گیا تم دونوں نے مجھے بددعا دی ہے۔ اچھا اب آپ دونوں میرے لئے نجات کی دعائے خیر کرو۔ خدا کی قسم آپ دونوں کا احسان میرے اوپر ہے اور اس کے لئے میں اب یہ کروں گا کہ تمہیں ڈھونڈھنے والوں کو یہیں سے لوٹا دوں گا۔ تب حضورؐ نے اس کے حق میں دعا فرمائی تو وہ اس مصیبت سے نجات پا گیا۔ پھر سراقہ وہاں سے لوٹا اور راستے میں جس سے بھی ملتا سب کو وہیں سے واپس کر دیتا کہ جاؤ کچھ فکر کی ضرورت نہیں وہ ادھر تو نہیں گئے۔ غرض جس سے بھی ملتا سب کو لوٹا دیتا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا تو وہ کود پڑا اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سمجھ گیا یہ آپ ہی کا کام ہے۔ اب اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے اس

مصیبت سے جس میں میں ہوں چھڑا دے اور میں آپ کے لئے یہ کروں گا کہ جو شخص بھی میرے پیچھے آئے گا اس کو دھوکے میں ڈال کر راستہ نہ بتاؤں گا۔

خود سراقہ کا اپنا بیان

ابن شہاب سراقہ بن مالک کا خود اپنا بیان اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد یہ پیام لے کر آئے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ کو قتل کرے یا قید کرے تو ان کو ان میں سے ہر ایک کے عوض میں ایک دیت کی برابر مال ملے گا۔ یہ کہتے ہیں کہ ابھی کچھ دیر گزرنے نہ پائی تھی کہ میں اپنی قوم بنی مدلج میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص سامنے سے آیا اور کہنے لگا اے سراقہ دریا کے کنارے میں نے ابھی ابھی کچھ لوگ دیکھے ہیں جن کے متعلق میرا غالب گمان یہی ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے رفیق ہوں گے۔ اس کے پتہ دینے پر میں سمجھ تو گیا کہ ہوں نہ ہوں یہ وہی ہیں مگر بات ٹالنے کے لئے میں نے اس سے کہہ دیا وہ بھلا کہاں ہوتے شاید تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہوگا۔ پھر ذرا سا وقفہ دے کر میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے گھر جا کر اپنی باندی سے کہا کہ میرا گھوڑا باہر نکالے۔ وہ ایک ٹیلہ کے پیچھے تھا اور اس کو لے کر کھڑی رہے ادھر میں اپنا نیزہ لے کر گھر کی پشت کی طرف سے نکلا اور اس کی پھال زمین کی طرف کردی اور اس کے اوپر کے حصہ کو نیچا کر دیا (تا کہ کسی کی نظر نہ پڑے) یہاں تک کہ اپنے گھوڑے پر آ کر سوار ہو گیا اور اس کو تیز کر دیا تا کہ وہ جلد ان کو جا پکڑے۔ جب میں ان کے نزدیک جا پہنچا تو میرا گھوڑا دفعۃً پھسلا اور میں اس کے اوپر سے جا پڑا۔ کھڑے ہو کر میں نے اپنے فال کے تیر نکالے اور ان کا پانسا گھمایا تا کہ یہ دیکھوں کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں تو اس میں ایسی بات نکلی جس کو میں ناپسند کرتا تھا۔ مگر پھر بھی میں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے نزدیک جا پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی تھی آپ کسی طرف توجہ نہ فرماتے تھے اور ابو بکر بار بار مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ جب میں اتنا قریب جا پہنچا تو اس مرتبہ میرے گھوڑے کے دونوں ہاتھ یعنی اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور میں پھر اس کی پشت سے جا پڑا۔ میں پھر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کو زور سے

ڈانٹا مگر وہ اپنے ہاتھ زمین سے نہ نکال سکا۔ پھر جب بمشکل وہ سیدھا کھڑا ہوا تو زمین سے دھوئیں کی طرح ایک غبار نکلا میں نے پھر اپنے تیر گھمائے مگر پھر وہی بات نکلی جو مجھ کو پسند نہ تھی اس پر میں نے امن کے لئے آواز دی وہ ٹھہر گئے۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر جب بالکل ان کے پاس پہنچ گیا تو اپنے روک دیئے جانے کی وجہ سے میرے دل میں اب یہ یقین ہو گیا کہ آپ کا دین ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ اس کے بعد پورا واقعہ نقل کیا۔ (متفق علیہ)

فائدہ: ہجرت کا یہ واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں مختلف جگہ موجود ہے ہم نے صرف اس کے دو طریقے پیش کئے ہیں تاکہ آپ یہ اندازہ فرما سکیں کہ کہنے کو تو یہ ایک ہی واقعہ ہے مگر نہ معلوم کتنے معجزات کا حامل ہے اور کیوں نہ ہو کہ آج خدا کا محبوبؐ اپنے وطن مالوب و محبوب سے خدا کے لئے باہر کیا جا رہا ہے ایک ذی حسن انسان تصور کرے کہ ان حالات میں اس کے اوپر کیا گزر سکتی ہے پھر اس کی تسلی کے لئے قدرت جو کرشمے اپنی رافت و رحمت کے دکھائے ان کا تصور خود فرما لیجئے۔ اپنی خوابگاہ پر کس طرح حضرت علیؓ کو لٹایا کس طرح دشمنوں کے جھرمٹ میں سے صاف آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گئے کس طرح تعاقب کرنے والے دشمنوں کا حشر ہوا کس طرح غار ثور میں محفوظ رہے کس طرح ام معبد پر گزر ہوا۔ کس طرح دودھ کے متعلق دوسرے واقعات ظاہر ہوئے۔ یہ سب واقعات ان ہی اوراق میں آپ کی نظروں سے گزر چکے ہیں اور جو جو معجزات ہماری نظروں سے اب تک ہماری لاعلمی کی وجہ سے غائب رہے یا راویوں کے سہو و نسیان کی نذر ہو گئے یا ان کے زمانے کے وقعات ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل بیان نہ تھے۔ یا سند کی بحثوں نے ان کو سرے سے ساقط ہی کر دیا ان کی تعداد اس قدر زائد ہے کہ ان کے بیان کے لئے کئی ضخیم جلدیں چاہئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دعا

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ مجھے قاضی و منصف بنا کر بھیج رہے ہیں حالانکہ میں ابھی کم عمر ہوں اور مجھے جھگڑے چکانا نہیں آتا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو صحیح بات ہی کی طرف رہنمائی فرما دیا کرے گا اور تمہاری زبان کو حق بات پر

جما کر رکھے گا۔ لہذا جب بھی تمہارے پاس دو فریق آئیں تو تم ایک ہی شخص کی باتوں کو سن کر فیصلہ نہ کر دیا کرنا جب تک کہ تم فریق ثانی کی بات بھی نہ سن لو۔ کیونکہ اس صورت میں معاملہ تمہارے سامنے خوب اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد مجھے کسی معاملہ میں شک وشبہ نہیں ہوا۔ (ترمذی)

ابی بن خلف کا جہنم رسید ہونا

کعب بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ابی بن خلف نے جو بنو جمح کا بھائی لگتا تھا مکہ مکرمہ میں اس پر قسم اٹھائی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور قتل کر کے چھوڑے گا۔ جب اس کی اس قسم کی خبر آپ کو ہوئی تو آپؐ نے فرمایا ”ان شاء اللہ میں ہی اس کو قتل کروں گا“۔ چنانچہ جب اُبی چاروں طرف سے ہتھیاروں سے سج کر میدان جنگ میں آیا تو اس نے پکار کر کہا ”آج کے دن اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچ گئے تو خدا کرے میں زندہ نہ بچوں“۔ یہ کہہ کر اس نے آپؐ کے اوپر حملہ کیا۔ مصعب بن عمیر جو بنو عبدالدار کے بھائی لگتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے فوراً سامنے آگئے اور شہید ہو گئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس کے خود اور لمبی چوڑی درع کے درمیان اس کی ہنسلی کے پاس ذرا سی جگہ کھلی ہوئی تھی۔ آپؐ نے ایک نیزہ لے کر اس جگہ پر مارا بس نیزہ لگنا تھا کہ ابی اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور حال یہ تھا کہ آپ کے نیزہ سے ذرا سا خون بھی نہ نکلا۔ اس کے ساتھی اس کو اٹھا کر لے گئے اور وہ بیل کی سی آواز نکال رہا تھا۔ اس پر اس کے رفقاء نے کہا کتنا بزدل شخص ہے یہ کیا زخم ہے صرف ایک معمولی سی خراش ہے۔ یہ سن کر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا ذکر کیا کہ آپؐ نے فرمایا تھا میں ہی ابی کو قتل کروں گا۔ اس کے بعد کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تکلیف مجھے وہ ہے کہ اگر یہ ساذی المجاز (ایک بازار کا نام ہے) والوں کو ہوتی تو وہ سب اس کی وجہ سے ختم ہو جاتے۔ یہ کہہ کر وہ واصل جہنم ہو گیا۔ (مستدرک وغیرہ)

ابوجہل، ولید عتبہ وغیرہ کو بددعا

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے پاس نماز ادا فرما رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے رفقاء جو وہاں جمع تھے ان میں سے کسی

نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا اس کی اوجھڑی وہاں پڑی ہوئی تھی۔ ابو جہل بولا تم میں سے ہے کوئی شخص جو اٹھ کر اس اونٹ کی اوجھڑی لے آئے اور جب محمدؐ سجدہ کریں تو ان کے شانوں پر جا کر رکھ دے۔ آخر جو ان میں سب سے زیادہ بدنصیب تھا اس نے یہ ہمت کی اور جب آپ سجدہ میں تشریف لے گئے تو اس نے وہ اوجھڑی لا کر آپ کے شانوں پر ڈال دی پھر کیا تھا ایک قہقہہ لگا کہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر جا جا کر گرنے لگا۔ میں یہ سب ماجرا کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کاش میرے ساتھ کوئی چھوٹی سی جماعت بھی ہوتی تو میں آپؐ کے شانوں سے اس کو اٹھا کر پھینک دیتا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور سر بسجود تھے اور اپنا سر مبارک نہ اٹھاتے تھے۔ اتنے میں کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اس کی خبر کی، یہ اس وقت بہت کم سن تھیں بھاگ کر آئیں اور آپؐ کے شانوں سے وہ اوجھڑی اٹھا کر پھینک دی پھر ان بدکرداروں کو برا بھلا کہنے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو گئے تو بآواز بلند ان پر بددعا فرمائی۔ اور آپ کا دستور مبارک یہ تھا کہ جب بددعا فرماتے تو تین بار فرماتے اسی طرح جب کوئی دعا مانگتے تو تین بار مانگتے پھر تین بار فرمایا الٰہی قریش سے انتقام لے”۔ جب انہوں نے آپؐ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ سنا تو ان کی سب ہنسی خوشی غائب ہو گئی اور سہم کر رہ گئے۔ اس کے بعد آپؐ نے نام لے لے کر بددعائیں فرمائیں الٰہی ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید، امیہ اور عقبہ سے اور ایک ساتویں شخص کا نام لیا جو اس وقت مجھ کو یاد نہیں رہا۔ انتقام لے اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے جن جن مشرکین کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لئے تھے میں نے ان میں سے ایک ایک کو جنگ بدر کے میدان میں مقتول پڑا ہوا دیکھا اس کے بعد وہ گھسیٹ کر وہاں ایک کنویں میں ڈال دیئے گئے۔ (بخاری و مسلم)

جب ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو گیا تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں رقیہؓ اور ام کلثومؓ کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دیدیں۔ تو عتیبہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر بدتمیزی سے یوں کہا کہ میں تمہارے دین کو نہیں مانتا اور میں نے تمہاری لڑکی کو چھوڑ دیا کہ نہ وہ میرے بلانے پر آئے نہ میں اس کے بلانے پر آؤں۔ (یا نہ وہ مجھے جواب دے نہ میں اسے جواب

دوں) پھر اس بد بخت نے حضورؐ کو ایذا دینے کا قصد کیا اور آپ کا پیراہن مبارک پھاڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دیجئے۔ کچھ دنوں کے بعد قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ وہ لڑکا کسی سفر کو نکلا۔ ملک شام میں ایک مقام پر جس کا نام زرقا تھا وہ قافلہ رات کو اترا۔ ایک شیر رات میں ان کے پاس سے گھوم گیا تو عتیبہ کہنے لگا اے بھائی بڑا غضب ہو گیا۔ یہ شیر بخدا مجھے کھا جائے گا۔ جیسا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ پر بد دعا کی ہے حالانکہ وہ اس وقت مکہ میں ہیں اور میں شام میں ہوں۔ بس پھر اس شیر نے قافلہ کے بیچ میں سے گزر کر اسی پر حملہ کیا اور اس کا سر پکڑا اور اسے مار ڈالا۔ اور ہشام نے اپنے والد عروہ سے یوں روایت کی ہے کہ جب شیر اس رات میں ان کے پاس سے گھوم گیا تو قافلے والے اٹھ بیٹھے اور وہ عتیبہ کو بیچ میں کر کے چاروں طرف خود پھیل گئے تو وہ شیر سب کے بیچ میں سے گزرتا ہوا آگے آیا اور اس نے عتیبہ کا سر پکڑا اور اسے توڑ ڈالا۔ اہل سیر کے یہاں اسی طرح مشہور ہے۔ ابن تیمیہؒ نے اس کا ذکر الجواب الصحیح میں کیا ہے۔

عمیر بن وہب کا واقعہ

عمیر بن وہب الجمحی جب مشرکین مکہ مکرمہ کے پاس واپس آیا اور جنگ بدر میں جن کفار کو قتل ہونا تھا وہ قتل ہو گئے تو اب عمیر، صفوان بن امیہ کے پاس حجر میں آ کر بیٹھا اور بولا صفوان! جنگ کے مقتولین کے بعد ہماری اس زندگی پر تف ہے اس نے کہا بیشک اس کے بعد جینے کا کوئی مزا نہیں۔ اگر میرے ذمہ قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کا میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے اور یہ بچے نہ ہوتے جن کے لئے میرے بعد کوئی سرمایہ نہیں ہے تو میں جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتا اگر تم میرے بچوں اور قرض کی طرف سے مجھ کو مطمئن کر دیتے تو میرے لئے ان سے اس وقت بہانہ کرنے کا ایک موقعہ بھی ہے۔ میں ان سے یہ کہوں گا کہ میں اپنے قیدی کا فدیہ دینے کے لئے آیا ہوں۔ اس کی اس بات سے صفوان بڑا خوش ہوا اور بولا کہ اچھا تیرا قرض میرے ذمہ ہے اور تیرے بچوں کے سب اخراجات میرے بچوں کے برابر رہیں گے۔ صفوان نے اس کو سواری دی اور سب ساز و سامان کے

ساتھ لیس کر دیا اور حکم دیدیا کہ صفوان کی تلوار صیقل کر کے زہر میں بجھا دیجائے۔ اب عمیر روانہ ہو گیا مدینہ پہنچا اور مسجد شریف کے دروازہ پر آ کر اترا اور اپنی سواری باندھی اور تلوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا اس وقت وہ جماعت انصار کے درمیان بیٹھے ہوئے کچھ گفتگو فرما رہے تھے۔ اس کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا یہ وہی کتا خدا کا دشمن اب تمہارے سامنے ہے جس نے جنگ بدر میں ہمارے درمیان جنگ کی سازش مرتب کی تھی اور لوگوں کو ہمارے خلاف ابھارا تھا۔ اس کے بعد عمرؓ کھڑے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کے بعد آپ سے پورا واقعہ بیان کیا۔ بات یہاں تک پہنچی کہ آپؐ نے عمیر سے پوچھا تم کیوں آئے ہو؟ وہ بولا میرا ایک قیدی آپؐ کے پاس ہے لہذا مجھ سے اس کا فدیہ قبول کر لیجئے۔ آخر آپؐ ہمارے قبیلہ و کنبہ ہی کے تو ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تو تمہاری گردن میں یہ تلوار کیسی لٹک رہی ہے۔ عمیر نے کہا خدا تعالیٰ اس کا ستیاناس کرے جنگ بدر ہی میں اس نے ہم کو کیا نفع دیا۔ جب میں اترا تو اس کو لٹکا ہوا بھول گیا اور میری گردن میں لٹکی رہ گئی۔ آپؐ نے پھر پوچھا اچھا سچ سچ بتادو کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا میں تو صرف اسی مقصد کے لئے آیا ہوں کہ اپنے قیدی کا فدیہ دے دوں۔ آپؐ نے فرمایا بھلا تم نے حجر میں بیٹھ کر صفوان کے ساتھ کس معاملہ پر شرط باندھی تھی؟ اب تو وہ گھبرا اٹھا اور بولا میں نے تو کسی بات پر شرط نہیں باندھی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اس بات پر کہ تم مجھے قتل کرو گے اور وہ تمہارے بچوں کے مصارف کا کفیل رہے گا اور تمہارا قرض ادا کرے گا اور اللہ تعالیٰ میرے اور تیرے اس ارادہ کے درمیان حائل ہے۔ (تو مجھے قتل نہیں کرسکتا) یہ سن کر عمیر نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور کہا بیشک آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ہم وحی اور ان تمام باتوں کو جو آسمان سے آپ کو بتائی جاتی ہیں جھٹلایا کرتے تھے لیکن یہ بات جو حجر میں بیٹھ کر میرے اور صفوان کے درمیان ہوئی تھی اس کی خبر میرے اور اس کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ لہذا ضرور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو اس کی خبر دی ہے۔ (طبرانی)

حضرت عامر بن فہیرہؓ کا آسمان پر اٹھایا جانا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ بنی سلیم کے ستر

۷۰ اشخاص کو قبیلۂ بنو عامر کے پاس بھیجا جب وہ وہاں پہنچے تو میرے ماموں نے کہا میں تم سے آگے جاتا ہوں اگر انہوں نے مجھ کو امن دیا یہاں تک کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے تعارف کراؤں تو فبہا ورنہ تو تم میرے نزدیک ہی تو ہو گے چنانچہ یہ آگے چلے گئے۔ بنو عامر نے ان کو امن دیا اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابھی ان سے مصروف گفتگو ہی تھے کہ انہوں نے چپکے سے ایک شخص کو اشارہ کیا اس نے ان کے نیزہ مارا اور پار کر دیا۔ یہ والہانہ انداز میں بول اٹھے رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد بنو عامر نے ان کے اور ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور سب کو قتل کر ڈالا بجز دو صحابی کے' ایک تو لنگڑے تھے جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور دوسرے ان کے ساتھ تھے۔ حضرت جبرئیلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ تقریباً وہ سب شہید ہو چکے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے ان کو بھی خوش کر دیا۔ (جس کی اطلاع) پہلے ہم قرآن کریم کی اس آیت میں بایں الفاظ پڑھا کرتے تھے۔ **بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا** یعنی ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے آملے اور وہ ہم سے خوش ہو گیا اور ہم کو بھی اس نے خوش کر دیا۔ اس کے بعد اس آیت کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔ ان مقتولین میں عامر بن فہیرہ بھی شامل تھے۔ اس واقعہ پر قبیلۂ رعل وذکوان اور عصیہ و بنی لحیان پر جنہوں نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی تھی چالیس دن تک آپؐ نے بددعا فرمائی۔ عامر بن طفیل بیان کرتے ہیں کہ عامر بن فہیرہ کی شہادت کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعش آسمان کی طرف اٹھائی گئی اور میں اس کو آسمان اور زمین کے درمیان اپنی آنکھوں سے اٹھتا ہوا دیکھتا رہا۔ (بخاری)

فائدہ: اس میں ایک عامرہ بن فہیرہ کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے سوا اور بھی معجزات ہیں جو تفصیلی روایات میں موجود ہیں۔ یہاں رفع الی السماء کو محال کہنے والے دیکھیں کہ یہ جو معجزہ ان کے نزدیک ہزاروں سوالات کے بعد بھی اب تک طے نہ ہو سکا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد خدام کے ساتھ پیش آ چکا ہے۔ اور آج تو جدید تحقیقات کی نظر میں یہ ایک مضحکہ خیز ہے۔ جبکہ مریخ پر راکٹ جا رہے ہوں کرۂ نار و کرہ زمہریر ایک افسانہ پارینہ قرار دیا جا چکا ہو۔ ان کا ایسے لوگوں کا پیش کرنا جو دجی کے بھی مدعی

ہوں خود ان کی وحی کے بطلان کے لئے کافی اور وافی ہے۔

حضرت قتادہؓ کی آنکھ کا درست ہونا

عاصم بن عمر بن قتادہؓ اپنے والد قتادہ بن نعمان سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ لڑتے ہوئے ان کی آنکھ میں زخم لگا اور وہ رخسار پر لٹک آئی۔ لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ کر پھینک دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کے لئے پوچھا آپؐ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو۔ پھر ان کو بلایا اور اپنی ہتھیلی سے ان کی آنکھ کے حلقہ کو ذرا دبا دیا تو انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ان کی کونسی آنکھ میں زخم آیا تھا اور وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر آپؐ نے آنکھ کے ڈھیلے کو اوپر اٹھایا اور اس کو اس کی جگہ پر جما دیا پھر اسے اپنی ہتھیلی سے ذرا دبا دیا اور یوں دعا فرمائی اے الٰہی! اس کو خوبصورتی اور جمال عطا فرما تو پھر ان کے انتقال تک یہ حال رہا کہ ان سے جو بھی ملتا اس کو کبھی یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ ان کی کس آنکھ میں زخم لگا تھا۔ (بخاری مسلم)

حضرت عبداللہ بن عتیک کی ٹانگ کا درست ہونا

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع یہودی کے قتل کے لئے چند انصاریوں کو مقرر کیا اور ان پر عبداللہ بن عتیک کو امیر بنایا۔ یہ ابورافع حضورؐ کو بہت ایذا دیا کرتا اور آپؐ کے خلاف لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ سرزمین حجاز میں اس کی ایک زمین تھی وہیں وہ رہا کرتا تھا۔ جب یہ لوگ اس کے قریب پہنچ گئے اور سورج ڈوب گیا اور لوگ اپنے اپنے ڈھوروں کو لے کر چلے گئے تو عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ یہیں بیٹھیں میں اکیلا جاتا ہوں اور دربان سے ملاطفت اور بہلانے کی باتیں کروں گا شاید میں اندر جا سکوں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے یہاں تک کہ پھاٹک کے قریب پہنچے پھر چادر سے ڈھاٹا باندھا گویا وہ قضائے حاجت کرنے گئے تھے۔ بہت سے لوگ اندر جا چکے تھے تو دربار نے ان کو دیکھ کر پکار کر کہا' اے اللہ کے بندے اگر

اندر آنا چاہتے ہو تو جلد آجاؤ میں اب پھاٹک بند کرنا چاہتا ہوں۔ میں اندر داخل ہو گیا اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب اور لوگ بھی اندر داخل ہو لئے تو اس نے پھاٹک بند کر دیا۔ پھر کنجیوں کا گچھا ایک کھونٹی پر لٹکا دیا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے کنجیوں کے پاس جا کر ان پر قبضہ کیا اور پھاٹک کا قفل کھول دیا ابورافع کے پاس رات کو کہانیاں کہی جاتی تھیں۔ وہ اپنے ایک اوپر کے کمرے میں تھا۔ جب ابورافع کے پاس سے اس کے افسانہ گو بھی اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کے کوٹھے پر چڑھا اور جس دروازہ کو کھول کر میں اندر جاتا اندر سے اسے بند بھی کرتا جاتا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ میرے ساتھیوں کو اگر میرے متعلق کچھ خطرہ بھی گزرے اور وہ میری مدد کو میرے پاس آنا چاہیں گے تو وہ میرے پاس پہنچنے بھی نہ پائیں گے کہ اس وقت تک ان شاءاللہ میں اسے قتل کر چکا ہوں گا۔ غرض میں اس کے پاس پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ ایک اندھیرے کمرہ میں اپنے اہل و عیال کے بیچ میں ہے مگر میں نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ اس کوٹھڑی میں کس جگہ پر ہے تو میں نے اس کا نام لے کر پکارا۔ ابورافع! وہ بولا کون ہے؟ بس میں آواز پر انداز سے بڑھا اور میں نے اس پر تلوار کا ایک وار کیا۔ میں کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ اس لئے کام پورا کر نہیں سکا اور وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ بس تھوڑی دیر ٹھہر کر میں پھر کوٹھڑی کے اندر گیا اور میں نے (آواز بدل کر) پوچھا اے ابورافع یہ آواز کیسی تھی؟ کیا ہوا؟ وہ بولا ارے تیری ماں پر مصیبت آ ٹوٹے۔ گھر میں کوئی آدمی ابھی ابھی مجھے تلوار مار گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس پر ایک وار اور کیا۔ جس سے اس کا خون بہت بہہ گیا۔ مگر ابھی وہ مرا نہیں تھا۔ اس کے بعد میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں جھونک دی کہ پیٹھ تک دھنستی چلی گئی تب میں نے سمجھ لیا کہ اب میں نے اسے مار ڈالا پھر میں ایک ایک کر کے تمام دروازے کھولنے لگا یہاں تک کہ میں سیڑھی کے ختم تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں نے اپنا پیر یہ سمجھ کر رکھا کہ میں (سیڑھیاں ختم کر چکا اور) زمین پر پیر رکھ رہا ہوں تو چاندنی رات میں میں زمین پر گر پڑا کہ میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے اپنے عمامہ سے کس کر باندھا پھر میں چلا اور پھاٹک کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور دل میں یہ سوچا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ یقینی طور پر نہ معلوم کر لوں کہ میں

نے قتل بھی کر دیا۔ جب صبح کے وقت مرغ نے بانگ دی تو ایک خبر مرگ دینے والے نے فصیل پر چڑھ کر پکار کر کہا کہ میں حجاز والوں کے تاجر ابو رافع کی موت کی خبر سناتا ہوں۔ تب میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور میں نے کہا بس اب بھاگ چلو۔ اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو قتل کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم سب حضورؐ کے پاس پہنچے اور آپ سے سارے واقعات بیان کئے۔ آپؐ نے فرمایا اپنی ٹانگ پھیلاؤ تو میں نے اپنی ٹانگ پھیلا دی۔ آپؐ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا۔ بس ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ (رواہ البخاری)

حضرت عمر بن ابی العاصؓ کی بیماری کا دور ہونا

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ کو طائف پر عامل مقرر کر کے بھیجا تو وہاں پہنچ کر مجھ کو یہ شکایت ہوگئی کہ نماز میں میری ایسی حالت ہو جاتی کہ مجھ کو یہی خبر نہ رہتی کہ میں کیا پڑھتا ہوں۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے تعجب سے فرمایا ابن ابی العاصؓ؟ ضرور کسی ضرورت سے آئے ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ نماز میں میرے سامنے کوئی چیز ایسی آ جاتی ہے کہ مجھ کو یہی خبر نہیں رہتی کہ میں کیا پڑھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا یہ شیطان ہے۔ ذرا قریب آؤ۔ میں آپؐ کے قریب آ گیا اور اپنے دونوں پیروں پر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا۔ ”او خدا کے دشمن نکل جا“۔ تین بار ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد فرمایا: اچھا جاؤ اب اپنے کام پر جاؤ۔ عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اس کے بعد پھر کبھی مجھ کو اس کا اثر نہیں ہوا۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: آپؐ کے دست مبارک اور لعاب دہن کا یہ اعجازی اثر دوسرے مقامات میں بھی نظر آتا ہے۔ اس لئے اس کو آپؐ کے جسمانی برکات و معجزات میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔

بیمار بچہ کا صحت مند ہونا

ام جندبؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے دسویں تاریخ کو وادی کے اندر کھڑے ہو کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرۃ العقبہ کی رمی کرتے ہوئے دیکھا۔ جب آپؐ واپس ہوئے تو آپؐ کے پیچھے پیچھے قبیلہ خثعم کی ایک عورت اپنا بچہ لئے ہوئے آئی جو کچھ بیمار تھا اور بول نہیں سکتا تھا اس نے عرض کی یارسول اللہؐ یہ میرا بچہ ہے اور خاندان بھر میں بس یہی رہ گیا ہے اور اس کو کوئی بیماری ہے جس کی وجہ سے یہ بولتا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تو تھوڑا سا پانی لاؤ۔ پانی حاضر کیا گیا آپؐ نے اپنے دونوں دست مبارک دھوئے اور منہ میں پانی لے کر کلی کی اور وہ پانی اس کو دیدیا اور فرمایا کہ یہ پانی بچہ کو پلا اور کچھ اس پر چھڑک اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے اس کی صحت کی دعا کر۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ اس پانی میں سے ذرا سا مجھ کو دیدیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ تو صرف اس بیمار بچہ کے لئے ہے یہ بیان کرتی ہیں کہ آئندہ سال میری اس عورت سے پھر ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے اس کے بچہ کا حال پوچھا اس نے کہا وہ بالکل اچھا ہو گیا اور ایسا سمجھدار ہو گیا کہ عام لوگ ایسے سمجھدار نہیں ہوتے۔ (ابن ماجہ)

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کے زخم کا صحیح ہونا

یزید بن عبید بیان کرتے ہیں کہ سلمہ بن اکوع کی پنڈلی میں ایک زخم کا نشان دیکھا تو میں نے کہا اے ابومسلم۔ یہ زخم کیسا ہے؟ کہنے لگے یہ اس زخم کا نشان ہے جو میں نے جنگ خیبر میں کھایا تھا تو لوگوں نے شور مچایا کہ لو سلمہؓ تو کام آ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس میں تین بار پھونک ماردی۔ اُس وقت سے آج تک مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی۔

حضرت علیؓ کی آنکھ کا تندرست ہونا

حضرت سہلؓ روایت کرتے ہیں کہ جنگ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ خیبر کی فتح نصیب فرمائے گا اور اس کو اللہ اور اس کا رسول پیارے ہیں اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کا

پیارا ہے۔ اس بشارت کو سن کر لوگ تمام شب بے چین رہے کہ دیکھئے کل جھنڈا کس کو ملتا ہے۔ (یہ بشارت کس کے نصیب میں ہے) دوسرے دن ہر شخص اسی امید میں آپؐ کے سامنے حاضر ہوا مگر آپؐ نے پوچھا علیؓ کہاں ہیں۔ لوگوں نے عرض کی ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ آپؐ نے ان کو بلایا وہ آئے۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی بس اسی وقت وہ ایسی صاف ہو گئیں گویا ان میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ پھر جھنڈا ان کے حوالے فرما دیا۔ (بخاری شریف)

فائدہ: مسند احمد، نسائی، ابن حبان اور حاکم میں ہے کہ شروع میں جھنڈا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ میں رہا پھر دوسرے دن حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہا مگر خیبر فتح نہ ہو سکا اور کیسے فتح ہوتا جبکہ عالم تقدیر میں فاتح خیبر حضرت علیؓ قرار پا چکے تھے بالآخر تیسرے دن آپؐ نے جھنڈا ان کے حوالہ فرمایا اور عالم تقدیر کی بشارت پہلے سنا دی کہ خیبر کی فتح ان ہی کے ہاتھوں پر مقدر ہے۔ سبحان اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی کیسی جامع صفات تھی کہ جب ان کی تجلیات صحابہ میں نظر آتی ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا ان میں ہر شخص جدا جدا افضل و کمال کا مالک ہے۔ ان کے لعاب دہن پر ماں باپ قربان جس کی معجزانہ تاثیر سے حضرت علیؓ آن کی آن میں شفایاب ہو گئے۔

تبرکات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

عالم ربانی شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنا درست ہے مثال کے طور پر کسی خوش نصیب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہنا ہوا کپڑا، یا جوتا مبارک مل جائے یا آپ کا بال مبارک مل جائے اور وہ اس کو اپنے پاس رکھے اور اس میں برکت سمجھے تو یہ درست ہے، اسی طرح کسی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا یا بیٹھنا ثابت ہو تو اس جگہ نماز پڑھنا یا بیٹھنا یا اس سے برکت حاصل کرنا جائز ہے، یہ شرک یا بدعت یا ناجائز نہیں۔ اسی طرح کسی صحابی یا بزرگ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا بھی درست ہے لیکن اس میں احتیاط کی ضرورت ہے، تبرک حاصل کرنے میں اتنا غلو نہ کرے کہ شرک کی حد تک پہنچ جائے، یا اس کو فرض و واجب سمجھنے لگے یا اس کی اس قدر ترغیب دینے لگے جیسے فرائض و واجبات کی دی جاتی ہے یہ یقیناً غلو ہوگا جس کو ممنوع قرار دیا جائے گا اب وہ روایات ذکر کی جاتی ہیں جن سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تبرک

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری نظر کمزور ہوگئی ہے جب بارش ہوتی ہے تو اس وقت میرا مسجد میں جانا دشوار ہوتا ہے اور میں گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں تو آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی وقت میرے گھر میں تشریف لاکر میرے گھر میں دو رکعت نماز پڑھا دیجئے، آئندہ میں اسی جگہ نماز پڑھا کروں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست کو

شرف قبولیت بخشا اور ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے گھر میں ایک دُگانہ پڑھایا ظاہر ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے سے قبل حضرت عتبان بن مالکؓ کے گھر میں نماز جائز تھی وہ صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کی نماز کی برکت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ قبول فرمائی پس یہ واقعہ آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کی بہترین سند ہے۔ (ص ۶۰ ج ا بخاری)

وضو کے پانی سے تبرّک

صحیح بخاری میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروۃ بن مسعود ثقفیؓ (جو اس وقت کافر تھے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے ہیں تو صحابہ کرامؓ آپ کے وضو کے پانی پر جھپٹتے ہیں اور اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور اگر آپ منہ مبارک سے لعاب یا بلغم پھینکتے ہیں تو وہ بھی اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کا یہ عمل اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو نہ روکنا یہ تبرک حاصل کرنے کی مضبوط دلیل ہے۔ (بخاری ص ۳۷۹ ج ا)

مبارک بالوں سے تبرّک

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر اعمالِ حج سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر منڈایا اور حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کو بال دیئے اور فرمایا کہ صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیں۔ (مشکوٰۃ ص ۲۳۲)

۴۔ صحیح بخاری میں ہے کہ مشہور تابعی محمد بن سیرین نے عبیدہ السلمانی سے کہا کہ ہمارے پاس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال مبارک ہے جو ہمیں حضرت انسؓ کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے حضرت عبیدہ نے یہ سن کر فرمایا کہ ساری دنیا کی دولت سے اس کو بہتر سمجھتا ہوں کہ میرے پاس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مُبارک ہو۔ (بخاری ج ا)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے تبرّک

۵۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جُبّہ تھا جس کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہنا کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے توسط سے ان کو ملا تھا۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ اس کو ہم پانی میں بھگو دیتے اور پانی بیماروں کو پلا دیتے تو بیمار شفایاب ہو جاتے۔ (مشکوۃ ص ۳۰۴ ج ۱)

بال مُبارک میں خاصیتِ شفا

صحیح بخاری میں ہے کہ ام المومنین حضرتِ ام سلمہؓ کے پاس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کا مجموعہ تھا جس کو انہوں نے چاندی کی نلکی میں ڈال رکھا تھا جب کسی شخص کو نظر لگ جاتی یا بیمار ہو جاتا تو پیالے یا ٹب میں پانی لے آتا حضرت ام سلمہؓ نلکی کو پانی میں ڈال کر ہلا دیتیں اور مریض اس پانی کو پی لیتا یا بدن کو مل لیتا اس کو شفا ہو جاتی۔ (بخاری ص ۸۷۵ ج ۱)

لعابِ مُبارک سے تبرّک

شمائل شریف میں ہے کہ ایک دفعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِ سلیمؓ نے مشک کا منہ کاٹ کر رکھ لیا تاکہ اس سے تبرک اور شفاء حاصل ہو اسی طرح ایک دفعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کبشہؓ جو ایک صحابیہ ہیں ان کے گھر میں بھی مشک سے مُنہ لگا کر پانی پیا انہوں نے بھی مشک کا منہ کاٹ لیا۔ جمع الوسائل میں علامہ میرک سے نقل کیا ہے کہ کاٹنے سے مقصود یا تو یہ تھا کہ جس جگہ آپ کا مُنہ مُبارک لگا ہے اس جگہ کو اگر ہر شخص استعمال کرے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور ناقدری کا احتمال ہے اس لئے کاٹ کر رکھ لیا یا تبرک اور شفاء حاصل کرنا مقصود تھا۔ ملاّ علی قاریؒ فرماتے ہیں، دونوں مراد ہو سکتے ہیں ان میں تضاد نہیں۔ (شمائل ص ۱۴، جمع الوسائل ص ۲۵۴ ج ۱)

تبرک حاصل کرنے کا خاص طریقہ

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا فرما لیتے تو مدینہ منورہ کے گھروں کے خادم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبرک حاصل کرنے کے لئے برتن میں پانی لاتے آپ اپنا ہاتھ مبارک پانی میں ڈال دیتے اور پانی کو متبرک بناتے۔

اگر تبرک حاصل کرنا درست نہ ہوتا تو آپ برتنوں میں ہاتھ مُبارک نہ ڈالتے بلکہ ان کو منع فرما دیتے۔ (مشکوٰۃ ۵۱۹)

ہاتھ مُبارک کی برکت

حضرت سمرۃ بن مغیرہؓ جن کی کنیت ابومحذورہ ہے ان کی چوٹی کے بالوں کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں میں لیا تھا اس وجہ سے انہوں نے ساری زندگی چوٹی کے بال نہیں کٹوائے۔ اس کا سبب تبرک ہی تھا۔ (شفاء ص ۴۴ ج ۱)

بال مُبارک کی حفاظت

کفار سے ایک جنگ میں عین لڑائی کے وقت حضرت خالد بن ولیدؓ کی ٹوپی گر گئی انہوں نے اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو سخت خطرہ میں ڈال کر بہت خونریزی کی جب بعض صحابہؓ نے ان کے اس جوش پر نکیر کی تو فرمانے لگے کہ میرا غصہ اور جوش صرف ٹوپی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ٹوپی میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مُبارک تھے جن کی برکت سے مجھے محروم ہونا منظور نہ تھا اور نہ کافروں کے ہاتھ میں ایسی مُبارک شئے دینے دل کو گوارا کرتا تھا۔ (شفاء)

نِشست سے تبّرک

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف کے جس حصہ پر تشریف رکھتے تھے اس حصہ پر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنا ہاتھ رکھا اور پھر اپنے منہ پر پھیر لیا۔ (شفاء)

امام مالکؒ کا دقیق ادب

امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں مدینہ منورہ میں کسی سواری پر نہیں ہوتا ہوں کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ جس دھرتی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس کو میں جانور کے پاؤں سے روندوں۔ امام مالکؒ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جو شخص مدینہ منورہ کی پاک زمین کو ردّی اور ناقص قرار دے اس کو تیس ۳۰ کوڑے مارے جائیں اور اس کو جیل میں ڈال دیا جائے۔

جائے نماز سے تبّرک

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے صاحبزادے جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کرتے تو جس راستے سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کیا تھا

اسی راستے پر سفر کرتے اور جہاں جہاں حضورِ اکرم نے پڑاؤ فرمایا، رات گزاری وہیں پڑاؤ کرتے تھے۔ اور رات گزارتے اور جس جس جگہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اسی جگہ کو متعین کرنے میں مبالغہ اور کاوش سے کام لیتے اور اس کے حدود متعین کرتے سڑک سے اس کی دوری بتاتے کسی درخت سے اس کا فاصلہ بتاتے کسی ٹیلے سے اس جگہ کا قرب یا بعد بیان فرماتے ان حضرات کا یہ عمل تبرّک حاصل کرنے کی واضح دلیل ہے۔ (بخاری)

بال مُبارک کی توہین کفر ہے

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جس طرح ایک سعادت ہے اسی طرح آپ کے آثار کی بے ادبی اور بے اعتنائی انتہائی درجے کی شقاوت ہے۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بے ادبی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شعر (بال) کو شعیر کہے شُعیر تصغیر کا صیغہ ہے جو کسی چیز کے چھوٹے یا حقیر ہونے کو بیان کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔ ایک شافعی المسلک عالم نے ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے یہ لکھا کہ عام انسانوں کے بال جب ان کے بدن سے جدا ہو جائیں تو ناپاک ہوتے ہیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے بارے میں دو قول ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ پاک ہیں علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری نے اس شخص پر سخت چڑھائی کی ہے کہ اس عالم کے ہاں نعوذ باللہ! حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مُبارک میں ناپاک ہونے کا قول بھی ممکن ہے۔ ایسا بیہودہ قول کرنے کی وجہ سے یہ شخص آگ میں جل گیا اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا خطرہ مول لیا ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۲۵ ج ۲)

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں انسانوں کے بال پاک ہیں البتہ بال کی جڑ جو چمڑے کے اندر سے نکلتی ہے وہ ناپاک ہے۔

جو روایت جس کتاب سے اخذ کی گئی اس کا حوالہ ساتھ لکھ دیا ہے۔ مضمون کا اکثر حصہ لامع الداری علی صحیح البخاری کے حاشیہ سے لیا گیا ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

قرابت نبوی
کا فائدہ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

کیا حال ہے ان لوگوں کا جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ قیامت کے دن نفع نہیں دے گا، کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! بے شک میرا رشتہ ابد تک ملایا گیا ہے، دنیا میں اور آخرت میں، اور بے شک میں اے لوگو! تمہارا پیشوا ہوں گا قیامت کے دن حوض پر، اور بے شک جب تم آؤ گے، ایک آدمی کہے گا: یا رسول اللہ! میں فلاں بن فلاں ہوں، اور دوسرا کہے گا: میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں کہوں گا کہ نسب کو تو میں جانتا ہوں، لیکن تم نے میرے بعد نئی نئی باتیں ایجاد کیں اور تم الٹے پاؤں لوٹ گئے تھے۔''

یہ مسند احمد کی روایت ہے، اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ذکر کیا گیا ہے، اور اس میں دو مضمون ہیں۔

دنیا و آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ کام آئے گا

پہلا مضمون: یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ قیامت کے دن کام نہیں آئے گا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ: کیا بات ہے کہ بعض لوگ یوں باتیں کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ قیامت کے دن کام نہیں دے گا۔ حالانکہ میرا رشتہ

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ملایا گیا ہے۔ جس کو ہم ''صلہ رحمی'' کہتے ہیں۔

''رحم'' کہتے ہیں رشتہ کو، اور ''صلہ'' کے معنی ہیں ملانا، رشتہ کو جوڑنا، یا یہ کہ رشتہ کی رعایت کرنا، اس کے حقوق بجالانا، اس کو ''صلہ رحمی'' کہتے ہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ میرے رشتے کے حقوق کی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی رعایت رکھی جائے گی اور ان کو بجالایا جائے گا۔

آپؐ کے رشتہ کے کام نہ آنے کا مطلب

جن حضرات نے یہ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ قیامت کے دن کام نہیں دے گا، ان کی بات اپنے اعتبار سے ٹھیک تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر خطبہ ارشاد فرمایا تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دعوت دی تھی، اور اس میں فرمایا تھا کہ: **''لا اغنی عنکم من اللہ شیئا''** یعنی میں قیامت کے دن تمہارے کوئی کام نہیں آؤں گا، اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ: ''اے صفیہ بنت عبدالمطلب! قیامت کے دن میں تیرے کام نہیں آؤں گا۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ:

''اے فاطمہ بنت محمد! جو کچھ مانگنا چاہتی ہے، مجھ سے مانگ، میں دوں گا، لیکن قیامت کے دن میں تیرے کام نہیں آؤں گا۔'' (مشکوٰۃ)

تو اس حدیث شریف کا یہی مقصد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رشتہ قیامت کے دن کام نہیں دے گا، اور یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے، لیکن مطلقاً نہیں، بلکہ ایک قید کے ساتھ۔

وہ یہ کہ جو شخص اپنے عمل یا کفر کی وجہ سے مستحق نار ہو، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ کوئی کام نہیں دے گا، جو شخص کافر مرا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار تھا یا آپ کی فرض کرو اولاد میں سے تھا (نعوذ باللہ) ایمان پر خاتمہ نہیں ہوا، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ کوئی کام نہیں دے گا۔

اسی طرح جو شخص بدکردار ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار ہو، تو اس کے بارے میں بھی مسئلہ کچھ گڑبڑ ہی ہے، مسلمان ہو، لیکن بدکردار ہو، اللہ تعالیٰ اس کو معاف

کردیں تو دوسری بات ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص مسلمان ہو اور اپنے طور پر نیکی کی بھی کوشش کرتا ہو، اس کو قیامت کے دن ان شاء اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ کام دے گا۔

صرف نسب سے نہیں ایمان و عمل سے مغفرت ہوگی:

یہاں پر دو چیزوں کی اصلاح ضروری ہے۔

ایک یہ کہ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ کے معاملہ میں اتنا غلو کیا ہے کہ اس کے بعد وہ کسی عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے، اگر سید نہ ہوں تو زبردستی سید بن بیٹھتے ہیں اور شیطان نے یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ بس تم آلِ رسولؐ ہو، تمہیں عمل کی کیا ضرورت ہے؟ بخشے بخشائے ہو، یہ نہایت غلط بات ہے، اور بہت سے لوگوں میں تو یہ چیز گمراہی کا سبب بنی ہوئی ہے۔

داڑھی منڈے ایرانیوں سے آپ ﷺ کا اعراض

ایران کے سفیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کی داڑھی مونڈھی ہوئی تھی، یہ بات ہماری کتابوں میں بھی موجود ہے، "البدایہ والنہایہ" میں اور سیرت کی دوسری کتابوں میں موجود ہے، اور میرا چھوٹا سا رسالہ ہے "داڑھی کا مسئلہ" اس میں بھی میں اپنی کتابوں کے حوالے سے نقل کرچکا ہوں، لیکن یہاں شیعوں سے گفتگو ہورہی تھی، تو میں نے ملا باقر مجلسی کی کتاب سے یہی واقعہ نقل کیا کہ ایران کے دو سفیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے، یہ اصل میں ایرانی نہیں تھے، بصریٰ کے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ شاہِ ایران پرویز کو پہنچا ہے، تو اس نے بصریٰ کے گورنر کو خط لکھا کہ: میرے پاس (یثرب) مدینہ سے ایک صاحب کا خط آیا ہے اور اس نے میری شان میں یہ گستاخی کی ہے۔ میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ دو آدمی بھیجو اور اس کو پکڑ کر گرفتار کرکے لاؤ۔ تو بصریٰ کے گورنر نے دو آدمی بھیجے، جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی داڑھیاں مونڈھی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں، جیسے ہمارے ہاں خان صاحبوں کی ہوتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا

کہ: ''ویلکما!'' تمہارا ناس ہوجائے! یہ تم نے اپنی شکل کیوں بگاڑ رکھی ہے؟ انہوں نے کہا: ''قد امرنا ربنا!'' یعنی کسریٰ ہمارے رب نے یعنی شاہِ کسریٰ نے اس کا حکم دیا ہے کہ داڑھی صاف کرکے رکھا کرو اور مونچھیں بڑی بڑی رکھا کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''لیکن میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں داڑھی بڑھاؤں اور مونچھیں کٹواؤں۔'' پھر فرمایا کہ: ''میری مجلس سے اٹھ جاؤ، میں تم سے بات نہیں کرتا، میرا نمائندہ تم سے بات کرے گا، بالواسطہ بات کروں گا۔''

کسریٰ و پرویز کا قتل

یہ دونوں صاحب واپس آئے کسریٰ کے پاس، گرفتار انہوں نے کیا کرنا تھا، جب انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ کو گرفتار کرکے لے جانے کا حکم دیا گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل جواب دوں گا، اگلے دن آئے تو ارشاد فرمایا کہ: رات تمہارا طاغیہ ختم کردیا گیا ہے، اس کو اس کے لڑکے شیروے نے قتل کردیا ہے، تو یہ دونوں واپس آگئے۔

شاہ بصریٰ کا ایمان لانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ بصریٰ کے نام جو شاہِ ایران کا گورنر تھا، خط لکھا کہ وہ تو مردار ہوگیا ہے، میں اللہ کا رسول ہوں، تم ایمان لے آؤ! اور یہ علاقہ تمہارے سپرد رہے گا، تم اس کے گورنر رہو گے، اور اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تمہاری سب کی سب سلطنت ختم ہوجائے گی۔ یہ دونوں قاصد واپس شاہ بصریٰ کے پاس گئے، انہوں نے حالات بتلائے، اس نے کرید کرید کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کئے، اور وہ مسلمان ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ: یا رسول اللہ! مجھے آپ کا گرامی نامہ ملا ہے، میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے تو میں حاضر خدمت ہونے کی بھی کوشش کروں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری کے کام نہ آنے پر دلائل

الغرض ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری کے معاملہ میں یہ غلو کیا

جارہا ہے اور دوسری طرف ردعمل ہے، اس کی خشکی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے، اور دلائل بڑے مضبوط پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے:

"ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم". (الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: "بے شک اللہ کے نزدیک معزز متقی ہے۔"

وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کی رُو سے رشتہ داری کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اللہ پاک نے خود اصول بیان فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"کلکم بنوا آدم و آدم من تراب." (مجمع الزوائد)

ترجمہ: "تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔"

یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اللہ اور رسول کا فرمان ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہے، ہمیں یہ بات محقق طور پر معلوم ہے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہمارے دل میں اس کی کچھ قدر ہوگی یا نہیں؟ یقیناً ہوگی!! مقتضائے عقل ہے، عقل یہی کہتی ہے۔

آنحضرتؐ سے محبت کی وجہ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"اللہ سے محبت رکھو، اس لئے کہ وہ تم کو غذا دیتا ہے، اور مجھ سے محبت رکھو اللہ کی محبت کی وجہ سے (کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں)" (اتحاف)

یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احسان کا حوالہ نہیں دیا، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں، لیکن اپنی محبت کے لئے اللہ کی محبت کا حوالہ دیا، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر جو احسانات ہیں، ان کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی ہی، لیکن یہ اپنے نفس کے لئے ہوگی کہ ہم پر احسان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی پر غصہ کی وجہ؟

اکابر رحمہم اللہ کا ذوق

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک دفعہ تذکرہ آیا، حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہم اللہ بلکہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ان سب کے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ استاذ ہیں، تذکرہ آیا، حضرتؒ نے پوچھا کہ: ''میاں! اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے، تم لوگوں کو غصہ کیوں آتا ہے؟ کہنے لگے کہ: حضرت! یہ بات بھی کوئی پوچھنے کی ہے؟ غصہ آنا چاہئے! فرمایا: آنا تو چاہئے، مگر میں وجہ پوچھتا ہوں کہ کیوں آتا ہے؟ پھر فرمایا کہ: ہمیں غصہ اس لئے آتا ہے کہ ہمارے رسول کی گستاخی کررہے ہیں، یہ تو اپنی طرف نسبت ہوگئی، یہ تو اخلاص نہ ہوا، غصہ اس لئے آنا چاہئے کہ اللہ کے رسول کو کہہ رہے ہیں، اور پھر فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی آدمی ایسا لفظ کہے تو ہمیں غصہ آتا ہے، گر ایسا ہی غصہ ہمیں دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین و بے ادبی سن کر آئے تو پھر یہ دلیل ہے اخلاص کی، اور اگر دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں تو سن کر کوئی غصہ نہیں آتا، اپنے نبی کے بارہ میں سن کر غصہ آتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ بھی پارٹی بازی ہوئی، اخلاص تو نہ ہوا۔ بہت ہی دقیق بات ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات

تو میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار احسانات ہیں، ہمارا ایک ایک بال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات میں جکڑا ہوا ہے، اور یہ راز ہے کہ جب ہم ''التحیات'' پڑھتے ہیں، ''التحیات'' میں بیٹھتے ہیں (پہلے قعدہ میں) تو حکم ہے کہ ''عبدہ و رسولہ'' پڑھ کر اٹھ جاؤ، ابھی تمہارے ذمہ کچھ کام باقی ہے، لیکن گر آخری قعدہ ہو تو ''التحیات'' پڑھ کر پھر درود شریف پڑھو، اور پھر دعائیں پڑھو، مانگو کیا مانگتے ہو؟ تم نے اللہ کی

عبادت کرلی، اللہ کو سجدہ کرلیا، اللہ سے تعلق قائم کرلیا، اللہ کی بارگاہ سے رخصت ہو رہے ہو، "السلام علیکم ورحمة الله" کہہ کر نماز سے باہر نکل رہے ہو، گویا کمرے سے باہر جا رہے ہو، اب ذرا اطمینان سے بیٹھو، مانگو کیا مانگنا چاہتے ہو؟ بولو! اللہ میاں تم سے پوچھ رہے ہیں: کیا مانگتے ہو؟ مانگو! اب مانگ لو جو مانگنا ہے، میری عبادت تو عبادت ہی کیا ہے، پوری کائنات کی عبادت وہ اللہ کے لئے ہے، "التحيات لله والصلوات والطيبات" تحیات کا معنی زبانی عبادتیں، صلوات کا معنی بدنی عبادتیں، اور طیبات کا معنی مالی عبادتیں، یہ سب اللہ کے لئے ہیں، نظر پڑی اوہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، وہی تو پکڑ کر لائے تھے ہمیں اللہ کے دربار میں، کہ چلو، اللہ کے دربار میں پہنچو، بے ساختہ ہماری زبان سے نکلا:

"السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبركاته."

اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں:

"السلام علینا وعلی عباد الله الصالحين" سلام ہو ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ: "جب تم کہو گے:

"السلام علینا وعلی عباد الله الصالحين" تو اللہ کے جتنے نیک بندے ہیں آسمان میں یا زمین میں زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں، سب کو سلام پہنچ جائے گا۔" (صحیح مسلم)

یہ چھوٹا سا لفظ سب کو پہنچ جائے گا، سب کو حصہ مل جائے گا، اب اپنی بندگی کا اقرار کیا:

"اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبدهٗ ورسوله." یہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، اپنی عبدیت کا اقرار کیا اور بیچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آ گئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سلام کر دیا، اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں باقیوں کو بھی محروم نہیں رکھنا چاہئے، لہٰذا تمام نبی، صحابی، تابعی، اولیاء، اتقیاء اور آسمان والے، زمین والے سب کو شامل کر کے کہہ دیا: "السلام علینا وعلی عباد الله الصالحين" اندازہ کرو کیسے جامع الفاظ رکھے گئے ہیں نماز میں، معمولی نہیں ہیں۔

اب اس کے بعد عبدیت کا اقرار کرلیا، اللہ کی حمد و ثنا کرلی، تمہیں مانگنا ہے اللہ تعالیٰ

سے، اس لئے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھو۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جو شخص یہ چاہے کہ ہم پر یعنی آلِ محمدؐ پر پیمانہ بھر کر درود بھیجے، بھرے ہوئے پیمانہ سے، بڑے سے بڑا پیمانہ اور وہ بھی بھر کر، اس کو چاہئے یہ درود ابراہیمی پڑھے۔“ اب تم نے درود شریف پڑھ لیا، اب مانگو جو مانگنا ہے، لیکن یاد رکھو کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ غافل اور لہو ولعب میں مبتلا دل کی دعا کو قبول نہیں فرماتے ہیں۔“ (مشکوٰۃ)

زبان سے کہہ رہے ہو، لیکن یہ معلوم نہیں کہ کہاں پھر رہے ہو؟ تم اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہو، اللہ کی طرف متوجہ ہو، مانگو کیا مانگنا ہے؟ مگر اللہ کی طرف متوجہ ہو کر مانگو، غفلت کیساتھ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے: ”ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چن چن کر جامع دعائیں کیا کرتے تھے، اور یہ جو دوسری دعائیں ہوتی تھیں اس کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔“ (مشکوٰۃ)

جامع دعائیں کرو (تو خیر یہ درمیان میں بات آئی تھی)

التحیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کی حکمت!

میں نے یہ عرض کیا کہ ”التحیات“ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ لانے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا راز بزرگ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ کی حمد وثنا کر رہے تھے کہ اچانک نظر پڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، اوہ! ہمارا ہاتھ پکڑ کر تو آپ لائے ہیں، بڑی قدر ناشناسی ہوگی، بڑی بے مروتی ہوگی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے باتیں کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ نہ ڈھونڈیں اور آپ کا تذکرہ نہ کریں اور آپ کو سلام بھی نہ کریں، اس لئے بے ساختہ کہا: ”السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاته.“ حالانکہ کسی کے ساتھ بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، نماز میں بھی صرف اللہ سے بات ہوتی ہے کسی اور سے نہیں، مگر یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر دی، اس لئے کہ یہ بات اس جہاں کی نہیں ہو رہی، یہ بات بارگاہِ الٰہی کی ہو رہی ہے، اس وقت گویا معنوی طور پر آپ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہیں اور اللہ تعالیٰ سے راز ونیاز میں محو ہیں، درمیان میں

کوئی نہیں ہے، ترجمان نہیں ہے، آپ خود باتیں کر رہے ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہلے سے تشریف فرما ہیں اور ہمارے محسن ہیں، لازم ہوا کہ ان کا تذکرہ کیا جائے اور ان کو بھی یاد کیا جائے اور ان کو بھی سلام ہو۔

میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان احسانات کا حوالہ نہیں دیتے، بلکہ حوالہ کیا دیتے ہیں کہ مجھ سے محبت رکھو، اللہ کی محبت کی وجہ سے، اس لئے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور میری آل سے محبت رکھو میری محبت کی وجہ سے۔

قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسداری

صحیح بخاری شریف میں (غالباً ج:۱ص:۵۲۶) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقولہ نقل کیا گیا ہے، انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اپنے اہل قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔"

یہ مؤمن کا ایمان ہے، اور اسی صفحہ پر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ رکھا کرو۔"

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ نہ رکھنا یہ بڑی بے مروتی کی بات ہے، ادھر اگر غلو ہے تو ادھر کوتاہی ہے۔

گناہگار سید.... بھی قابل احترام ہے

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ ارشاد فرماتے تھے کہ: "بھائی! سید اگر گناہگار بھی ہو تب بھی واجب الاحترام ہے۔" حضرتؒ نے عجیب مثال دی، فرمایا کہ: اگر کوئی قرآن کریم کا نسخہ غلط چھپ گیا ہو تو اس کو پڑھنا تو جائز نہیں، مسجد میں تو نہ رکھیں گے، کیونکہ لوگ غلط پڑھیں گے، بے چارے انجان ہیں، لیکن اس کی بے ادبی بھی جائز نہیں، بلکہ ادب کے ساتھ اس کو دفن کروا دیں گے۔ فرمایا کہ سید اگر غلط راہ ہو اس کی اقتدا جائز نہیں ہے، اس

کے پیچھے مت چلو، لیکن توہین بھی درست نہیں۔ کیونکہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ اور آپ کا تعلق یہ دنیا میں بھی کام دیتا ہے اور آخرت میں بھی کام دے گا، ان شاء اللہ!

نکاح ام کلثومؓ سے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے، آپ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔ خلفائے ثلاثہ: حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان کا رشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو وہ ہے جو خون اور گوشت کا رشتہ ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ”**هما بمنزلة سمعي وبصري.**“ یہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میرے کان اور آنکھیں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے عقد کیا تھا، اور ان سے حضرت کے صاحبزادے زیدؓ بن عمرؓ پیدا ہوئے۔

ام کلثومؓ سے نکاح عمرؓ کی وجہ؟

غرض یہ کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا، فرمایا کہ: لوگو! مجھے تم جانتے ہو، میں بوڑھا ہوگیا ہوں، موت کے قریب ہوں، مجھے شادی کی ضرورت نہیں ہے، مجھے بیوی کا شوق نہیں ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے، آپ نے بھی سنا ہے:

”تمام کے تمام رشتے اور تمام کے تمام علاقہ نسبی رشتہ ہو یا دامادی رشتہ ہو، یعنی بیوی کی طرف سے جو رشتے آتے ہیں، یہ سارے کے سارے کٹ جائینگے سوائے میرے رشتہ کے۔“ (مجمع الزوائد)

تو میں چاہتا ہوں کہ میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ رہے، صرف یہ لالچ ہے۔

تو قیامت کے دن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ کا لحاظ رکھا جائے گا، اور لحاظ رکھنا بھی چاہئے، اس لئے مطلقاً نفی کرنا غلط ہے، اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تعلق والے ہیں، ان سے محبت رکھنا، ان کا اکرام کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے لازم ہے، خاتونِ جنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اکرام لازم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں، حضرت زینبؓ یہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئی تھیں۔ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن یکے بعد دیگرے دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں، اور اسی بنا پر ان کو ”ذوالنورین“ کہا جاتا ہے، یعنی دو نور والے۔

حضرت عثمانؓ سے آپؐ کی محبت:

جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عثمان! یہ جبرائیل کھڑے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آ رہے تھے ان کو نہیں)، اور مجھے کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تم سے ام کلثوم کا عقد کر دوں، اسی مہر پر جس مہر پر رقیہ کا عقد کیا تھا۔ وہ عقد اللہ کے حکم سے ہوا، جبرائیل امین کی آمد سے ہوا، وحی سے ہوا، اور جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ: ”عثمان کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے۔ لوگوں سے کہا کہ عثمان کو اپنی لڑکیاں دو، اللہ کی قسم! اگر میرے پاس اور لڑکی ہوتی تو وہ بھی عثمان سے بیاہ دیتا، وہ مرجاتی اور لڑکی ہوتی تو وہ عثمان سے بیاہ دیتا۔ ان کو کیا کمی تھی، یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ محبت فرمایا۔

فاطمہ، علی اور حسنین رضی اللہ عنہم ہمارے اکابر ہیں

بہرحال ہمارے بہت سے سنی مسلمان حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وہ اکرام نہیں کرتے، جیسا کہ کرنا چاہئے، یہ تو ہمارے اکابر ہیں، حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہمارے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے ہیں، ان کا دعویٰ محبت غلط ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے ہیں، عیسائیوں کے نہیں، عیسائیوں کا دعویٰ غلط ہے۔

ہمارے دل کا سرور

اسی طرح حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اور دوسرے بزرگ جن کو یہ

حضرات ''ائمہ معصومین'' کہتے ہیں، وہ ہمارے اکابر ہیں، آنکھوں کا نور، دل کا سرور، ایمان کا جزو اور ان کی محبت عین ایمان ہے۔

حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کے فضائل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''حسن و حسین جوانانِ جنت کے سردار ہوں گے۔'' (مشکوٰۃ)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ:

ترجمہ: '' وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتے ہیں، اور اللہ اور اس کا رسول ان سے محبت رکھتے ہیں۔'' (مشکوٰۃ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارہ میں فرمایا کہ:

''مجھ سے صرف مؤمن محبت رکھے گا، اور مجھ سے صرف منافق بغض رکھے گا۔'' (مشکوٰۃ)

اہل بدعت کو حضورؐ منہ نہیں لگائیں گے

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری بات ارشاد فرمائی کہ قیامت کے دن تم آؤ گے اور اپنا تعارف کراؤ گے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں، میں کہوں گا کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ تم فلاں بن فلاں ہو، نسب کو تو میں بھی جانتا ہوں، لیکن بات یہ ہے کہ تم نے میرے بعد دین بدل دیا تھا، بدعات ایجاد کردی تھیں اور تم کفر کی طرف لوٹ گئے تھے، اس کا کیا علاج ہے؟ یہ بات ارشاد فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر پر ہوں گے اور تمام لوگ اپنی پیاس کا علاج کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے، لیکن اہل بدعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منہ نہیں لگائیں گے، کیوں؟ خود فرمایا، صحیح بخاری، باب الحوض کی حدیث میں ہے کہ: کچھ لوگوں کو لایا جائے گا، "ثم لیختلجن دونی" فرشتے ان کو میرے آنے تک روک دیں گے کہ تم نہیں جاسکتے ہو، میں کہوں گا کہ یہ میرے لوگ ہیں! فرمایا جائے گا کہ: "انک لا تدری ما احدثوا بعدک" آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا، کیا ہے؟ اور کیا کیا بدعات گھڑی تھیں، تو میں کہوں گا کہ:

"فسحقا! سحقا! لمن غیر بعدی." (بخاری) پھٹکار! پھٹکار! ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل دیا۔

دین کو نہ بدلو!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو نہ بدلو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جیسا آ رہا ہے اس کو ویسے ہی آگے چلنے دو، لوگ ہمیں مشورہ دیتے ہیں کہ: جی! ''اجتہاد'' سے کام لینا چاہئے۔ ''اجتہاد'' کا معنی دین کو بدلو، **لا حول ولا قوۃ الا باللہ!**

خیر اس وقت اس پر گفتگو کرنے کا موقع نہیں، میرے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ دین کو اسی طرح چلنے دو، دین تو کسوٹی ہے کہ کون صحیح ہے اور کون غلط ہے؟

دین بدلنے والوں پر اللہ کے نبی نے پھٹکار کی ہے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اسی طرح چلنے دو، اس میں کوئی تغیر و ترمیم مت کرو، اس میں بدعات کی پیوند کاری نہ کرو، باقی بھائی آپ مجھے دیکھتے ہیں کہ میں دین پر صحیح عمل نہیں کر رہا تو میں گناہگار ہوں، آپ صحیح عمل نہیں کر رہے تو آپ گناہگار ہیں، گناہگار تو ہم سارے ہی ہیں، دین پر عمل نہیں ہو رہا تو گناہگار ہیں، مگر اللہ کے لئے دین کو تو چلنے دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہگاروں پر پھٹکار نہیں فرمائی، ان کے لئے فرمایا کہ: "شفاعتی لاہل الکبائر من امتی." (مشکوۃ) میری شفاعت ملے گی میری امت کے اہل کبائر کو جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہو کر آئے، ان کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ ملے گی، لیکن جو دین کو بدلنے والے ہیں، ان کو کہیں گے پھٹکار! پھٹکار! اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین ثم آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام

حضرت مولانا طفیل قیوم صاحب رحمہ اللہ

جب جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کی تشریف آوری سے کئی روز پہلے مشتاقان جمال شہر سے نکل کر باہر راستہ پر آ بیٹھتے تھے اور شام کو مایوسانہ واپس ہو جاتے۔ بہت انتظار اور بڑی آرزوؤں کے بعد جب آپ تشریف لائے تو وہ دن اہل مدینہ کے لئے عید ہو گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں **لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ اضاء منھا کل شیء** یعنی جس روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو آپ کے جمال سے مدینہ منورہ کی تمام چیزیں نورانی ہو گئیں۔ بڑوں کے ساتھ بچے بھی خوشی منا رہے تھے اور لڑکیاں خوشی اور مبارک باد کے گیت گا رہی تھیں غرضیکہ لوگ ہر طرف سے آ رہے تھے اور زیارت کر رہے تھے۔ انصار میں سے ایک نوعمر جوان طلحہ بن براء حاضر خدمت ہوئے تو بے اختیار آپ کو لپٹے جاتے تھے اور آپ کے مبارک ہاتھوں کو خوب بوسے دیئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے جس کام کو چاہیں ارشاد فرمائیں میں ہرگز کسی بات میں بھی آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس نوعمری میں ان کی اس پختگی اور جرات کو دیکھ کر ہنس پڑے اور بطور امتحان کے فرمایا کہ جاؤ اپنے کافر والد براء کو قتل کر آؤ۔ طلحہ تو تیار ہی کھڑے تھے اور ان کی جاں نثاری کچھ زبانی تو تھی ہی نہیں۔ فوراً تعمیل ارشاد کے لئے چلنے لگے جناب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرا لیا۔ اور فرمایا کہ یہ محض آزمائش تھی مجھ کو اللہ تعالیٰ نے قطع رحمی کے لئے مبعوث نہیں کیا۔

حضرت طلحہ جیسے نوجوان اور عاشق کا آخری وقت

افسوس ہے کہ اس وفادار عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر نے وفا نہ کی اور جوان ہی

میں وعدہ آ پہنچا اور ایسے بیمار ہوئے کہ زندگی کی امید نہ رہی۔ آخری وقت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو عجیب حسرت کا وقت تھا۔ ایک وفادار اور مخلص خادم بستر مرگ پر پڑا ہے اور دنیا سے رخصت ہونے کے لئے تیار ہے۔ سامنے جان و مال سے زیادہ پیارا سردار اور ماں باپ سے زیادہ شفیق مربی کھڑا صورت کو دیکھ رہا ہے۔ مگر حکم خداوندی سے کچھ چارہ نہیں دیکھتا اور آبدیدہ‘ آنکھوں سے آنسو لے کر واپس ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان سے علیحدہ ہو کر لوگوں سے فرمایا کہ طلحہ پر علامات موت ظاہر ہو گئے ہیں اب غالباً یہ زندہ نہیں رہیں گے اس لئے جب انتقال ہو جائے تو مجھے اطلاع کر دینا تا کہ آ کر نماز جنازہ پڑھوں اور تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا کیونکہ مسلمان کی نعش کو گھر میں ڈالے رکھنا مناسب نہیں۔ بنی عمرو بن عوف کا یہ محلہ جس میں یہ انصاری بیمار تھے مدینہ منورہ سے علیحدہ تین میل کے فاصلے پر مسجد قبا کے اطراف میں تھا۔ راستے میں یہودی لوگ آباد تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصیت و نصیحت فرما کر دن ہی کو مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دی

جس طرح دن کا آخری حصہ جلد جلد گزر رہا تھا اسی طرح طلحہ بیمار کے آخری سانس ختم ہوتے جاتے تھے۔ رات ہو گئی اور طلحہ کا بالکل آخر وقت آ گیا مگر واہ ری محبت‘ نہ اپنے مرنے کا غم ہے نہ عزیز و اقارب کی دائمی مفارقت کا رنج‘ خیال ہے تو جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور فکر ہے تو آپ کی حفاظت کی۔ جب مرنے سے پہلے ہوش آیا تو اپنے تیمارداروں کو بلا کر فرمایا کہ دیکھنا جب میں مر جاؤں تو تم لوگ خود ہی میری نماز جنازہ پڑھ کر مجھے دفن کر دینا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ کرنا۔ رات کا وقت ہے جگہ دور ہے راستہ میں یہودیوں کے مکانات اور ان کا زور ہے۔ وہ ہر وقت ایذاء رسانی کی فکر میں رہتے ہیں۔ اور کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ مبادا وہ اپنی شرارت سے کوئی سازش کریں اور میری وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گزند پہنچ جائے۔

ذرا خیال فرمایئے کہ مرنے کے بعد ایک سچے مسلمان کی اس سے بڑھ کر کیا آرزو ہو سکتی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازے پر آ کھڑے ہوں نماز پڑھاویں۔ استغفار و دعا کر کے اس کو گناہوں سے پاک کرا کر جنت میں داخل کرا دیں۔ آپؐ کی نماز اور دعا سے قبر میں نور اور روح پرور رحمت ہو، لیکن عقلمند طلحہ نے اس اپنی دینی آرزو کا خون ہونا تو گوارا کیا مگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی حفاظت اور آپؐ کو خطرہ سے بچانے اور اسلامی فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی۔ کیوں نہ ہو آخر یہ بھی تو انہیں انصار میں سے تھے۔ جن کی مدح خود حق تعالیٰ نے اس طرح فرمائی ہے۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی دوسروں کی مصلحت کو اپنی ذاتی ضرورتوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو کتنی ہی تکلیف اور دشواری پیش آئے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ طلحہؓ نے ذاتی فوائد پر قومی منافع کو ترجیح دی۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک تمام مسلمانوں کے لئے موجب ہدایت و برکت تھا اور تمام عالم کے لئے باعث رحمت۔ چنانچہ انصار نے حضرت طلحہؓ کی وصیت پر عمل کیا اور رات ہی کو طلحہ اس پہلی منزل میں پہنچ گئے جس میں آرام یا تکلیف کے ساتھ ہر شخص کو قیامت تک ٹھہرنا ہے اور جس کی راحت و تکلیف کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر اور جامع الفاظ نے اس طرح ظاہر فرما دیا ہے۔ القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفرة النار یعنی قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ چنانچہ صبح کو اس محلہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طلحہؓ کی وصیت، وفات اور تجہیز و تکفین کی آپ کو اطلاع دی۔ بقول شخصے

آئے تھے تم کل جسے بیمار ہجراں چھوڑ کر
چل دیا وہ رات سب ہستی کا ساماں چھوڑ کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم اور دعا دینا

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی وفات اور مخلصانہ خیر خواہی سے حضور علیہ السلام کے قلب اطہر پر بہت اثر ہوا۔ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لے کر بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں

تشریف لے گئے۔ تشریف آوری کی خبر سن کر حسب عادت بہت سے انصار بھی جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طلحہ کی قبر پر تشریف لائے اور سب حاضرین صف باندھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ یہ وہ حالت تھی کہ طلحہ مرحوم کا بدن نہیں تو روح ضرور وجد کر رہی ہوگی۔ اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہوگی کہ دین و دنیا کا سردار محبوب رب العالمین دونوں ہاتھ اٹھائے قبر پر کھڑا ہے اور کامل الایمان مخلص مسلمان آمین کہنے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت طلحہؓ کی جاں نثاری اور محبت و ایثار علی النفس کا انعام ملنے والا ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دعا فرمائی جو آج تک کسی کے لئے نہیں فرمائی گئی۔ **اللھم الق طلحة و انت تضحک الیه وھو یضحک الیک** اے خداوند! طلحہ سے ایسی حالت میں ملنا کہ تم اسے دیکھ کر ہنستے ہو اور وہ تم کو دیکھ کر ہنستا ہو۔ یقین ہے کہ سید الانبیاء کی درخواست منظور ہو کر خوش نصیب طلحہ کو محبت کے صلہ اور انعام میں حق تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کی وہ نعمت مل گئی ہوگی جس سے بڑھ کر نہ دنیا میں کوئی دولت و راحت ہے نہ آخرت میں اور نہ جنت میں۔ ہم بھی اس دعا میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ **رضی اللہ تعالیٰ عنه و عن الصحابة اجمعین و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا سید الانبیاء و المرسلین** (آمین) (از مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا

یہ ہے اپنے آقا اور سردار کی محبت و عشق جس کی وجہ سے حضرت طلحہؓ کو حق تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کی وہ نعمت مل گئی جس سے بڑھ کر نہ دنیا میں کوئی دولت و راحت ہے نہ آخرت میں۔ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کا جزو اعظم ہے۔

وجود کی نعمت۔ ابر و باد کی نعمت۔ شمس و قمر کی نعمت اور ان سب سے برتر شرف انسانی کی نعمت۔ گو یہ سب ہی ان عام نعمتوں میں داخل ہیں جو دوست و دشمن اور شاہ و گدا سب ہی میں عام رکھی گئی ہے لیکن ان سب میں بیش بہا نعمت نبوت کی نعمت ہے۔ اگر یہ نعمت نہ ہوتی

تو ساری نعمتیں ہیچ ہو جاتیں۔ اسی نعمت کے ذریعہ پروردگار عالم نے اپنی ذات وصفات کا اشرف علم بخشا۔ حشر ونشر۔ جنت و دوزخ اور انسان کی دائمی و ابدی زندگی کی اطلاع دی اور عالم غیب کے بیش بہا حقائق سے حجاب اٹھا دیا۔ انہی نفوس قدسیہ کے ذریعہ اپنی رضامندی کے راستے بتلائے۔ عقل انسانی خواہ کتنی ہی دور بین کیوں نہ ہو مگر اس کی جولانگاہ صرف عالم امکان تک ہے اور وہ بھی زیادہ اپنے ہی دائرہ محسوسات ومشاہدات میں محدود ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی شخص (پورا) ایماندار نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ رکھے کہ اپنے والد سے بھی زیادہ اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اور سب آدمیوں سے بھی زیادہ۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔ عبداللہ بن ہشام کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

> قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایماندار نہ ہو گے جب تک میرے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت نہ رکھو گے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر جان دینے کا موقع آ جائے تو یقینی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچانے کے لئے ہر مسلمان اپنی جان دینے کو تیار ہو جائے اور اسی طرح آپ کے دین پر بھی جان دینے سے کبھی منہ نہ موڑے۔ تو اس طرح سے آپ جان سے بھی زیادہ پیارے ہوئے۔ (راہ جنت)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کمالِ ایمان کا مدار

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی مدظلہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کہ کوئی بھی مؤمن اس وقت تک کامل طور پر مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک بیوی بچے، مال و دولت اور دنیا و مافیہا سے زیادہ محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہو جائے۔ جس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہوگی وہی صحیح معنی میں ایمان کامل سے سرفراز ہوسکتا ہے۔ اس کے بغیر نہیں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں بن سکتا جب تک اس کے دل میں اس کے والد اس کی اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے میری محبت زیادہ نہ ہو جائے۔ (بخاری شریف و مسلم شریف)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان

بخاری شریف کے اندر ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، تو اسی دوران حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ مجھے اپنی جان کے علاوہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ آپ سے محبت ہے، تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عمرؓ! تم کیا کہتے ہو اگر معاملہ ایسا ہی ہے کہ تمہاری جان تمہیں میری ذات سے زیادہ محبوب ہے تو تم ابھی مومن کامل نہیں ہوسکے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر

فرمایا کہ تمہارے اوپر لازم ہے کہ میری ذات تمہارے نزدیک تمہاری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہو۔ اس کے بغیر تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت عمرؓ کے کان میں پڑا تو حضرت عمرؓ کی آنکھیں کھل گئیں، اور فوراً اپنے دل ودماغ پر توجہ دی اور فیصلہ کیا کہ حضور کی ذات کے لئے میری جان ہر وقت قربان ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یارسول اللہ اب آپ کی ذات میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ اب تمہارا ایمان کامل ہوا ہے۔

محبت کی تین قسمیں

محبت کی تین قسمیں ہیں۔ حبِ طبعی، حبِ عقلی، حبِ ایمانی۔

حبِ طبعی

حبِ طبعی کا مطلب یہ ہے کہ بتقاضائے طبیعت کسی سے فطری محبت ہوجائے جیسا کہ ماں باپ کو اولاد کے ساتھ غیر اختیاری فطری محبت ہوتی ہے۔ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ماں باپ، اولاد اور دنیا ومافیہا سے بھی زیادہ محبت تھی۔ اس طرح ہر مومن پر اپنے ایمان کو کامل کرنے کے لئے لازم ہے کہ اپنے خاندان، بیوی، بچے، ماں باپ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے محبت ہو۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوچکا ہے۔

حبِ عقلی

اس کا مطلب یہ ہے کہ طبعی طور پر ناگوار اور گراں گزرے، مگر اس کے منافع اور انجام کی بھلائی کے پیش نظر محبوب اور اس کی مرضیات کو ہر شئی پر ترجیح دی جائے جیسا کہ مریض دوا سے نفرت کرتا ہے، آپریشن سے بھاگتا ہے اور بدن کی کاٹ چھانٹ سے سخت گھبراتا ہے۔ مگر بتقاضائے عقل دوا کے استعمال سے آپریشن کے ذریعہ سے بالآخر صحت یابی اور انجام کی بھلائی ہے، اس لئے ناگوار خاطر ہونے کے باوجود اختیار کرلیا جاتا ہے۔ اسی طرح

محبوبِ خدا کی مرضیات اور اس کے احکام پر چلنا نفس گوارا نہیں کرتا، مگر اس پر چلنے سے بتقاضائے عقل آخرت کی اعلیٰ کامیابی ہے۔ اس لئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور احکام کی محبت ایک مومن کے دل میں ہر شی پر غالب ہوتی ہے، اور ہونی چاہئے۔

حبِ ایمانی

حبِ ایمانی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ایمانی جذبہ ایک مومن کو اپنے محبوب حقیقی کی تعظیم اور اس کی پیروی پر اس طرح مجبور کر دیتا ہے کہ اس میں اس کو اپنی ذات کے لئے نفع یا نقصان کی کوئی پرواہ نہیں رہتی۔ بس اپنے محبوب کی مرضیات پر ہر وقت جان و مال سے قربان رہتا ہے۔ اور محبوب کی مرضی کے مقابلہ میں ماں باپ، بیوی، بچے، جان و مال سب کچھ قربان کر دینا آسان ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو حبشہ کی ہجرت کا حکم فرمایا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سب کچھ چھوڑ کر ہجرت کر کے تشریف لے گئے۔ اور جب مدینہ منورہ کی ہجرت کا حکم فرمایا تو سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر لی۔ جب غزوۂ بدر میں تین سو تیرہ خالی ہاتھ صحابہ کو ایک ہزار مسلح لشکر کے مقابلہ کا حکم فرمایا تو جذبہ ایمانی سے سینہ سپر ہو کر اپنے آپ کو مقابلہ کے لئے پیش کر دیا۔ اسی طرح جب غزوۂ اُحد میں سات سو خالی ہاتھ صحابہ کو تین ہزار مسلح لشکر جرار کے سامنے، اور غزوۂ احزاب میں مختصر سی جماعت کو دس ہزار مسلح لشکر جرار کے مقابلہ کا حکم فرمایا، تو ایمان والوں نے جذبہ ایمانی کے ساتھ میدانِ کارزار میں فاقہ کشی اور سخت ترین سردی کی حالت میں ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جبکہ ان میں کمزور ایمان والے اور منافقین کو قضائے حاجت کے لئے بھی خیموں سے باہر نکلنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر کہنے لگے کہ ہم کو واپسی کی اجازت دیدیجئے۔ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں۔ اور ہمارے بیوی، بچے غیر محفوظ ہیں۔ اسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”اور تم اس وقت کو یاد کرو جب منافقین اور کمزور ایمان والے جن کے قلوب میں مرض اور کمزوری تھی کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔“ (سورۂ احزاب)

اور اللہ نے فرمایا ’’اور ان میں سے ایک جماعت آپ سے کہنے لگی کہ ہمارے گھر کھلے ہوئے ہیں، حالانکہ کھلے ہوئے نہیں تھے بلکہ وہ لوگ صرف راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے۔‘‘ (سورۂ احزاب)

حبِ ایمانی کے چند واقعات

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے جو حبِ ایمانی کی دولت عطا فرمائی ہے وہ دنیا کے کسی انسان کو عطا نہیں ہوئی۔ حضرات صحابہ کرام نے جذبۂ ایمانی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سامنے ہر طرح سے قربانی دی ہے۔ سامعین اور ناظرین کے سامنے صحابہ کی زندگی کے چند واقعات پیش کر دینا ان شاء اللہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

حضرت ام حبیبہؓ اور ان کے والد ابوسفیان کا واقعہ

واقعہ یہ ہے کہ جحش بن ایاب اسدی کے تین بیٹے حضرت عبداللہ بن جحشؓ، عبید اللہ جحش اور عبد بن جحشؓ جو ابواحمد بن جحش سے مشہور تھے۔ (اسد الغابہ) یہ نابینا بھی تھے۔ تین بیٹیاں تھیں۔ حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحشؓ، ام حبیبہ بنت جحشؓ، حمنہ بنت جحشؓ اور ان سب کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلبؓ تھیں۔ یہ بھائی بہن سب نے ہجرتِ حبشہ سے پہلے ہی قبول اسلام کا شرف حاصل کرلیا تھا۔ ان میں سے عبید اللہ بن جحش کا نکاح ابوسفیان کی صاحبزادی حضرت امِ حبیبہؓ کے ساتھ ہوا تھا۔ انہوں نے بھی ہجرتِ حبشہ سے قبل قبول اسلام کا شرف حاصل کرلیا تھا۔ اور جب کفار نے طرح طرح کی ایذاء رسانی سے تنگ کر دیا، تو آپ نے حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تو یہ خاندان بھی بھائی بہن سب ہجرت کر گئے۔ اس میں حضرت امِ حبیبہؓ بھی اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد عبداللہ بن جحشؓ اپنے بھائی عبد بن جحشؓ وغیرہ کو لے کر واپس ہو گئے۔ اور غزوۂ بدر سے بہت پہلے مدینۃ المنورہ ہجرت کر گئے۔

اور عبید اللہ بن جحش حبشہ ہی میں نصرانی بن کر وہاں فوت ہو گیا۔ (اسد الغابہ)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ حضرت ام حبیبہؓ اپنے شوہر عبید اللہ بن

جحش کے نکاح سے الگ ہوگئی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۃ المنورہ سے پیغام نکاح بھیجا تو حضرت نجاشیؒ نے حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو دربار میں بلوا کر فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس امِ حبیبہؓ کا پیغام بھیجا ہے۔

ان سب کی موجودگی میں شاہِ حبشہ حضرت نجاشیؒ نے حضرت امِ حبیبہؓ کا نکاح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار سو دینار اور ابوداؤد شریف اور نسائی شریف کی روایت میں چار ہزار درہم مہر پر کر دیا۔ اور اس کے بعد حضرت نجاشیؒ نے تمام حاضرین کو یہ کہہ کر دعوت کھلائی کہ نکاح کے وقت کھانا کھلانا حضرات انبیاء کی سنت ہے۔ اور حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کی معیت میں مدینۃ المنورہ روانہ فرمادیا۔ جب صلح حدیبیہ کے بعد قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد شکنی کی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فتح مکہ کی تیاری ہو رہی تھی تو ابوسفیان کو سخت خطرہ محسوس ہوا۔ تجدید صلح کے لئے مدینۃ المنورہ آیا۔ اور اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت امِ حبیبہؓ کے گھر پہنچا تو اس وقت ان کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان کے داخل ہوتے ہی حضرت ام المؤمنین ام حبیبہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر سمیٹ دیا۔ یہ دیکھ کر ابوسفیان نے پوچھا۔ بیٹی تم نے میرے آنے کے بعد بجائے بستر صاف کر کے اچھی طرح بچھا دینے کے سمیٹ کیسے لیا۔ تو جواب دیا کہ یہ سرکارِ دو عالم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک بستر ہے، آپ مشرک اور ناپاک ہیں، اس لئے میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک بستر پر آپ جیسے ناپاک کو بیٹھنے دوں۔ یہ حب ایمانی ہے جو باپ کی محبت طبعی اور تعلق پر ہر چیز پر غالب ہے۔

(اسد الغابہ، ابوداود، نسائی، اسد الغابہ، الروض الانف)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ریشمی جوڑے عورتوں میں تقسیم کر دینا

ایک دفعہ مالِ غنیمت میں کچھ ایسے عمدہ جوڑے آئے ہوئے تھے جن میں ریشم بھی ملا ہوا تھا، اور ریشم کی دھاریاں پڑی ہوئی تھیں، ان میں سے ایک جوڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھی عنایت فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ ریشمی کپڑے

مردوں کے لئے ممنوع ہو چکے ہیں۔ اور عورتوں کے لئے جائز ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ جوڑا خود پہن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس جوڑے میں دیکھا تو ناگواری کا اظہار فرمایا، میں فوراً سمجھ گیا کہ اس کا پہننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں ہے۔ فوراً جا کر گھر کی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔

حبیب کی محبت اور مرضی کے سامنے طبعی خوشی اور آرزو سب کچھ قربان کر دیا ہے (بخاری شریف)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری پر عالی شان قبہ والی عمارت توڑنے کا واقعہ

ابوداؤد شریف میں ایک عبرتناک واقعہ موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مدینۃ المنورہ میں کہیں تشریف لے جا رہے تھے، تو دیکھا کہ ایک عمارت بڑی شان وشوکت کے ساتھ بنائی گئی ہے اور اس پر قبہ بھی بنا ہوا ہے۔ جب آپ نے اس کا منظر دیکھا تو صحابہ سے معلوم کیا کہ یہ مکان کس کا ہے۔ تو بتلایا گیا کہ فلاں کا مکان ہے۔ اس کے بعد جب ان صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دینے سے اعراض فرمایا۔ اور کئی مرتبہ سلام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ اعراض فرمایا، تو ان صحابی نے دوسرے صحابہ سے دریافت کیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ناراض ہیں، تو ان کو جواب ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے گھر کا قبہ دیکھا ہے جب یہ سنا تو سیدھے اپنے گھر آ کر پوری عمارت کو منہدم کر کے زمین سے ہموار کر دیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر یہ بتلایا بھی نہیں کہ میں نے وہ عمارت توڑ دی ہے۔ بس دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ یہی عمارت محبوب کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اور محبوب کی مرضی کے سامنے اس طرح عمارت اور آرزو سب قربان ہیں۔ اس کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو دیکھا کہ عمارت بالکل ختم ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا تو جواب ملا کہ آپ کی ناراضگی کا ان پر اثر پڑا۔ انہوں نے اس وجہ سے آ کر پوری عمارت ختم کر دی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابی سے بہت

خوش ہوئے، اور فرمایا کہ دنیا کے اندر ہر عمارت مالک پر وبال ہے، ہاں البتہ سر چھپانے اور ضروریات زندگی کے بقدر گھر بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

کتنی بڑی عبرت کی بات ہے کہ محبوب کی مرضی کے سامنے اپنی آرزو اور خوشی اور اپنے بیوی بچوں کی خوشی اور آرام سب کچھ قربان کر دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ کا واقعہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے بہت بعد میں اسلام قبول کیا ہے۔ یہ بہت اچھے تیرانداز اور بہت بڑے بہادر تھے۔ حضرت عائشہؓ کے حقیقی بھائی تھے۔ غزوۂ بدر و اُحد میں مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام قبول فرما کر ہجرت فرمائی۔ (اسد الغابہ)

بعض کتابوں میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اسلام کے بعد انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ غزوۂ بدر میں آپ میرے نشانہ پر آ گئے تھے لیکن باپ ہونے کی وجہ سے میں نے آپ کا لحاظ کیا تھا، تو اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ اگر تم میرے نشانہ پر آ گئے ہوتے تو میں بیٹا ہونے کا لحاظ نہ کرتا۔ میں تم کو فوراً قتل کر دیتا۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کے مقابلہ میں میرے نزدیک میرے ماں باپ اور میری اولاد سب قربان ہیں۔ اور تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تلوار لے کر آتے ہو۔ (مواعظ فقیہ الامت)

اسبابِ محبت

محبت کے چار اسباب ہیں۔ قرابت[۱]۔ جمال[۲]۔ کمال[۳]۔ احسان[۴]۔ یہ ایسے اسباب ہیں جن کی بنا پر کسی کو کسی سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب ان چاروں اسباب کی حقیقت کو واضح کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں محبت کے چاروں اسباب بدرجۂ اتم و اکمل موجود ہیں۔

سبب قرابت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تعلق ہمارے ساتھ ہے اتنا ہماری جانوں کا تعلق ہمارے

ساتھ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے ہر قرابت دار سے قریب تر ہیں۔ ہمارے ساتھ ہمارے ماں باپ کی جو قرابت کا تعلق اور اسی طرح ہمارے ساتھ ہماری اولاد کی جو قرابت کا تعلق ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے ساتھ رشتہ قرابت اس سے زیادہ قریب تر ہے۔

قرآن کریم کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لگاؤ مؤمنین کے ساتھ ان کی جان سے بھی زیادہ ہے۔ اور آپ کی ازواج مطہرات مؤمنین کی مائیں ہیں۔“ (سورۂ احزاب)

جب آپ کی بیویاں ہماری مائیں ہیں تو آپ ہمارے باپ ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے ایسے باپ ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزار بار قربان ہیں۔ اور ہمارے ماں باپ ہمارے لئے دنیا میں آنے کا سبب ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے ان تمام کمالات اور خوبیوں کے پیدا ہونے کا سبب اور واسطہ ہیں جو انسانوں کے اندر آسکتی ہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ہماری محبت کے لئے سببِ قرابت بھی بدرجۂ اتم واکمل موجود ہے۔

سببِ جمال

محبت کا دوسرا سبب حسن و جمال ہے۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کا حسن اور جمال دے رکھا ہے تو ہر دیکھنے والے کو اس کے حسن و جمال کی بنا پر اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تمام نوعِ انسانی میں سب سے زیادہ حسن و جمال پیدا کر رکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حسنِ صباحت عطا فرمایا تھا، اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسنِ ملاحت عطا فرمایا ہے۔

مسند امام احمد بن حنبلؒ کے حاشیہ میں کنز العمال کی منتخب حدیثیں ہیں۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قد و قامت کے اعتبار سے انسانوں میں سب سے خوبصورت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور تمام انسانوں کے چہرہ سے زیادہ نمایاں طور پر حسین تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر سے بہترین خوشبو مہکتی تھی۔ (کنز العمال)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چاند سے زیادہ چمکدار

حضرت جابر بن سمرہؓ سے شمائل ترمذی اور منتخب کنز العمال میں ایک روایت مروی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں چاندنی رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور چاند کی طرف دیکھتا تھا، تو یقیناً چودھویں رات کی چاندنی کے مقابلہ میں چہرۂ انور کا حسن اور چمک کہیں زیادہ نظر آ رہا تھا کہ چاندنی کی روشنی چہرۂ انور کے حسن کے مقابلہ میں ماند پڑ چکی تھی۔

حدیث شریف ملاحظہ ہو۔

”حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے چودھویں رات کی چاندنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر پر ایک سرخ مائل جوڑا تھا، میں کبھی چہرۂ انور کی طرف اور کبھی چاندنی کی طرف دیکھتا تھا تو یقیناً مجھے چہرۂ انور کی چمک چاندنی کی چمک کے مقابلہ میں زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔ (شمائل ترمذی)

قرآن کریم میں سورۂ یوسف آیت ۳۱ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ مگر بھائیو! ان عورتوں نے اگر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا ہوتا تو اپنے دلوں کو چیر لیتیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی شعاؤں سے سوئی نظر آ جانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کنز العمال میں ایک روایت مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت حفصہ بنتِ رواحہ رضی اللہ عنہ سے عاریت پر ایک سوئی لے رکھی تھی، اس سے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا سیا کرتی تھی۔ اندھیری رات میں وہ سوئی میرے ہاتھ سے گر گئی۔ بہت تلاش کی نہیں ملی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کے نور کی شعاؤں سے سوئی دکھائی دینے لگی۔ میں نے ہنس کر سوئی اٹھالی۔ دیکھئے آپ کے حسن کا کیا عالم ہے کہ حسنِ حسی اور حسنِ مادی دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہیں۔

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال تمام انسانوں کے حسن سے فائق ہے، اور کسی کو ایسا حسن عطا نہیں ہوا ہے جس کے حسن کے ذریعہ سے تاریک رات میں چمک اور روشنی پیدا ہو جاتی ہو۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے حفصہ بنت رواحہؓ سے ایک سوئی عاریت پر لے رکھی تھی جس سے آپ کا کپڑا سیا کرتی تھی۔ وہ سوئی مجھ سے گر گئی تو میں نے اسے خوب تلاش کیا مگر سوئی کے حصول پر کامیاب نہ ہو سکی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کے نور کی شعاؤں سے سوئی چمکنے لگی میں نے ہنس کر اٹھا لی۔" (کنز العمال)

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

لنا شمسٌ وللآفاق شمس
وشمسی افضل شمس السمآءِ

(ہمارا ایک سورج ہے اور دنیا والوں کا بھی ایک سورج ہے۔ اور ہمارا سورج آسمان کے سورج سے افضل ہے)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر سببِ جمال بدرجۂ اتم موجود ہے تو اس کی وجہ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام مؤمنین کو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبت ہونی چاہئے۔

سببِ کمال

کمال کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر ایسی خوبیاں موجود ہوں جو انسانوں کو عالم دنیا، عالم ملکوت اور عالم آخرت تینوں میں مقام عالی کے مناروں پر پہنچا دیتی ہیں، اور کمالات کے اندر سب سے اعلیٰ درجہ کا کمال، کمال علمی ہے۔

بخاری شریف کے اندر حدیث معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین نے تشریف لا کر میرے سینے کو چاک کیا۔ اس کے بعد آبِ زمزم سے اندر کی تمام چیزوں کو دھویا، پھر اس کے بعد میرے سینہ کو ایمان اور حکمت سے بھر دیا۔ یہ جو کمالِ علمی

ہے جس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے یہ کسی کو عطا نہیں ہوا ہے۔ بخاری شریف کی لمبی حدیث شریف کا ایک مختصر ٹکڑا ذکر کر دیتا ہوں۔

”پس حضرت جبرئیل امین نے آسمان سے تشریف لا کر میرے سینے کو چیرا، پھر اس کو آبِ زمزم سے دھویا، پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو علم و حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا وہ سب میرے سینے میں بھر دیا۔“ (بخاری شریف)

جب کسی انسان میں ملاءِ اعلیٰ کی اعلیٰ صفات موجود ہوتی ہیں تو اس کے اندر اعلیٰ درجہ کا کمال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کمال کی وجہ سے دنیا کی ہر مخلوق اس کی طرف جھکتی ہے اور اس کی دل دادہ ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ صفات بھی کامل طور پر عطاء فرمائی ہیں۔ اس لئے بھی آپ سے محبت ہونی چاہیے۔

آپ کے کمال سے شجر و حجر کا آپؐ کی طرف جھک جانا

ترمذی شریف کے اندر ایک لمبی روایت ہے جس کے اندر حضورؐ کا نبوت سے پہلے ملک شام کے سفر کا واقعہ ہے۔ شام کے راستہ میں ایک بحیرا راہب اپنی عبادت گاہ میں عبادت کرتا تھا۔ جب ابو طالب کا قافلہ جس میں آپ بھی موجود تھے وہاں قریب پہنچنے لگا تو راہب نے دیکھا کہ ہر طرف سے درخت اور پتھر سب سجدے میں پڑ گئے۔ راہب تورات انجیل پڑھا ہوا تھا اس لئے اس کو یہ بات معلوم تھی کہ نبی کے علاوہ کسی کو شجر و حجر سجدہ نہیں کرتے۔ چنانچہ مزاج کے خلاف قافلہ میں پہنچا اور تمام لوگوں کے درمیان میں سے حضورؐ کو چھانٹ کر آپ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں۔ اس کے بعد پورے قافلہ والوں کیلئے کھانا پکوایا' جب سب کو بلایا گیا تو دیکھا کہ حضورؐ کو جانور چرانے کے لئے بھیجا گیا' جب آپ تشریف لانے لگے تو آپ کے سر مبارک پر بادل سایہ کئے ہوئے تھا' اور جس درخت کے نیچے قافلہ ٹھہرا ہوا تھا اس کے پورے سایہ کو قافلہ والوں نے گھیر لیا' تو آپ ایک جانب جا کر تشریف فرما ہو گئے تو درخت کی ایک شاخ از خود مڑ کر آپؐ پر سایہ فگن ہو گئی۔ تو راہب نے کہا: دیکھو بھائی یہ نبوت کی علامت ہے کہ غیر نبی کے لئے اس طرح شاخ مڑ کر سایہ نہیں کرتی۔ یہ صرف نبی کی خصوصیت ہے یہ ایک لمبی حدیث شریف کا مختصر مفہوم ہے۔ (ترمذی شریف)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مکہ مکرمہ میں حضورؐ کے ساتھ اطراف مکہ میں چل رہا تھا جب چلنے لگے تو ہر طرف سے پہاڑ اور پتھر حضورؐ کے استقبال میں السلام علیکم یا رسول اللہ کی صدائیں بلند کرنے لگے۔ اور ہر چہار جانب سے سلام کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں یہ حدیث شریف ترمذی شریف میں موجود ہے۔ (ترمذی شریف)

دیکھئے بے جان پتھروں کو بھی آپؐ کے کمال کی وجہ سے کیا محبت ہے؟

استوانہ حنانہ

بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ متعدد مقامات پر مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ممبر بننے سے پہلے کھجور کے ایک تنہ پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب ممبر تیار ہو گیا اور اس ستون کو چھوڑ کر ممبر پر خطبہ دینے لگے تو اس ستون سے ایسی رونے کی آواز نکلنے لگی جیسا کہ اونٹنی اپنے بچے کیلئے آواز نکالتی ہے۔ آپ رحمۃ للعالمینؐ نے ممبر سے نیچے اتر کر کھجور کے تنہ کو اپنے سے چمٹا لیا، اس کے بعد اس کا رونا بند ہو گیا۔ اس وقت مسجد نبوی کے اندر ممبر شریف سے متصل جو ستون ہے اسی جگہ پر یہ ستون تھا اس کا نام استوانہ حنانہ اور استوانہ مخلقہ ہے۔ یہ حضورؐ کے اعلیٰ درجہ کے کمال کی وجہ سے ہے۔ دیکھئے خشک بے جان درخت کو بھی آپؐ کے کمال کی وجہ سے کیا تعلق ہے۔

آپؐ کی انگلیوں کے پوروں سے پانی کا ابلنا

حضور کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کا کمال عطا فرمایا تھا' اور کبھی آپ کا کمال معجزہ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر پانی ختم ہو چکا تھا' پندرہ سو افراد پریشان تھے۔ ایک مکھے میں پانی لایا گیا اس میں آپؐ نے اپنا دست مبارک رکھا۔ تو آپ کی انگلیوں سے چشمہ کی طرح پانی ابلنے لگا تو پندرہ سو آدمیوں نے وضو کیا اور پیا' اور اپنے توشہ دانوں کو بھر لیا۔ یہ حضورؐ کا کمال معجزہ ہے۔

حضرت جابرؓ کے یہاں دعوت کا واقعہ

غزوہ خندق کے موقع پر زمانہ بہت سردی کا تھا' اور نہایت غربت و تنگی کا زمانہ چل رہا تھا۔ صحابہ کے کئی کئی روز کے فاقے تھے' تو حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا شدت سے

فاقہ رہنا مجھے برداشت نہ ہوسکا تو میرے گھر میں تھوڑا آٹا اور ایک بکری کا بچہ تھا' بیوی سے کہا کہ تم آٹا گوندھ لو، اور میں نے بکری کا بچہ ذبح کر دیا اور پھر میں نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے ساتھ ایک یا دو آدمی کو لے چلیں' تو آپؐ نے پوچھا کہ آٹا اور گوشت کتنا ہے تو میں نے بتلا دیا' تو حضورؐ نے فرمایا یہ بہت ہے۔ اور تمام مہاجرین و انصار کے درمیان اعلان کر دیا' سب لوگ پہنچ گئے جو ہزاروں کی تعداد میں تھے جو بظاہر صرف دو تین آدمیوں کا کھانا تھا' لیکن حضورؐ کی برکت سے تمام مہاجرین و انصار نے پیٹ بھر کر کھانا کھالیا۔ اس کے بعد پھر بھی جوں کا توں باقی رہ گیا۔ یہ حضورؐ کا اعلیٰ کمال اور معجزہ ہے۔ جس کی برکت امت نے دیکھ لی ہے یہ حدیث شریف بخاری شریف کے اندر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ (بخاری شریف)

روٹی کے چند ٹکڑوں سے 80 افراد کا پیٹ بھر کر کھانا

حضرت ابو طلحہ انصاریؓ نے ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو میں نہایت ضعف محسوس کیا تو اپنی بیوی حضرت ام سلیمؓ سے جا کر فرمایا کہ آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ بھوک کی وجہ سے کمزور ہو چکے ہیں۔ آپ کی آواز بھی صحیح طریقہ سے نہیں نکل رہی ہے اگر تمہارے پاس کچھ کھانے کیلئے ہو تو دیدو' حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میری والدہ ام سلیمؓ نے ایک کپڑے میں جو کی روٹی کے کچھ ٹکڑے باندھ کر مجھے دے دیئے اور میں نے اس کو اپنی بغل میں دبا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ابو طلحہؓ نے یہ کھانا دے کر بھیجا ہے۔ آپ نے تمام حاضرین میں اعلان فرما دیا کہ ابو طلحہؓ کے یہاں سب کی دعوت ہے۔ حضرت ابو طلحہؓ نے یہ منظر دیکھ کر حضرت ام سلیمؓ سے فرمایا کہ اب کیا ہوگا کہ آپ تو ایک جم غفیر کو لے کر تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس تو ان کو کھلانے کیلئے کچھ بھی نہیں ہے۔ تو حضرت ام سلیمؓ نے فرمایا کہ کوئی فکر نہیں' اللہ اور اس کا رسول بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر فرمایا کہ اے ام سلیمؓ روٹی کے ان ٹکڑوں کو گھی میں ملا کر لاؤ' چنانچہ لایا گیا۔ آپؐ نے اس پر کچھ پڑھ کر فرمایا کہ دس دس افراد آتے جاؤ اور کھاتے جاؤ۔ حتیٰ کہ اسی 80 آدمیوں نے سیر ہو کر کھایا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا کمال معجزہ ہے۔ جس پر دنیا کے تمام انسانوں کو محبت پیدا ہو جاتی ہے اور سب آپؐ کے کمالات کے تابع ہو جاتے ہیں۔ (بخاری شریف)

ایک پیالہ دودھ سے تمام اصحاب صفہ کا پیٹ بھر کر سیراب ہونا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرات اصحاب صفہ کے پاس بیوی بچے، گھر بار کچھ بھی نہیں تھا، اگر کہیں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ تحفہ آتا تو اس میں سے کچھ کھانے کو ملتا ورنہ بھوکے رہنا ہوتا تھا۔ ایک دفعہ میں سخت فاقہ کی حالت میں تھا، کبھی اپنے پیٹ کو زمین سے چپٹا کر سکون حاصل کرتا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا، اور نماز کے بعد راستہ میں جا کر کھڑا ہو جاتا اور گزرنے والوں سے آیت قرآنی معلوم کرتا رہتا، حالانکہ آیت مجھ کو یاد ہوتی، صرف اس لئے پوچھتا رہتا کہ شاید کوئی اپنے ساتھ لے جا کر کچھ کھلا دے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ سے بھی یکے بعد دیگرے آیت معلوم کرتا رہا مگر کوئی ساتھ میں نہیں لے گئے۔ اور جب آنحضرتؐ کا گزرنا ہوا تو مسکرا کر ساتھ میں لے گئے۔ گھر والوں سے معلوم کیا تو ایک پیالہ دودھ کہیں سے آیا ہوا میسر تھا۔ آپؐ نے مجھے حکم فرمایا کہ جاؤ تمام اصحاب صفہ کو ساتھ میں بلا کر لاؤ، حالانکہ اصحاب صفہ کی تعداد ستر افراد کی تھی (بخاری شریف) اور میں اپنے جی میں کہنے لگا: کہاں صفہ کے ستر افراد اور کہاں ایک پیالہ دودھ۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ ہی کو پلانے کا حکم فرمائیں گے، جس سے میرا نمبر بھی سب کے بعد ہی میں آئے گا۔ بہرحال آپؐ کا حکم تھا اس لئے طوعاً و کرھاً سب کو بلا کر لایا اور آپؐ کے حکم سے ایک طرف سے پلانا شروع کر دیا، تمام لوگوں نے پیٹ بھر کر سیرابی حاصل کر لی پھر آپؐ نے پیالہ اپنے دست مبارک میں لے کر تھوڑا سا مسکرا کر میری طرف دیکھا، پھر فرمایا کہ اے ابوہریرہؓ پیو۔ میں نے ایسا پیٹ بھر کر پیا کہ میرے پیٹ میں کسی قسم کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس کے بعد آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور بسم اللہ پڑھ کر تناول فرمایا۔ حالانکہ پیالہ اپنی جگہ بھرا ہوا تھا یہ آپؐ کے کمال معجزہ کی برکت تھی۔ (ترمذی شریف)

اس قسم کے سینکڑوں ہزاروں معجزات اور کمالات آپ کی ذات باکمال میں موجود تھے

جن کی وجہ سے ہر انسان کے دل میں بے اختیار محبت پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ لہٰذا محبت کا سبب کمال بھی آپؐ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔

سبب احسان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا احسان ہمارے اوپر ہے۔ اس کی مختصر سی وضاحت پیش کی جاتی ہے جس سے انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین اور سامعین کو بے مثال فائدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے عالم پیدا فرمائے ہیں۔ (عالم دنیا) جس کو عالم ناسوت اور عالم مشاہدہ بھی کہا جاتا ہے اور عالم دنیا میں آرام وراحت اور تکلیف کا تعلق اصلاً جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور روح اس کے تابع ہوتی ہے۔ (عالم برزخ) جس کو عالم قبر، عالم مثال، عالم ملکوت بھی کہا جاتا ہے اس میں عذاب وراحت کا تعلق اصلاً روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم اس کے تابع ہوتا ہے۔ (عالم آخرت) جس کو عالم لاہوت بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں عذاب وراحت کا تعلق جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور تینوں قسم کے عالموں میں سے انسان کو گزر کر جانا ہے۔ اور ان تینوں میں سے ہر ایک میں انسان احسان کا محتاج ہے۔ لہٰذا اب ان تینوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات ہمارے اوپر کس کس طرح سے اور کیا کیا ہیں۔ سب کی مختصر سی وضاحت الگ الگ سرخیوں میں ہم پیش کرتے ہیں۔

عالم دنیا میں ہمارے اوپر آپ کا احسان

اس دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے اوپر بے پناہ اور بے حساب احسانات ہیں۔ اگر آپؐ نہ ہوتے تو ہم بھی نہ ہوتے۔ اگر آپؐ نہ ہوتے تو ہم ایمان کی عظیم ترین دولت سے محروم ہو جاتے ہیں" ہمارے ایمان کیلئے آپؐ نے کیسی کیسی مشقتیں اٹھائیں۔

طائف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر خون سے لہولہان ہو گیا اور احد کے میدان میں سر مبارک اور چہرہ انور زخمی ہو کر خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ دندان مبارک شہید ہو گیا۔ یہ سب قربانیاں ہمارے لئے دی ہیں اپنی پوری زندگی امت کی فلاح و بہبودی کے واسطے اور ہمارا تعلق صرف خدا واحد معبود حقیقی کے ساتھ کرنے کیلئے ہر وقت امتی امتی کا وظیفہ پڑھتے رہے۔

نجاشیؓ کے دربار میں حضرت جعفرؓ

ہجرت حبشہ کے بعد کفار مکہ نے بھاری تحائف دے کر عمرو بن العاص اور عبداللہ ابن ربیعہ کی قیادت میں شاہ حبشہ نجاشی کے پاس ایک وفد اس لئے روانہ کیا کہ تمام مہاجرین حبشہ کو حبشہ سے واپس لاکر تہ تیغ کر دیا جائے یا سب کو مرتد بنالیا جائے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے اس سلسلہ میں ایک کافی لمبی حدیث شریف موجود ہے۔ اس کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ قریش کا یہ وفد حبشہ پہنچ کر مختلف واسطوں سے نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر یہ شکایت کی کہ یہ لوگ جو یہاں آکر پناہ گزیں ہیں یہ ہمارے یہاں کے نہایت سفیہ اور بے وقوف لوگ ہیں انہوں نے اپنے باپ دادا کا پرانا دین چھوڑ کر آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا' بلکہ ایک تیسرا دین قبول کر بیٹھے ہیں ان کو آپ ہمارے حوالہ کر دیں' اور یہ چاہتے تھے کہ نجاشی ان مسلمانوں سے کچھ پوچھے بغیر ہمارے حوالے کر دیں مگر نجاشی نے مہاجرین کو دربار میں بلوایا' اور حضرت جعفرؓ نے اپنی پراثر تقریر میں فرمایا کہ ہم بتوں کو پوجتے تھے' مردار کھاتے تھے' قرابتوں سے قطع تعلق کرتے تھے' بے حیائیوں میں مبتلا تھے' جھوٹ بولتے تھے' خیانت کرتے تھے' چوری، ڈکیتی، زنا سب کرتے تھے۔ معصوم بچوں کو زندہ درگو کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم میں سے اپنا ایک پیغمبر بھیجا جنہوں نے ہم کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دی۔ اور بت پرستی' جھوٹ' چوری' زنا' بے حیائی' سب کچھ چھوڑ کر صدق وامانت اور پاکدامنی' عفت' صلہ رحمی وغیرہ ہم کو سکھایا ہے۔ اس کے بعد سورۃ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا تو نجاشیؓ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ قریش کے وفد کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم ایسے اچھے لوگوں کو ہرگز تمہارے حوالہ نہیں کریں گے ان کو ہمارے ملک میں آزادانہ رہنے کی اجازت ہے۔

یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پناہ احسان ہے جس کی وجہ سے جانوروں جیسی زندگی کو چھوڑ کر انسانیت میں داخل ہو گئے ہیں۔ (مسند امام احمد بن حنبل) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ احسانات ہمارے اوپر عالم دنیا میں ہیں

عالم برزخ میں آپ کا احسان

ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کیلئے اسباب سفر فراہم کرنا لازم ہوتا ہے۔ اگر ایک شہر سے

دوسرے شہر جانا ہو تو ساتھ میں سواری کا انتظام کرنا اور بس یا ٹرین یا ہوائی جہاز یا پانی کے جہاز کا ٹکٹ لینا لازم ہوتا ہے اس کے بغیر سفر کی اجازت نہیں ہوتی۔ اور اگر ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا ہے تو پاسپورٹ اور ویزا کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس کے بغیر بورڈ اور سرحد میں ایمیگریشن گرفتار کرلیں گے۔ بالکل اسی طرح عالم دنیا سے عالم برزخ اور عالم آخرت کے سفر کیلئے بھی ٹکٹ اور توشہ سفر اور پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت ہوتی ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ اور ایک خدا کو معبود مان کر اس کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنا ہمارا پاسپورٹ ہے اور محمدؐ رسول اللہ ہمارا ویزا ہے اور عبادات اور اعمال صالحہ ہمارا ٹکٹ اور توشہ سفر ہے۔ لہٰذا جب عالم دنیا سے منتقل ہو کر عالم برزخ اور قبر میں پہنچیں گے تو سب سے پہلے مومنین کے پاس دو فرشتے جن کا نام مبشر اور بشیر ہے اور کافر اور فاسق کے پاس دو فرشتے جن کا نام منکر ونکیر ہے آئیں گے (فتح الباری) یہی درحقیقت اللہ کے یہاں کے ایمیگریشن ہیں۔ یہ فرشتے پاسپورٹ کے بارے میں “من ربک” کے الفاظ سے پوچھیں گے، اور ویزا کے بارے میں “من نبیک” اور “من ھذا الرجل” کے الفاظ سے سوال کریں گے۔ تو مومنین اور نیک لوگ “ربی اللہ” میرا رب اللہ ہے “ونبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم” میرا رسول محمدؐ ہے” کے الفاظ سے اپنا پاسپورٹ اور ویزا پیش کریں گے جس کی وجہ سے نجات ملے گی اور کہا جائے گا “نم کنومۃ العروس” قیامت تک دلہن کی طرح آرام وخوشی کی نیند سوتے رہو اور کافر اور فاسق نہ پیش کرسکیں گے اور گرفتار ہو جائیں گے اور ان کو عذاب کے جیل خانہ میں ڈال دیں گے حضورؐ کا ارشاد ہے: حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب مومن کو اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کو حاضر کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دے گا لا الہ الا اللہ اور محمدؐ رسول اللہ کی۔ (بخاری شریف) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے تلامذہ سے بیان فرمایا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: بیشک جب بندہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب کے چلتے ہوئے جوتوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں تو دو فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ اس آدمی (محمدؐ) کے بارے میں تم کیا کہا کرتے تھے، تو مومن کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں (بخاری شریف)

عالم آخرت میں آپ کا احسان

جب عالم برزخ سے عالم آخرت میں اٹھائے جائیں گے اور میدان حشر میں ہر انسان اپنے اپنے پسینہ میں ہوگا کسی کا پسینہ اس کے ٹخنوں تک ہوگا اور کسی کا پسینہ اس کے گھٹنوں تک ہوگا' کسی کا اس کی کمر تک' اور کسی کا اس کے سینہ تک' کسی کا گلے تک اور کسی کا اس سے زیادہ ہوگا اور اپنے اپنے پسینہ میں خود تیرنے لگے گا۔ ایسے خطرناک حالات میں سب لوگ حضرت آدمؑ کے پاس جا کر درخواست کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں' آپ سفارش فرمائیں کہ حساب وکتاب ہو جائے اور اس مصیبت سے سب کو نجات مل جائے۔ حضرت آدمؑ فرمائیں گے: آج اللہ تعالیٰ سخت غیظ وغضب میں ہے' مجھے اپنا خطرہ ہے کہ کہیں مجھ سے شجرہ ممنوعہ سے متعلق سوال نہ کر بیٹھے۔ میرے بعد ایک بہت بڑے پیغمبر گزرے ہیں حضرت نوحؑ ان کو آدم ثانی اور نجی اللہ کا لقب ملا ہے تم انہیں کے پاس جاؤ اب سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جا کر گزارش کریں گے وہ جواب دیں گے جب کنعان غرق ہو رہا تھا میں نے اس کے متعلق اللہ سے سفارش کی تھی کہیں اس بارے میں مجھ سے سوال نہ ہو جائے، میرے بعد ایک بہت بڑے پیغمبر آئے تھے حضرت ابراہیم علیہ اسلام ان کو خلیل اللہ کا لقب ملا تھا' تم ان کے پاس جاؤ' چنانچہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جا کر درخواست کریں گے' وہ جواب دیں گے کہ آج اللہ تبارک وتعالیٰ بہت غصہ میں ہے کہیں کذبات ثلاثہ کے متعلق سوال نہ ہو جائے کہ میں نے روحانی بیماری میں کفار سے "**انی سقیم**" کہہ دیا تھا اور بتوں کو توڑنے کے بعد "**بل فعله كبيرهم**" کہہ دیا تھا اور ظالم بادشاہ سے بچنے کیلئے سارہ کو اپنی بہن کہہ دیا تھا یہ سب صریح جھوٹ نہیں تھے بلکہ تعریض ہی تھی۔ لہٰذا تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ' سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر عرض گزار ہوں گے' وہ جواب دیں گے کہ میں نے قبطی کو تنبیہ کیلئے مارا تھا' اتفاق سے قبطی اس سے مر گیا تھا' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بارے میں مجھ سے سوال ہو جائے۔ تم عیسیٰ بن مریمؑ کے پاس جاؤ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر درخواست کریں گے' وہ جواب دیں گے کہ میری قوم نے مجھے خدا کا بیٹا کہا تھا' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بارے میں مجھ

سے سوال ہو جائے لہٰذا تم نبی آخر الزمان رحمۃ للعالمین اکرم الاولین والآخرین کے پاس جاؤ‘ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دنیا ہی میں یہ گارنٹی اور سرٹیفکیٹ دے دیا تھا کہ ان سے آج کسی قسم کی باز پرس نہیں ہوگی۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں سورۃ فتح کی پہلی آیت میں موجود ہے۔ ”**انا فتحنا لک فتحاً مبیناً لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر الایہ**“ چنانچہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہی عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں آپؐ سے سوال نہ کرنے کی گارنٹی لے لی ہے اس لئے آج آپ کو سفارش کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے تو آنحضرت شفیع المذنبین اکرم الاولین والآخرین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ رب العزت کے سامنے سربسجود ہو کر شفاعت فرمائیں گے‘ آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ حساب کتاب ہو جائے گا اور جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے اس کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں سے جو گنہگار اپنی بداعمالی کی بناء پر جہنم میں جا چکے ہوں گے ان کو جہنم سے نکالنے کیلئے دوبارہ سفارش اور شفاعت فرمائیں گے‘ تو اللہ تعالیٰ کی اجازت ہوگی کہ ہر جنتی اپنے اپنے اقرباء اور اعزاء میں سے ایک خاص خاص مقدار نکال کر جنت کے دروازے پر نہر حیات میں ڈال دیں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیسری بار شفاعت فرمائیں گے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اجازت ہو جائے گی کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو نکال کر لاؤ جس نے کبھی نماز نہیں پڑھی‘ کبھی مال کی زکوٰۃ بھی نہیں دی‘ کبھی روزہ نہیں رکھا‘ کوئی عبادت نہیں کی‘ مگر اللہ کو ایک جانتا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتا تھا اس کو نکال کر لاؤ‘ یہ سب لوگ کوئلے کی طرح ہوں گے۔ مگر نہر حیات میں غسل کے بعد سب خوبصورت ہونہار ہوں گے بس صرف پیشانی پر ایک نشان جہنمی کا ہوگا تو اس طرح سے تمام مسلمان جنت میں داخل ہو جائیں گے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نہ ہوتی تو سب لوگ میدان حشر میں حیران و پریشان رہتے اور اگر آپ کی شفاعت نہ ہوتی تو سب ہمیشہ جہنم میں رہتے آپ کا احسان ہے جس سے جنت نصیب ہوگی۔ بخاری شریف میں اس مضمون کی روایات کافی لمبی موجود ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث شفاعت نقل فرمائی جب اخیر میں لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ آج میرا رب بہت زیادہ غصہ میں ہے نہ کبھی اس سے قبل ایسے غصہ میں ہوا اور نہ بعد میں ہوگا۔ نفسی نفسی اپنی حفاظت، اپنی حفاظت۔ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ تو سب آپؐ کے پاس آکر کہیں گے کہ آپؐ، اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے ماقبل وما بعد سب گناہ معاف کردیئے ہیں' ہمارے لئے اپنے رب سے شفاعت فرمایئے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس مشقت میں ہیں۔ تو میں، اللہ کے عرش کے نیچے جاکر سجدہ میں پڑ جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ میرے اوپر ایسی حمد وثناء القا فرمائیگا جو اس سے قبل کسی بندہ پر نہیں کیا تھا۔ پھر کہا جائے گا اے محمدؐ اپنا سر اٹھالو اور مانگو جو مانگو گے وہی دیا جائے گا جو شفاعت کروگے قبول کی جائے گی۔ تو میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا' اے میرے رب میری امت' اے میرے رب میری امت' اے میرے رب میری امت تو کہا جائے گا کہ تم اپنی امت میں سے نیک لوگوں کو جن پر حساب نہیں جنت کے دائیں طرف کے دروازوں سے داخل کرو۔ (بخاری شریف)

خلاصہ

اب آپ ہماری اس تقریر پر دوبارہ لوٹ کر غور فرمائیں کہ عالم دنیا میں ہماری انسانیت اور ایمان واعمال کا سارا مدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات پر ہے اور اسی طرح عالم برزخ اور قبر میں بھی آپؐ ہی کا احسان ہے ورنہ وہاں کے امیگریشن گرفتار کرلیں گے اور اسی طرح عالم آخرت میں بھی از اول تا آخر آپؐ ہی کے احسانات پر جہنم اور عذاب الٰہی سے نجات پاکر جنت میں داخل ہونے کا مدار ہے۔ تو اب آپ ہی کی ذات باکمال اگر دنیا ومافیا سے زیادہ محبوب نہ ہو تو اور کون ہوسکتا ہے؟ اس لئے کوئی مسلمان اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک اس کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس کے ماں باپ' اس کی اولاد اس کی دولت' اس کی محبوب سے محبوب تر چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ اس لئے ''لا یومن احدکم حتی اکون احبّ الیہ من والدہ

وولده والناس اجمعین" فرمایا ہے۔

جس کے دل میں عشق محبوب خدا حاصل نہیں   لاکھ مومن ہو مگر ایمان میں کامل نہیں

یا رب صلی وسلم دائماً ابداً   علی حبیبک خیر الخلق کلهم

(اے میرے رب رحمت کاملہ اور سلام ہمیشہ ہمیشہ اپنے حبیب پر نازل فرما جو تمام مخلوق میں بہتر ہیں)

فهو الذی تم معناه وصورته   ثم اصطفاه حبیبا بارئ النسیم

(پس آپ ہی کی ذات فضائل وکمالات ظاہری و باطنی میں اعلیٰ درجہ کو پہنچی ہوئی ہے، پھر تمام کائنات میں اپنا حبیب بنالیا ہے)

منزہ عن شریک فی محاسنه   فجوهر الحسن فیه غیر منقسم

(آپ کی ذات برکات اس سے پاک ہے کہ آپؐ کے حسن میں کوئی دوسرا شریک ہو۔ پس ہر وہ حسن جو آپؐ میں پایا جاتا ہے وہ غیر منقسم اور غیر مشترک ہے)

الله اکبر کبیرا
والحمد لله کثیراً
وسبحان الله بکرة واصیلاً.
اللهم صلی علی محمد وعلی ال محمد
کما تحب وترضیٰ عدد ما تحب وترضیٰ

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند نمونے

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ

محسن انسانیت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے اہل اللہ کی دنیا آباد رہتی ہے، آپ کے ذکر سے ان کی زبانیں تر اور ان کی آرزوئیں معطر رہتی ہیں، وہ کون سا دل ہو گا جس میں ایمان کا دیا روشن ہو اور آپ کے ذکر کیلئے بے تاب نہ ہو، وہ کیسی آنکھیں ہوں گی جو روضہ اطہر کی زیارت کیلئے ترستی نہ ہوں، وہ کون سے قدم ہوں گے جو مدینہ کی طرف لپکتے نہ ہوں اور وہ کون سے ہاتھ ہوں گے جو رکاب مدینہ پکڑنے کیلئے تڑپتے نہ ہوں ...... ایک مومن کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کیلئے بے تاب، مومن کی آنکھیں دیار حبیب کیلئے اشکبار، اس کا ذوق نظر، ان ہی کے تصور سے گہر بار اور اس کے لبوں کو ان ہی کے اسم بوسی کا انتظار رہتا ہے، یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کہ عشق رسول کی اس دولت بے بہا سے کسے کتنا حصہ ملتا ہے، آیئے آج برصغیر کے چند ایسے ہی نصیب والے علماء کے چند واقعات اور مشکبو نعتیہ کلام کا ذکر کرتے ہیں:

☆...... مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اپنے دور میں علمائے حق کے سرخیل تھے، ان سے کسی نے پوچھا ”حضرت! اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کی ایک دعا قبول ہو گی تو آپ کیا دعا کریں گے؟“ فرمانے لگے ”میں دعا کروں گا کہ اے اللہ! حضرات صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت تھا، مجھے بھی اس میں سے کچھ حصہ مل جائے۔“

☆...... دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو جذب و کیف کا ایک عجیب عالم ان پر طاری ہوا، جوتے اتار دیئے اور ننگے پاؤں چلنے لگے، پاؤں راستے کے کنکروں اور پتھروں سے لہولہان ہو گئے لیکن انہیں اس کا

ہوش نہ تھا' ایک طرف ادب و احترام میں ان کا یہ مقام تھا اور دوسری طرف اتباع سنت کا اس قدر خیال تھا کہ...... جب جہاد آزادی میں ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا تو تین دن تک روپوش رہے اور پھر برسر عام پھرنے لگے' عقیدت مندوں نے بڑی منت سماجت کی کہ حضرت! آپ روپوش رہیں' فرمانے لگے "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں تین دن روپوش رہے تھے' اس سنت پر عمل ہو گیا' معلوم نہیں پھر اس سنت پر عمل کا موقع ہاتھ آتا ہے یا نہیں"...... اس لئے تین دن سے زیادہ روپوشی اختیار نہیں کی اور اس طرح ایک سنت پر عمل کرنے کیلئے انہوں نے گرفتاری کا خطرہ مول لیا۔

☆...... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تصانیف سے آج ایک دنیا فیض یاب ہو رہی ہے' ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ایک دن مجھے خیال آیا کہ ہم اتباع سنت کا بہت ذکر کرتے ہیں' مگر اس کا کچھ حصہ ہمارے اعمال میں ہے بھی کہ نہیں؟...... چنانچہ میں تین دن تک صبح سے رات تک اپنے تمام اعمال کا بغور جائزہ لیتا رہا' دیکھنا یہ تھا کہ کتنی اتباع سنت ہم لوگ عادتاً کرتے ہیں' کتنی اتباع کی توفیق علم حاصل کرنے کے بعد ہوئی اور کتنی باتوں میں اب تک محرومی ہے؟ تین دن تک تمام امور زندگی اور معمولات روز و شب کا جائزہ لینے کے بعد اطمینان ہو گیا کہ الحمدللہ معمولات میں کوئی عمل خلاف سنت نہیں۔

☆...... بزم اشرف کے روشن چراغ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے نام اور کام سے اہل علم واقف ہیں...... ان کی شہرہ آفاق کتاب "اعلاء السنن" گزشتہ صدی علم حدیث میں لکھی جانے والی چند عظیم کتابوں میں سرفہرست ہے' اٹھارہ جلدوں پر مشتمل اس کتاب نے عرب اور عجم دونوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی' مولانا حج کرنے گئے' یہ وہ زمانہ تھا جب وہاں دولت کی ریل پیل نہ تھی اور حجاز کی زمین نے تیل کے خزانے ابھی نہیں اگلے تھے' مولانا مدینہ منورہ گئے' دیار حبیب کے کیا مکین' کیا بام و در' ہر ذرہ حبیب ہوتا ہے...... مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ ایک دن کھانے سے فارغ ہوئے' دستر خوان کسی اونچی جگہ جھاڑا گیا تا کہ روٹی کے بچے کچے ٹکڑے چرند پرند کھا لیں' کچھ دیر بعد مولانا نے دیکھا کہ مدینہ منورہ کا ایک آٹھ نو سالہ معصوم بچہ وہ ٹکڑے کھا رہا ہے' مولانا اسے دیکھ کر بے چین ہو گئے' بچے کو ساتھ لائے' کھانا

کھلایا، پوچھا کہ تمہارے ابا کیا کرتے ہیں؟ کہنے لگا ”میں یتیم ہوں“ مولانا نے کہا ”بیٹا! تم میرے ساتھ ہندوستان چلو، میں تمہیں اچھے اچھے کھانے کھلاؤں گا، عمدہ کپڑے پہناؤں گا، تمہیں تعلیم دلاؤں گا اور جب بڑے عالم بن جاؤ گے تو میں خود تمہیں مدینہ منورہ لے آؤں گا، تم جاؤ اور اپنی والدہ سے اجازت لے لو“ بچہ گیا اور والدہ نے جانے کی اجازت دے دی کہ وہ بے چاری تو پہلے ہی سے اس کی کفالت سے عاجز تھی، بچے نے معصومیت کے عالم میں مولانا کی انگلی پکڑ کر پوچھنا شروع کیا...... ”مجھے وہاں چنے ملیں گے، کھجوریں ملیں گی......؟“ مولانا نے کہا ”بیٹا! یہ سب کچھ وہاں وافر مقدار میں ملے گا“ ...... اچانک اس نے مسجد نبویؐ کے دروازے اور روضے مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہا ”بابا! یہ دروازہ اور یہ روضہ بھی وہاں ملے گا“ ...... مولانا نے کہا ”وہاں یہ روضہ ہوتا تو پھر ہمیں یہاں آنے کی کیونکر ضرورت پیش آتی، بیٹا! یہ دروازہ، یہ روضہ وہاں نہیں ملے گا“ ...... بچے کا رنگ بدلا اور کہنے لگا ”بابا! یہ روضہ وہاں نہیں، تو اسے چھوڑ کر میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا“ اور یہ کہہ کر رونے لگا، مولانا ظفر احمد عثمانی بھی بچے کا جواب سن کر اور اس کا یہ جذبہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔

☆ ...... مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ گئے، وہیں انہوں نے عشق و محبت کے تاثر میں ڈھلی ہوئی ایک نعت کہی، نعت کے یہ اشعار پڑھیے اور اندازہ لگائیں کہ کس عالم میں کہے گئے ہیں:

پھر پیش نظر گنبد خضرا ہے حرم ہے   پھر نام خدا، روضہ جنت میں قدم ہے
پھر شکر خدا کے سامنے محراب نبی ہے   پھر سر ہے مرا اور ترا نقش قدم ہے
محراب نبی ہے کہ کوئی طور تجلی   دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے
پھر منت دربان کا اعزاز ملا ہے   اب ڈر ہے کسی کا، نہ کسی چیز کا غم ہے
پھر بارگہ سید کونین میں پہنچا   یہ ان کا کرم ہے ان کا کرم ان کا کرم ہے
یہ ذرہ ناچیز ہے خورشید بہ داماں   دیکھ ان کے غلاموں کا بھی کیا جاہ و حشم ہے
ہر موئے بدن بھی جو زباں بن کے کرے شکر   کم ہے بخدا ان کی عنایات سے کم ہے
رگ رگ میں محبت ہو رسول عربی کی   جنت کے خزائن کی یہی بیع سلم ہے

وہ رحمت عالم ہے شہ اسود و احمر   وہ سید کونین ہے آقائے امم ہے
وہ عالم توحید کا مظہر ہے کہ جس میں   مشرق ہے نہ مغرب ہے عرب ہے نہ عجم ہے
دل نعت رسول عربی کہنے کو بے چین   عالم ہے تحیر کا زبان ہے نہ قلم ہے

☆...... حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو عمر کے آخری حصے میں بڑے صدمات پہنچے‘ وہ دارالعلوم دیوبند کے تقریباً نصف صدی مہتمم رہے لیکن آخر میں کچھ رفقاء ان سے بچھڑ گئے اور بعض دردناک واقعات پیش آئے‘ اسی عالم میں انہوں نے ایک نعت کہی‘ پڑھئے اور دیکھئے دل کی دنیا میں کیسے ہلچل مچاتی ہے:

نبی اکرم‘ شفیع اعظم‘ دکھے دلوں کا پیام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے‘ کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو
شکستہ کشتی ہے تیز دھارا نظر سے روپوش ہے کنارا
نہیں کوئی ناخدا ہمارا‘ خبر تو عالی مقام لے لو
قدم قدم پر ہے خوف رہزن‘ زمین بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن‘ تمہی محبت سے کام لے لو
کبھی تقاضا وفا کا ہم سے‘ کبھی مذاق جفا ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے‘ خبر تو خیر الأنام لے لو
یہ کیسی منزل پہ آ گئے ہیں‘ نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی سے
تم اپنے دامن میں آج آقا تمام اپنے غلام لے لو
یہ دل میں ارماں ہے اپنے طیب مزار اقدس پہ جا کے اک دن
سناؤں ان کو میں حال دل کا‘ کہوں میں ان سے سلام لے لو

☆ اور بارگاہ رسالت میں مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کے یہ چند نعتیہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

ہر ایک سے ٹکرا کر، ہر شغل سے گھبرا کر ہر فعل سے شرما کر، ہر کام سے پچھتا کر
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
نے ساز نہ سامانے، نے علم نہ عرفانے نے فضل نہ احسانے، نے دین نہ ایمانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
با چاک گریبانے، با سینۂ بریانے با دیدۂ گریانے، با اشک فراوانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
با نالہ وا فغانے، با سوزش پنہانے با دانش حیرانے، با عقل پریشانے
آمد بدرت بنگر، اے خاتم پیغمبر
اے سرور ہر سرور، اے رہبر ہر رہبر اے آنکہ توئی افسر، ہر کہتر و ہر مہتر
فی المبدأ والمحشر، اے ہستی تو محور للاکبر والاصغر، اے طلعت تو مظہر
للاول والآخر، اے رحم جہاں پرور آقائے کرم گستر، آمد بدرت بنگر

برصغیر کے علمائے حق کی یہ وہ جماعت ہے، جس کے شب و روز کا ایک ایک عمل، جس کی زبان کا ایک ایک قول اور جس کی زندگی کا ایک ایک معمول...... سنت رسول کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، معاملات سے لے کر عبادات تک اور اخلاق و عادات سے لے کر معاشرت تک ہر ہر شعبے میں ان کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نمونہ تھی، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، آتے جاتے، ملتے جلتے...... اس طرح کے بے شمار طبعی امور میں بھی سنتوں کا نہ صرف خیال رکھتے بلکہ پابندی کے ساتھ ان پر عمل پیرا بھی ہوتے کہ عشق رسول نام ہی اتباع رسول کا ہے، اتباع رسول کے بغیر عشق رسول کا دم بھرنا ”عشق و محبت“ کی نزاکتوں کی توہین نہیں تو اور کیا ہے!۔ (از کرنیں)

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جا کر ملتا ہے۔ آپ برصغیر کی مرکزی علمی و عملی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے

سر پرست اول اور عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے مرید و مجاز تھے۔

حضرت حاجی صاحبؒ حضرت نانوتویؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ: حق تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان (زبان) عطا کرتے ہیں چنانچہ حضرت شمس تبریزیؒ کو مولانا رومؒ لسان عطاء ہوئے انہوں نے شمس تبریزی کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرمادیا اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسم لسان عطا ہوئے ہیں۔ (سوانح قاسمی)

محبت کا پہلا قرینہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی جب حج کی سعادت حاصل کرنے کیلئے تشریف لے گئے فراغت کے بعد جب مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانگی ہوئی تو دربار حبیب سے کئی میل دور ہی گنبد خضراء پر نظر پڑتے ہی اپنا جوتا اتار لیا حالانکہ وہاں سے راستہ نوکدار پتھر کے ٹکڑوں سے بھرا تھا مگر آپ کے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ دیار حبیب میں جوتا پہن کر چلا جائے نامعلوم کس مقام پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارک پڑے ہوں اور میری کیا مجال کہ میں جوتا پہن کر اس مقام پر چلوں۔

گلاب سے محبت کی وجہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کو گلاب سے زیادہ محبت تھی جانتے بھی ہو کیوں تھی؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرق مبارک سے بنا ہوا ہے فرمایا ہے کہ ہاں حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث (ارواح ثلاثہ)

کیا یہ عشق ومحبت کی معراج نہیں؟ کہ گلاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تعلق ہے اس لئے حضرۃ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اس حدیث کی صحت اور ضعیف سے اس وقت بحث نہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر عقیدت ومحبت تھی۔ (محدثین کا قاعدہ ہے کہ ضعیف روایت بالخصوص جب کہ وہ متعدد طرق

سے نقل کی جائے فضائل میں معتبر ہوتی ہے، فضائل درود شریف از حضرت شیخ الحدیث ص ۴۱) مگر عقائد کا معاملہ اس سے مختلف ہے عقائد کیلئے پکی اور صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہوگا۔

عشق و محبت کی معراج

حضرت نانوتویؒ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قلبی تعلق کتنا تھا؟ اور آپ کے نام اقدس کے ان کے دل میں کس قدر عظمت تھی۔ اس کا اندازہ کیجئے کہ اسم گرامی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سن کر لرزہ بدن میں پڑ جاتا تھا اور چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور ایک عجیب حالت نمایاں ہوتی تھی جو معرض بیان میں نہیں آسکتی۔ (سوانح قاسمی)

کثرت درود و سلام

حضرت نانوتویؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی خود بھی کثرت فرماتے تھے اور اپنے معتقدین و متوسلین کو بھی اسی کی نصیحت وصیت فرماتے تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ درود شریف کی جتنی کثرت ہو سکے اتنی بہتر ہے۔ (مکتوبات اکابر)

جان جائے پر سنت نہ جائے

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو کون نہیں جانتا کہ وہ علم کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ان کے پیچھے انگریز لگا ہوا ہے، چاہتا ہے کہ جان سے مار ڈالوں آپ کو بھی پتہ چل گیا، رشتہ داروں نے کہا، حضرت! آپ کہیں چھپ جائیں تاکہ آپ بچ سکیں آپؒ نے بات مان لی، لہٰذا چھپ گئے، ابھی تین دن ہی گزرے تھے کہ پھر باہر پھرتے نظر آئے۔ پھر کسی نے کہا جان کا معاملہ ہے، آپ کو چاہیے کہ ذرا اوجھل ہو جائیں، فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر نظر ڈالی، مجھے پوری زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین دن غار میں چھپے نظر آتے ہیں میں نے اس سنت پر عمل کر لیا ہے اب باہر آ گیا ہوں چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

احیائے سنت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ تم اپنی بیواؤں کا نکاح کر دیا کرو، قرآن پاک میں

بھی ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی ایک ہمشیرہ 90 سال کی عمر میں بیوہ ہوگئیں آپ کو پتہ چلا تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے کچھ دن گزر گئے تو پھر دوبارہ اپنی بہن کے پاس گئے اور کہنے لگے، بہن! میں آپ کے پاس ایک بات کرنے آیا ہوں، بہن نے کہا بتاؤ بھائی، کیا بات ہے؟ حضرت فرمانے لگے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم بیواؤں کا نکاح کر دیا کرو، آپ میری اس بات کو مان لیجئے اور نکاح کر لیجئے میں جانتا ہوں کہ اس عمر میں آپ کو ازدواجی زندگی کی ضرورت نہیں ہے مگر قاسم نانوتویؒ کو سنت پر عمل کی توفیق ہو جائے گی۔ بہن رونے لگ گئیں، آپؒ نے اپنی پگڑی کو اتارا اور بہن کے قدموں پر رکھ دیا اور کہا کہ تیری وجہ سے مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت پر عمل کی توفیق نصیب ہو سکتی ہے چنانچہ 90 سال کی عمر میں اپنی بہن کا ایک اور نکاح کر دیا، اللہ اکبر! اتباع سنت کا اتنا اہتمام تھا۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ جب حج پر گئے تو آپ نے راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کچھ اشعار لکھے۔ وہ بھی آپ کو سناتا چلوں، فرماتے ہیں:

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ کہ ہو سگان مدینہ میں میرا شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں مروں تو کھائیں مجھ کو مدینہ کے مر و مار

کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! نجات کی امیدیں تو بہت ہیں مگر سب سے بڑی امید یہ ہے کہ مدینہ کے کتوں میں شمار ہو جائے، اگر جیوں تو مدینہ کے کتوں کے ساتھ پھرتا رہوں اور اگر مر جاؤں تو مدینہ کے کیڑے مکوڑے مجھے کھا جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی شدید محبت دل میں تھی۔

احترام روضہ مبارک

ایک آدمی آپ کی خدمت میں آیا، اس نے سبز رنگ کا جوتا پیش کر دیا۔ حضرتؒ نے وہ جوتا لے تو لیا مگر اس کو گھر میں رکھ دیا، کسی نے بعد میں پوچھا، حضرت! فلاں نے بہت اچھا جوتا دیا تھا، علاقہ میں اکثر لوگ پہنتے ہیں، خوب صورت بھی بنا ہوا تھا فرمایا، میں نے جوتا لے تو لیا تھا کہ اس کی دل جوئی ہو جائے مگر پہنا اس لئے نہیں کہ دل میں سوچا کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کا رنگ سبز ہے اب میں اپنے پاؤں میں اس رنگ کا جوتا کیسے پہنوں۔

آپؒ حرم تشریف لے گئے، آپؒ بہت نازک بدن تھے۔ ایک آدمی نے دیکھا کہ آپؒ ننگے پاؤں مدینہ کی گلیوں میں چل رہے ہیں اور پاؤں کے اندر سے خون رستا چلا جارہا ہے کسی نے پوچھا حضرت جوتے پہن لیتے فرمایا ہاں پہن لیتا، لیکن جب میں نے سوچا کہ اس دیار میں میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم چلا کرتے تھے تو میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ قاسم اس کے اوپر جوتوں کے ساتھ چلتا پھرے، کیسے دیوانے اور پروانے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

ہمارے اکابر کا فقید المثال عقیدہ

ہمارے اکابر نے اپنا عقیدہ لکھا ہے، ذرا دل کے کانوں سے سنیں تا کہ پتہ چل سکے کہ ان پر بہتان لگانے والے کتنی غلط فہمی کا شکار ہیں ہمارے اکابر کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں جو مٹی لگ رہی ہے، وہ اللہ کے عرش سے بھی افضل ہے۔

حکیم الامت کی اہلیہ اور اتباع سنت کا اہتمام

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے ایک مرتبہ فرمایا کچھ دن تک جب بھی میں گھر جاتا تو دیکھتا کہ لوکی پکی ہوئی ہے تو میں نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے آپ روزانہ لوکی پکاتی ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ میں نے کتاب میں پڑھا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوکی پسند تھی (رواہ البخاری) جب میں نے یہ پڑھا تو میں نے نوکر کو ہدایت کی کہ بازار میں لوکی ملتی ہو تو لوکی ضرور لایا کرو۔ تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا گھر میں پکتا رہے۔ حضرت فرماتے ہیں جب میں نے اپنی اہلیہ کے منہ سے یہ بات سنی تو میرے بدن پر ایک جھرجھری سی آ گئی، اس خیال سے کہ اس عورت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت عادیہ کا اتنا اہتمام ہے کہ جب تک لوکی بازار میں ملتی رہے لایا کرو۔ اور ہم علم کے دعوے دار ہیں، ہم نے حدیثیں پڑھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھے مگر ہمارے دل میں اتنا اہتمام نہیں ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

مدینے کی ہوا

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فقیہ وقت تھے، ایک آدمی حج سے واپس آیا اور وہاں

سے کچھ کپڑا لایا، اس نے وہ کپڑا حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرتؒ نے جب اسے لیا تو اسے چوما اور اپنے سر کے اوپر رکھ لیا، جیسے بڑی عزت والی کوئی چیز ہو، طلباء بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے عرض کیا، حضرت! یہ تو فلاں ملک کا بنا ہوا کپڑا ہے، مدینہ کے لوگ خرید کر آگے فروخت کرتے ہیں فرمایا میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ مدینہ کا بنا ہوا نہیں ہے مگر میں تو اس لئے اس کی عزت کرتا ہوں کہ اسے مدینے کی ہوا لگی ہوئی ہے۔

سنت سے محبت

حضرت گنگوہیؒ کا سنت مصطفویہ کے ساتھ عشق اس درجہ کامل اور فائق تھا کہ آپ کو عربی مہینوں کے اسماء چھوڑ کر بلا ضرورت انگریزی مہینوں کے ناموں کا استعمال بھی گراں گزرتا تھا، مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ حضرتؒ کی خدمت میں ایک مرتبہ تشریف فرما تھے کہ کسی شخص نے پوچھا کہ گوالیار کب جاؤ گے انہوں نے جواب دیا جولائی کی فلاں تاریخ کو حضرت گنگوہی نے تأسف کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اور ماہ تاریخ نہیں ہے جو انگریزی مہینوں کا استعمال کیا جائے۔

فرمان نبی پر یقین

ایک مرتبہ وعظ کے دوران فرمایا: میں اپنے آپ کو کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے ہی مجھے وہ یقین عطا فرمایا تھا کہ لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور جمعہ کا وقت آ جاتا تو کھیل چھوڑ کر جاتا اور لڑکوں سے کہہ دیتا کہ میں نے اپنے ماموں سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین جمعہ کو چھوڑنے سے آدمی منافق لکھا جاتا ہے، لوگوں کو کہتا ہوں کہ آخر مسلمان ہیں، خدا اور رسول پر یقین ہے، پھر ایسے غافل کیوں ہوں؟ جس فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگ بڑے ہو کر غفلت برتتے ہیں غور فرمائیے حضرت گنگوہیؒ اپنے بچپن میں کتنا خیال فرماتے تھے اور کیسا پختہ یقین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر رکھتے تھے یہ حقیقت ہے کہ حق تعالیٰ جسے اپنا بنانا چاہیں بچپن ہی سے اس کے آثار واضح ہونے شروع ہو جاتے ہیں یہی حال حضرت کا تھا اور اس کا اثر تھا کہ حضرتؒ اپنے خدام و متوسلین کو اتباع سنت کی بہت بہت تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ: سب کو محض فضل حق

تعالیٰ کا جاننا چاہیے اور اپنے پر شکر اور ندامت انفعال لازم ہے اور امیدوار رحمت حق تعالیٰ کا رہنا چاہیے اور اتباع سنت کا بہت بہت خیال رہے۔ (مفارضات رشیدیہ ص ۱۹)

بہترین دستور العمل

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: اتباع سنت کا خیال ہر امر میں پیش نظر رہے کہ اس کے برابر کوئی امر دنیا میں رضائے حق تعالیٰ کے واسطے نہیں' قال اللہ تعالیٰ **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی** اس سے زیادہ کیا لکھوں' اس دستور العمل سے زیادہ بہتر کوئی دستور العمل نہیں پایا۔ (مفارضات رشیدیہ ص ۴۵)

اتباع سنت کی وصیت

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ فرماتے ہیں کہ! حضرت گنگوہیؒ کے وصیت نامہ میں بہت زور سے لکھا ہے کہ اپنی آل اولاد سب دوستوں کو بتاکید وصیت کرتا ہوں کہ اتباع سنت کو بہت ضروری جان کر شرع کے موافق عمل کریں تھوڑی سی مخالفت کو بھی اپنا بہت سخت دشمن جانیں۔ (اکابر علماء دیوبند ص ۲۹)

درود شریف کا التزام

حضرت گنگوہیؒ اپنے متوسلین و معتقدین، احباء و مخلصین کو درود شریف کثرت سے پڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے' اور درود شریف کو دارین کیلئے مفید بتلاتے تھے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: درود شریف کا التزام رکھو کہ حاجت دارین کے واسطے نہایت مفید ہے۔ (مکتوبات اکابر دیوبند ص ۵۶ معراج بک ڈپو دیوبند) حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ حضرت گنگوہیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت گنگوہیؒ کو دیکھا کہ ہر وقت درود شریف کا ورد فرماتے تھے اور بات بہت کم کرتے تھے۔ (وعظ النور ص ۲۰)

ہر دم نام محمد کا لے

ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میرا نام میرے والدین نے کالے رکھا تھا۔ لوگوں نے محمد کالے کہنا شروع کر دیا اب اسی نام سے معروف ہوں میرا جی چاہتا ہے کہ

کوئی میرا نام کی سجع کہے، میں نے بہت سے علماء سے پوچھا ہے مگر وہ کوشش بسیار کے باوجود کچھ نہیں کہہ سکے۔ آپ نے فی البدیہہ فرمایا کہ تمہارے نام کی سجع کہنی بہت آسان ہے۔ اس نے پوچھا کہ کون سی؟ آپ نے فرمایا ''ہردم نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لے''

شیخ الہند مولانا محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ

عمل بالحدیث

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کا معمول تھا کہ وتروں کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے تھے، کسی شاگرد نے عرض کیا حضرت بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب تو آدھا ہے حضرتؒ نے فرمایا ہاں بھائی یہ تو مجھے بھی معلوم ہے مگر بیٹھ کر پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اتباع سنت امر طبعی کے درجے میں

حیات شیخ الہند ص ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ کوئی قول و فعل خلاف شریعت ہونا تو درکنار، مدتوں خدمت میں رہنے والے خادم بھی یہ نہیں بتلا سکتے کہ کوئی ادنیٰ سا فعل بھی آپ سے خلاف سنت سرزد ہوا، دن ہو یا رات، صحت ہو یا مرض، سفر یا حضر، خلوت ہو یا جلوت، ہر حالت میں حضرت کو اتباع سنت کا خیال تھا، خود بھی عمل کرتے اور اپنے متبعین متوسلین کو بھی قولاً و عملاً اسی کی ترغیب دیتے اور رفتہ رفتہ عمل بالسنۃ حضرت کیلئے ایک امر طبعی ہو گیا تھا جس میں کسی تکلیف و تحریک کی ضرورت ہی نہ تھی نہایت سہولت و متانت سے سنن و مستحبات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ مگر یہ نہیں کہ ہر وقت ہر ہر فعل پر حاضرین کے جتلانے یا ان سے داد لینے کیلئے حدیث پڑھ کر سنائیں یا عمل کریں۔

نیا پھل کسی نے پیش کیا تو خوشبو سونگھی، آنکھوں سے لگایا پھر کسی بچہ کو پکارا اور اس کو دے دیا، اور کبھی کبھی یہ دیکھنے کے حیلہ سے کہ بارش ختم ہو گئی یا نہیں دو چار قطرے سر اور جسم پر لے کر حدیث عہد بربی کا لطف اٹھا لیا، ایک روز مولانا میاں اصغر حسین صاحب کی عیادت کو تشریف لائے اور صرف مصافحہ کر کے واپس ہونے لگے میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو بھی آج ہی حدیث پر عمل کرنا تھا۔ تبسم فرما کر فوراً پڑھ دیا ''العیادۃ فواق ناقۃ''

تاثیر ایمان

اسی میں ص ۸۱۱ پر لکھا ہے کہ مالٹا کی حراست کے زمانہ میں اگرچہ مسافر پر قربانی نہیں اور قیدی پر تو ذبح کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی مگر حضرت کا معمول ہندوستان میں کئی کئی قربانیاں کرنے کا تھا، یہ جذبہ حضرت کو پیش آیا اور محافظان جیل کو اطلاع کی کہ ہمیں قربانی کی اجازت دی جائے اور جانور مہیا کیا جائے، دل کی نکلی ہوئی بات اثر کئے بغیر نہیں رہتی، محافظوں پر اثر ہوا اور ایک دنبہ سات گنا میں خرید کر دیا جس کی قیمت حضرت نے بہت طیب خاطر سے ادا کی اور اس دار الکفر میں جہاں زوال سلطنت اسلامیہ کے بعد کبھی اس سنت ابراہیمیؑ کے ادا ہونے کی نوبت نہ آئی ہوگی دسویں ذی الحجہ کو بلند آواز سے تکبیر کہہ کر قربانی کر کے واضح کر دیا کہ مومن علو ہمت ہو تو زنداں میں مستحبات بھی ادا ہو سکتے ہیں۔

یہ تھے عاشق سنت

حدیث پاک میں سرکہ کے متعلق آیا ہے کہ بہترین سالن ہے حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں جب بھی دستر خوان پر سرکہ ہوتا تو سب چیزوں سے زیادہ اس کی طرف رغبت فرماتے، اور کبھی گھونٹ بھی بھر لیتے۔ ایک مرتبہ بدن پر پھنسیاں وغیرہ نکل آئیں اطباء نے سرکہ کو منع کر دیا، پھر بھی حضرت سرکہ نوش فرما ہی لیتے، حضرتؒ نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کی شادی اپنے استاد حضرت نانوتویؒ کے طرز پر ایسی ہی سادگی اور اتباع سنت سے کی جو حضرت جیسے محدث اعظم اور عاشق سنت کے شایان شان تھی، کبھی جامع مسجد میں نماز کے بعد اعلان کر کے داماد کو بٹھا کر نکاح پڑھ دیا، کبھی مدرسہ میں علماء اور طلباء کے مجمع میں بطریق مسنون عقد کر دیا اور معمولی کپڑے پہنا کر ڈولی میں بٹھا کر رخصت کر دیا۔ (حیات شیخ الہند ص ۲۰۵)

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

متبع سنت

حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے اتباع سنت کے واقعات اس قدر مشہور اور زباں زد ہیں کہ ان سب کا لکھوانا تو بہت مشکل ہے اور اس کے دیکھنے والے ابھی تک بہت موجود ہیں، اس

ناکارہ نے اپنے اکابر میں اخیر شب میں رات کو گڑگڑاتے ہوئے رونے والا دو کو دیکھا ایک اپنے والد صاحب کو اور دوسرے حضرت شیخ الاسلام کو، ایسی ہچکیاں اور سسکیاں لیتے تھے جیسے کوئی بچہ پٹ رہا ہو۔

کیفیت نماز

قاری محمد میاں صاحب مدرس مدرسہ فتح پوری دھلی لکھتے ہیں کہ:

"تہجد میں اول دو رکعتیں مختصر پڑھتے اور اس کے بعد دو رکعتیں طویل جن میں ڈیڑھ دو پارے قرأت فرماتے، تہجد کی قرأت قدرے جہر سے ادا فرماتے پاس بیٹھا ہوا آدمی غور سے سنے تو پوری قرأت سن سکے۔ قرأت کرتے وقت اس قدر خشوع اتنا گریہ، سینہ مبارک سے ایسے کھولتے ہوئے گرم سانس، جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت احادیث میں ذکر کی گئی ہے:

"كان يصلى ولجوفه ازيز كازيز المرجل من البكاء"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ایسی پڑھا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر سے رونے کی وجہ سے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز کی طرح سے آواز آتی تھی۔"

مسلسل آہ وفغاں

وہ منظر کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا، تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر پہلے دعا مانگتے پھر مصلے پر استغفار کرنے کیلئے بیٹھ جاتے، تسبیح ہاتھ میں ہوتی، جیب میں سے رومال نکال کر آگے رکھ لیتے، اگالدان قریب رکھ لیا کرتے، اس وقت رونے کا جو منظر بارہا دیکھنے میں آیا ہے وہ کسی اور وقت نہیں آیا، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں مسلسل جاری رومال سے صاف کرتے جاتے اور:

استغفر الله الذى لا اله الا هو الحى القيوم واتوب اليه:

جھوم جھوم کر پڑھتے جاتے، کبھی کبھی اور بھی کلمات پڑھتے، بعض اوقات اسی کرب و بے چینی کے عالم میں فارسی یا اردو کا کوئی شعر بھی پڑھا کرتے۔ فجر کی نماز تک یہی معمول رہتا"۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۸۰)

شیدائیت سنت

مفتی مہدی حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''عبادت خداوندی کا یہ ذوق کہ شدید مرض کی حالت میں بھی نماز فجر میں طوال مفصل ہی پڑھا کرتے تھے، سنت کی شیدائیت اتنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ جن امور کو ادنی تعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ان پر عمل کرتے تھے، دنیا کو حیرت ہوگی کہ دارالعلوم کے چمن میں کیکر کا درخت لگوایا، لوگوں کا خیال ہوا کہ اس درخت سے کیا فائدہ؟ نہ اس میں پھول نہ پھل، نہ اس سے خوشنمائی نہ یہ زینت چمن، پھر کیوں لگوایا؟ تحقیق سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے بیعت لی تھی جو ''بیعت رضوان'' کے نام سے زباں زد خاص و عام ہے، یہ درخت اس کی یادگار ہے''۔

میں ہوں
میرے ماں باپ ہوں
قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ

تذکرہ غازی علم الدین شہید رحمہ اللہ

لاہور کے ایک ترکھان کا بیٹا علم الدین عالم فاضل تھا نہ دنیاوی طور پر تعلیم یافتہ۔ مکتب میں داخلہ لیا نہ خانقاہ کا راستہ دیکھا۔ وہ سیدھا سادھا جفاکش قسم کا ناخواندہ نوجوان تھا۔ اکیس سال کی عمر تھی کہ ایک دن معمول کی مزدوری سے واپس آتے ہوئے دہلی دروازے میں لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا۔ وہاں تقریریں ہو رہی تھیں، وہ بھی کچھ دیر کھڑے ہو کر سنتا رہا لیکن اس کے پلے کچھ نہ پڑا۔ قریب کھڑے ایک صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ راجپال نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کتاب چھاپی ہے، اس کے خلاف تقریریں ہو رہی ہیں اور علماء نے اسے واجب القتل قرار دیا ہے۔ علم الدین کے دل میں شعلے سے بھڑک اٹھے لیکن اسے معلوم نہ تھا، راجپال کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ اس کا حلیہ کیسا ہے؟ انہی دنوں بیرون دہلی دروازہ میں مسلمانوں کا ایک فقید المثال اجتماع ہوا جس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے ایسی دل گداز تقریر کی کہ سامعین پر رقت طاری ہوگئی۔ کچھ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ شاہ جی نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"آج آپ لوگ جناب فخرِ رسل، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کو برقرار رکھنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آج جنس انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرہ میں ہے، آج اس جلیل المرتبت کا ناموس معرض خطر میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام موجودات کو ناز ہے۔" اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی بھی موجود

تھے۔ شاہ جی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: ”آج مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کے دروازے پر ام المومنین عائشہ صدیقہ اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) کھڑی پوچھ رہی ہیں: ہم تمہاری مائیں ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں؟ ارے دیکھو! کہیں ام المومنین عائشہ صدیقہ دروازہ پر کھڑی تو نہیں؟“

یہ الفاظ دل کی گہرائیوں سے اس جوش اور ولولے کے ساتھ اُبل پڑے کہ سامعین کی نظر معاً دروازے کی طرف اُٹھ گئیں اور ہر طرف سے آہ و بکا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ پھر اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ”تمہاری محبتوں کا یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج گنبد خضراء میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تڑپ رہے ہیں؟ آج خدیجہ اور عائشہ پریشان ہیں۔ بتاؤ! تمہارے دلوں میں امہات المومنین (رضی اللہ عنہن) کے لئے کوئی جگہ ہے؟ آج ام المومنین عائشہ تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ وہی عائشہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”حمیرا“ کہہ کر پکارا کرتے تھے، جنہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال کے وقت مسواک چبا کر دی تھی۔ یاد رکھو! اگر تم نے خدیجہ اور عائشہ کے لئے جانیں دیں تو یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں۔“

اس تقریر نے سارے شہر میں آگ لگا دی۔ ملک کے طول و عرض میں احتجاجی جلسے ہونے اور جلوس نکلنے لگے۔ آخر ایک دودھ فروش خدا بخش نامی اٹھا اور اس نے راجپال پر جا کر چاقو سے حملہ کر دیا۔ راجپال زخمی تو ہوا لیکن اس کی جان بچ گئی۔ ادھر علم الدین رات کو سو رہے تھے کہ انہیں ایک بزرگ خواب میں ملے اور انہوں نے کہا: ”علم الدین ابھی تک سو رہے ہو، تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف دشمن کارروائیوں میں لگے ہیں۔ اُٹھو! جلدی کرو“، علم الدین صبح اُٹھا، اس نے ایک ہندو کباڑیے کی دکان سے اپنے مطلب کی چھری لی اور چل دیا راجپال ابھی اپنے دفتر میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ غازی علم الدین نے اندر داخل ہو کر پلک جھپکنے میں چھری نکال کر گستاخ رسول کے بدبودار سینے میں اُتار دی۔ ایک ہی وار اتنا کارگر ثابت ہوا کہ راجپال کے منہ سے صرف ہائے کی آواز نکلی اور وہ اوندھے منہ زمین پر جا پڑا۔

علامہ اقبال کو جب غازی علم الدین کے بارے میں بتایا گیا کہ ایک اکیس سالہ اَن

پڑھ اور مزدور پیشہ نوجوان نے گستاخ رسول کو واصل جہنم کر دیا ہے تو انہوں نے گلوگیر لہجے میں کہا: ''اسی گلاں ای کردے رہ گئے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا۔'' (ہم باتیں ہی بناتے رہے اور بڑھئی کا بیٹا بازی لے گیا)

غازی گرفتار ہوئے، سیشن کورٹ میں مقدمہ چلا اور انہیں پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ مسلمانوں نے سیشن جج کے فیصلے کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل کر دی۔ مسٹر محمد علی جناح ان دنوں بمبئی میں وکالت کرتے تھے۔ انہیں اس مقدمے کے لئے بلایا گیا۔ انہوں نے فاضلانہ بحث کی اور ٹھوس دلائل دیئے لیکن ہائی کورٹ نے سیشن جج کا فیصلہ برقرار رکھا۔ غازی کو ہائی کورٹ کا فیصلہ سنایا گیا تو انہوں نے مسکرا کر کہا: ''شکر الحمدللہ! میں یہی چاہتا تھا' بزدلوں کی طرح قیدی بن کر جیل میں گلنے سڑنے کی بجائے تختہ دار پر چڑھ کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حقیر سی جان کو قربان کر دینا صد ہزار سکون کا موجب ہے۔ اللہ میری اس ادنیٰ اور پرُخلوص قربانی کو قبول فرمائے۔''

غازی علم الدین شہید کے جنازے میں تقریباً 6 لاکھ مسلمان شریک ہوئے اور جنازے کا جلوس تقریباً ساڑھے 5 میل لمبا تھا۔ وہ نہ صوفی باصفا تھے نہ شعلہ نوا خطیب' نہ کوئی مشہور مدرس تھے اور نہ ہی سیاسی رہنما...... بس ایک عاشقِ رسول تھے مگر جب انہیں قبر میں رکھا گیا تو قطعۂ ارض خوشبو سے مہک اٹھا اور بے شمار علماء مشائخ کے دل میں یہ آرزو مچلنے لگی کہ اے کاش! اس قبر میں ہمارے جسدِ خاکی کو رکھا جاتا۔)

سر محمد شفیع کو انگلش سرکار نے ان کی خدمات کے عوض ''سر'' کا خطاب دیا تھا۔ تحریک پاکستان کے نامور لیڈر تھے۔ کئی سال انگلستان میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ 1919ء میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بھی نامزد ہوئے ''روشن خیال'' بھی تھے اور ماڈرن زندگی کے حامی بھی۔ انہیں ایک ایسے مقدمہ میں عدالت کے روبرو پیش ہونا پڑا جس میں ایک غریب مسلمان خانساماں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے پر انگریز میجر کی بیوی کو قتل کر دیا تھا۔ اس مقدمہ میں دورانِ بحث میاں محمد شفیع کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جس پر مقدمہ کی سماعت کرنے والے ججوں نے حیرت سے پوچھا: ''سر

شفیع! کیا آپ جیسے ٹھنڈے دل ودماغ کا بلند پایہ وکیل بھی اس طرح جذباتی ہوسکتا ہے؟“ جس پر سر شفیع نے جواب دیا: ”جناب! آپ کو نہیں معلوم ایک مسلمان کو اپنے پیغمبر کی ذات سے کتنی گہری عقیدت اور محبت ہوتی ہے؟ شفیع بھی اگر اس وقت وہاں ہوتا تو وہ یہی کر گزرتا جو اس نے کیا ہے۔“ (بقلم حضرت مولانا اسلم شیخوپوری مدظلہ ۔ (بحوالہ ضرب مومن)

اف یوں ہو، توہین محمدؐ اور پھر ملک ہمارا ہو
کیوں نہ جگر ہو ٹکڑے ٹکڑے اور دل پارہ پارہ ہو
صبر کی حد ہوتی ہے کوئی کب تک آخر صبر کریں
اس بے شرمی کے جینے سے بہتر ہے ہم ڈوب مریں
قید ہو اب یا دار کا تختہ جو گزرے گی جھیلیں گے
نام پہ تیرے جانِ دو عالم جان کی بازی کھیلیں گے
تو ہے ہم کو جان سے بڑھ کر مال اور ملک سے پیارا ہے
تیری محبت کامل ایماں، یہ ایمان ہمارا ہے
ہاں اب ہم سے صبر نہ ہوگا لاکھ کہیں غدار ہیں ہم
یا مانیں یا جان ہے حاضر جینے سے بیزار ہیں ہم

(از کلام سید امین گیلانی)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

درود اُن پر سلام اُن پر فدا ہو میری جان اُن پر
نچھاور یہ زمین و آسماں ، کون و مکاں اُن پر
وہ فخر دو جہاں ، ختم رسل اور ہادی عالم
کرے نازل ہزاروں رحمتیں رب جہاں اُن پر
وہ ہیں شمس العلیٰ بدر الدجیٰ نور الھدیٰ اے دل
وہ محبوب دو عالم ہیں خدا ہے مہرباں اُن پر
بہار جاوداں وہ ہیں کہ ہیں رونق گلستاں کی
وہ ، وہ گل ہیں کہ ہے قرباں سارا گلستان اُن پر

(فیضان حرم)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اور ہماری زندگی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

۱۲ ربیع الاول ہمارے معاشرے، ہمارے ملک اور خاص کر برصغیر میں باقاعدہ ایک جشن اور ایک تہوار کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ جب ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو سارے ملک میں سیرت النبی اور میلاد النبی کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تذکرہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کے برابر کوئی اور سعادت نہیں ہو سکتی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں آپ کے مبارک تذکرہ کو اس ماہ ربیع لاول کے ساتھ بلکہ صرف ۱۲ ربیع الاول کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ ۱۲ ربیع الاول کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اس لئے آپ کا یوم ولادت منایا جائے گا۔ اور اس میں آپ کی سیرت اور ولادت کا بیان ہوگا۔

لیکن یہ سب کچھ کرتے وقت ہم یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جس ذات اقدس کی سیرت کا یہ بیان ہو رہا ہے، اور جس ذات اقدس کی ولادت کا یہ جشن منایا جا رہا ہے، خود اس ذات اقدس کی تعلیم کیا ہے؟ اور اس تعلیم کے اندر اس قسم کا تصور موجود ہے یا نہیں؟

تاریخ انسانیت کا عظیم واقعہ

اس میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا میں تشریف لانا، تاریخ انسانیت کا اتنا عظیم واقعہ ہے کہ اس سے زیادہ عظیم، اس سے زیادہ پر مسرت، اس سے زیادہ مبارک اور مقدس واقعہ اس روئے زمین پر پیش نہیں آیا، انسانیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور ملا، آپ کی مقدس شخصیت کی برکات نصیب

ہوئیں، یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ تاریخ کا اور کوئی واقعہ اتنا بڑا نہیں ہوسکتا، اور اگر اسلام میں کسی کی یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش سے زیادہ کوئی دن اس بات کا مستحق نہیں تھا کہ اس کو منایا جائے، اور اس کو عید قرار دیا جائے، لیکن نبوت کے بعد آپ ۲۳ سال اس دنیا میں تشریف فرما رہے، اور ہر سال ربیع الاول کا مہینہ آتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ آپ نے ۱۲ ربیع الاول کو یوم پیدائش نہیں منایا، بلکہ آپ کے کسی صحابی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہیں گزرا کہ چونکہ ۱۲ ربیع الاول آپ کی پیدائش کا دن ہے۔ اس لئے اس کو کسی خاص طریقے سے منانا چاہئے۔

۱۲ ربیع الاول اور صحابہ کرام

اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرام کو اس دنیا میں چھوڑ گئے، وہ صحابہ کرام ایسے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سانس کے بدلے اپنی پوری جان نچھاور کرنے کے لئے تیار تھے۔ آپ کے جانثار، آپ پر فداکار، آپ کے عاشق زار تھے۔ لیکن کوئی ایک صحابی ایسا نہیں ملے گا جس نے اہتمام کر کے یہ دن منایا ہو، یا اس دن کوئی جلسہ منعقد کیا ہو۔ یا کوئی جلوس نکالا ہو، یا کوئی چراغاں کیا ہو، یا کوئی جھنڈیاں سجائی ہوں، صحابہ کرام نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس لئے کہ اسلام کوئی رسموں کا دین نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسرے اہل مذاہب ہیں کہ ان کے ہاں چند رسومات ادا کرنے کا نام دین ہے۔ جب وہ رسمیں ادا کرلیں تو بس پھر چھٹی ہوگئی۔ بلکہ اسلام عمل کا دین ہے۔ اور یہ تو جنم روگ ہے۔ یہ پیدائش سے لے کر مرتے دم تک ہر انسان اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں لگا رہے۔

”کرسمس“ کی ابتدا

یوم پیدائش منانے کا یہ تصور ہمارے یہاں عیسائیوں سے آیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش کرسمس کے نام سے ۲۵ دسمبر کو منایا جاتا ہے، تاریخ اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تقریباً تین سو سال تک

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور نہیں تھا، آپ کے حواریین اور صحابہ کرام میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا، تین سو سال کے بعد لوگوں نے یہ بدعت شروع کر دی۔ اور یہ کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش منائیں گے۔ اس وقت بھی جو لوگ دین عیسوی پر پوری طرح عمل پیرا تھے انہوں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ سلسلہ کیوں شروع کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تو یوم پیدائش منانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ انہوں نے جوب دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ کوئی ایسی بری بات تو نہیں ہے، بس ہم اس دن جمع ہو جائیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کریں گے۔ ان کی تعلیمات کو یاد دلائیں گے، اور اس کے ذریعہ سے لوگوں میں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کا شوق پید ہوگا، اس لئے ہم کوئی گناہ کا کام تو نہیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ کہہ کر یہ سلسلہ شروع کر دیا۔

''کرسمس'' کی موجودہ صورتحال

چنانچہ شروع شروع میں تو یہ ہوا کہ جب ۲۵ دسمبر کی تاریخ آتی تو چرچ میں ایک اجتماع ہوتا، ایک پادری صاحب کھڑے ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور آپ کی سیرت بیان کر دیتے۔ اس کے بعد اجتماع برخواست ہو جاتا۔ گویا کہ بے ضرر اور معصوم طریقے پر یہ سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے سوچا کہ ہم پادری کی تقریر تو کرا دیتے ہیں۔ مگر وہ خشک قسم کی تقریر ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان اور شوقین مزاج لوگ تو اس میں شریک نہیں ہوتے، اس لئے اس کو ذرا دلچسپ بنانا چاہئے، تا کہ لوگوں کیلئے دل کش ہو۔ اور اسکو دلچسپ بنانے کے لئے اس میں موسیقی ہونی چاہئے، چنانچہ اس کے بعد موسیقی پر نظمیں پڑھی جانے لگیں، پھر انہوں نے دیکھا کہ موسیقی سے بھی کام نہیں چل رہا ہے، اس لئے اس میں ناچ گانا بھی ہونا چاہئے، چنانچہ پھر ناچ گانا بھی اس میں شامل ہو گیا، پھر سوچا کہ اس میں کچھ تماشے بھی ہونے چاہئیں۔ چنانچہ ہنسی مذاق کے کھیل تماشے شامل ہو گئے، چنانچہ ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ وہ کرسمس جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بیان کرنے کے نام پر شروع ہوا تھا، اب وہ عام جشن کی طرح ایک جشن بن

گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناچ گانا اس میں، موسیقی اس میں، شراب نوشی اس میں، قمار بازی اور جوا اس میں، گویا کہ اب دنیا بھر کی ساری خرافات کرسمس میں شامل ہو گئیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پیچھے رہ گئیں۔

”کرسمس“ کا انجام

اب آپ دیکھ لیجئے کہ مغربی ممالک میں جب کرسمس کا دن آتا ہے تو اس میں کیا طوفان برپا ہوتا ہے، اس ایک دن میں اتنی شراب پی جاتی ہے کہ پورے سال اتنی شراب نہیں پی جاتی۔ اس ایک دن میں اتنے حادثات ہوتے ہیں کہ پورے سال اتنے حادثات نہیں ہوتے، اسی ایک دن میں عورتوں کی عصمت دری اتنی ہوتی ہے کہ پورے سال اتنی نہیں ہوتی، اور یہ سب کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کے نام پر ہو رہا ہے۔

میلاد النبی کی ابتدا

اللہ تعالیٰ انسان کی نفسیات اور اس کی کمزوریوں سے واقف ہیں، اللہ تعالیٰ یہ جانتے تھے کہ اگر اس کو ذرا سا شوشہ دیا گیا تو یہ کہاں سے کہاں بات کو پہنچائے گا۔ اس واسطے کسی کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں رکھا جس طرح ”کرسمس“ کے ساتھ ہوا، اسی طرح یہاں بھی ہوا کہ کسی بادشاہ کے دل میں خیال آ گیا کہ جب عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش مناتے ہیں تو ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش کیوں نہ منائیں؟ چنانچہ یہ کہہ کر اس بادشاہ نے میلاد کا سلسلہ شروع کر دیا، شروع میں یہاں بھی یہی ہوا کہ میلاد ہوا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان ہوا۔ اور کچھ نعتیں پڑھی گئیں۔ لیکن اب آپ دیکھ لیں کہ کہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے۔

یہ ہندوانہ جشن ہے

یہ تو حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود الحمد للہ وہاں تک ابھی نوبت نہیں پہنچی جس طرح عیسائیوں کے ہاں پہنچ چکی ہے۔ لیکن اب بھی دیکھ لو کہ سڑکوں پر کیا ہو رہا ہے، کس طرح روضۂ اقدس کی شبیہیں کھڑی کی ہوئی ہیں، کس طرح کعبہ

شریف کی شبیہیں کھڑی کی ہوئی ہیں۔ کس طرح لوگ اس کے اردگرد طواف کر رہے ہیں کس طرح اس کے چاروں طرف ریکارڈنگ ہو رہی ہے، کس طرح چراغاں کیا جا رہا ہے اور کس طرح جھنڈیاں سجائی جا رہی ہیں، معاذ اللہ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا کوئی جشن نہیں ہے۔ بلکہ جیسے ہندوؤں اور عیسائیوں کے عام جشن ہوتے ہیں اس طرح کا کوئی جشن ہے اور رفتہ رفتہ ساری خرابیاں اس میں جمع ہو رہی ہیں۔

یہ اسلام کا طریقہ نہیں

سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ سب کچھ دین کے نام پر ہو رہا ہے، اور یہ سب کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام پر ہو رہا ہے، اور سب کچھ یہ سوچ کر ہو رہا ہے کہ یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ اور یہ خیال کر رہے ہیں کہ آج ۱۲ ربیع الاول کو چراغاں کر کے، اور اپنی عمارتوں کو روشن کر کے، اور اپنے راستوں کو سجا کر ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا حق ادا کر دیا، اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ دین پر عمل نہیں کرتے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ہمارے یہاں تو میلاد ہوتا ہے، ہمارے یہاں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش پر چراغاں ہوتا ہے، اس طرح دین کا حق ادا ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ طریقہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے۔ آپ کے صحابہ کرام کا طریقہ نہیں ہے۔ اور اگر اس طریقے میں خیر و برکت ہوتی تو ابوبکر صدیق، فاروق اعظم، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اس سے چوکنے والے نہیں تھے۔

بنیے سے سیانا سو باؤلا

میرے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ہندی زبان کی ایک مثل اور کہاوت سنایا کرتے تھے کہ ان کے یہاں یہ کہاوت بہت مشہور ہے کہ (بنیے سے سیانا سو باؤلا) یعنی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں تجارت میں بنیے سے زیادہ سیانا اور ہوشیار ہوں، اور اس سے زیادہ تجارت جانتا ہوں، تو وہ باؤلا اور پاگل ہے اس لئے کہ حقیقت میں تجارت کے اندر کوئی شخص بنیے سے زیادہ سیانا نہیں ہو سکتا یہ کہاوت سنانے کے بعد حضرت

والد صاحب فرماتے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں صحابہ کرام سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہوں اور صحابہ کرام سے زیادہ محبت رکھنے والا ہوں، وہ حقیقت میں پاگل ہے، بے وقوف اور احمق ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام سے بڑا عاشق اور محب کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

آپ ﷺ کا مقصد بعثت کیا تھا؟

صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ نہ جلوس ہے، نہ جلسہ ہے، نہ چراغاں ہے نہ جھنڈی ہے، اور نہ سجاوٹ ہے۔ لیکن ایک چیز ہے۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ زندگیوں میں رچی ہوئی ہے۔ ان کا ہر دن سیرت طیبہ کا دن ہے۔ ان کا ہر لمحہ سیرت طیبہ کا لمحہ ہے۔ ان کا ہر کام سیرت طیبہ کا کام ہے، کوئی کام ایسا نہیں تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے خالی ہو۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ اپنا دن منوائیں اور اپنی تعریفیں کرائیں۔ اپنی شان میں قصیدے پڑھوائیں، خدا نہ کرے اگر یہ مقصود ہوتا تو جس وقت کفار مکہ نے آپ کو یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ مال و دولت کے طلب گار ہیں تو مال و دولت کے ڈھیر آپ کے قدموں میں لانے کے لئے تیار ہیں، اگر آپ حسن و جمال کے طلب گار ہیں تو عرب کا منتخب حسن و جمال آپ کی خدمت میں نذر کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ آپ اپنی تعلیمات کو چھوڑ دیں، اور یہ دعوت کا کام چھوڑ دیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیزیں مطلوب ہوتیں تو آپ ان کی اس پیشکش کو قبول کر لیتے۔ سرداری بھی ملتی، روپیہ پیسہ بھی مل جاتا، اور دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہو جاتیں۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور ایک ہاتھ میں ماہتاب بھی لا کر رکھ دو گے، تب بھی میں اپنی تعلیمات سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔

کیا آپ دنیا میں اس لئے تشریف لائے تھے کہ لوگ میرے نام پر عید میلاد النبی منائیں؟ بلکہ آپ کے آنے کا منشا وہ ہے جو قرآن کریم نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ:

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجوا الله
واليوم الآخر، وذكر الله كثيراً۔ (سورة الاحزاب: ۲۱)

یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے پاس بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے، تاکہ تم ان کی نقل اتارو، اور اس شخص کے لئے بھیجا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو، اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔

انسان نمونے کا محتاج ہے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نمونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمادی تھی، ہم اس کو پڑھ کر اس کے احکام پر عمل کر لیتے؟ بات دراصل یہ ہے کہ نمونے بھیجنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسان کی فطرت اور جبلت یہ ہے کہ صرف کتاب اس کی اصلاح کے لئے اور اس کو کوئی فن، کوئی علم و ہنر سکھانے کے لئے کافی نہیں ہوتی، بلکہ انسان کو سکھانے کے لئے کسی مربی کے عملی نمونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک نمونہ سامنے نہیں ہوگا، اس وقت تک محض کتاب پڑھنے سے کوئی علم اور کوئی فن نہیں آئے گا۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں داخل فرمائی ہے۔

ڈاکٹر کے لئے ”ہاؤس جاب“ لازم کیوں؟

ایک انسان اگر یہ سوچے کہ میڈیکل سائنس پر کتابیں لکھی ہوئی ہیں، میں ان کتابوں کو پڑھ کر دوسروں کا علاج شروع کردوں۔ وہ پڑھنا بھی جانتا ہے۔ سمجھدار بھی ہے۔ ذہین بھی ہے، اور اس نے کتابیں پڑھ کر علاج شروع کر دیا، تو وہ سوائے قبرستان آباد کرنے کے کوئی اور خدمت انجام نہیں دے گا۔

چنانچہ دنیا بھر کا قانون یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کرلی۔ اس کو اس وقت تک عام پریکٹس کرنے کی اجازت نہیں، جب تک وہ ایک مدت تک ہاؤس جاب نہ کرے، اور جب تک کسی ہسپتال میں کسی ماہر ڈاکٹر کی نگرانی میں عملی نمونہ نہیں دیکھے گا اس وقت تک صحیح ڈاکٹری نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ اس نے اب تک بہت سی چیزوں کو صرف کتاب میں پڑھا ہے، ابھی اس کے عملی نمونے اس کے سامنے نہیں آئے۔ اب مرض۔ کتابی تفصیل کے ساتھ۔ اس کی عملی صورت مریض کی شکل میں دیکھ کر اسے صحیح

معنی میں علاج کرنا آئے گا اس کے بعد اس کو عام پریکٹس کی اجازت دے دی جائے گی۔

کتاب پڑھ کر قورمہ نہیں بنا سکتے

کھانے پکانے کی کتابیں بازار میں چھپی ہوئی موجود ہیں، اور ان میں ہر چیز کی ترکیب لکھی ہوئی ہے کہ بریانی اس طرح بنتی ہے، پلاؤ اس طرح بنتا ہے، کباب اس طرح بنتے ہیں، قورمہ اس طرح بنتا ہے۔ اب ایک آدمی ہے جس نے آج تک کبھی کھانا نہیں بنایا، کتاب سامنے رکھ کر اور اس میں ترکیب پڑھ کر قورمہ بنالے، خدا جانے وہ کیا چیز تیار کرے گا۔ ہاں اگر کسی استاد اور جاننے والے نے اس کو سامنے بیٹھا کر بتا دیا کہ دیکھو، قورمہ اس طرح بنتا ہے، اور اس کی عملی تربیت دیدی، پھر وہ شاندار طریقے سے بنالے گا۔

تنہا کتاب کافی نہیں

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت یہ رکھی ہے کہ جب تک کسی مربی کا عملی نمونہ اس کے سامنے نہ ہو، اس وقت تک وہ صحیح راستے پر صحیح طریقے پر نہیں آسکتا۔ اور کوئی علم و فن صحیح طور پر نہیں سیکھ سکتا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا جو سلسلہ جاری فرمایا، وہ درحقیقت اسی مقصد کو بتانے کے لئے تھا کہ ہم نے کتاب تو بھیج دی۔ لیکن تنہا کتاب تمہاری رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہوگی، جب تک اس کتاب پر عمل کرنے کے لئے نمونہ تمہارے سامنے نہ ہو، اس لئے قرآن کریم یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غرض کے لئے بھیجا ہے کہ تم یہ دیکھو کہ یہ قرآن کریم تو ہماری تعلیمات ہیں اور یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری تعلیمات پر عمل کرنے کا نمونہ ہیں۔

تعلیمات نبوی کا نور درکار ہے

قرآن کریم نے ایک اور جگہ پر کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ:

"قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین" (سورہ مائدہ:۱۵)

یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تو کھلی کتاب یعنی قرآن آیا ہے، اور اس کے ساتھ ایک نور آیا ہے، اس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ اگر کسی کے پاس کتاب

موجود ہے، اور کتاب میں سب کچھ لکھا ہے۔ لیکن اس کے پاس روشنی نہیں ہے، نہ سورج کی روشنی ہے، نہ دن کی روشنی ہے، نہ بجلی کی روشنی ہے، نہ چراغ کی روشنی، بلکہ اندھیرا ہے۔ اس لئے اب روشنی کے بغیر اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح اگر دن کی روشنی موجود ہے، بجلی کی روشنی موجود ہے، لیکن آنکھ کی روشنی نہیں ہے۔ تب بھی کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ لہٰذا جس طرح روشنی کے بغیر کتاب سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، اسی طرح ہم نے قرآن کریم کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور بھیجا ہے جب تک تعلیمات کا یہ نور تمہارے پاس نہیں ہوگا، تم قرآن کریم نہیں سمجھ سکو گے، اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ تمہیں نہیں آئے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سراپا نور ہیں

اب بعض نا اہل اور نا قدر شناس لوگ اس آیات کا یہ مطلب نکالتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی اعتبار سے بشر نہیں تھے۔ بلکہ "نور" تھے، ارے یہ تو دیکھو کہ یہ بجلی کا نور، یہ ٹیوب لائٹ کا نور، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے نور کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ درحقیقت اس آیت میں یہ بتلانا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تعلیم دے رہے ہیں۔ یہ وہ نور ہے جس کے ذریعے تم کتاب مبین پر صحیح صحیح عمل کر سکو گے اور اس نمونہ کے بغیر تمہیں صحیح طرح عمل کرنے میں دشواری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لئے مبعوث فرمایا کہ آپ کی تعلیمات کا نور کتاب اللہ کی عملی تشریح کرے گا۔ یہ تمہیں تربیت دے گا۔ اور تمہارے سامنے ایک عملی نمونہ پیش کر کے دکھائے گا کہ یہ دیکھو۔ اللہ کی کتاب پر اس طرح عمل کیا جاتا ہے، اور اب ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک مکمل اور کامل نمونہ بنا دیا، یہ ایسا نمونہ ہے کہ انسانیت اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، اور یہ نمونہ اس لئے بھیجا کہ تم اس کو دیکھو، اور اس کی نقل اتارو، تمہارا کام بس یہی ہے۔

آپ کی ذات ہر شعبہ زندگی کا نمونہ تھی

اگر تم باپ ہو تو یہ دیکھو کہ فاطمہ کے باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم شوہر ہو تو یہ دیکھو کہ عائشہ اور خدیجہ کے شوہر (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم حاکم ہو تو یہ

دیکھو کہ مدینہ کے حاکم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس طرح حکومت کی اگر تم مزدور ہو تو یہ دیکھو کہ مکہ کی پہاڑیوں پر بکریاں چرانے والے مزدور (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم تاجر ہو تو یہ دیکھو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی تجارت میں کیا طریقہ اختیار فرمایا؟ آپ نے تجارت بھی کی، زراعت بھی کی، مزدوری بھی کی، سیاست بھی کی، معیشت بھی کی، زندگی کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نمونہ کے طور پر موجود نہ ہو، بس! تم اس نمونے کو دیکھو اور اس کی پیروی کرو، اسی مقصد کے لئے ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ کا یوم پیدائش منایا جائے، اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ کا جشن منا کر یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے ان کا حق ادا کر دیا۔ بلکہ اس لئے بھیجا کہ ان کی ایسی اتباع کرو، جیسی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اتباع کر کے دکھائی۔

مجلس کا ایک ادب

صحابہ کرام کو ہر آن اس بات کا دھیان تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کس طرح ہو؟ صحابہ کرام ویسے ہی صحابہ کرام نہیں بن گئے۔ سنئے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے، خطبہ کے دوران آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے کناروں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آج کل بھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کوئی تقریر یا جلسہ ہوتا ہے تو کچھ لوگ کناروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ لوگ نہ تو بیٹھتے ہیں، اور نہ جاتے ہیں، اس طرح کناروں پر کھڑا ہونا مجلس کے ادب کے خلاف ہے، اگر تمہیں سننا ہے تو بیٹھ جاؤ، اور اگر نہیں سننا ہے تو جاؤ، اپنا راستہ دیکھو، اس لئے کہ اس طرح کھڑے ہونے سے بولنے والے کا ذہن بھی تشویش میں مبتلا ہوتا ہے، اور سننے والوں کا ذہن بھی انتشار کا شکار رہتا ہے۔

اتباع ہو تو ایسی

بہر حال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کناروں پر کھڑے ہوئے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”بیٹھ جاؤ“ جس وقت آپ نے یہ حکم دیا اس وقت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر سڑک پر تھے اور مسجد نبوی کی طرف آ رہے تھے، اور ابھی

مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ کہ اس وقت ان کے کان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز آئی کہ ”بیٹھ جاؤ“ آپ وہیں سڑک پر بیٹھ گئے، خطبہ کے بعد جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو بیٹھنے کا حکم ان لوگوں کو دی تھا جو یہاں مسجد کے کناروں پر کھڑے ہوئے تھے، لیکن تم تو سڑک پر تھے، اور سڑک پر بیٹھنے کو تو میں نے نہیں کہا تھا، تم وہاں کیوں بیٹھ گئے؟...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب حضور (اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ ارشاد کان میں پڑ گیا کہ ”بیٹھ جاؤ“ تو پھر عبداللہ بن مسعود کی مجال نہیں تھی کہ وہ ایک قدم آگے بڑھائے......

اور یہ بات نہیں تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کو جانتے نہیں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سڑک پر بیٹھنے کا حکم نہیں دے رہے تھے، بلکہ اصل بات یہ تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کان میں پڑ گیا کہ ”بیٹھ جاؤ“ تو اب اس کے بعد قدم نہیں اٹھ سکتا، صحابہ کرام کی اتباع کا یہ حال تھا، ویسے ہی صحابہ کرام نہیں بن گئے تھے، عشق و محبت کے دعوے دار تو بہت ہیں لیکن ان صحابہ کرام جیسا عشق کوئی لے کر تو آئے۔

میدان جنگ میں ادب کا لحاظ

میدان احد میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیر برسائے جا رہے ہیں، تیروں کی بارش ہو رہی ہے، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ یہ چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آڑ بن جائیں، لیکن اگر ان تیروں کی طرف سینہ کر کے آڑ بنتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو جاتی ہے اور یہ گوارا نہیں کہ میدان جنگ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنا سینہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور پشت کفار کے تیروں کی طرف کر دی، اور اس طرح تیروں کو اپنی پشت پر لے رہے تھے، تا کہ جنگ کے میدان میں بھی یہ بے ادبی نہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مسجد نبوی سے بہت دور مکان لے لیا تھا،

وہاں رہنے لگے تھے، اور دوری کی وجہ سے وہاں سے روزانہ مسجد نبوی میں حاضری دینا مشکل تھا، چنانچہ ان کے قریب ایک صاحب رہتے تھے، ان سے یہ طے کرلیا تھا کہ ایک دن تم مسجد نبوی چلے جایا کرو، اور ایک دن میں جایا کروں گا، جس دن تم جاؤ، اس دن واپس آ کر مجھے یہ بتانا کہ آج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا باتیں ارشاد فرمائیں، اور جب میں جایا کروں گا تو میں واپس آ کر تمہیں بتادیا کروں گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا باتیں ارشاد فرمائیں، تا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی کوئی بات چھوٹنے نہ پائے، اس طرح صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور سنتوں پر جان دی ہے۔

اپنے آقا کی سنت نہیں چھوڑ سکتا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر معاملات طے کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی بن کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں جا کر اپنے چچازاد بھائی کے گھر ٹھہر گئے، اور جب صبح کے وقت مکہ کے سرداروں سے مذاکرات کے لئے گھر سے جانے لگے تو اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پاجامہ ٹخنوں سے اوپر آدھی پنڈلی تک تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ تھا کہ ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا تو بالکل ناجائز ہے۔ اگر ٹخنوں سے اوپر ہو تو جائز ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اور عادت یہ تھی کہ آپ آدھی پنڈلی تک اپنا ازار رکھتے تھے، اس سے نیچے نہیں ہوتا تھا...... چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی نے کہا کہ جناب! عربوں کا دستور یہ ہے کہ جس شخص کا ازار اور تہبند جتنا لٹکا ہوا ہو، اتنا ہی اس آدمی کو بڑا سمجھا جاتا ہے، اور سردار قسم کے لوگ اپنی ازار کو لٹکا کر رکھتے ہیں اس لئے اگر آپ اپنی ازار اس طرح اونچی پہن کر ان لوگوں کے پاس جائیں گے تو اس صورت میں ان کی نظروں میں آپ کی وقعت نہیں ہوگی، اور مذاکرات میں جان نہیں پڑے گی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے چچازاد بھائی کی باتیں سنیں تو ایک ہی جواب دیا، فرمایا کہ

لا! هكذا ازرة صاحبنا صلى الله عليه وسلم

نہیں میں اپنا ازار اس سے نیچا نہیں کر سکتا، میرے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار ایسا ہی ہے یعنی اب یہ لوگ مجھے اچھا سمجھیں، یا برا سمجھیں، میری عزت کریں، یا بے عزتی کریں، جو چاہیں کریں مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، میں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار دیکھ چکا ہوں، اور آپ کا جیسا ازار ہے، ویسا ہی میرا رہے گا اسے میں تبدیل نہیں کر سکتا۔

ان احمقوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، فاتح ایران، جب ایران میں کسریٰ پر حملہ کیا گیا تو اس نے مذاکرات کے لئے آپ کو اپنے دربار میں بلایا، آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو تواضع کے طور پر پہلے ان کے سامنے کھانا لا کر رکھا گیا، چنانچہ آپ نے کھانا شروع کیا، کھانے کے دوران آپ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اس کو ضائع نہ کرو وہ اللہ کا رزق ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے کونسے حصے میں برکت رکھی ہے، اس لئے اس نوالے کی ناقدری نہ کرو، بلکہ اس کو اٹھا لو، اگر اس کے اوپر کچھ مٹی لگ گئی ہے تو اسکو صاف کر لو، اور پھر کھا لو...... چنانچہ جب نوالہ نیچے گرا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث یاد آ گئی اور آپ نے اس نوالے کو اٹھانے کے لئے نیچے ہاتھ بڑھایا، آپ کے برابر ایک صاحب بیٹھے تھے انہوں نے آپ کو کہنی مار کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ یہ تو دنیا کی سپر طاقت کسریٰ کا دربار ہے، اگر تم اس دربار میں زمین پر گرا ہوا نوالہ اٹھا کر کھاؤ گے تو ان لوگوں کے ذہنوں میں تمہاری وقعت نہیں رہے گی اور یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑے ندیدہ قسم کے لوگ ہیں، اس لئے یہ نوالہ اٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے، آج اس کو چھوڑ دو۔

جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا کہ:

أأترك سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم لهولاء الحمقى؟

کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دوں؟ چاہے یہ اچھا سمجھیں، یا برا سمجھیں، عزت کریں، یا ذلت کریں، یا مذاق اڑائیں، لیکن میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔

کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا دیا

اب بتایئے کہ انہوں نے اپنی عزت کرائی یا آج ہم سنتیں چھوڑ کر کروا رہے ہیں؟ عزت انہوں نے ہی کرائی، اور ایسی عزت کرائی کہ ایک طرف تو سنت پر عمل کرتے ہوئے نوالہ اٹھا کر کھایا، تو دوسری طرف ایران کے وہ کج کلاہ جو غرور کے مجسمے بنے ہوئے تھے ان کا غرور ایسا خاک میں ملایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ:

اذا هلک کسریٰ فلا کسریٰ بعده

کہ جس دن کسریٰ ہلاک ہوا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے، دنیا سے اس کا نام و نشان مٹ گیا۔

اپنا لباس نہیں چھوڑیں گے

اس واقعہ سے پہلے یہ ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہما جب مذاکرات کے لئے جانے لگے، اور کسریٰ کے محل میں داخل ہونے لگے، تو اس وقت وہ اپنا وہی سیدھا سادہ لباس پہنے ہوئے تھے، چونکہ لمبا سفر کر کے آئے تھے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ کپڑے کچھ میلے بھی ہوں، دربار کے دروازے پر جو دربان تھا، اس نے آپ کو اندر جانے سے روک دیا، اس نے کہا کہ تم اتنے بڑے بادشاہ کسریٰ کے دربار میں ایسے لباس میں جا رہے ہو؟ اور یہ کہہ کر اس نے ایک جبہ دیا کہ آپ یہ جبہ پہن کر جائیں حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اس دربان سے کہا کہ اگر کسریٰ کے دربار میں جانے کے لئے اس کا دیا ہوا جبہ پہننا ضروری ہے تو پھر ہمیں اس کے دربار میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر ہم جائیں گے تو اسی لباس میں جائیں گے، اور اگر اس کو اس لباس میں ملنا منظور نہیں تو پھر ہمیں بھی اس سے ملنے کا کوئی شوق نہیں۔ لہٰذا ہم واپس جا رہے ہیں۔

تلوار دیکھ لی۔ بازو بھی دیکھ

اس دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ آئے ہیں، جو جبہ لینے کو بھی تیار نہیں، اس دوران حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار کے اوپر لپٹی ہوئی کترنوں کو

درست کرنے لگے، جو تلوار کے ٹوٹے ہوئے حصے پر لپٹی ہوئی تھی۔ اس چوکیدار نے تلوار دیکھ کر کہا، ذرا مجھے اپنی تلوار تو دکھاؤ، آپ نے وہ تلوار اس کو دے دی، اس نے وہ تلوار دیکھ کر کہا کہ کیا تم اس تلوار سے ایران فتح کرو گے؟ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی تک تم نے صرف تلوار دیکھی ہے، تلوار چلانے والا ہاتھ نہیں دیکھا، اس نے کہا کہ اچھا ہاتھ بھی دکھا دو، حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ تمہارے پاس تلوار کا وار روکنے والی جو سب سے زیادہ مضبوط ڈھال ہو وہ منگوالو، اور پھر میرا ہاتھ دیکھو، چنانچہ وہاں جو سب سے زیادہ مضبوط لوہے کی ڈھال تھی، جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کوئی تلوار اس کو نہیں کاٹ سکتی، وہ منگوائی گئی، حضرت ربعی بن عامر نے فرمایا کہ کوئی شخص اس کو میرے سامنے لے کر کھڑا ہو جائے، چنانچہ ایک آدمی اس ڈھال کو لے کر کھڑا ہو گیا، تو حضرت ربعی بن عامر نے وہ تلوار جس پر کترنیں لپٹی ہوئی تھیں، اس کا ایک وار جو کیا تو اس ڈھال کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سب لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خدا جانے یہ کیسی مخلوق آ گئی ہے۔

یہ ہیں فاتح ایران

بہر حال! اس کے بعد دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ ایک عجیب وغریب مخلوق آئی ہے۔ جو نہ تمہارا دیا ہوا لباس پہنتی ہے، اور ان کی تلوار بظاہر تو ٹوٹی پھوٹی نظر آتی ہے لیکن اس نے ڈھال کے دو ٹکڑے کر دیئے، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ان کو اندر بلوایا گیا...... کسریٰ کے دربار کا دستور یہ تھا کہ وہ خود تو کرسی پر بیٹھا رہتا تھا اور سارے درباری سامنے کھڑے رہتے تھے..... حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ سے کہا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے پیروکار ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے کہ ایک آدمی بیٹھا رہے اور باقی آدمی اس کے سامنے کھڑے رہیں، لہٰذا ہم اس طرح سے مذاکرات کرنے کے لئے تیار نہیں، یا تو ہمارے لئے بھی کرسیاں منگوائی جائیں، یا کسریٰ بھی ہمارے سامنے کھڑا ہو..... کسریٰ نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ تو ہماری

توہین کرنے کے لئے آ گئے، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک مٹی کا ٹوکرا بھر کر ان کے سر پر رکھ کر ان کو واپس روانہ کر دو، میں ان سے بات نہیں کرتا، چنانچہ ایک مٹی کا ٹوکرا ان کو دیدیا گیا۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ جب دربار سے نکلنے لگے تو جاتے ہوئے یہ کہا کہ اے کسریٰ! یہ بات یاد رکھنا کہ تم نے ایران کی مٹی ہمیں دے دی۔ یہ کہہ کر روانہ ہو گئے......

ایرانی لوگ بڑے توہم پرست قسم کے لوگ تھے، انہوں نے سوچا کہ یہ جو کہا کہ "ایران کی مٹی ہمیں دے دی" یہ تو بڑی بدفالی ہو گئی، اب کسریٰ نے فوراً ایک آدمی پیچھے دوڑایا کہ جاؤ جلدی سے وہ مٹی کا ٹوکرا واپس لے آؤ۔ اب حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کہاں ہاتھ آنے والے تھے، چنانچہ وہ لے جانے میں کامیاب ہو گئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ ایران کی مٹی انہی ٹوٹی ہوئی تلوار والوں کے ہاتھ میں ہے۔

آج مسلمان ذلیل کیوں؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع میں، آپ کی سنتوں کی تعمیل میں، ان حضرات صحابہ نے دنیا بھر میں اپنا لوہا منوایا، اور آج ہم پر یہ خوف مسلط ہے کہ اگر فلاں سنت پر عمل کر لیا تو لوگ کیا کہیں گے، اگر فلاں سنت پر عمل کر لیا، تو دنیا والے مذاق اڑائیں گے۔ انگلینڈ مذاق اڑائے گا۔ فلاں ملک والے مذاق اڑائیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری دنیا میں آج ذلیل ہو رہے ہیں، آج دنیا کی ایک تہائی آبادی مسلمانوں کی ہے، آج دنیا میں جتنے مسلمان ہیں، اتنے مسلمان اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے، اور آج مسلمانوں کے پاس جتنے وسائل ہیں، اتنے وسائل اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے، لیکن حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تمہاری تعداد تو بہت ہو گی لیکن تم ایسے ہو گے جیسے سیلاب میں بہتے ہوئے تنکے ہوتے ہیں، جن کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا، آج ہمارا یہ حال ہے، کہ اپنے دشمنوں کو راضی کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنے اخلاق چھوڑے، اپنے اعمال چھوڑے، اپنی سیرتیں چھوڑ دیں، اپنے کردار چھوڑے، اور اپنی صورت تک بدل ڈالی، سر سے لے کر پاؤں تک ان کی نقل اتار کر یہ دکھا دیا کہ ہم تمہارے

غلام ہیں، لیکن وہ پھر بھی خوش نہیں ہیں، اور روزانہ پٹائی کرتے ہیں، کبھی اسرائیل پٹائی کر رہا ہے، کبھی کوئی دوسرا ملک پٹائی کر رہا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دے گا تو یاد رکھو اس کے لئے ذلت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ہنسے جانے سے جب تک ڈرو گے

ایک شاعر گزرے ہیں اسعد ملتانی مرحوم، انہوں نے بڑے اچھے حکیمانہ شعر کہے ہیں: فرماتے ہیں کہ:

کسی کا آستانہ اونچا ہے اتنا		کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا
ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے		زمانہ تم پر ہنستا ہی رہے گا

جب تک تم اس بات سے ڈرو گے کہ فلاں ہنسے گا، فلاں مذاق اڑائے گا تو زمانہ ہنستا ہی رہے گا، اور دیکھ لو کہ ہنس رہا ہے، اور اگر تم نے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر اپنا سر رکھ دیا اور آپ کی سنتوں کی اتباع کر لی تو پھر دیکھو کہ دنیا تمہاری کیسی عزت کرتی ہے۔

صاحب ایمان کے لئے اتباع سنت لازم ہے

یہاں ایک بات اور عرض کر دوں، وہ یہ کہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ سنتیں چھوڑنے سے ذلت ہوتی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سارے کفار و مشرکین، امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک والے، سب نے سنتیں چھوڑ رکھی ہیں۔ اور اس کے باوجود وہ خوب ترقی کر رہے ہیں، اور خوب ان کی عزت ہو رہی ہے، ان کو کیوں ترقی ہو رہی ہے؟

بات اصل میں یہ ہے کہ تم صاحب ایمان ہو، تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے، تم جب تک ان کے قدموں پر سر نہیں رکھو گے، اس وقت تک اس دنیا میں تمہاری پٹائی ہوتی رہے گی، اور تمہیں عزت حاصل نہیں ہوگی، کافروں کے لئے تو صرف دنیا ہی دنیا ہے، وہ اس دنیا میں ترقی کریں، عزت کرائیں، جو چاہے کرائیں، تم اپنے آپ کو ان پر قیاس مت کرو، چودہ سو سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، جب تک مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کیا، اس وقت تک عزت بھی پائی، شوکت بھی حاصل کی، اقتدار بھی حاصل

کیا، لیکن جب سے سنتیں چھوڑ دی ہیں اس وقت سے دیکھ لو، کیا حالت ہے۔

اپنی زندگی کا جائزہ لیں

بہر حال! تقریریں تو ہوتی رہتی ہیں، جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس تقریر کے نتیجے میں ہمارے اندر کیا فرق واقع ہوا؟ اس لئے آج ایک کام کا عہد کریں کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ اور کونسی سنت پر عمل نہیں کر رہے ہیں۔ اور کونسی سنت ایسی ہے جس پر ہم فوراً عمل شروع کر سکتے ہیں۔ اور کونسی سنت ایسی ہے جس میں تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے؟ لہٰذا جو سنت ایسی ہے جس پر ہم فوراً عمل شروع کر سکتے ہیں، وہ آج سے شروع کر دیں۔ اور اس کا اہتمام کریں۔

اللہ کے محبوب بن جاؤ

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ بیت الخلاء یا غسل خانے میں داخل ہو رہے ہو، بایاں پاؤں پہلے داخل کر دو، اور داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لو کہ "**اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث**" اور یہ نیت کر لو کہ یہ کام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کر رہا ہوں، بس پھر جس وقت یہ کام کرو گے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہو جائے گی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ:

"**فاتبعونی یحببکم اللہ**" (سورہ ال عمران: ۳۱)

"اگر تم میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لیں گے" لہٰذا اگر چھوٹے چھوٹے کام، سنت کا لحاظ کرتے ہوئے کر لئے جائیں، بس محبوبیت حاصل ہونے لگے گی، اور جب سراپا اتباع بن جاؤ گے تو کامل محبوب ہو جاؤ گے، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میں نے مدتوں اس بات کی ریاضت اور مشق کی ہے کہ گھر میں داخل ہوا، کھانا سامنے چنا ہوا ہے، بھوک شدت کی لگی ہوئی ہے۔ اور کھانے کو دل چاہ رہا ہے...... لیکن ایک لمحے کے لئے رک گئے کہ کھانا نہیں کھائیں گے، پھر دوسرے لمحے دل میں یہ خیال لائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی کہ جب آپ

کے سامنے اچھا کھانا آتا تھا تو آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کر کے کھا لیتے تھے، اب ہم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھانا کھائیں گے...... لہٰذا اب جو کھانا کھایا، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھایا، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت بھی حاصل ہوگئی، اور طبیعت بھی سیر ہوگئی۔

یہ عمل کرلیں

گھر میں داخل ہوئے، اور بچہ کھیلتا ہوا اچھا معلوم ہوا، اور دل چاہا کہ اس کو گود میں اٹھالیں، لیکن ایک لمحے رک گئے کہ نہیں اٹھائیں گے، پھر دوسرے لمحے دل میں یہ خیال لائے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر شفقت فرماتے ہوئے ان کو گود میں اٹھالیا کرتے تھے، میں بھی آپ کی اتباع میں بچے کو گود میں اٹھاؤں گا، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں جب بچے کو اٹھایا تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا ذریعہ بن گیا...... دنیا کا کوئی ایسا کام نہیں ہے جس میں اتباع سنت کی نیت نہ کرسکتے ہوں، آپ کی سنتوں پر کتاب چھپی ہوئی ہے "اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" وہ کتاب سامنے رکھ لیں۔ ایک ایک سنت دیکھتے جائیں اور اپنی زندگی میں داخل کرتے جائیں، پھر دیکھو گے انشاء اللہ ان سنتوں کا کیسا نور حاصل ہوتا ہے، اور پھر تمہارا ہر دن سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دن ہوگا، اور ہر لمحہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لمحہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کے انقلابی اثرات

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ

محسن انسانیت، سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لئے ایک عظیم اور مثالی معلم بن کر تشریف لائے تھے۔ ایسے معلم جن کی تعلیم وتربیت نے صرف تیئس سال کی مختصر مدت میں نہ صرف پورے جزیرہ عرب کی کایا پلٹ کر رکھ دی، بلکہ پوری دنیا کے لئے رشد و ہدایت کی وہ ابدی قندیلیں بھی روشن کر دیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کو عدل وانصاف، امن وسکون اور عافیت واطمینان کی راہ دکھاتی رہیں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس سال کی مختصر سی مدت میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اس کی برق رفتاری اور اس کے ہمہ گیر اثرات نے ان لوگوں کو بھی انگشت بدنداں کر دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے سخت مخالف رہے ہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت ہی کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ تیئس سال کی مختصر مدت میں صحرائے عرب کے جو وحشی علم ومعرفت اور تہذیب وتمدن سے بالکل کورے تھے وہ پوری دنیا میں علم وحکمت اور تہذیب وشائستگی کے چراغ روشن کرتے ہیں، جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے وہ آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں، جہاں ہر طرف قتل وغارت گری کی آگ بھڑک رہی تھی وہاں امن وآتشی کے گلاب کھل اٹھتے ہیں، جہاں ظلم وبربریت کا دور دورہ تھا وہاں عدل وانصاف کی شمعیں روشن ہو جاتی ہیں، جہاں پتھر کے بتوں کو سجدے کئے جاتے تھے، وہاں توحید کا پرچم لہرانے لگتا ہے اور بالآخر عرب کے ہی صحرا نشین جو اپنی جہالت کی وجہ سے دنیا بھر میں ذلیل وخوار تھے ایران وروم کی عظیم سلطنتوں کے وارث بن جاتے ہیں اور ساری دنیا ان کے عدل وانصاف اور ان کی

شرافت نفس کے گن گانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا جو سو فیصد نتیجہ دنیا نے دیکھا ہے تاریخ انسانیت کی اور معلم کے یہاں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آج کی اس مختصر سی نشست میں ہم اسی بات کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی وہ کیا بنیادی خصوصیات تھیں جنہوں نے دنیا بھر میں یہ حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔

موضوع تو بڑا طویل اور تفصیل کا محتاج ہے مختصر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تعلیم و تربیت کی تمام خصوصیات کا احاطہ کسی بھی انسان کے لئے ممکن نہیں ہے لیکن میں یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تربیت کی صرف ان خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اپنی محدود بصیرت اور مطالعے کی حد تک مجھے سب سے زیادہ بنیادی خصوصیات معلوم ہوتی ہیں۔

پہلی خصوصیت

ان میں سے پہلی خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت، دلسوزی و خیر خواہی اور رحم دلی و نرمی ہے چنانچہ خود قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کا ذکر فرما کر اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا بہت بڑا سبب قرار دیا ہے۔ ارشاد پاک ہے:

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب

لا نفضوا من حولك

”پس یہ اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بناء پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کے لئے نرم خو ہو گئے اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔“

جس شخص نے بھی سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پوری سیرت اس بات کی گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کبھی ایک لمحے کے لئے انتقام کا جذبہ پیدا نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر غضب ناک ہونے کے بجائے ان پر ترس کھاتے تھے کہ یہ لوگ کیسی سنگین گمراہی میں مبتلا ہیں، اور ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ وہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے حق بات ان کے دل میں اتر جائے اور یہ ہدایت کے راستے پر آ جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے معلم نہ تھے کہ محض کوئی کتاب پڑھا کر یا درس دے کر فارغ ہو بیٹھتے ہوں اور یہ سمجھتے ہوں کہ میں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا اس کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زیر تربیت افراد کی زندگی کے ایک ایک شعبے میں داخل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہر دکھ درد میں شریک اور ہر لمحے ان کی فلاح و بہبود کے لئے فکر مند رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی وصف کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم.

”بلاشبہ تمہارے پاس تمہی میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے اور جو تمہاری بھلائی کا بے حد حریص ہے اور مسلمانوں پر بے حد مشفق اور مہربان ہے۔“

علامہ نورالدین ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع الزوائد میں مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ اور معجم طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آ کر عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے۔“ ذرا تصور تو کیجئے کہ کیا فرمائش کی جا رہی ہے ایک ایسے گھناؤنے گناہ کو حلال قرار دینے کی فرمائش جس کی قباحت و شناعت پر دنیا بھر کے مذاہب و ادیان متفق ہیں اور یہ فرمائش کس سے کی جا رہی ہے؟ اس برگزیدہ ہستی سے جس کی عصمت و عفت کے آگے فرشتوں کا بھی سر جھک جاتا ہے، کوئی اور ہوتا تو اس نوجوان کو مار پیٹ کر یا کم از کم ڈانٹ ڈپٹ کر باہر نکلوا دیتے لیکن یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کا کام برائی پر خفگی کا اظہار کر کے پورا نہیں ہو جاتا تھا، بلکہ جو اس برائی کے علاج کو بھی اپنا فریضہ سمجھتے تھے، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس نوجوان کے خلاف بغض وغضب کے بجائے ہمدردی اور رحم کے جذبات پیدا ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناراض ہونے کے بجائے اسے پیار کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ اپنے قریب بٹھایا، اس کے کندھے پر مشفقانہ ہاتھ رکھا اور محبت بھرے لہجے میں فرمایا: ”اچھا یہ بتاؤ کہ جو عمل تم کسی اجنبی خاتون کے ساتھ کرنا چاہتے ہو اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری ماں کے ساتھ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو گوارا کرو گے؟“ نوجوان کے ذہن وفکر کے بند دریچے ایک ایک کر کھلنے لگے، اس نے کہا ”نہیں یارسول اللہ! “ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ”تو پھر دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے یہ بات پسند نہیں کرتے، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص تمہاری بہن کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو کیا تم اس کو گوارا کرلو گے؟“ نوجوان نے عرض کیا: ”نہیں یارسول اللہ!“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو بات تمہیں اپنی بہن کے لئے گوارا نہیں، دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے ساتھ اسے پسند نہیں کرتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اس نوجوان کو مثالیں دے دے کر سمجھاتے رہے اور آخر میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا بھی فرمائی کہ ”اللھم اغفر ذنبہ و طھر قلبہ و حصن فرجہ “ یااللہ! اس کے گناہ کو معاف فرمادیجئے اور اس کے قلب کو پاک کردیجئے، اور اس کی شرم گاہ کو عفت عطا فرمایئے“ یہاں تک کہ جب وہ مجلس سے اٹھا تو اس گھناؤنے عمل سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو چکا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نوجوان پر غیظ وغضب کا اظہار کر کے اپنے مشتعل جذبات کی تسکین کرسکتے تھے، اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نوجوان کی زندگی تباہ ہوتی نظر آرہی تھی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم خوئی، حکمت اور تدبر و تحمل کا عمل تھا کہ وہ نوجوان ہلاکت کے گڑھے سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگیا، کاش کہ آج کے معلمین، اساتذہ، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل پیرا ہوسکیں تو آج انہیں اپنے جوانوں کی بے راہ روی کی شکایت نہ رہے۔

دوسری خصوصیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تعلیم و تربیت کی دوسری اہم خصوصیت جسے میں اہمیت کے ساتھ اس وقت ذکر کرنا چاہتا ہوں اور جو احقر کی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

انداز تربیت کی سب سے زیادہ مؤثر مثال ہے اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو جس جس بات کی تعلیم دی، اس کا بذات خود عملی نمونہ بن کر دکھایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ ونصائح اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت صرف دوسروں کے لئے نہ تھی، بلکہ سب سے پہلے اپنی ذات کے لئے تھی، اللہ تعالیٰ نے بہت سے معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رخصت وسہولت عطا فرمائی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رخصت وسہولت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنے آپ کو دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح رہنے کو پسند فرمایا۔

تیسری خصوصیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کی تلقین فرمائی۔ تو خود اپنا عالم یہ تھا کہ دوسرے اگر پانچ وقت نماز پڑھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اکثر وقت نماز ادا فرماتے تھے، جس میں چاشت، اشراق اور تہجد کی نمازیں شامل تھیں، تہجد کی نماز عام مسلمانوں کے لئے واجب نہ تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی، اور تہجد بھی ایسی کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آجاتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف نہیں فرمادیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ کرم فرمایا ہے، لیکن کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو نماز باجماعت کی تعلیم دی تو خود یہ عمل کرکے دکھایا کہ ساری زندگی نماز کی جو پابندی فرمائی وہ تو اپنی جگہ ہے، عین مرض وفات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی جماعت کو نہیں چھوڑا، بلکہ دو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے کندھے کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے، اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔

چوتھی خصوصیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ عام مسلمان اگر فرض روزے رکھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی مہینہ

روزوں سے خالی نہ تھا، عام مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ صبح کو روزہ رکھیں اور شام کو افطار کرلیا کریں، لیکن خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی روز مسلسل اس طرح روزے رکھتے کہ رات کے وقت میں بھی کوئی غذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں نہیں جاتی تھی۔

پانچویں خصوصیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو زکوٰۃ دینے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی تاکید فرمائی، تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی میں اس کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ عام مسلمانوں کو اپنے مال کا چالیسواں حصہ فریضے کے طور پر دینے کا حکم تھا، اور اس سے زیادہ حسب توفیق خرچ کرنے کی تلقین کی جاتی تھی، لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ اپنی فوری ضرورت کو نہایت سادہ طریقے سے پورا کرنے کے بعد اپنی ساری آمدنی ضرورت مند افراد میں تقسیم فرمادیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تک گوارا نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتی ضرورت سے زائد ایک دینار بھی گھر میں باقی رہے۔

ایک مرتبہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً گھر میں تشریف لے گئے اور جلد ہی باہر واپس آئے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے وجہ پوچھی تو فرمایا: ''مجھے نماز میں یاد آیا کہ سونے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، مجھے خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات کو غریب سوتے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پڑا رہ جائے'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں تشریف لائے، میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا: ''ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہوگئی وہ بستر پر سوئے رہ گئے، حد یہ ہے کہ مرض وفات کی حالت میں جب کہ بیماری کی تکلیف نے سخت بے چین کیا ہوا تھا، جب یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں، فوراً حکم دیتے ہیں کہ ''انہیں خیرات کردو، کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے اس طرح ملاقات کریں کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔''

عام مسلمانوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ تھی کہ جوش میں آکر اپنی ساری

پونجی خیرات کر دینا مناسب نہیں بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق مال اپنے پاس رکھ کر باقی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، لیکن مسلمانوں کو اس تعلیم کا عادی بنانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کا یہ نمونہ پیش فرمایا کہ گھر میں کوئی نقدی باقی نہ چھوڑی تا کہ لوگ اس مثالی طرز عمل کو دیکھ کر کم سے کم اس حد تک آسکیں جو اسلام کو عام مسلمانوں سے مطلوب ہے۔

چنانچہ انسانیت کے اس معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ:

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون

"تم نیکی کا مقام ہرگز اس وقت تک حاصل نہ کر سکو گے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔"

صحابہ کرم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس آیت پر عمل کرنے کے لئے مسابقت کا جو غیر معمولی مظاہرہ فرمایا وہ تاریخ انسانیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنی پسندیدہ ترین اشیاء خیرات کر دیں، اور اپنی محبوب چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا، جنہیں وہ سالہا سال سے حرز جان بنائے ہوئے تھے۔

چھٹی خصوصیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو زہد و قناعت کی تعلیم دی، تو خود اپنی زندگی میں اس کا عملی نمونہ کر کے دکھایا، غزوۂ احزاب کے موقع پر جب بعض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شدت کی شکایت کی اور اپنا پیٹ کھول کر دکھایا کہا کہ اس پر پتھر بندھا ہوا ہے تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں اپنا بطن مبارک کھول کر دکھایا جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

ساتویں خصوصیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مساوات اور بھائی چارے کی تعلیم دی تو سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا کہ اگر دوسرے مسلمان عام سپاہی کی حیثیت میں مدینہ طیبہ

کے دفاع میں خندق کھودنے کی مشقت برداشت کرے تو ان کا آقا اور امیر (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف قیادت و نگرانی کا فریضہ انجام نہیں دے رہا تھا، بلکہ یہ بہ نفس نفیس ان کو لے کر خندق کھودنے میں شریک تھا اور زمین کا جتنا ٹکڑا ایک عام سپاہی کو کھودنے کے لئے دیا گیا ہے اس سے زیادہ ٹکڑا اس نے اپنے ذمے لیا تھا۔

آٹھویں خصوصیت

ایثار کی تعلیم ہر معلم اخلاق نے دی ہے، لیکن عموماً یہ تعلیم معلم کے الفاظ اور فلسفے سے آگے نہیں اس کے برخلاف انسانیت کے اس معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے ایثار کے الفاظ کم استعمال کئے، اور عمل سے اس کی تعلیم زیادہ دی۔ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی صاحبزادی ہیں اور مرتبے کے لحاظ سے صرف عرب کی نہیں بلکہ دونوں جہان کی قابل احترام شہزادی ہیں، لیکن چکی پیستے پیستے ان کی ہتھیلیاں گل گئی ہیں وہ آ کر درخواست کرتی ہیں کہ مجھے کوئی خادمہ دلوادی جائے لیکن مشفق باپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جواب یہ ملا کہ ”فاطمہ ابھی صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا، اس لئے تمہاری خواہش پر عمل ممکن نہیں۔“

نویں خصوصیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صبر و تحمل اور عفو و درگزر کا درس دیا تو خود اس پر عمل پیرا ہو کر دکھلایا، ایک مرتبہ کسی شخص کا کچھ قرضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا، اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض کا مطالبہ کیا، اور غصہ دلانے کے لئے کچھ گستاخانہ الفاظ استعمال کئے ساری دنیا جانتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حقوق العباد کی ادائیگی کا کس قدر اہتمام تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے مطالبے کے بغیر ہی اس کا قرض ضرور چکاتے، اس لئے اس شخص کے پاس اس کا کوئی جواز نہ تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس شخص کا یہ گستاخانہ انداز دیکھا تو اسے اس گستاخی کا مزا چکھانا چاہا، لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تمام تر اشتعال انگیز اور

تکلیف دہ رویے کو دیکھنے کے باوجود صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرماتے ہیں کہ:

دعوہ فان لصاحب الحق مقالاً.

"اسے رہنے دو، وہ صاحب حق ہے اور صاحب حق کو بات کہنے کی گنجائش ہوتی ہے۔"

دسویں خصوصیت

عفو و درگذر کا جو معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا، وہ تو ساری دنیا کو معلوم ہے کہ جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے لئے ظلم و ستم کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا تھا، انہی لوگوں پر فتح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان عام فرما دیا کہ:

لا تثریب علیکم الیوم ، اذھبوا فانتم الطلقاء.

"آج کے دن تم پر کچھ ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تعلیم و تربیت جس نے دشمنوں تک کے دل جیتے ہیں اور جس نے ایک وحشی قوم کو تہذیب کے بام عروج تک پہنچایا، اس کی سب سے بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ وہ تعلیم محض ایک فکر اور فلسفہ نہیں تھی جسے الفاظ کا خول چڑھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کے سامنے پیش کر دیا، بلکہ وہ ایک متواتر اور پیہم عمل سے ثابت تھی، آپ کی مبارک زندگی کی ہر ہر ادا مجسم تعلیم تھی، چنانچہ اگر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا استقراء کر کے دیکھا جائے تو اس میں قولی احادیث کی تعداد کم ہے اور عملی احادیث کی تعداد زیادہ ہے۔ علامہ علی متقوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اب تک احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے جامع ذخیرہ سمجھی جاتی ہے، اس کتاب میں علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ہر باب کے تحت قولی احادیث اور فعلی احادیث کو الگ الگ ذکر کیا ہے۔ اگر اس کتاب ہی کا جائزہ لے لیا جائے تو بیشتر عنوانات کے تحت قولی احادیث کا حصہ مختصر اور فعلی احادیث کا حصہ زیادہ طویل نظر آتا ہے جس سے یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے روئے زمین پر جو حسین و دلکش انقلاب برپا فرمایا، اس میں

زبانی تعلیم کا حصہ کم عملی تعلیم کا حصہ زیادہ ہے۔

تقریر نہیں تاثیر کی ضرورت

آج اگر ہم اساتذہ کی تعلیم، واعظوں کے وعظ اور خطیبوں کی تقریریں نتائج کے اعتبار سے بے جان اور معاشرہ کے عظیم کام کے لئے بے اثر نظر آتی ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ آج ہمارے معلموں، واعظوں اور اسلافوں کے پاس صرف دلکش الفاظ اور خوشنما فلسفے تو ضرور ہیں لیکن ہماری عملی زندگی ان دلکش الفاظ اور خوشنما فلسفوں سے متضاد ہے اور ایسی تعلیم وتربیت نہ صرف یہ کہ کوئی مفید اثر نہیں چھوڑتی، بلکہ بسا اوقات اس کا الٹا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخاطب شدید ذہنی کشمکش اور فکری انتشار کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے، استاد کا بیان کیا ہوا زبانی فلسفہ اور مقرر کی شعلہ بیان تقریریں ایک محدود وقت کے لئے انسانوں کو اپنی طرف متوجہ ضرور کر لیتی ہیں، لیکن جب تک اس کے ساتھ معلیٰ نمونہ نہ ہو تو ان تقریروں سے صرف کان متاثر ہوتے ہیں اور بہت زیادہ ہوا تو عقل ان کی صحت کو تسلیم کر لیتی ہے لیکن دلوں کو متاثر کرنے اور زندگی کی کایا پلٹنے کا عظیم کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک معلم کی تعلیم اور واعظ کا وعظ خود اس کی اپنی زندگی میں مکمل طور پر رچا بسا ہوا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے معلموں اور واعظوں کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس راز کو سمجھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی صحیح معنی میں پیروی کر سکیں۔ آمین

جشن عید کا شرعی جائزہ

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

ربیع الاول کا مہینہ گویا عشاق رسول کیلئے جشن بہاراں سے کم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و وفات کے اس ماہ میں ہمارے معاشرہ میں محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرنے والے کس قسم کی بدعات ورسومات کوادا کرتے ہوئے حدود شرعیہ سے تجاوز کر جاتے ہیں ذیل میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' سے چند اقتباسات جو کہ اپنے موضوع پر کافی شافی ہیں دیے جاتے ہیں۔

۱۲ ربیع الاول کو آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ''جشن عید'' منایا جاتا ہے۔ اور آج کل اسے اہل سنت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے، اس کے بارے میں چند ضروری نکات پیش خدمت ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب وروز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روح ایمان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمہ چشم بصیرت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صغر سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شباب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر وفکر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت ونماز، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد وتقویٰ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم وخشیت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح وجنگ، خفگی وغصہ، رحمت

وشفقت، تبسم ومسکراہٹ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت و سکون امت کے لئے اُسوۂ حسنہ اور اکسیر ہدایت ہے اور اس کا سیکھنا سکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا، دعوت دینا امت کا فرض ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احباب واصحاب، ازواج واولاد، خدام وعمال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس وپوشاک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیاروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں، خچروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عین عبادت ہے کیونکہ یہ دراصل ان چیزوں کا تذکرہ نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا تذکرہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حیات طیبہ کے دو حصے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دو حصے ہیں، ایک ولادت شریفہ سے لے کر قبل از نبوت تک کا، اور دوسرا بعثت سے لے کر وصال شریف تک کا پہلے حصہ کے جستہ جستہ بہت سے واقعات حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور حیات طیبہ کا دوسرا حصہ۔۔۔ جسے قرآن کریم نے امت کے لئے "اُسوۂ حسنہ" فرمایا ہے۔۔۔ اس کا مکمل ریکارڈ حدیث وسیرت کی شکل میں محفوظ ہے۔ اور اس کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہمہ خوبی وزیبائی گویا ہماری آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کی ایک ایک ادا اس میں صاف جھلک رہی ہے۔

بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور اس امت مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ ان کے پاس ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے، اور وہ ایک ایک واقعہ کے بارے میں دلیل وثبوت کے ساتھ نشاندہی کر سکتی ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟۔۔۔ اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جن کے پاس ان کے ہادی کی

زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ موجود ہو۔۔۔۔ یہ نکتہ ایک مستقل مقالے کا موضوع ہے، اس لئے یہاں صرف اسی قدر اشارے پر اکتفا کرتا ہوں۔

سیرت طیبہ بیان کرنے کے دو طریقے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ایک ایک نقشے کو اپنی زندگی کے ظاہر و باطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی کی صورت و سیرت، چال ڈھال، رفتار و گفتار، اخلاق و کردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مرقع بن جائے، اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے۔۔۔۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے ہر مجلس و محفل کو معمور و معطر کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت اعمال و اخلاق اور طریقوں کا تذکرہ کیا جائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر نقش قدم پر مر مٹنے کی کوشش کی جائے، سلف صالحین صحابہ و تابعین اور ائمہ ہدیٰ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے اور ہر محفل و مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا آخری لمحات میں بھی اتباعِ سنت

آپ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ سنا ہوگا کہ ان کے آخری لمحات حیات میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لئے آیا، واپس جانے لگا تو حضرت نے فرمایا برخوردار تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچی ہے، اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔۔۔ ان کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اپنانے کا اس قدر شوق تھا کہ جب حج پر تشریف لے جاتے تو جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر حج میں پڑاؤ کیا تھا وہاں اترتے جس درخت کے

نیچے آرام فرمایا تھا اس درخت کے نیچے آرام کرتے، اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فطری ضرورت کے لئے اُترے تھے، خواہ تقاضا نہ ہوتا تب بھی وہاں اُترتے، اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اس کی نقل اتارتے۔۔۔۔ رضی اللہ عنہ یہی عاشقانِ رسول تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کے قدم قدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ صرف اوراق کتب کی زینت نہیں رہی بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوئی، اور اس کو بوئے عنبرین نے مشام عالم کو معطر کیا، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جن کی زبان نہیں جانتے تھے۔ نہ وہ ان کی لغت سے آشنا تھے مگر ان کی شکل و صورت، اخلاق و کردار اور اعمال و معاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بے دام بن گئے یہ سیرت نبوی کی کشش تھی جس کا پیغام ہر مسلمان اپنے عمل سے دیتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی حق

سلف صالحین نے کبھی سیرت النبی کے جلسے نہیں کئے، اور نہ میلاد کی محفلیں سجائیں، اس لئے کہ وہاں ”ہر روز“ روز عید اور ہر شب ”شب براٗت“ کا قصہ تھا، ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی ”سیرت النبی“ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، جب ان کی ہر محفل و مجلس کا موضوع ہی سیرت طیبہ تھا اور جب ان کا ہر قول و عمل سیرت النبی کا مدرسہ تھا تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آسکتی تھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے بعد ہوتا گیا عمل کے بجائے قول کا اور کردار کے بجائے گفتار کا سکہ چلنے لگا۔۔۔۔ الحمد للہ یہ اُمت کبھی بانجھ نہیں ہوئی۔ آج اس گئے گزرے دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا آئینہ سامنے رکھ کر اپنی زندگی کے گیسو کا کل سنوارتے ہیں، اور ان کے لئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت ملک سلیمان اور گنج قارون سے زیادہ قیمتی ہے، لیکن شرمساری کے ساتھ یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ ایسے لوگ کم ہیں جبکہ ہم میں سے اکثریت بدنام کنندہ گپوڑوں اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دو

بار سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نعرے لگا کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ ان کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق تھا وہ فرض انہوں نے پورا ادا کر دیا، اور اب ان کے لئے شفاعت واجب ہو چکی ہے، مگر ان کی زندگی کے کسی گوشے میں دور دور تک سیرت طیبہ کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت کے ایک ایک نشان کو انہوں نے اپنی زندگی کے دامن سے کھرچ کھرچ کر صاف کر ڈالا ہے، اور روزمرہ نہیں بلکہ ہر لحہ اس کی مشق جاری رہتی ہے، مگر ان کے پتھر دل کو کبھی احساس تک نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سنتوں اور اپنے طریقوں کے مٹنے سے کتنی تکلیف اور اذیت ہوتی ہوگی، وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ بس قوالی کے دو چار نغمے سننے، نعت شریف کے دو چار شعر پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

میلاد النبی کا پس منظر

میلاد کی محفلوں کے وجود سے امت کی چھ صدیاں خالی گزرتی ہیں اور ان چھ صدیوں میں جیسا کہ مسلمانوں نے کبھی ''سیرت النبی'' کے نام سے کوئی جلسہ یا ''میلاد'' کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی، ''محفل میلاد'' کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۲ھ میں سلطان ابو سعید مظفر اور ابو الخطاب ابن دحیہ نے کیا، جس میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں۔

(۱) بارہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعین،

(۲) علماء و صلحاء کا اجتماع،

(۳) اور ختم محفل پر طعام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب، ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مؤرخین نے ان کو فاسق و کذاب لکھا ہے اور بعض نے عادل و ثقہ، واللہ اعلم۔

جب یہ نئی رسم نکلی تو علمائے امت کے درمیان اس کے جواز و عدم جواز کی بحث چلی، علامہ فاکہانیؒ اور ان کے رفقاء نے ان خود ساختہ قیود کی بنا پر اس میں شرکت سے عذر کیا اور اسے ''بدعت سیئہ'' قرار دیا، اور دیگر۔۔۔۔۔ علماء نے سلطان کی ہم نوائی کی، اور ان قیود کو

مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو صرف ''علماء صلحاء کے اجتماع'' تک محدود نہ رہی بلکہ عوام کے دائرے میں آ کر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختہ مشق بنتی چلی گئی، آج ہمارے سامنے عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو ترقی یافتہ شکل موجود ہے (اور ابھی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں مزید کتنی ترقی مقدر ہے) اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

مروّجہ میلاد النبی کا شرعی جائزہ

سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہ و تابعین کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں، آج وہ ''اسلام کا شعار'' کہلاتا ہے، اس شعار اسلام کو زندہ کرنے والے ''عاشقان رسول'' کہلاتے ہیں۔ اور جو لوگ اس نو ایجاد شعار اسلام سے نا آشنا ہوں ان کو۔۔۔۔۔ دشمنانِ رسول تصور کیا جاتا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خود تراشیدہ شعار اسلام سے محروم رہے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ سب نعوذ باللہ دشمنان رسول تھے؟ اور پھر انہوں نے اس بات پر کبھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان تو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہو گیا تھا، اس کے بعد وہ کونسا پیغمبر آیا تھا جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لئے شعار اسلام بنا دیا، جس سے چھ صدیوں کے مسلمان نا آشنا تھے؟ کیا اسلام میرے یا کسی کے ابا کے گھر کی چیز ہے کہ جب چاہو اس کی کچھ چیزیں حذف کر دو، اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کر ڈالو؟

برسی منانے کی رسم

دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیان مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر ''عید میلاد النبیؐ'' منائی جاتی ہے، اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم کر دیا تھا اور اس

میں دو حکمتیں تھیں، ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اسلام کی دعوت اور اس کی روح و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، اسلام اس ظاہری سج دھج، نمود و نمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں، وہ اس شور و شغب اور ہاؤ ہو سے ہٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے، اور عقائد حقہ، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی تربیت سے ''انسان سازی'' کا کام کرتا ہے۔ اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے جن کے بارے میں کہا گیا ہے۔

''جگمگاتے در و دیوار دل بے نور ہیں''

دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص موسم میں برگ و بار نہیں لاتا، بلکہ وہ تو ایسا سدا بہار شجر طوبیٰ ہے، جس کا پھل اور سایہ دائم و قائم ہے۔ گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں ''اکلھا دائم و ظلھا'' کہنا بجا ہے، اس کی دعوت اور اس کا پیغام اور کسی خاص تاریخ کا مرہون منت نہیں بلکہ آفاق و ازمان کو محیط ہے۔

کس کس ہستی کا دن منایا جائے

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہوں گی جن کی سالگرہ منا کر وہ فارغ ہو جاتی ہیں، اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں ایسی قد آور ہستیاں موجود ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان کی بلندیاں ہیچ اور نورانی فرشتوں کا تقدس گرد راہ ہے، اسلام کے پاس کم و بیش سوا لاکھ کی تعداد تو ان انبیاء کی ہے۔۔۔ جو انسانیت کے ہیرو ہیں اور جن میں سے ایک ایک کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرامؓ کا قافلہ ہے ان کی تعداد بھی سوا لاکھ سے کیا کم ہوگی؟ پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں اکابر اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رشد و ہدایت کے مینارۂ نور تھے اور جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں، اب اگر اسلام شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجئے اس اُمت کو سال بھر میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لئے ایک لمحہ کی بھی فرصت ہوتی؟............

یوم ولادت کا جشن بدعت و گمراہی

چونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ و تابعین کے بعد چھ صدیوں تک امت کا مزاج اس کو قبول نہ کر سکا۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزندان تثلیث نے صلیبی جنگیں لڑیں اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالم اسلام کو روند ڈالا ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی و خارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ گیا تھا۔ ادھر مسیحیت کا عالم اسلام پر فاتحانہ حملہ ہوا اور مسلمانوں میں مفتوح قوم کا سا احساس کمتری پیدا ہوا، اس لئے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ''یوم ولادت'' کا جشن منانے لگی یہ قوم کے کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا تاہم جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اُمت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر آج تک علمائے امت نے اسے ''بدعت'' قرار دیا اور اسے ''ہر بدعت گمراہی ہے'' کے زمرے میں شمار کیا۔

تیسری عید۔۔۔دین میں کھلی تحریف

اگرچہ ''میلاد'' کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہو چکی تھی اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کئے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اسے ''عید'' کا نام دیتا، مگر اب چند سالوں سے اس سالگرہ کو ''عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کہلانے کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔

دنیا کا کون سا مسلمان اس سے ناواقف ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے ''عید'' کے دو دن مقرر کئے ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو بھی ''عید'' کہنا صحیح ہوتا، اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کو عید قرار دے سکتے تھے، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ پسندیدہ چیز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ سہی،

خلفائے راشدینؓ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو ''عید'' کہہ کر ''جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی طرح ڈالتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا یہ کہ ہم اس کو ''عید'' کہنے میں غلطی پر ہیں، یا یہ نعوذ باللہ ہمیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی خوشی ہے مگر صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کو کوئی خوشی نہیں تھی، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے۔۔۔۔

وفات کے دن خوشی کیسی

ستم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں تو اختلاف ہے، بعض ۹ ربیع الاول بتاتے ہیں، بعض ۸ ربیع الاول، اور مشہور بارہ ربیع الاول ہے، لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ ۱۲ ربیع الاول ہی کو ہوئی۔۔۔ گویا ہم نے ''جشن عید'' کے لئے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے داغ مفارقت دے گئے اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ ''جشن عید'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ پر مناتے ہو؟ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خوشی میں؟ (نعوذ باللہ) تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہوگا۔

بہر حال میں اس دن کو ''عید'' کہنا معمولی بات نہیں سمجھتا، بلکہ اس کو صاف صاف تحریف فی الدین سمجھتا ہوں، اس لئے کہ ''عید'' اسلامی اصطلاح ہے اور اسلامی اصطلاحات کو اپنی خود رائی سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔

ظلم پر ظلم

اور پھر یہ ''عید''، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے وہ بھی لائق شرم ہے، بے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں، موضوع اور من گھڑت قصے کہانیاں جن کا حدیث وسیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں، بیان کی جاتی ہیں، شور وشغب ہوتا ہے، نمازیں غارت ہوتی ہیں اور نا معلوم کیا کیا ہوتا ہے،

کاش! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جو ''بدعت'' ایجاد کی گئی تھی اس میں

کم از کم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و تقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔

غضب یہ کہ سمجھایہ جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان خرافاتی محفلوں میں بنفس نفیس تشریف بھی لاتے ہیں۔۔۔۔فیا غربۃ الاسلام! (ہائے اسلام کی بیچارگی!)

بیت اللہ اور روضۂ اطہر کی شبیہ

اب میں اس ''عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کارنامہ عرض کرتا ہوں، کچھ عرصہ سے ہمارے کراچی میں ''عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں، لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔۔۔۔اور ''بیت اللہ'' کی خودساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔۔۔اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جارہا ہے۔ فیا اسفاہ!

''جشن عید میلاد'' کی باقی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کردیا گیا ہے۔

قباحت اول

اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے یہ محض اسراف وتبذیر اور فضول خرچی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لئے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث ہے۔ اور خدا کے دیئے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے، ذرا سوچئے! جو مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیتا ہے اس کا ارشاد ان ہزاروں لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں کیا ہوگا؟ اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ فضول خرچی وہ غربت زدہ قوم کررہی ہے جو روٹی، کپڑا، مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے۔ اس فضول خرچی کے بجائے اگر یہی رقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لئے غرباء و مساکین کو چپکے سے نقد دے دی جاتی تو نمائش تو بلاشبہ نہ ہوتی مگر اس رقم سے

سینکڑوں اُجڑے گھر آباد ہو سکتے تھے۔ ان سینکڑوں بچیوں کے ہاتھ پیلے کئے جا سکتے تھے جو اپنے والدین کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہیں۔ کیا یہ فضول خرچی اس قوم کے رہنماؤں کو سجتی ہے، جس کے بہت سے افراد و خاندان نان شبینہ سے محروم اور جان و تن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہوں؟ اور پھر یہ سب کچھ کیا بھی جا رہا ہے کس ہستی کے نام پر؟ جو خود تو پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے، مگر جانوروں تک کی بھوک پیاس سن کر تڑپ جاتے تھے۔ آج کمیونزم اور لادین سوشلزم، اسلام کو دانت دکھا رہا ہے، جب ہم دنیا کی مقدس ترین ہستی۔۔۔۔ کے نام پر یہ سارا کھیل کھیلیں گے تو لادین طبقے دین کے بارے میں کیا تأثر لیں گے؟ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن کریم نے "اخوان الشیاطین" فرمایا تھا، مگر ہماری فاسد مزاجی نے اس کو اعلیٰ ترین نیکی اور اسلامی شعار بنا ڈالا تھا۔

"بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبیت"

قباحت دوم

دوسرے اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے، آپ کو معلوم ہے کہ رافضی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سالانہ برسی منایا کرتے اور اس موقعہ پر تعزیہ، علم، دلدل وغیرہ نکالا کرتے ہیں، انہوں نے جو کچھ حسینؓ اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیا وہی ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کرنا شروع کر دیا، انصاف کیجئے کہ اگر رسول اللہ کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کا سوانگ بنا کر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضہ اطہر اور بیت اللہ کا سا معاملہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیہ اور دلدل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟ افسوس ہے کہ جو ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی ہم نے ان کی تقلید کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کی۔

قباحت سوم

تیسرے اس بات پر بھی غور کیجئے کہ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ شیعوں کے تعزیہ کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا

ہے، سوال یہ ہے کہ اس مصنوعی سوانگ میں اصل روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر و برکت منتقل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس پیدا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر اسمیں کوئی تقدس اور کوئی برکت نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور عبث ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس میں تقدس اور برکت کا کچھ اثر آ جاتا تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضہ مقدسہ اور بیت اللہ شریف سے تقدس اور برکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی اور پھر روضہ شریف اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر اگلے دن اسے توڑ پھوڑ کر دینا کیا ان کی توہین نہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی نہ کسی عاقل کے نزدیک اس میں بادشاہ کا کوئی کمال ہوتا ہے، اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں لائق تعزیر جرم تصور کیا جاتا ہے۔ اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے لیکن آج روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل اسے منہدم کرنے والوں کو احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

قباحت چہارم

جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں، اب رفتہ رفتہ عوام کالانعام اس نو ایجاد ”بدعت“ کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں۔ روضہ اطہر کی شبیہ پر درود و سلام پیش کیا جاتا ہے، اور بیت اللہ شریف کی شبیہ کا باقاعدہ طواف ہونے لگا ہے۔۔۔۔ گویا مسلمانوں کو حج و عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر میں روضے اور بیت اللہ بنا دیئے ہیں، جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے اور طواف بھی ہوتا ہے۔ میرے قلم میں طاقت نہیں کہ میں اس فعل کی قباحت و شناعت اور ملعونیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کر سکوں، ہمارے ائمہ اہل سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک مثال کافی ہے، وہ

یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن جب حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں تو ان کی مشابہت کے لئے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل جمع ہوتے اور حاجیوں کی طرح سارا دن دعاء وتضرع گریہ وزاری اور توبہ استغفار میں گزارتے۔۔۔ اس رسم کا نام ”تعریف“ یعنی عرفہ منانا رکھا گیا تھا۔۔۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہوجاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ واستغفار کی توفیق ہوجایا کرتی، مگر ہمارے علمائے اہل سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی اور فرمایا:

التعریف لیس بشیء.

یعنی اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے۔

شیخ ابن نجیم صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:

”چونکہ وقوف عرفات ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ طواف وغیرہ جائز نہیں، آپ دیکھتے ہیں طواف کعبہ کی مشابہت کے طور پر کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں۔“ (ص ۱۷۶ ج ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ ”میری قبر کو عید نہ بنالینا“ اس میں تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہود ونصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہی کیا تھا اور انہیں حج کی طرح عید اور موسم بنالیا تھا“ (حجۃ اللہ البالغہ)

شیخ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مناسک میں فرماتے ہیں کہ طواف کعبہ شریف کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس لئے انبیاء اولیاء کے قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے، جاہل لوگوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں، خواہ وہ مشائخ وعلماء کی شکل میں ہوں“ (بحوالہ الجنۃ لاہل السنۃ ص ۷)

اور البحر الرائق، کفایہ شرح ہدایہ اور معرج الدرایہ میں ہے کہ ”جو شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے۔ اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔“ (الجنۃ لاہل السنۃ ص ۷)

ان تصریحات سے معلوم ہوسکتا ہے کہ روضہ اطہر اور کعبہ شریف کا سوانگ بنا کر ان کے

ساتھ اصل کا سا جو معاملہ کیا جاتا ہے ہمارے اکابر اہل سنت کی نظر میں اس کی کیا حیثیت ہے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ کہ ''جشن عید میلاد'' کے نام پر جو خرافات رائج کردی گئی ہیں۔ اور جن میں ہر آئے سال مسلسل اضافہ کیا جارہا ہے، یہ اسلام کی دعوت، اس کی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہیں، میں اس تصور سے پریشان ہوجاتا ہوں کہ ہماری ان خرافات کی روائداد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں پیش ہوتی ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزرتی ہوگی؟ اور اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہمارے درمیان موجود ہوتے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا؟ بہرحال میں اس کو نہ صرف ''بدعت'' بلکہ تحریف فی الدین'' تصور کرتا ہوں۔

سیرت کے جلسے

چند اصلاح طلب پہلو!

مولانا ابن الحسن عباسی مدظلہ

ویسے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے موضوع پر مختلف اوقات وایام میں سال بھر کانفرنسیں، محفلیں اور جلسے منعقد ہوتے رہتے ہیں، لیکن ماہ ربیع الاول کی آمد کے ساتھ ہی ان کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ ایک مسلمان کی عقیدت ومحبت اس کے ایمان کا حصہ اور اس کی فطرت کا لازوال جزء ہے اور فتنوں اور گناہوں کے اس گھٹا ٹوپ دور میں بھی الحمدللہ ایک عام مسلمان کا یہ سرمایہ کافی حد تک محفوظ ہے، وہ آپ کے نام وآبرو پر جان نثار کرنے اور آگے بڑھ کر گردن کٹوانے کو مایہ فخر ہی نہیں، بجا طور پر اپنے لئے ذریعہ نجات بھی سمجھتا ہے۔

لیکن محبت وعقیدت کے لطیف وحساس جذبات کے ساتھ ہمیشہ سے یہ المیہ رہا ہے کہ اگر ان کی حدود کی پاسبانی اور کڑی نگرانی نہ کی جائے تو وہ قباحتوں پر مشتمل اظہار کی ایسی ایسی شکلیں اختیار کرجاتے ہیں جن میں محبت وعقیدت کے اصل تقاضوں کو سرے سے ہی پامال کردیا جاتا ہے...... ہمارے آج کے معاشرے میں ربیع الاول کے مہینے میں بڑھتے ہوئے سیرت کے جلسے کچھ ایسی ہی بے اعتدالی کی صورت اختیار کرتے جارہے ہیں، ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت موضوع کے حوالے سے کانفرنسیں، جلسے اور محفلیں منعقد کرتے ہوئے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر پوری دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔

☆...... سیرت کا جو جلسہ ہم کرنے جارہے ہیں، سب سے پہلے اس میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ وہ کسی ایسی جگہ تو منعقد نہیں ہورہا جو عام لوگوں کی گزرگاہ اور آنے جانے کا راستہ ہے، کئی علاقوں میں عام راستوں کو ٹینٹ اور خیمے لگا کر کئی گھنٹوں کے لئے بند کردیا

جاتا ہے اور پھر غضب یہ کہ بسا اوقات ہر گلی اور ہر راستہ مستقل ایک الگ جلسہ گاہ کی صورت اختیار کر جاتا ہے، اس صورت حال میں اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے خالی راستے کی تلاش میں بہت سے لوگ سرگرداں گھومتے رہتے ہیں، اس قسم کے جلسوں کے منتظمین کو اچھی طرح غور کر لینا چاہئے کہ جس نبی کی پاک سیرت بیان کرنے کے لئے یہ محنت کی جا رہی ہے، اس نبی کا مبارک ارشاد ہے کہ جو شخص راستے کو تنگ یا بند کرے گا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

☆...... یہ پہلو بھی نظر سے ہرگز اوجھل نہیں رہنا چاہئے کہ جلسہ گاہ میں جن برقی قمقموں سے روشنی کا سیلاب بہایا گیا ہے، ان کی بجلی کہاں سے لی گئی ہے اور اس کے خراجات کون اٹھا رہا ہے؟ اگر یہ بجلی ناجائز طریقے سے کنڈہ لگا کر حاصل کی جا رہی ہے تو اس سے بڑھ کر افسوس کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس زرق برق ماحول میں سیرت طیبہ بیان کی جا رہی ہے، اسے ناجائز اور حرام طریقے سے روشن کیا گیا ہو، ایسا ماحول کسی کی اصلاح کا کیا ذریعہ بن سکے گا اور وہاں سے سیرت کا پیغام کیسے عام ہو سکے گا......؟

☆...... سیرت کے جلسوں میں لاؤڈ سپیکر کا بے تحاشا اور بے محابا استعمال بھی قابل توجہ ہے، حاضرین تک آواز پہنچانے کے لئے ضرورت کے وقت اس آلہ کا استعمال شرعی لحاظ سے بلاشبہ جائز ہے لیکن یہ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ہونا چاہئے، بلاضرورت اس کا استعمال جہاں اسراف کے زمرے میں آتا ہے، وہیں یہ بہت سے انسانوں کی تکلیف و ایذاء کا بھی سبب بنتا ہے، افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اکثر جلسوں میں حاضرین کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے اور بعض جگہ تو لاؤڈ سپیکر کی تعداد زیادہ اور حاضرین کی تعداد کم ہوتی ہے لیکن دوسری طرف اس کی آواز سے پورا محلہ گونج رہا ہوتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ سیرت کا جلسہ نہیں، کوئی احتجاجی مظاہرہ ہو رہا ہے، آپ خود فیصلہ کریں کہ اس طرح لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے کی شرعا یا اخلاقا کسی بھی طرح کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟...... ''وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا وہ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا'' ...... جیسا سادہ اور پرتاثیر کلام اگر کوئی دماغ کو ماؤف کر دینے والے شور کے ساتھ نشر کرتا ہے تو اسے سوچنا چاہئے کہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والی اس مقدس ہستی کی نعت خوانی کا یہ انداز و اسلوب کسی مسلمان کے لئے کہیں زحمت کا سبب تو نہیں بن رہا، اس سے محلے کے کسی بیمار، کسی بوڑھے، کسی بچے اور کسی آرام کرنے والے کی نیند و آرام

میں خلل تو نہیں پڑ رہا، اگر سیرت بیانی اور نعت خوانی کا ہمارا عمل، ہمارا اسلوب اور ہمارا انداز کسی بیمار کو تڑپا رہا ہے، کسی بوڑھے کو ہکلا رہا ہے، کسی بچے کو رلا رہا ہے اور کسی آرام کے خواہش مند کو جگا رہا ہے تو بتائیں کہ اس طرح سیرت بیانی کا ہمیں کیا اخروی فائدہ ہوسکتا ہے؟ پورے محلے کو شور کے عذاب میں مبتلا کر کے سیرت بیان کرنے سے اس مقدس ہستی کی روح کو خوشی ہوگی یا اذیت جس کا ارشاد ہے کہ حقیقی اور کامل مسلمان وہی شخص ہوسکتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر اور تکلیف سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں......؟

☆......سرکاری سطح پر قومی سیرت کانفرنس بارہ ربیع الاول کو اسلام آباد میں منعقد ہوتی ہے، جس میں ملک کا صدر، یا وزیر اعظم شریک ہوتا ہے، اخبار کی سرخیوں کی زینت بننے والا یہ جملہ تقریباً ہر صدر، ہر وزیر اعظم اور ہر سربراہ حکومت کے پیغام اور تقریر میں شامل ہوتا ہے کہ ”سیرت طیبہ مسلمانوں کے لئے بہترین مشعل راہ ہے“......لیکن اس پیغام کو نشر کرتے ہوئے یا یہ جملہ کہتے ہوئے کبھی سنجیدگی کے ساتھ سوچا بھی گیا کہ جس پاکیزہ سیرت کو بہترین مشعلِ راہ قرار دیا جا رہا ہے، ہم نے اپنی زندگی کے کس کس تاریک گوشے میں اس سے روشنی حاصل کی ہے اور ہم نے اپنی شاہراہِ حیات کی کن کن تاریک پگڈنڈیوں میں اس مشعلِ راہ سے واقعتاً استفادہ کیا ہے...... وضع و ہیت، فکر و سوچ، اعمال و اخلاق اور معاشرت و معیشت......وہ کون سے شعبے ہیں جن میں ہم سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کرنے اور اس رہنمائی کے مطابق انقلابی تبدیلیاں لانے میں واقعتاً سنجیدہ ہیں؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے تو اس طرح کی یہ کانفرنسیں ”نشستن گفتن، خوردن، برخاستن“ کے سوا کچھ بھی نہیں۔

☆......سیرت کی بہت سی سرکاری اور غیر سرکاری محفلوں میں اختلاطِ مرد و زن بھی ایک عام وبا کی شکل اختیار کر رہا ہے، ماڈریٹ خواتین زیبائش و آرائش سمیت پوری بے پردگی کے ساتھ جلسہ گاہ کا یوں رخ کرتی ہیں جیسے کسی شادی ہال جا رہی ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت طیبہ بیان کرنے کے لئے منعقد کی جانے والی ان کانفرنسوں، ان جلسوں اور ان محفلوں کے منتظمین کو کم از کم یہ بات تو ضرور سوچنی چاہئے کہ ان جلسوں، کانفرنسوں اور محفلوں کے ماحول میں سنت کی سادگی و برکت، اس کا سکون و طمانیت اور اس کی جاذبیت و روحانیت کی کچھ جھلک تو نظر آئے جو شریک ہونے

والوں کو اگر اپنی زندگی کی غلط روش ترک کرنے پر آمادہ نہ کر سکے تو کم از کم ان کے دل میں ایک خلش تو پیدا کر سکے، شیطانی یلغار سے لٹی پٹی زندگی کے متعلق حسرت و ندامت کا ایک داغ بھی اگر کسی ایسی محفل سے ہاتھ آ جائے تو سمجھئے کہ نشانِ منزل مل گیا، تاہم یہ اسی وقت ممکن ہے جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت کے لئے سجائی جانے والی محفل میں ایک ایک سنت اور شریعت کے ایک ایک حکم کی رعایت رکھی گئی ہو...... لیکن جس جلسہ گاہ، جس مجلس اور جس محفل میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانیوں کی آلودگی ہو، جس کی نظم و تربیت میں مصروف ہو کر منتظمین کی فرض نمازیں چھوٹ جاتی ہوں، جہاں فراہم کی جانے والی روشنی ناجائز طریقے سے حاصل کی گئی ہو، جہاں بے پردہ خواتین کا جمگھٹا زیبائش و آرائش میں مشغول ہو، جہاں سے اٹھنے والا بے محابا شور کئی ضعیف اور بیمار انسانوں کے دل و دماغ پر بجلی بن کر گر رہا ہو، جہاں سنت رسول کی برکت، اس کی روحانیت، اس کی سادگی، اس کی شگفتگی اور اس کی پاکیزگی دور دور تک نظر نہ آ رہی ہو، ایسی محفل کہاں خیر و برکت کا ذریعہ بنے گی اور وہاں سے سیرت کا پیغام کیونکر عام ہو سکے گا؟

☆...... بارہ ربیع الاول کو "جشن میلاد" کے عنوان سے امت جس تیزی کے ساتھ خرافات میں کھو رہی ہے، دین کا حقیقی اور صحیح فہم رکھنے والے علماء، خطباء اہل قلم اور داعی حضرات کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ مناظرانہ اسلوب سے ہٹ کر حکمت عملی اور پوری ہمدردی کے ساتھ عام سادہ لوح مسلمانوں کو یہ حقیقت سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ ان میلوں، ان شبیہوں، اس راگ، اس شور و غوغا اور جلوسوں کی اس ہلڑ بازی کا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت اور آپ کی شریعت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں، اگر یہ جشن دین داری اور سیرت نبویہ کا حصہ ہوتا تو براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ ہدایت و شفقت میں پرورش پانے، جان کی بازی لگانے اور قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں اسلام کا پرچم بلند کرنے والے خیر القرون کے سعادت مندوں کے جشن میلاد کے زمزموں سے زمانہ گونج رہا ہوتا!...... جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں طویل عرصہ رہ کر انسانیت کے وہ محسن نہیں سمجھ سکے، جو کام دین اور حضور کی مبارک زندگی سے وہ اخذ نہیں کر سکے، چند نادانوں کو وہ آج کیسے سمجھ میں آیا...... اس فہم کی خیر ہو جس پر یہ راز اب کھلا، اس عقل کی خیر ہو، جس کا عقدہ اب کھلا......! (از کرنیں)

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی تاریخی وزمانی ترتیب

ظہور قدسی۔ ولادت باسعادت

بروز پیر مستند روایات کے مطابق ۹ ربیع الاول، مشہور روایت ۱۲ ربیع الاول
واقعہ فیل کے 93 یا 94 سال بعد بعد سن 1 میلادی (ولادت) ۵۲ قبل ہجری
بعداز طلوع شمع 22/20 اپریل 571ء

ایک ہفتہ بعد:

حضرت حلیمہؓ سعدیہ کی آغوش میں واقعہ شق صدر (اول)
بروز پیر ۱۶ ربیع الاول سن ۱ میلادی ۵۲ قبل ہجری سن ۳ میلادی ۵۰ قبل ہجری۔
(بروایت ابن اسحاق/ سیرت ابن ہشام/ ۱۶۴/ ۱۶۵) ۲۹ اپریل ۵۷۱ء تا ۵۷۳ء

چھ سال کی عمر میں: (یتیمی)

والدہ ماجدہ سیدہ حضرت آمنہ کا انتقال۔ سن ۶ میلادی، ۴۷ قبل ہجری ۵۷۷ء

آٹھ سال کی عمر میں:

حضرت عبدالمطلب کا سفرِ آخرت سن ۹ میلادی ۱۷ جمادی الاولیٰ، ۴۴ قبل ہجری
(عمر مبارک ﷺ آٹھ سال دو ماہ دس دن) ۵۷۹ء

بارہ سال کی عمر میں:

شفیق چچا حضرت ابوطالب کی کفالت میں سن ۹ میلادی ۱۷ جمادی الاولیٰ، ۴۴
قبل ہجری (عمر مبارک ﷺ آٹھ سال دو ماہ دس دن ۵۷۹ء

بغرض تجارت ملک شام کا پہلا تجارتی سفر (حضرت ابوطالب کی ہمراہی میں) ۱۳ میلادی
۱۹ جمادی الاولیٰ ۴۰ قبل ہجری ۳۰ جون (عمر مبارک ﷺ بارہ برس دو ماہ دس دن) ۵۸۳ء

جنگ فجار میں شرکت ۱۵میلادی ۳۷قبل ہجری ۵۸۶ء

معاہدہ ”حلف الفضول“ میں شرکت ۱۵میلادی ذوالقعدہ ۳۷قبل ہجری دسمبر ۵۸۶ء

محنت و جفاکشی کی زندگی (خدمت گلہ بانی)۔ ۱۶میلادی تا ۲۴میلادی ۳۸قبل ہجری
تا ۲۷قبل ہجری ۵۹۴ء

شام کا دوسرا تجارتی سفر ۲۵میلادی ۲۸قبل ہجری ۵۹۵ء

۲۵سال کی عمر میں: (ام المومنین) حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے عقد نکاح
۲۵میلادی ۲۵ربیع الاول ۲۷قبل ہجری ۵۹۵ء

ولادت سیدنا حضرت قاسم ابن سید الانبیاء ابوالقاسمؓ ۲۸میلادی ۲۵قبل ہجری ۵۹۸ء

ولادت سیدہ زینب بنت سید الانبیاءؐ ۳۰میلادی ۲۳قبل ہجری ۶۰۰ء

۳۰سال کی عمر میں:

اہل مکہ کی طرف سے ”الصادق الامین کا خطاب ملا ۳۰میلادی ۲۲قبل ہجری ۶۰۱

ولادت سیدہ رقیہؓ بنت سید الانبیاءؐ ۳۲میلادی ۲۰قبل ہجری ۶۰۳

ولادت سیدہ ام کلثومؓ بنت سید الانبیاءؐ ۳۳میلادی ۱۹قبل ہجری ۶۰۴

۳۵سال کی عمر میں:

تعمیر کعبہ اور حجر اسود کے تنازع کا فیصلہ نبوی (ﷺ) ۳۵میلادی ۱۸قبل ہجری ۶۰۵ء

ولادت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ، بنت سید الانبیاءؐ ۳۵میلادی ۱۸قبل ہجری ۶۰۵ء

سیدنا علی المرتضیٰؓ کفالت نبوی ﷺ میں ۳۵میلادی ۱۸قبل ہجری ۶۰۵ء

۳۷سال کی عمر میں:

یاد خدا میں روز افزوں انہماک یعنی ۳۶میلادی تا ۳۹میلادی ۱۷قبل ہجری ۶۰۶ع تا ۶۰۹
(تخلیہ پسندی اور غار حرا میں قیام) تا ۱۴قبل ہجری حضرت علیؓ نے کفالت کی

نبوت و رسالت کا طلوع آفتاب قول اول !۴۱میلادی ۱۲قبل ہجری ۲فروری ۶۱۰ء
۹ربیع الاول سن ۱ نبوی ﷺ (بروز پیر)

۴۰سال کی عمر میں:

(سر مبارک پر نبوت کا زرین تاج و نزول وحی کا آغاز) ۹ ربیع الاول سن ۱ نبوی علیہ ﷺ (بروز پیر)

قول دوم! ۴۱ میلادی ۱۲ قبل ہجری ۲۱ ۱۰ اگست ۶۱۰ء

رمضان سن ۱ نبوی (بروز منگل)

خفیہ دعوت اسلام کے تین سال سن ۱ نبوی تا سن ۳ نبوی ۶۱۰ ع تا ۶۱۲

سابقین اول (اول اول مسلمان) سن ۱ نبوی ۶۱۰ء

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ،

حضرت زید بن حارثہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت علی مرتضیٰؓ

دو نمازوں (فجر و عصر) کی فرضیت:

داعی اسلام ﷺ کوہ صفا پر سن ۳ نبوی ۶۱۲/۶۱۳

(علانیہ دعوت اسلام)

اشراف قریش حضرت ابو طالب کی خدمت میں سن ۳ نبوی ۶۱۲/۶۱۳

صحابہ کرامؓ کفار و مشرکین سن ۴ نبوی ۶۱۳ء

مکہ کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنے

دار ارقم دعوت و تبلیغ کا مرکز نبوی ﷺ سن ۵ نبوی ۶۱۴ء

صحابہ کرامؓ کو ہجرت حبشہ کا حکم رجب ۵ نبوی ۴ اپریل ۶۱۴

نجاشی کے دربار (حبشہ) میں کفار مکہ کا وفد ۵ نبوی ۶۱۴ء

۴۶ سال کی عمر میں پہنچے تو آپ کے ذوالحج ۶ نبوی ۶۱۶ء

چچا حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کیا

۴۶ سال ہی کی عمر میں پہنچے تو فاتح عرب...... ۶ نبوی ۶۱۶ء

و عجم سید فاروق اعظمؓ نے اسلام قبول کیا

اور اسلام کے دامن میں پناہ گزین ہوئے

شعب ابی طالب میں محصوری (قید و نظر بندی ۶ یکم محرم بروز منگل ۷ تا ۹ نبوی ۹/۱۰ اپریل ۶۱۷ء

۴۷ سال کی عمر میں:

شعب ابی طالب سے رہائی اور سوشل بائیکاٹ کا خاتمہ ہوا	محرم ۱۰ نبوی ﷺ	۶۱۹ء

۵۰ سال کی عمر میں

شفیق چچا حضرت ابوطالب کا سفر آخرت	رجب ۱۰ نبوی دوسرے قول کے مطابق رمضان ۱۰ نبوی	۶۱۹ء
رفیقہ سید کائنات ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا سانحہ ارتحال ۵۰ سال کی عمر میں پیش آیا	رمضان ۱۰ نبوی قول دوم رجب ۱۰ نبوی	۶۱۹ء
عام الحزن (غم واندوہ کا سال)	۱۰ نبوی	۶۱۹
ام المومنین حضرت سودہ سے عقد نکاح	شوال ۱۰ نبوی	۶۱۹ء
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے عقد نکاح	شوال ۱۰ نبوی	۶۱۹ء
دعوت اسلام کے لئے طائف کا سفر	یکم جمادی الثانی ۱۰ نبوی (مدت قیام دس دن)	۶۱۹ء
ایام حج میں قبائلی وفود عرب کو دعوت اسلام	ذوالقعدہ/ ذوالحج ۱۰ نبوی	۶۱۹ء
مدینۃ النبی ﷺ کی کرنیں	ذوالحجہ ۱۰ نبوی	۶۱۹ء
واقعہ معراج اور نماز پنجگانہ کی فرضیت	۲۷ شب رجب بروز پیر ۱۰ نبوی	۶۲۰ء

واقعہ معراج کے بارے میں اہل سیر کے مختلف اقوال ہیں

۱- بقول طبری ۱ نبوی   ۲- بقول نوویؒ وقرطبیؒ ۶ نبوی   ۳- ۱۲ نبوی

۴- ۱۳ نبوی محرم   ۵- ۱۳ نبوی ربیع الاول

۶- ۱۰ نبوی اسے علامہ منصور پوریؒ نے رحمۃ للعالمین جلد دوم ص ۴۱ پر اختیار کیا ہے

اقوال کی تفصیل زاد المعاد جلد دوم ص ۴۹ پر دیکھی جا سکتی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی	شوال ۱۱ نبوی	۶۲۱ء
بیعت عقبہ اولیٰ	ذی الحجہ ۱۲ نبوی	جولائی ۶۲۱ء
بیعت عقبہ ثانیہ	ذی الحجہ ۱۳ نبوی	جون ۶۲۲ء
صحابہ کرامؓ کو ہجرت مدینہ کا حکم	ذی الحجہ/محرم ۱۳ نبوی	۶۲۲ء
قریش مکہ کی پارلیمانی بحث اور محسن انسانیت کے قتل کی ظالمانہ قرارداد	صفر ۱۴ نبوی	۶۲۲ء
کاشانہ نبوی ﷺ کفار کے نرغے میں	۲۵/۲۶ صفر ۱۴ نبوی	۱۱/۱۲ ستمبر ۶۲۲ء
رسالت مآب ﷺ اپنا گھر چھوڑتے ہیں	۲۷ صفر شب جمعہ ۱۴ نبوی	۱۲ ستمبر ۶۲۲ء
مکہ سے غار ثور تک	۲۷ صفر تا ۲۹ صفر ۱۴ نبوی	۱۲ تا ۱۴ ستمبر ۶۲۲ء
غار ثور سے روانگی	۲۹ صفر ۱۴ نبوی	۱۴ ستمبر ۶۲۲ء
قبا میں تشریف آوری	۸ ربیع الاول بروز پیر ۱۴ نبوی	۲۲ ستمبر ۶۲۲ء
تعمیر مسجد قبا	۹ تا ۱۱ ربیع الاول ۱۴ نبوی ۱ ہجری	۲۳ تا ۲۶ ستمبر ۶۲۲ء
پہلی نماز جمعہ	۱۲ ربیع الاول بروز جمعہ ۱ ہجری	۲۷ ستمبر ۶۲۲ء

مدنی زندگی

مدینہ منورہ میں ورود مسعود (تشریف آوری)	۱۲ ربیع الاول جمعہ ۱ ہجری	۲۷ ستمبر ۶۲۲ء
کاشانہ حضرت ابوایوب انصاری پر نزول و قیام	۱۲ ربیع الاول جمعہ ۱ ہجری	۲۷ ستمبر ۶۲۲ء
تعمیر مسجد نبوی	۱۹ ربیع الاول ۱ ہجری	اکتوبر ۶۲۲ء
اذان کی ابتداء	۱۹ ربیع الاول ۱ ہجری	اکتوبر ۶۲۲ء
انصار و مہاجرین کے درمیان رشتہ مواخات	رمضان ۱ ہجری	۶۲۳ء
میثاق مدینہ	۱ ہجری	۶۲۳ء
سریہ[1] سیف البحر	رمضان ۱ ہجری	مارچ ۶۲۳ء

---

[1] سریہ اس جنگ کو کہا جاتا ہے۔ جس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس شریک نہ ہوئے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نمائندہ بحیثیت سالار/امیر مقرر فرمایا ہو)

سریہ رابغ	شوال ۱ ہجری	اپریل ۶۲۳ء
سریہ خرار	ذوالقعدہ ۱ ہجری	مئی ۶۲۳ء
ولادت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	ذوالقعدہ ۱ ہجری	مئی ۶۲۳ء
فرضیت جہاد	۱۲ صفر ۲ ہجری	۱۴ اگست ۶۲۳ء
غزوۂ ابواء یا ودان	صفر ۲ ہجری	اگست ۶۲۳ء
غزوۂ بواط	ربیع الاول ۲ ہجری	ستمبر ۶۲۳ء
غزوۂ صفوان	ربیع الاول ۲ ہجری	ستمبر ۶۲۳ء
غزوہ ذوالعشیرۃ	جمادی الاول جمادی الآخر ۲ ہجری	نومبر دسمبر ۶۲۳ء
سریہ نخلہ	رجب ۲ ہجری	جنوری ۶۲۴ء
تحویل قبلہ کا حکم (بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف) بوقت نماز ظہر	۱۵ شعبان ۲ ہجری بروز ہفتہ	۱۸ جنوری ۶۲۴ء
روزوں کی فرضیت اور رمضان کا پہلا روزہ	یکم رمضان ۲ ہجری بروز اتوار	۲ فروری ۶۲۴ء
غزوۂ بدر	۱۷ رمضان ۲ ہجری بروز منگل	۱۸ فروری ۶۲۴ء
وفات سیدہ رقیہؓ بنت سید الانبیاء	رمضان ۲ ہجری	مارچ ۶۲۴ء
پہلی نماز عید الفطر	یکم شوال ۲ ہجری	اپریل ۶۲۴ء
فرضیت زکوٰۃ	شوال ۲ ہجری	اپریل ۶۲۴ء
غزوۂ بنو سلیم	شوال ۲ ہجری	اپریل ۶۲۴ء
غزوۂ بنو قینقاع	۱۵ شوال ۲ ہجری	اپریل ۶۲۴ء
غزوۂ سویق	ذی الحجہ ۲ ہجری	جون ۶۲۴ء
حضرت سیدہ فاطمہ الزہرہؓ کی شادی	۲ ہجری	۶۲۴ء
پہلی نماز عید الاضحیٰ	۱۰ ذی الحجہ ۲ ہجری	جون ۶۲۴ء
غزوۂ ذی امر	محرم ۳ ہجری	جون ۶۲۴ء

حرمت شراب کا حکم	ربیع الاول ۳ ہجری	اگست ۶۲۴ء
غزوۂ بحران	ربیع الثانی ۳ ہجری	۶۲۴ء
سریہ زید بن حارثہؓ	جمادی الاخر ۳ ہجری	۶۲۴ء
غزوۂ احد	۶ شوال ۳ ہجری بروز جمعہ	۱۳ مارچ ۶۲۵ء
شیر خدا حضرت حمزہ عم النبی کی شہادت	۷ شوال ۳ ہجری بروز ہفتہ	۱۴ مارچ ۶۲۵ء
غزوۂ حمراء الاسد	۸ شوال ۳ ہجری اتوار	۱۵ مارچ ۶۲۵ء
حضرت حفصہؓ و حضرت زینبؓ ام المساکین سے نکاح	۳ ہجری	۶۲۵ء
حضرت ام کلثومؓ بنت سید الانبیاء کا	۳ ہجری	۶۲۵ء
حضرت عثمانؓ سے عقد نکاح	ولادت سیدنا حضرت حسنؓ	۳ ہجری ۶۲۵ء
سریہ ابو سلمہؓ	یکم محرم ۴ ہجری	۶۲۶ء
عبداللہ بن انیس کی مہم	۵ محرم ۴ ہجری	۶۲۶ء
حادثہ رجیع مبلغین صحابہ کرام کی شہادت	صفر ۴ ہجری	۶۲۶ء
بیئر معونہ کا المناک المیہ	صفر ۴ ہجری	۶۲۶ء
(۷۰ صحابہ مبلغین و قراء حضرات کی المناک شہادت)		
غزوۂ بنو نضیر	ربیع الاول ۴ ہجری	۶۲۶ء
غزوۂ بدر (دوم) صغریٰ	شعبان ۴ ہجری	۶۲۶ء
حکم حجاب (پردہ)	جمعہ یکم ذی القعدہ	۱۴ اپریل ۶۲۶ء
غزوۂ دومۃ الجندل	۲۵ ربیع الاول ۵ ہجری	۶۲۶ء
غزوۂ بنو مصطلق	شعبان ۵ ہجری جمعہ	۲۶ دسمبر ۶۲۶ء
غزوۂ احزاب (خندق)	شوال/ ذوالقعدہ ۵ ہجری	مارچ/اپریل ۶۲۷ء
غزوۂ بنو قریظہ	ذوالقعدہ ۵ ہجری بروز جمعرات	۲۳ اپریل ۶۲۷ء
غزوۂ مریسیع	۵ ہجری	۲۳ اپریل ۶۲۷ء

عقد حضرت ام المومنین جویریہؓ	۵ ہجری	۲۳ اپریل ۶۲۷ء
بیعت رضوان/صلح حدیبیہ	ذوالقعدہ ۶ ہجری	مارچ ۶۲۸ء
ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح نبوی	۶ ہجری	۶۲۸ء
فرمانروایان عالم کے نام دعوت اسلام کے پیغامات	یکم محرم ۷ ہجری	مئی ۶۲۸ء
غزوۂ خیبر	آخر محرم ۷ ہجری	مئی ۶۲۸ء
غزوۂ ذات الرقاع	۷ ہجری (بروایت امام بخاریؒ)	جون ۶۲۸ء
عمرۃ القضاء/ادائیگی عمرہ	ذی قعدہ ۷ ہجری	اپریل ۶۲۹ء
ام المومنین حضرت صفیہؓ سے نکاح نبوی	جمادی الآخر ۷ ہجری	نومبر ۶۲۹ء
اسلامی ریاست کی تاسیس	۷ ہجری	۶۲۹ء
فتح مکہ	۱۰ رمضان ۸ ہجری	جنوری ۶۳۰
فتح مکہ کے موقعہ پر رسالت مآب ﷺ کا تاریخی خطبہ	۱۱ رمضان ۸ ہجری	جنوری ۶۳۰ء
غزوۂ حنین	شوال ۸ ہجری	۲۰ فروری ۶۳۰ء
غزوۂ طائف	شوال ۸ ہجری	فروری ۶۳۰ء
ولادت حضرت ابراہیمؓ بن سید الانبیاءؑ	۸ ہجری	فروری ۶۳۰ء
وفات حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ	۸ ہجری	فروری ۶۳۰ء
غزوۂ تبوک	رجب/شعبان/رمضان ۹ ہجری	اکتوبر/نومبر/دسمبر ۶۳۰ء
فرضیت حج	ذی قعدہ/ذی الحجہ ۹ ہجری	مارچ ۶۳۱ء
حضرت ابوبکرؓ کا بحیثیت امیر حج روانگی	ذی قعدہ ۹ ہجری	مارچ ۶۳۱ء
رسالت مآب ﷺ کا سفر حج	۲۵ ذوالقعدہ ۱۰ ہجری	۲۲ فروری ۶۳۲ء
مکہ مکرمہ میں وود مسعود	۴ ذی الحجہ ۱۰ ہجری	یکم مارچ ۶۳۲ء
خطبہ حجۃ الوداع (حقوق انسانی کا عالمی دائمی منشور)	۹ ذی الحجہ ۱۰ ہجری بروز جمعہ	۶ مارچ ۶۳۲ء

حج سے واپسی   ۱۳ ذی الحجہ ۱۰ ہجری   ۱۰ مارچ ٦۳۲ء

آغاز مرض الوفات   ۲۹ صفر ۱۱ ہجری (مدت مرض ۱۳/۱۴ دن)   ۲۵ مئی ٦۳۲ء

حضرت امام ابوبکر صدیق کو امامت نماز کا حکم ۱۱ ربیع الاول ۱۱ ہجری ٦ جون ٦۳۲ء

غم ہائے بیکراں۔ حیات اقدس ﷺ کے آخری لمحات

۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری بروز پیر بوقت چاشت ۷ جون ٦۳۲ء وصال

تدفین اطہر واقدس ﷺ

۱۴ ربیع الاول ۱۱ ہجری بروز بدھ بوقت شب ۳۲ گھنٹے بعد از وفات ۸ جون ٦۳۲ء

لاکھوں درود وسلام ہوں دولہائے کائنات فخر رسل رحمۃ للعالمین سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو رحمت خداوندی کے مظہر اتم ہیں (اور آپ کی آل واصحابؓ سب پر) کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف رحیم فرمایا گیا۔ کہیں کان بالمومنین رحیما کہا گیا اور ایک دوسری آیت شریف میں آپ کو ''رحمۃ للعالمین'' کے خطاب سے نوازا گیا۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت...... مثالی شوہر

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر گوشہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کا ہر رخ ہر انسان کے لئے زندگی گزارنے کا آفاقی، دائمی اور بہترین لائحہ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں میں سے پیدا کیا اور انسانوں کی طرح پیدا کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی طرح سے اپنی پوری زندگی گزاری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹے بھی تھے اور باپ بھی، شوہر بھی تھے اور بھائی بھی، عمر میں چھوٹے بھی تھے اور بزرگ بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت بھی کی اور فوجیں بھی لڑائیں، حکمرانی بھی کی اور محنت کشی بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حیثیت سے شاہراہ حیات پر ایسے نقوش قدم چھوڑ گئے ہیں جو قیامت تک نمونہ اور معیار بنے رہیں گے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (سورۃ الاحزاب، ۲۱)

(ترجمہ) ”بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قابل تقلید نمونہ ہے۔“

چنانچہ ایک شوہر اور رفیق حیات کی حیثیت سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جو کردار ہے وہ ہر شوہر کے لئے ایک نمونے کا کردار ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مسلمان شوہروں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند احکامات ملاحظہ فرمایئے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیر کم خیر کم لاھلہ (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

ترجمہ:۔ ”تم میں سے سب سے بھلا آدمی وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لئے بھلا ہو۔“

ایک بار ایک ایسے صحابی رضی اللہ عنہ کو جو زہد و عبادت کی طرف زیادہ متوجہ تھے اور اس کی وجہ سے وہ اپنے ”اہل خانہ“ سے غافل رہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا۔

ولزوجک علیک حقا (بخاری)

ترجمہ:۔ ”اور تمہاری رفیقہ کا بھی (تو) تم پر حق ہے۔“

صنف ضعیف کے حقوق کا سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا خیال تھا، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجتہ الوداع میں جن اہم مسائل پر احکام و نصائح فرمائے تھے ان میں عورت کے حقوق کا مسئلہ بھی تھا۔ فرمایا:

لوگو! عورتوں کے حق میں میری نیک نصیحت کو مانو کہ یہ تمہارے ہاتھوں میں قید ہیں تم اس کے سوا کسی بات کا حق نہیں رکھتے، لیکن یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کے کام کریں۔ **فعظوھن** تو ان کو آرام سے سمجھاؤ، پھر بھی اگر وہ نہ مانیں اور ویسا ہی کریں **واھجروھن فی المضاجع** تو ان کو خواب گاہ میں علیحدہ کردو۔ **واضربوھن** اور ان کو ہلکی مار، مارو۔ **فان اطعنکم** تو اگر وہ تمہاری بات مان لیں، **فلا تبغوا علیھن سبیلا** تو پھر ان پر الزام لگانے کے پہلو نہ ڈھونڈو، بے شک تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔

تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر کو دوسروں سے پامال نہ کرائیں، جن کو (یقیناً) تم پسند نہیں کرتے، اور نہ تمہارے گھروں میں ان کو آنے کی اجازت دیں، جن کا آنا تم کو پسند نہیں۔ اور ہاں! ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے پہنانے اور کھلانے میں نیکی کرو۔ (ابن ماجہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے حقوق کی وضاحت ایک اور موقع پر ایک سوال کے جواب میں یوں فرمائی۔ ”بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ جب خود کھائے، اس کو کھلائے، جو خود پہنے اس کو پہنائے، نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اس کو برا بھلا کہے، نہ گھر کے علاوہ (سزا کے لئے) اس کو علیحدہ کرے۔“ (ابن ماجہ)

ایک شوہر کی حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے تھے؟...... اس کا جواب عرض کرنے سے پہلے ہم یہ سوچتے چلیں کہ ایک اچھے شوہر کے لئے عمومی شرائط کیا ہونی چاہئیں؟

اچھا شوہر بننے کی شرائط

اچھا شوہر بننے کے لئے کل چار شرائط ہیں۔

پہلی شرط...... یہ کہ وہ بیوی کے لئے محبت کوش ہو۔

دوسری شرط...... یہ ہے کہ اس کی ضروریات اور خواہشات کا حتی الامکان پورا پورا خیال رکھے۔

تیسری شرط...... یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے بیوی کی جائز فرمائشوں اور خواہشوں کی تکمیل و تعمیل میں سعی کرے، اگرچہ وہ خود اس کے مزاج کے خلاف ہی ہوں۔

چوتھی شرط...... یہ ہے کہ اگر ازواج ایک سے زائد ہوں تو پھر اپنی محبت، وقت، مال اور توجہات کو ان میں ٹھیک ٹھیک اور عادلانہ طور پر تقسیم کرے۔

مثالی شوہر کا کردار

اب شرائط بالا کی روشنی میں ایک مثالی شوہر کا کردار ملاحظہ ہو۔

جہاں تک شرط اول، محبت کوش ہونے کا تعلق ہے، اس کے لئے تو کچھ سوچنا ہی تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ وہ پاک اور مقدس ہستی جو سراپا محبت تھی، محبت کوش ہی نہ تھی بلکہ محنت کیش تھی۔ جس کا پیغام محبت کا پیغام تھا، جس کا مشن محبت کا مشن تھا، جس نے محبت اور صرف محبت ہی کے زور پر ساری دنیا کو فتح کیا تھا، جسے دوستوں ہی سے نہیں بلکہ دشمنوں سے بھی محبت تھی۔ ایسے محبت کیش کی محبت کوشیوں کا کیا ٹھکانا ہوگا! اور وہ بھی اپنی ازواج مطہرات کے لئے۔

عورتوں کے حقوق یا لذوذ؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی صدی عیسوی کے عرب معاشرے میں عورت سے جیسی محبت کر کے دکھائی اور کرنا سکھلائی، اس کا اندازہ کرنے کے لئے خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول پڑھیے۔

"ہم لوگ اسلام سے قبل عورتوں کو کچھ (بھی) نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام نے عورتوں کے لئے احکام نافذ کئے اور (بے شمار) حقوق مقرر کئے"۔ (بخاری)

ان احکام و ہدایات کا کیا اثر ہوا؟...... عورت کو کیا حقوق ملے؟...... اس کا جواب بھی سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے اسی ارشاد کے دوسرے حصے میں دیتے ہیں۔

"ایک بار میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیئے۔ (بخاری)

ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ انقلاب عظیم!

جانور سے بدتر عورت کا درجہ معاشرے میں کتنا بلند ہو گیا، اور ذہن کتنے بدل گئے کہ عورت ڈانٹ سن کر خود بھی اسی انداز میں جواب دیتی ہے اور اصل حصہ اس داستان کا یہ ہے کہ شوہر گھر کی ''جھڑپ'' کا حال باہر کے لوگوں کو خود سنا رہا ہے! شکایتاً نہیں، فخریہ لہجے میں!

یہ تو خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اس سے بھی ایک دلچسپ واقعہ خود نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ملاحظہ فرمایئے۔

عورتوں کے حقوق کے اصلی ہیرو، اور عالم اسلام میں حقوق نسواں کے سب سے بڑے داعی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رفیقہ حیات کو عملاً کتنی آزادی دے رکھی تھی اور کتنے زیادہ حقوق عطا فرما رکھے تھے؟...... صرف دوسروں کو نصیحتوں اور ہدایتوں تک بات ختم نہیں کی تھی بلکہ خود اپنے گھر میں عمل کر کے دکھایا تھا۔

مثالی شوہر اور معیاری زوجہ

ایک بار نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حبیبہ سیدتنا عائشہ صدیقہ، حمیرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی موضوع پر مصروف کلام تھے، یقیناً کسی خانگی اور نجی مسئلے پر گفتگو تھی۔ لے ذرا بڑھ گئی جذبات ذرا تلخ ہو گئے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ایک تو حلیم تھے، دوسرے عملاً مساوات کی تربیت کرنی تھی۔ اس لئے طرفین میں سے سیدہ حضرت عائشہ حمیرا رضی اللہ عنہا ہی کے الفاظ میں بھی ترشی تھی، اور لہجہ بھی بلند تھا۔ میاں بیوی میں ابھی بات چیت چل رہی تھی (خلیفہ اول و بلافصل) سیدنا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آ نکلے۔ وہ ادھر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار تھے، تو ادھر حبیبہ رسول اللہ کے پدر بزرگوار بھی، گویا دو چند ذمہ داری حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے محسوس کی اور باپ اپنی بیٹی کی سرزنش کے لئے طیش میں آگے بڑھے اور گرجے:

''ہائیں! تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز اونچی کرتی ہے؟'' اور ساتھ ہی ہاتھ بھی (مارنے کے لئے) بلند کیا۔ مگر بیٹی اپنے غضبناک باپ کی سرزنش سے صاف صاف بچ نکلی کس نے بچالیا؟

حقوق نسواں کے مبلغ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) بیچ میں حائل ہو گئے۔

؎ سلام اس پر کہ جس نے عورتوں کی دستگیری کی

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خشم وغضب کا پارہ کتنی ہی بلندی پر کیوں نہ چڑھ گیا ہو، جس فعل میں ان کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حائل و مانع ہوں اس کی تکمیل کی انہیں کیا جرأت ہوسکتی تھی؟ غضب پر ادب غالب آیا اور وہ صدیق وعتیق والے مقام پر لوٹ گئے۔ یوں میاں بیوی کی بات چیت اس نئے فریق کے بیچ میں کودنے سے ختم ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا۔

”کیوں حمیرا! آج تو میں نے بچا ہی لیا ورنہ ابا اچھی طرح خبر لے ڈالتے۔“

اور سیدہ حمیرا رضی اللہ عنہا کھل کھلا کر ہنس دی ہوں گی۔ اور رحمت عالم کا قلب مبارک بھی فوراً مسرت سے لبریز ہوگیا ہوگا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میرا مشن کس قدر کامیاب ہورہا ہے۔ یہ صنف ضعیف اپنی ”خودی“ کو پہچانتی جارہی ہے۔

جناب صدیق رضی اللہ عنہ چند روز بعد پھر کاشانہ نبوتؐ پر حاضر ہوئے تو آج رنگ دوسرا تھا۔ مثالی زوج اور معیاری زوجہ آج حسب معمول خوش دلی اور خوش مزاجی کی حالت میں تھے۔ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کے دل کی کلی کھل اٹھی اور عرض کیا۔

”میں جنگ میں کود پڑا تھا اب صلح میں بھی مجھے شریک کر لیجئے“۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور فرمانے لگے ”ہاں ہاں! ضرور!“

حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کو اپنی بیویوں کے حقوق ادا کرنے پر جس طرح بار بار اور بہ تکرار متوجہ فرمایا ہے، اس کے نتیجے میں چند سال کے اندر صنف ضعیف کو جو آزادی حاصل ہوگئی تھی، اس کا اندازہ بھی آستانہ نبویؐ کے ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بربنائے بشریت کبھی کبھی کچھ عارضی شکوہ بھی ہوجاتا تھا۔ ممکن ہے اس رنج اور شکوے کی کوئی حقیقت اور اساس ہوتی ہی نہ ہو۔ اور یہ ”ناز“ کا ایک انداز ہی ہوتا ہو۔

بہر حال! ازواج مطہراتؓ کبھی کبھی اپنے شکوے کا اظہار نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتی تھیں۔ یہ اظہار کس شان سے ہوتا تھا؟ یہ بھی سننے کی چیز ہے یہ بھی حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی ہمہ جہتی تربیت کا شاہکار ہے۔ اس انداز شکایت کی مثال خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا...... جب تو مجھ سے ناخوش ہوتی ہو تو میں سمجھ جاتا ہوں۔"

جناب عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا...... "وہ کیسے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور تمہیں کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہے تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی قسم کہتی ہو اور جب مجھ سے خوش نہیں ہوتی ہو تو ابراہیم کے خدا کی قسم کہتی ہو۔"

حبیبۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا...... "جی ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں ناخوشی میں) صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔"

دیکھا آپ نے؟ بیوی ناخوش ہونا بھی جان گئی ہے اور اس میں اپنی ناخوشی کے اظہار کی برملا جرأت بھی پیدا ہوگئی ہے کیا آپ کو اس پر کوئی حیرت نہیں ہو رہی ہے؟...... اگر چھٹی صدی عیسوی میں پوری دنیا کی اخلاقی و معاشرتی حالت آپ کے سامنے ہے اور اس دور کے عرب کی عورت کی حالت زار کا نقشہ آپ بھول نہیں گئے ہیں تو آپ کی حیرت کی کوئی حد نہیں ہوگی۔

فصلوا علیه وسلموا تسلیما.

جو حقوق صنف نازک کیلئے ہو سکتے تھے اور موزوں تھے، وہ اسلام نے اس کو دیدیئے۔ حقوق نسواں کی علمبردار مختلف تنظیمیں اور آزادی نسواں کی چیمپئن عورتیں عورت کے جن حقوق کے حصول کے لئے سرگرداں ہیں وہ درحقیقت حقوق نہیں "لذوذ" (لذت کی جمع) ہیں، ورنہ حقوق تو بیوی کو عورت کو مل چکے ہیں۔

دیکھئے سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سن میں بہت فرق تھا ایک ذہین اور طباع اور پھر کمسن لڑکی کا مزاج، مذاق، رنگ طبیعت، انداز فکر، دلچسپیاں، غرض ہر چیز ایک پختہ عمر، سنجیدہ متین، ثقہ اور ذمہ دار شوہر سے مختلف ہونی چاہئے۔ اور پھر شوہر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا سا، جن کے دوش پر ساری دنیا کی قیادت کا بار تھا، جن کے دل میں ساری انسانیت کی اصلاح کا جذبہ تھا، جن

کے ذہن میں سارے عالم کے لئے ایک نئے اور عظیم تر انقلاب کے منصوبے پرورش پا رہے تھے۔ جن کو شوق تھا آدمی کو انسان بنانے کا، جن کو فکر تھی نئے خطوط پر تشکیل جذبہ کی…… مختصر یہ کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دلچسپیاں سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دلچسپیوں سے جدا نوعیت کی تھیں، یا یوں کہئے کہ ان کے مزاجوں میں اتنا ہی بعد تھا جتنا کہ بڑھاپے اور جوانی میں ہوتا ہے، لیکن دوسروں کے جذبات کا پاس کرنا بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکھانا چاہتے تھے، دوسرے کی جائز خواہشوں کو حتی الامکان پورا کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری سمجھتے تھے۔

عید کا دن تھا۔ چند حبشی باشندے حرم نبویؐ کے قریب ایک تماشہ دکھا رہے تھے۔ بہ تقاضائے عمر جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ تماشا دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم دروازے میں کھڑے ہوگئے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر ٹھوڑی رکھ کر تماشہ دیکھنے لگیں، اور دیر تک دیکھتی رہیں ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ ''کیوں حمیرا! جی نہیں بھرا''؟…… حبیبۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے تکلف انکار کر دیا۔ ''ابھی نہیں بھرا''……

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یونہی کھڑے رہے یہاں تک کہ خود جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا تھک کر ہٹ گئیں۔

ازواج کے ابتدائی زمانے میں تو آستانہ نبویؐ میں جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہت ہی کمسن سہیلیاں جمع ہو جایا کرتی تھیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لاتے تو وہ بھاگ جاتیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بلا لیا کرتے تھے۔

ابتدائی زمانے میں حضرت صدیقہؓ گڑیاں تک کھیلا کرتی تھیں۔ آپ نہ صرف اس کھیل میں حارج و مانع نہیں ہوتے تھے بلکہ کبھی کبھی کسی کھلونے کے متعلق سوال بھی فرما لیا کرتے تھے، اور بھولپن کا کوئی جواب سن کر مسکرا دیتے۔

شادی کے چند دن بعد ایک بار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک پر آپ دونوں میں دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ حضرت عائشہؓ چھریرے بدن کی تھیں آگے نکل گئیں۔ پھر بہت دنوں کے بعد جب سیدہؓ کا عمر کے ساتھ بدن بھی بھاری ہو گیا تھا، ایک بار پھر دوڑ ہوئی۔ اب کے

میدان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا مقابلہ یاد دلا کر فرمایا۔ ''آج اس دن کا بدلہ ہوگیا۔''

ایک دفعہ عید کا دن تھا حرم نبویؐ میں کچھ بچیاں جمع ہو کر گانے لگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ ڈھانپ لیا، لڑکیاں گاتی رہیں۔ اتفاقاً ابوبکرؓ آ گئے اور بچیوں کو ڈانٹنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ ''ان بچیوں کو گانے دو، یہ ان کی عید کا دن ہے۔''

ایک بار سفر میں ازواج مطہرات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں سار بانوں نے اونٹوں کو دوڑانا شروع کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواتین کا خیال آ گیا اور سار بانوں سے فرمایا...... ''ذرا دیکھ کر، یہ آبگینے (عورتیں) بھی ساتھ ہیں۔''

اور سچ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آبگینوں کی نزاکت کا پورا پورا خیال رکھا۔ صنف لطیف کے مزاج کی نزاکت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قدم اور ہر ہر بات میں اس طرح لحاظ فرمایا کہ ہر کوئی تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثالی شوہر تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام بچوں سے بے انتہاء محبت

مولانا ابوطلحہ محمد اظہار الحسن محمود صاحب

کھیلنے والے تین بچوں سے محبت

ایک جگہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا وہاں تین بچے کھیل رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

لاؤ اس بچے کو میں اٹھالوں۔ پھر آپؐ نے اس بچے کو اٹھا کر اپنے آگے سواری پر بٹھالیا ......پھر دوسرے بچے کو اٹھا کر سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔ اب سواری پر بٹھانے کی جگہ باقی نہ رہی تو آپؐ نے اس تیسرے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے دعا دی پھر ہاتھ پھیرا اور دعا دی پھر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ (مسند احمد) یہ تیسرا بچہ حضرت جعفر شہید رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا۔

آپ کا تبرک حاصل کرنیوالا خوش بخت بچہ

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مشروب (پینے کی چیز) لایا گیا آپؐ نے اسے نوش فرمایا۔

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب ایک بچے (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ) بیٹھے تھے اور بائیں جانب بڑی عمر کے صحابی بیٹھے تھے (آپ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کوئی چیز تقسیم فرماتے تو اپنے دائیں طرف سے شروع فرماتے) اسی معمول کے پیش نظر آپؐ نے دائیں طرف والے بچے سے فرمایا:

اگر تمہاری اجازت ہو تو میری بائیں جانب بیٹھے ہوئے بڑی عمر کے لوگ ہیں (جن کا حق زیادہ ہے) ان کو پہلے اپنا بچا ہوا مشروب پینے کو دوں۔ لیکن اس نوعمر بچے نے کہا:

مَا كُنتُ لِأُوثِرَ بِنَصِيبِي أَحَداً يَا رَسُولَ اللّٰه !

نہیں! مجھے یہ پسند نہیں! کہ آپ کے بچے ہوئے متبرک مشروب پر کسی اور کو ترجیح دوں ، پھر آپ نے وہ مشروب اسی بچے کو پینے کے لئے دے دیا۔ (بخاری شریف، کتاب المساقاۃ)

ابوہریرہؓ کا اپنی والدہ کے لئے حضور سے دعا کروانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور قابل رشک صحابی بن گئے لیکن ان کی والدہ کو اسلام سے شدید نفرت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل سے اٹھ کر جب وہ گھر جاتے تو والدہ بہت ڈانٹتی اور برا بھلا کہتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کے قبول اسلام کی بڑی رغبت تھی۔ گاہے گاہے خود والدہ کو اسلام کی خوبیاں بتا کر اس جانب راغب کرنے کی کوشش کرتے لیکن والدہ ان کی ایک نہ مانتی۔

آخر وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں آئے اور یوں عرض کرنے لگے:

إِنَّ أُمِّي كُنْتُ أُرِيْدُهَا عَلَى الْإِسْلَامِ فَتَأْبَى:

میں چاہتا ہوں کہ میری ماں اسلام قبول کرلیں لیکن وہ انکار پر مصر ہیں۔ اے اللہ کے نبی! **اُدْعُ اللّٰهَ لَهَا ، فَدَعَا:** آپ ان کے حق میں ہدایت کی دعا فرما دیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لمحہ دعا فرما دی۔

اور جب میں واپس آیا تو والدہ نے دروازہ بند کر رکھا تھا اس نے اندر سے کہا اے ابوہریرہ! میں مسلمان ہوگئی ہوں۔ تو میں نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور عرض کیا کہ میرے لئے اور میری والدہ کے لئے دعا فرما دیجئے ...... آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اپنے بندے ابوہریرہ اور اس کی والدہ، دونوں کی محبت مومن بندوں کے دل میں ڈال دے۔ اسی لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو آدمی بھی میرا نام سنے گا وہ مجھ سے محبت کرے گا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر ہے۔ (الادب المفرد، ص: ۷۹)

بچے نے کہا: اے اللہ! میرے حق میں قرآن نازل فرما!

حضرت عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے ابھی گھٹنوں کے بل کھڑا ہونا بھی نہیں سیکھا تھا

کہ یتیم ہوگئے تھے والد نے پیچھے کچھ مال ومتاع بھی نہ چھوڑا تھا جو کہ بچے اور اس کی ماں کے کام آسکے۔ ان کی والدہ نے کچھ عرصہ بعد قبیلہ اوس کے ایک شخص جلاس بن سوید سے نکاح کرلیا...... جلاس نے ان کو بھی اپنی کفالت میں لے لیا...... چند ہی ماہ وسال کے بعد...... جلاس کی ہمدردی، حسن سلوک اور فیاضی نے عمیر کو یہ بات بھلا ہی دی کہ اس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا ہے۔

عمیر مسجد میں جاتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق سے اور آپ کی عنایتوں سے شرف یاب ہوتے۔ نوعمری میں ہی انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نمازیں ادا کرنے کا شرف بھی حاصل ہوگیا...... ماں اپنے بیٹے کو مسجد آتے جاتے دیکھتی تو خوشی میں ڈوب ڈوب جاتی، ان کی زندگی اچھے انداز سے گزر رہی تھی اچانک ایک کڑے امتحان سے انہیں گزرنا پڑا...... کم ہی اتنی چھوٹی عمر میں کسی کو ان حالات سے واسطہ پڑا ہوگا۔ تفصیل ملاحظہ ہو......

۹ر ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ تبوک پر رومیوں سے جنگ کرنے کا عزم فرمایا مسلمانوں کو تیاری کرنے کا حکم دیا۔ پھل پکے ہوئے تھے، گرمی شدید تھی، اس کے باوجود لوگ لمحہ بہ لمحہ تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ منافقین پر نکلنا دشوار ہورہا تھا وہ مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کررہے تھے۔ بہرحال لشکر اسلام کمربستہ ہورہا تھا۔

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ روزانہ دیکھتے...... کہ صحابہؓ آتے ہیں اور غلہ، نقدی اور جنگی ہتھیار و دیگر ساز وسامان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرماتے ہیں انصاری خواتین بھی اپنے زیورات اور کپڑے وغیرہ اشیاء لارہی تھیں۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اس منظر کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے والد بھی اور وہ خود بھی اس طرح مالی معاونت کریں اور عملی طور پر اس غزوہ میں شریک ہوں۔

گھر میں والد کے سامنے اس کا ذکر کرتے لیکن والد ٹس سے مس نہ ہوتے انہوں نے اپنے والد کی ہمت بندھانا چاہی اور مسجد نبوی کے صحابہ کے وہ مناظر بھی بیان کئے جو وہ روزانہ لشکر کی تیاری کے سلسلے میں وہاں دیکھتے تھے، لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ان کے والد نے غصہ میں آکر ایک جلی کٹی بات کہہ سنائی کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوائے نبوت میں اگر سچے ہیں تو پھر ہم تو گدھوں سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک

یہ اخلاف ایمان بات سن کر عمیر رضی اللہ عنہ یہ سوچنے لگے کہ میرے والد پر منافقین کا اثر ہو گیا ہے، میں اس کو پوشیدہ رکھوں یا اسلام کا سچا فرزند بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کر دوں؟ بالآخر انہوں نے باپ کی محبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان کی محبت کو ترجیح دی اور آ کر سارا ماجرا حضورِ اکرم وانور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ سنایا۔ آپ نے ان کے والد جلاس کو طلب فرمایا وہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی مجلس میں بیٹھے تھے، آپ نے پوچھا، تو جلاس نے بالکل انکار کر دیا۔ صحابہ محوِ حیرت تھے اور منافقین اپنے ساتھی کی حمایت میں بچے کو کوس رہے تھے اور قسمیں اٹھا کر کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ! ایسا ہو ہی نہیں سکتا، جلاس تو بہت اچھا آدمی ہے۔ یقیناً یہ بچہ ہی جھوٹ بول رہا ہے۔

اب نوعمر عمیرؓ رونے لگے اور دل ہی دل میں کہنے لگے اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے سچی بات کہی ہے تو میری صداقت پر قرآن نازل فرما دے۔ اتنے میں رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر غنودگی طاری ہو گئی صحابہ سمجھ گئے کہ قرآنی آیات کا نزول شروع ہو گیا ہے۔ ہر ایک اپنی جگہ سہم گیا اور سب کی نگاہیں چہرۂ انور پر جم گئیں۔ یہ منظر دیکھ کر جلاس پر خوف و ہراس طاری ہو گیا اور عمیر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر خوشی کے اثرات نمایاں ہونے لگے اور جب وحی مکمل ہو چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر سنائی یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَاقَالُوْا ...... ترجمہ: یہ لوگ قسمیں کھا کر کہتے ہیں، ہم نے ایسی بات نہیں کہی حالانکہ انہوں نے ایسی کافرانہ بات ضرور کہی ہے اور وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جسے کر نہ سکے۔ یہ ان کا سارا غصہ اسی بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیا ہے۔ اب یہ اپنی روش سے باز آئیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے اور اگر یہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ان کو دردناک سزا دے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور زمین میں کوئی نہیں جو ان کا حمایتی اور مددگار ہو۔ (التوبہ: ۷۴)

جلاس یہ سن کر کانپ اٹھے اور روتے ہوئے کہنے لگے: یا رسول اللہ! میری توبہ، یا رسول اللہ! میری توبہ۔ واقعی عمیر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا تھا اور میں ہی جھوٹا تھا۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے کہیں کہ میری توبہ قبول فرما لے۔ پھر جلاس صدقِ دل سے ایمان لے آئے۔ رضی اللہ عنہ

پھر رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کی جانب متوجہ ہوئے اور شاباش کے لہجے میں نہایت شفقت سے اپنا دستِ مبارک ان کے کان پر رکھا اور فرمایا: میرے عزیز! آپ کے ان کانوں نے بالکل صحیح سنا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کردی۔ اس واقعہ کے بعد جب بھی ان کے والد جلاس بن سوید رضی اللہ عنہ کے ہاں ان کا نام و تذکرہ ہوتا تو وہ فرماتے: اللہ تعالیٰ اس بچے عمیر رضی اللہ عنہ کا بھلا کرے اس نے مجھے کفر سے بچالیا اور جہنم سے میری گردن آزاد کروادی۔

(صورٌ من حياة الصَّحابة، للصفّ الثاني المتوسط، صفحه: ۷)

ایک بچے کی وفات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبیلہ میں تشریف فرماتھے میں بھی آپ کے ساتھ تھا:

ایک انصاری عورت نے آپ کو پیغام بھجوایا کہ میرا لڑکا قریب المرگ ہے آپ تشریف لے آویں۔ آپؐ اپنے مبارک ساتھیوں سمیت تشریف لے گئے اور اس لڑکے کو اپنی گود میں لٹایا فوراً بچے کی جان پرواز کرگئی اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے شفقت کے آنسو بہہ پڑے۔

اس انصاری عورت نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے امانت لے لی اور اسی کے لئے ہے جو کچھ باقی ہے اور ہر کام کا ایک وقت طے ہے۔ اس لئے میں صبر کروں گی اور ثواب پاؤں گی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک بلند درجہ ہے جو نماز سے حاصل ہوتا ہے نہ روزہ سے نہ دوسری عبادتوں سے ملتا ہے۔ پوچھا گیا وہ کس چیز سے حاصل ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مصیبت آجائے تو اس پر صبر کرنے سے۔ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو، صفحہ: ۲۶)

حضرت زیدؓ کی بیٹی کے ساتھ آپ بھی رو دیئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت خالد بن شمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جنگِ موتہ میں شہید کردیا گیا۔

تو رسول رحمت، آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے، حضرت زید کی بیٹی آپ کو دیکھ کر بلبلا کر رو پڑی آپ بھی اسے دلاسے دیتے دیتے رو پڑے۔

یہ دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور یہ کیا؟ آپ کیوں اس قدر رو رہے ہیں؟ تو آپؐ نے جواباً فرمایا: یہ دوست کا دوست کی یاد میں رونا ہے۔ (یعنی اپنے پیارے صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی یاد آپ کو تڑپا رہی تھی اور آپ آنسو بہا رہے تھے) (رواہ ابن سعد کذا فی حیاۃ الصحابہؓ، جلد ۳، صفحہ: ۲۹۲)

مہرِ نبوت سے کھیلنے والی بچی

خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی بیٹی آقائے کون ومکاں امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اپنے ابا کے ساتھ آئیں وہ خود بتاتی ہیں کہ: میں چھوٹی سی تھی اور پیلے رنگ کا کُرتا میں نے پہنا ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: سَنَه سَنَه یہ حبشی زبان کا لفظ تھا جس کے معنی حَسَنَه حَسَنَه کے ہیں واہ واہ! بہت اچھا کپڑا ہے۔

پھر میرے والد تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے اور میں آپ کے دونوں شانوں کے درمیان پچھلی جانب جو مہرِ نبوت تھی (ایک اُبھری ہوئی کبوتری کے انڈے کی طرح جس کے اردگرد بالوں کی لکیر سی بنی ہوئی تھی اسے مہرِ نبوت کہا جاتا تھا) اس سے کھیلنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد جب میرے والد صاحب کی نظر پڑی تو انہوں نے مجھے وہاں سے ہٹانا چاہا اور ڈانٹ کر مجھے اپنے پاس بلایا تو امت کے کریم وشفیق آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑو بھئی! اسے کھیلنے دو۔ ساتھ ہی یہ دعا بھی آپ نے دی جو نیا کپڑے پہننے والے کو دی جاتی ہے: پہنتی رہو اور پرانا کرتی رہو تین بار آپؐ نے یہ دعائیہ جملہ ادا فرمایا۔ پھر یہ خوش بخت بچی اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں مست، مہر نبوت کو پکڑتی، چومتی اور اس کے ساتھ کھیلتی رہی۔ سبحان اللہ! کیا قابل رشک بچی تھی۔ (بخاری، کتاب الآداب)

کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک دلچسپ واقعہ جو کہ حضور کی محفل میں پیش آیا، یوں بیان فرماتے ہیں۔

قبیلہ ہوازن کے کچھ قیدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے ان میں ایک عورت تھی جو کسی بچے کو دیکھتی تو فوراً لپک کر اسے اٹھاتی اور سینے سے لگا کر دودھ پلانا چاہتی اور زبان سے کہتی! ہائے میرا بچہ! ہائے میرا بچہ! (درحقیقت اس عورت کا بچہ اس سے کھو گیا تھا) آپؐ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کیا یہ عورت اپنا بچہ آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے جواب دیا نہیں ڈالے گی۔ آپؐ نے فرمایا: جس قدر یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ (بخاری شریف، کتاب الآداب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوٹے بچے کو پھل عطا فرمانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب موسم کا پہلا پھل دیکھتے تو رسول رحمت، ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے۔

آپؐ جب وہ پھل اپنے ہاتھ میں لیتے تو یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما اور ہمارے شہروں میں برکت عطا فرما اور ہمارے صاع (ناپنے کا پیالہ یا پیمانہ) میں بھی برکت ڈال دے اور ہمارے مدّ (یہ بھی اسی طرح کا ایک چھوٹا پیمانہ تھا) میں برکت عطا فرما۔

اے اللہ! بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے نبی اور تیرے خلیل تھے اور انہوں نے مکہ مکرمہ کے لئے دعائے برکت کی تھی اور اے اللہ میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں اور میں مدینہ منورہ کے لئے تجھ سے برکت کی دعا کرتا ہوں کہ وہ برکت اور مزید اس جیسی برکت مدینہ منورہ کو عطا فرما۔ ثُمَّ یَدْعُو اَصْغَرَ وَلِیْدٍ لَهُ فَیُعْطِیْهِ ذَالِکَ الثَّمَرَ: پھر آپؐ وہ پھل (ان ساری دعاؤں اور برکتوں کے بعد) مجلس میں بیٹھے سب سے چھوٹے بچے کو اپنے پاس بلا کر دے دیتے۔ (مسلم شریف، کتاب الحج)

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کو سلام کرنا

ایک اور بڑی پیاری سی، سبق آموز حدیث لکھ رہا ہوں آپ پڑھ کر خوش ہو جائیں گے، اور سب اچھی باتوں پر عمل کے لئے آمادہ ہو جائیں گے اور دوسروں کے لئے عملی

نمونہ اور مثال بن جائیں گے۔

حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے استاد ثابت بُنانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چل رہا تھا ہمارا بچوں کے پاس سے گزر ہوا تو انہوں نے بچوں کو سلام کیا۔ پھر حضرت ثابت بُنانی فرمانے لگے کہ میں اپنے استاد حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہا تھا جب ہمارا بچوں پر گزر ہوا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بچوں کو سلام کیا اور...... ساتھ ہی فرمانے لگے کہ میں اپنے استاد رحمتِ دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا ہم بچوں کے پاس سے گزرے تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو سلام کیا تھا۔ (ترمذی، الاستئذان والآداب عن رسول اللہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں بچوں کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا

نجدہ بن عامر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس خط بھیجا جس میں کچھ سوال تھے۔

ایک سوال یہ بھی تھا کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو جنگ میں قتل کروایا کرتے تھے تو سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا لَمْ یَکُنْ یَقْتُلُ مِنْھُمْ اَحَداً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی بچے کو قتل کا حکم نہیں دیا۔ (مسند احمد)

بچے نے کہا یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ جب چھوٹے تھے اور آپ کی خدمت کا شرف پاتے تھے مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کرتے رہے، وہ بتاتے ہیں کہ: ایک روز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے فارغ ہوا تو میں نے سوچا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو قیلولہ (دوپہر کا آرام) فرما رہے ہیں میں باہر ہو آتا ہوں۔ باہر دیکھا تو بچے کھیل رہے تھے میں ان کے پاس کھڑے ہو کر ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آئے...... آتے ہی آپؐ نے بچوں کو سلام کیا اور پھر مجھے بلایا اور کسی کام کے لئے بھیج دیا اور خود آقائے دوجہاں سائے میں بیٹھ کر میرا انتظار فرمانے لگے یہاں تک کہ میں وہ کام کر کے آ گیا۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کی وجہ سے اپنے گھر دیر سے پہنچا تو میری امی جان نے پوچھا: دیر کیسے ہوئی؟ تو میں نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام گیا تھا۔ والدہ نے پوچھا کس کام کے لئے گئے تھے تو بڑی دانش مندی سے کہنے لگے:

هُوَ سِرٌّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ فَاحْفَظْ عَلیٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ سِرَّهٗ امی جان! وہ کام تو راز داری کا تھا تو والدہ فرمانے لگیں بیٹا! رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کی حفاظت کرتے رہنا۔ (مسند احمد، مسلم، کتاب فضائل الصحابہؓ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کریم آقا کی شفقت

آپ کو یہ تو معلوم ہوگا نا! کہ بچوں میں سب سے پہلے کون اسلام لائے؟ کس بچے نے سب سے پہلے دامنِ اسلام کے ساتھ وابستگی اختیار کی؟ جی ہاں! وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوطالب کثیر العیال تھے قحط سالی کی وجہ سے مالی حالت خاصی پریشان کن تھی اس لئے محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو آپ کے والد سے مانگ لیا اور ان کو اپنے گھر لے آئے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر چار پانچ سال تھی ہمارے آقا ان کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے۔ جہاں جاتے انہیں ساتھ لے جاتے، کھانے میں انہیں اپنے ساتھ بٹھاتے اور آپ انہیں اچھی باتوں کی تربیت دیتے رہتے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا کہ آپ اپنے گھر والوں کو اللہ کا ڈر سنایئے! تو آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع فرمایا اور انہیں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی دعوت دی اور کسی نے تو آپ کی بات نہ مانی ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایسے تھے کہ انہوں نے لوگوں کے مجمع میں بآواز بلند اعلان کیا کہ میں اگرچہ چھوٹا اور کمزور ہوں لیکن میں دین حق کے لئے آپ کا ساتھ دوں گا۔ یوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نو سال کی عمر میں اسلام قبول کر کے سب بچوں سے اسلام لانے میں سبقت حاصل کر گئے۔ (الاصابہ المرتضٰی جلندری)

شہید کے بچوں سے پیار

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچازاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ

بھی تھے جنگِ مُوتہ میں جب وہ شہید ہو گئے تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے ان کے تینوں بچوں عون، محمد اور عبداللہ کو آپ نے اپنے پاس بلایا اور اپنے سینے سے چمٹا کر خوب پیار کیا۔

بچوں سے یوں والہانہ پیار کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر بچوں کی ماں یعنی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جعفر کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے۔ یہ سن کر وہ زار و قطار رونے لگیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کو اپنے گھر لے آئے اور فرمایا: جعفرؓ کے گھر والوں کے لئے کھانا پکاؤ یہ آج بہت غمزدہ ہیں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے گھر میں رکھا اور اپنے ساتھ انتہائی شفقت سے کھانے میں شریک کیا اور ہم تین دن تک کونین کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں مقیم رہے۔ (طبقاتِ ابن سعد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود کو اپنی گود میں اٹھا لیا

خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے نومولود بھائی کو اٹھائے رحمتِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے: آپؐ نے چھوٹے بچے کو بڑی شفقت و محبت سے اپنی مبارک گود میں لے لیا...... پھر مجھ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس کچھ کھجوریں بھی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور اپنے ہاتھ میں لے لی، اپنے منہ میں چبا کر چھوٹے بچے کے منہ میں ڈال دی اور وہ اسے منہ میں بڑے مزے سے چوسنے لگ گئے آپ نے خوشی سے دیکھا اور فرمایا: دیکھو انصار کو کھجور کے ساتھ کس قدر محبت ہے؟ (مسلم کتاب الادب)

خوش نصیب بچے نے سب سے پہلے لعابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چوسا

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلی خاتون ہیں ہجرت کے بعد ان کے ہاں ولادت ہوئی یہ قبا کی بستی میں تھیں کہ ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی...... اس بچے کا نام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) ان کی ولادت پر تمام اہلِ ایمان خصوصاً مہاجر صحابہ بہت ہی خوش ہوئے اس لئے کہ لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ یہود نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوگی۔ جب یہ پیدا ہوئے تو ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی گود میں اٹھالیا اور ان کے منہ میں اپنا لعاب ڈالا اور کھجور اپنے منہ میں چبا کر چٹائی۔ پس ان کے پیٹ میں جو چیز سب سے پہلے گئی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک لعابِ دھن تھا پھر آپؐ نے ان کے لئے دعائے برکت فرمائی۔ (بخاری شریف، کتاب العقیقہ: ۵۰۴۸)

ایک حدیث پاک میں ہے کہ ایک بچے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحنیک کے لئے لایا گیا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس جگہ سے کپڑا دھو دیا۔ (بخاری شریف، کتاب العقیقہ)

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے نومولود بیٹے کو لے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور پھر اپنے لعابِ پاک میں کھجور ملا کر چٹائی۔ بچے کے حق میں برکت کی دعا فرمائی اور پھر...... بچہ مجھے اٹھوا دیا۔ (بخاری شریف، کتاب الادب)

لعابِ نبوی کی تاثیر سے وجاہت ملی

ایک بچے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجوہ کھجور اپنے دہن مبارک میں چبا کر اسے کھلائی وہ بچہ کھجور خوب چوسنے لگ گیا...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دیکھو انصار کو کھجور سے کتنی محبت ہے...... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ اس کے چہرے پر پھیرا اور اس کے لئے عبداللہ نام بھی تجویز فرمایا۔ حدیث کے الفاظ ہیں: فَمَا کَانَ فِی الْاَنْصَارِ شَابٌّ اَفْضَلَ مِنْهُ...... ترجمہ: انصار میں ان جیسا وجیہ نوجوان کوئی نہ تھا۔ (مسند احمد)

بچوں کے ساتھ بڑوں کو بھی نصیحت

نبیوں کے امام، پیارے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ایک صحابیہ کے گھر میں

تشریف فرما تھے۔ انہوں نے اپنے بچے کو بلایا کہ آ میں تجھے چیز دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا، اس کو کیا دینا چاہتی ہو؟ انہوں نے کہا، کھجور فرمایا: اگر تم اس کو کچھ نہ دیتیں تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔ لوگ بچوں کو بہلانے کے لئے جھوٹ بول دیا کرتے ہیں۔ لیکن اسلامی اخلاق کے رُو سے یہ بھی قابل اعتراض ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الادب، مسند احمد)

ایک دفعہ کسی جنگ میں چند بچے مارے گئے۔ آپ کو خبر ہوئی تو بہت رنج پہنچا، ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بچے مسلمان تو نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ خاطر رہے اور فرمایا: خبردار آئندہ کبھی بچوں کو قتل نہ کرنا۔ (مخزنِ اخلاق)

ایک غزوہ پر جانے سے پہلے سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو یہ نصیحت فرمائی۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے بارے میں انتہائی شفقت سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے: وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِیْدًا اور جنگ میں بچوں کو بالکل قتل نہ کرنا۔ (مسلم شریف)

جو عورت اپنے بچے پر رو رہی تھی اسے فرمایا؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو اپنے بچے کی موت پر رو رہی تھی...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِتَّقِیْ اللّٰهَ وَاصْبِرِیْ: اے عورت! اللہ سے ڈر اور صبر اختیار کر۔ اس عورت نے جواب میں کہا تمہیں کیا پتہ مجھ پر کتنی بڑی مصیبت ٹوٹی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے نصیحت فرما کے وہاں سے چلے گئے بعد میں لوگوں نے اس عورت کو بتایا یہ تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے (جن کی بات کو تو نے یوں رد کر دیا) اس بیچاری پر تو یہ سن کر موت کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور پھر جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئی اور دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر کوئی دربان بھی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر معذرت کی اور عرض کیا: لَمْ اَعْرِفْکَ میں نے آپ کو پہچانا ہی نہیں تھا اس لئے ایسا کہ بیٹھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو! اصل صبر تو صدمہ پہنچنے کے ابتدائی مرحلہ ہی میں ہوتا ہے۔ (مسلم، کتاب الجنائز)

یہ الفاظ فرما کر ہمارے پیارے اور کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرمادیا اور ساتھ ساتھ نرمی سے یہ تلقین بھی کردی کہ صبر تو وہ ہے کہ جونہی کسی صدمہ کی خبر سنی ہائے وائے کی بجائے اللہ کو یاد کیا جائے اور آدمی اللہ کی قضا پر رضا کا نمونہ بن جائے۔

اے بیٹے! کچھ دودھ ملے گا پینے کے لئے؟

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم شاگرد سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آنے والی...... ایک ملاقات کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں کہ: میں مکہ مکرمہ کے ایک مشہور کافر عُقبہ بن ابی مُعَیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا ایک روز آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ہمسفر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے اور فرمایا: اے بیٹے! کچھ دودھ ہے پینے کے لئے؟ امیں نے جواب دیا کہ دودھ تو ہے لیکن یہ ساری بکریاں میرے پاس امانت ہیں لہٰذا میں دودھ پلا نہیں سکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی ایسی بکری ہے جو دودھ نہ دیتی ہو وہی ہمیں دے دو! میں ایک ایسی بکری لے کر آیا اور آپ کی خدمت میں پیش کردی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پڑھا اور اس بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کے تھنوں میں دودھ بھر آیا آپ نے دوہا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پلایا خود پیا اور حضرت ابن مسعود کو بھی پلایا۔ پھر کچھ پڑھا اور تھنوں پر ہاتھ پھیرا وہ دوبارہ پہلے والی حالت پر آگئے یعنی سکڑ گئے۔

حضرت عبداللہ بن ابی مسعود رضی اللہ عنہ کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھر گئی اور عرض کیا یہ جو کچھ آپ پڑھتے ہیں مجھے بھی سمجھا دیجئے...... اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی اور میری تعریف فرمائی: اِنَّکَ غُلَامٌ مُعَلَّمٌ تم بڑے سمجھدار بچے ہو۔ (اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ تم بڑے تعلیم یافتہ بچے ہو۔) (مسند احمد)

اس کے بعد جلد ہی آغوشِ اسلام میں آگئے اور دامنِ نبوت سے وابستہ ہوگئے اور سیدنا عبداللہ بن مسعود بن گئے) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خادمِ خاص حضرت اُنس رضی اللہ عنہ پر بے انتہا شفقت

حضرت انس رضی اللہ عنہ چھوٹے بچے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ ان کے بہت سے واقعات ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے آ کر میری گردن پکڑی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ پھر پیار سے فرمایا ”انس! جس کام کے لئے کہا تھا اب تو چلے جاؤ“ میں نے کہا اچھا جاتا ہوں۔ (ابوداؤد، کتاب الادب)

آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، فرماتے ہیں کہ میں دس برس تک آپ کی خدمت میں رہا مگر مجھے آپ نے اُف تک بھی کبھی نہیں کہا، جو کام میں نہ کر سکا اس پر یہ نہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ اگر مجھ سے کوئی نقصان ہو جاتا اور گھر کے آدمی مجھے ملامت کرتے تو آپ فرماتے ”اسے چھوڑ دو، ملامت نہ کرو، ہونے والی چیز ہو کر رہتی ہے (مخزنِ اخلاق)

حضرت عائشہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خَادِماً وَلاَ امْرَاَۃً قَطُّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خادم کو یا کسی عورت کو کبھی نہیں مارا۔ (سنن ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر بہت شفقت فرماتے ان سے محبت کرتے اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے، ان کو پیار کرتے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔

بچے قریب آتے تو ان کو گود میں لیتے، بڑی محبت سے ان کو کھلاتے کبھی بچے کے سامنے اپنی زبان مبارک نکالتے، بچہ خوش ہوتا اور بہلتا، کبھی لیٹے ہوتے تو کبھی اپنے قدموں کے اندر تلووں پر بچے کو بٹھا لیتے اور کبھی سینۂ اطہر پر۔

بچے کو کھلاتے وقت اکثر زبانِ مبارک پر یہ الفاظ ہوتے۔ خَرَقَہ خَرَقَہ فِیْ عَیْنِ کُلِّ بَقَّہ اگر یہ الفاظ بامعنی استعمال کئے گئے ہیں تو غالباً ان کے معنی یہ ہیں (ہر مچھر کی آنکھ میں ٹڈی کا جبڑہ ہے) ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو کھلانے کے لئے

معنی کا قصد کیے بغیر محض خوش طبعی کے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہوں۔

اگر کئی بچے ایک جگہ جمع ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایک قطار میں کھڑا کر دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ تم سب دوڑ کر ہمارے پاس آؤ جو بچہ سب سے پہلے ہم کو چھوئے گا ہم اس کو یہ اور یہ چیز دیں گے۔ بچے بھاگ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر گرتا اور کوئی سینۂ اطہر پر، آپ ان کو سینۂ اطہر مبارک سے لگاتے اور پیار فرماتے۔

بچوں سے اکثر خوش طبعی فرماتے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یَاذَا الْاُذُنَیْنِ یعنی اے دو کانوں والے کہہ کر پکارتے۔ (نبوی لیل ونہار: ۴۱ تا ۴۳)

”راستہ میں چلتے ہوئے بچے کھیلتے نظر پڑتے تو انہیں السلام علیکم کہنے میں پہل فرماتے۔ ان سے ہنستے اور گود میں اُٹھا کر پیار کرتے اور بڑی بے تکلفی سے ان کے ساتھ پیار اور محبت کی باتیں کرتے۔ سفر سے واپس آتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ سوار کر لیتے۔“ (مخزنِ اخلاق)

ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا راستے میں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے پاس سے گزرے تو مجھے سلام کیا۔ (مسند احمد)

تمہاری چڑیا کہاں چلی گئی؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک چھوٹے بھائی تھے جن کا نام ابو عمیر تھا وہ چھوٹے سے تھے...... اور انہوں نے ایک پرندہ بھی پال رکھا تھا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے تو وہ بڑے غمگین بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دل بہلانے کے لئے یوں ارشاد فرمایا: یَااَبَا عُمَیْرَ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ: اے ابو عمیر تمہاری چڑیا کہاں چلی گئی؟)...... وہ خوش ہو گئے اور ان کے گھر والے بھی۔ (ابوداؤد، کتاب الادب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر بطورِ انعام بچے کو دیدی

بارہ سال کا ایک بچہ ہاتھ میں تلوار پکڑے تیز تیز قدموں کے ساتھ ایک سمت میں لپکا

جا رہا ہے دھوپ خاصی تیز تھی بستی میں سناٹا طاری تھا لگتا یوں تھا جیسے اس بچے کو کسی بات کی کوئی پروا نہیں، لپکتے قدموں کا رخ بستی سے باہر پہاڑوں کی طرف ہے، چہرہ غصہ سے سرخ ہے لیکن آنکھیں کسی کی تلاش میں دائیں بائیں گھوم رہی ہیں۔ اچانک ایک چٹان کے پیچھے سے رحمتِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سامنے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے پوچھا؟ پیارے عزیز! ایسے وقت میں تم یہاں کیسے؟ بچے نے جواب دیا: آپ ہی کی تلاش میں نکلا تھا۔ اس بچے کا نام زبیر (رضی اللہ عنہ) تھا۔ والد کا نام عوام اور ماں کا نام صفیہ۔ یہ بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ مکہ مکرمہ میں افواہ پھیلی کہ اللہ کے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑوں میں پکڑ لیا گیا ہے مکہ میں دشمن تو بہت زیادہ تھے اس لئے ایسا ہو بھی سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (جن کی عمر اس وقت صرف بارہ سال تھی) فوراً تلوار اٹھائی اور اکیلے ہی آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے آگئے اور آپ نے یہ بھی پوچھا: کہ اگر واقعی مجھے پکڑ لیا گیا ہوتا تو پھر تم کیا کرتے؟ بارہ سالہ بچے نے جواب دیا کہ مکہ میں اتنے قتل کرتا کہ ان کے خون کی ندیاں بہا دیتا اور کسی کو زندہ نہ چھوڑتا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر ہنس پڑے اور اس جرأت مندانہ انداز پر اپنی چادرِ مبارک انعام کے طور پر انہیں عطا فرما دی۔

اللہ تعالیٰ کو بھی اس بہادر جانثار بچے کی یہ ادا پسند آئی کہ جبرائیل علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں اور زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی، زبیر کو یہ خوشخبری بھی سنا دیجئے کہ اب قیامت تک جتنے لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں تلوار اٹھائیں گے ان سب کا ثواب زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی ملے گا۔ کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلور اٹھائی ہے۔ (مثالی بچپن، صفحہ:۴۳)

پروں والے گھوڑے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب چھوٹی بچی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح نہ ہوا تھا اس وقت کی بات بتاتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں آتے اور

میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی ہوتی تھی۔ وہ سہیلیاں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتیں تو بھاگ کر چلی جاتیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے جاتے تو وہ پھر کھیلنے کے لئے آ جاتیں۔ (ابوداؤد، کتاب الادب)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کا پردہ ہٹا۔ اندر سے گھر کے کونے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھلونے نظر آئے۔

ان میں ایسا ایک گھوڑا بھی نظر آیا جس کے دو پر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا: عائشہ! یہ کیا؟ کیا کسی گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے برجستگی سے جواب دیا: اَمَا سَمِعْتَ اَنَّ لِسُلَیْمَانَ خَیْلًا لَّھَا اَجْنِحَۃٌ آپ نے نہیں سنا کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پر بھی ہوا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر اتنا مسکرائے کہ آپ کے مبارک دانت نظر آنے لگے۔ (ابوداؤد، کتاب الادب)

صحابیہؓ نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا ہے

حضرت عائشہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: میرا بیٹا پیدا ہوا ہے اور میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اور اس کی کنیت ابوالقاسم رکھی ہے۔ بعد میں مجھے یہ علم ہوا کہ آپ اُسے اچھا نہیں سمجھتے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میرا نام رکھا اس کے لئے میری کنیت رکھنا درست نہیں اور جس نے میری کنیت اختیار کی اس کے لئے میرا نام رکھنا درست نہیں۔ (ابوداؤد، کتاب الادب)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے آواز دی: اے ابوالقاسم!

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم سب کے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم بقیع قبرستان کی جانب سے آ رہے تھے کہ: پیچھے سے کسی شخص نے آواز دی اے ابوالقاسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح توجہ فرمائی تو وہ شخص کہنے لگا: میں نے آپ کو آواز نہیں دی میں نے تو فلاں ابوالقاسم کو بلایا تھا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرا

نام رکھا کرو لیکن میری کنیت نہ رکھا کرو۔ (ابن ماجہ، کتاب الادب)

☆...... جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں تھی بعد میں یہ کنیت اختیار کرنے کی اجازت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا کرو

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ایک آدمی کے ہاں بیٹا ہوا تو اس نے اس کا نام محمد رکھا۔

لوگوں کو علم ہوا تو اس کے پاس آئے اور کہا تم نے اپنے بیٹے کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیوں رکھا؟ ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے۔ چلو ہمارے آقا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، وہاں چل کر پوچھتے ہیں کہ یہ نام رکھنا کیسا ہے؟ اس آدمی نے اپنے بچے کو اپنی کمر پر اٹھالیا اور ان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر پوچھا: حضور! میں نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا ہے اور یہ مجھے اس سے منع کر رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی: کہ میرا نام رکھ لیا کرو اور میری کنیت نہ رکھا کرو۔ میں قاسم ہوں تمہارے درمیان مال تقسیم کرتا ہوں۔ (مسلم شریف، کتاب الآداب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اس باب میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کئی احادیث مروی ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بچوں کے لئے اپنا نام محمد رکھنے کی صراحتاً اجازت عطا فرمائی ہے۔ اور محدثین نے لکھا ہے کہ یہ نام بڑی برکتوں والا ہے جس بچے کا یہ نام رکھا جائے وہ بڑی صفات اور خوبیوں والا ہوتا ہے۔ نیز بہت سے ائمہ محدثین کا نام بھی محمد اور احمد حدیث اور اسماء الرجال کی کتابوں میں ملتا ہے۔

میں اسے خوب زیور پہناتا

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت زیادہ پیار فرمایا کرتے تھے آپ خود ان کا منہ

اور ناک اپنے کپڑے سے صاف فرما دیا کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کپڑے پہناتے اور کبھی جوشِ محبت میں یوں فرماتے: ”اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اس کو خوب زیور وغیرہ پہناتا اور اسے ایسا سنوار کر رکھتا کہ اس کی خوبصورتی کا چرچا پورے عرب میں ہوتا۔ (ترمذی شریف)

چھوٹوں پر شفقت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے منہ پر پیار سے بوسہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے عرض کیا میرے دس بیٹے ہیں میں کسی کو اس طرح پیار نہیں کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا جو کسی پر رحم نہ کرے گا اس پر خدا تعالیٰ بھی رحم نہ کرے گا۔ (مسلم شریف، کتاب الفضائل)

بچے کے رونے کی آواز سن کر......

خادمِ رسول مقبول حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نماز شروع کر دیتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے کہ میں نماز لمبی پڑھوں لیکن میں کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اس بچے کے رونے سے اس کی ماں پر کیا اثر ہوگا۔ (بخاری و مسلم شریف)

یتیم بچے کی کفالت کرنے والا

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم بچے کی کفالت کرنے والا آدمی جنت میں ایسے قریب ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں آپس میں قریب ہیں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت والی اور درمیان والی انگلی کو ملا کر اشارہ کر کے بتلایا) (بخاری)

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں سب سے برا وہ گھر ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ برا برتاؤ کیا جاتا ہو۔ (ابن ماجہ)

رحمتِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ: جس نے کسی یتیم بچے کے سر پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے شفقت سے ہاتھ پھیرا تو ہر بال کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نیکیاں عطا فرمائیں گے اور جس شخص نے کسی یتیم بچے یا بچی کے ساتھ جو اس کی کفالت میں تھا اچھا سلوک کیا تو وہ اور میں جنت میں ایسے قریب ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں آپس میں قریب ہیں (آپؐ نے شہادت والی اور درمیان والی انگلی ملا کر اشارہ کر کے بتایا)۔ (مسند احمد)

کوئی بچہ ڈھونڈ لاؤ جو ہماری خدمت کیا کرے

حضرت عبداللہ بن حطب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت اُنس رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ کو فرمایا کہ: جاؤ کوئی بچہ ڈھونڈ لاؤ جو ہماری خدمت کیا کرے تو وہ مجھے اپنے پیچھے سوار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے پس میں حضور اکرم صلی اللہ عایہ وسلم کی باقاعدگی سے غزوۂ خیبر تک خدمت کرتا رہا میں دیکھتا جب بھی آپ کسی جگہ اترتے تو...... یہ دعا فرماتے......

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسَلِ
وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ .

ترجمہ: اے اللہ تعالیٰ! میں آپ سے پناہ چاہتا ہوں ...... غموں اور پریشانیوں سے، کمزوری اور سستی سے، کنجوسی اور بزدلی سے، قرض کے تسلط سے، اور برے لوگوں کے غلبہ سے۔ آمین۔ (بخای شریف، کتاب الدعوات)

ان کے ساتھ ان کا بچہ بھی تھا

ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک انصاری عورت آئیں ان کے

ساتھ ان کا بچہ بھی تھا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ گفتگو فرمائی ...... پھر آپ ؐ نے ان کی تعریف کے لئے یوں ارشاد فرمایا: تم مجھے دوسرے لوگوں سے دوگنے پیارے ہو۔ (بخاری کتاب المناقب)

اس بچے کے حج کا اجر تمہیں ملے گا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے کائنات سیدِ عرب وعجم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حج کے دنوں میں ایک عورت کے پاس سے گزرے جس نے چادر سے پردہ کیا ہوا تھا اس کے ساتھ اس کا آٹھ دس سالہ بچہ تھا۔ اس نے آپ ؐ سے سوال کیا: اَلِهٰذَا حَجٌّ قَالَ نَعَمْ وَلَكِ اَجْرٌ: کیا اس کا حج ہو جائے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں اور اس کا ثواب تمہیں ملے گا۔

(معلوم ہوا کہ: حج کے دنوں میں جو سمجھدار بچہ والدین کے ساتھ وہاں موجود ہو وہ بھی اپنے والدین کے ساتھ ارکانِ حج ادا کرتا رہے۔ (نسائی، کتاب مناسک الحج)

حضور! میرا یہ بچہ بولتا نہیں

سیدالرسل فخرِ کائنات سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ کے روز بعض مناسک سے فارغ ہو کر آ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت اپنا بچہ لے کر حاضر ہوئیں عرض کی: یہ میرا بچہ ہے اور میرا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے حضور! اسے کوئی مرض ہے یہ بولتا نہیں ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا: پانی لے آؤ پانی لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور کلی فرمائی اور پھر اس عورت کو فرمایا: اس میں سے کچھ پانی اسے پلا دو اور کچھ اس کے بدن پر ڈالو۔ امید ہے اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔

حضرت اُمِ جُندُب رضی اللہ عنہا جو اس وقت وہاں موجود تھیں اور اس قصے کو بیان فرماتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ میں نے اس عورت سے کہا: لَوْ وَهَبْتِ لِيْ مِنْهُ: کچھ توڑا سا پانی اس میں سے مجھے بھی دے دو اس بچے کی ماں نے کہا یہ تو اس بیمار بچے کے لئے ہے۔

پھر اتفاق سے اگلے سال اُمِ رضی اللہ عنہا کی ملاقات اس بچے کی ماں سے ہوئی تو اس

سے پوچھا: تمہارے بیٹے کا کیا حال ہے وہ ٹھیک ہوگیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: بَرَاَوعَقَلَ عَقْلاً لَیْسَ کَعُقُوْلِ النَّاسِ: ہاں بہن! وہ ٹھیک ہوگیا ہے اور عام بچوں سے عقل و دانش میں بہت آگے ہے۔

چھوٹا سا بچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی راہ میں کھڑا تھا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک چھوٹا سا بچہ راستہ میں کھڑا تھا ادھر سے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف لا رہے تھے۔ بچے کی ماں نے اتنے ہجوم سے لوگوں کو آتے دیکھا تو دوڑ کے یہ کہتی ہوئی آگے بڑھی ہائے میرا بچہ! میرا لختِ جگر! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: حضور! یہ عورت تو اپنے بچہ کو آگ میں کبھی نہیں ڈال سکتی تو آقائے عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے کو بھی آگ میں کبھی نہیں ڈالے گا۔ (مسند احمد)

تم اپنی اولاد کو کیوں مصیبت میں ڈالتے ہو

سردارِ مدینہ، رحمت دو جہاں، اللہ کے پیارے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمِ المؤمنین سیدہ اُمِ سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس کسی عورت کا بچہ موجود تھا جس کے حلق سے خون آ رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس سے بچے کو کیا بیماری ہے؟ بتایا گیا کہ اس کے حلق میں درد و زخم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عورتیں اپنی اولاد کو کیوں مصیبت میں ڈالے رکھتی ہو؟ اسے قُسطِ ہندی کیوں نہیں دیتیں (طبی نام قُسطِ شیریں ہے، گلے کے امراض اور جلد کی بیماریوں کے لئے بہت مفید ہے اور ارزاں بھی ہے۔ مؤلف) قُسطِ ہندی لے کے اسے سات بار رگڑ لیں تھوڑے سے پانی میں اور وہ اس کے گلے میں لگائیں اور چٹائیں۔ اس بچے کے گھر والوں نے ایسا ہی کیا اور وہ بچہ ٹھیک ہوگیا۔ (مسند احمد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے آگے اونٹ پر بٹھالیا

حضرت یعلی ابن مرّہ حضور اکرم نبی عرب وعجم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

ایک لمبی حدیث نقل فرماتے ہیں جن میں تین واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں انہیں دیکھنے کو ملے ان میں سے ایک واقعہ بچوں سے متعلق ہے جو کہ بچوں کی دلچسپی کے لئے ذیل کی سطور میں درج کیا جاتا ہے۔

میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو ہم راستہ میں چل رہے تھے دیکھا تو ایک ماں اپنے بچے کو گود میں لئے بیٹھے تھی اس نے رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی ...... یہ میرا بیٹا ہے اسے کوئی بیماری ہے اور دن میں کئی بارہ دورہ پڑ جاتا ہے اس کی وجہ سے ہم بھی مصیبت میں مبتلا ہیں اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاؤ! مجھے اٹھا کر دو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے مبارک ہاتھوں سے اٹھایا اور اپنے سامنے اونٹ پر بٹھالیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور اس بچے کے درمیان صرف اونٹ کے کجاوہ کی لکڑی حائل تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بڑھ کر **بسم اللہ انا عبداللہ اخسایا عدو اللہ** (اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت کے ساتھ میں اللہ کا بندہ تجھے کہتا ہوں اور اے اللہ کے دشمن دور ہو جا) اس کا منہ کھولا اور اس میں دم کر دیا اور پھر وہ بچہ اس کی ماں کی گود میں واپس کر دیا۔ نیز فرمایا: جب ہم واپس لوٹیں تو ہمیں اس کے متعلق پھر بتانا۔

صحابیؓ کہتے ہیں جب ہم واپسی میں اس جگہ سے گزرے تو حضور نے اس عورت سے پوچھا: بچے کا کیا حال ہے؟ اس عورت نے بتایا اس کے بعد اب تک بالکل کوئی تکلیف اسے نہیں ہوئی۔ پھر وہ عورت تین بکریاں لائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمراہی صحابی کو حکم دیا ان میں سے ایک بکری اپنے ہمراہ لے لو...... پھر آگے چل دیئے۔ (مسند احمد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کا سفر آخرت

خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ

بزرگان محترم برادران عزیز!

اب آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات کے بارے میں یعنی آپ کی وفات اور آپ کے وصال کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں، یہ بھی سیرت طیبہ ہے اور بعضے بزرگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا اور آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ وہ یہ کہ ہر نبی اور پیغمبر جب دنیا سے تشریف لے جاتے تھے تو وہ یہ اعلان فرماتے تھے کہ میرے بعد ایک نبی آنے والے ہیں۔ مگر آپ نے فرمایا کہ میرے بعد اب کسی نبی اور پیغمبر کے آنے کا سوال نہیں ہے۔ اس لئے کہ جن مقاصد کے لئے جن کاموں کے لئے اور جن ذمہ داریوں کے لئے اللہ تعالیٰ نبی بھیجتے تھے۔ وہ ذمہ داریاں اللہ نے میرے بعد میرے ہر امتی کے اوپر ڈال دیں۔ میری امت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ کام کریں کہ جس کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لایا کرتے تھے۔ اب کسی نبی کے اور پیغمبر کے آنے کا سوال ہی نہیں۔

اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ آپ کی وفات اور آپ کا وصال یہ عموم بعثت ہے عموم بعثت کے معنی یہ ہیں کہ پہلے ایک فرد کی بعثت تھی۔ حضور تشریف لائے۔ آپ نے کام انجام دیئے، لیکن فرمایا کہ اب عمومی طور پر امت پر یہ ذمہ داری ڈال دی گئی ہے یعنی نبی کی بعثت کا کام آپ کی امت کے ذمہ ڈال دیا گیا۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا اور آپ کی وفات کا واقعہ بھی نہایت اہم واقعہ ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سن ۱۰ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا۔ حج آپ نے بہت سے کئے لیکن اس کو شریعت کی اصطلاح میں حج اصغر کہتے ہیں، یعنی عمرہ، عمرے کو حج اصغر کہا جاتا ہے اور حج کو حج اکبر کہا جاتا ہے۔

عمرے میں عرفات کے میدان میں قیام نہیں ہے۔ منیٰ اور مزدلفہ کا قیام نہیں ہے۔ بلکہ خانہ کعبہ کا طواف ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی ہے اور جب وہ سعی کے چکر پورے ہو جاتے ہیں تو پھر اس کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے سر کے بال کتروانے کے بعد حلق کیا جاتا ہے۔ یہ عمرہ ہو گیا۔ اس عمرے کو اصل میں حج اصغر کہا کرتے تھے، چھوٹا حج اور اس کے مقابلے میں جب وہ حج آیا کہ جس میں عرفات کے میدان میں جانا ہے۔ عرفان سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے منیٰ، یہ حج اکبر کہلایا۔

ہم اور آپ تو حج اکبر اس حج کو کہنے لگے کہ جو جمعہ کے دن ہو، لیکن اسلام میں اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ اسلام تو حج اکبر عمرے کے مقابلے میں حج کو کہتا ہے یعنی یہ بڑا حج اور یہ چھوٹا حج، ہاں اگر حج جمعہ کے دن واقع ہو جیسا کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج ادا فرمایا ہے تو وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فضیلت در فضیلت، اور فضیلت بڑھ گئی اس فضیلت کا اظہار ہم اور آپ عوام کی زبان میں حج اکبر کے لفظ سے اس کو ادا کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں عام حج کو حج اکبر کہا گیا ہے۔

یہ میں نے تفصیل اس لئے عرض کی کہ سن ۱۰ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج ادا کیا ہے، یہی آپ کا پہلا حج ہے، یہی آپ کا آخری حج ہے۔ یہی حج، حج اکبر ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے آپ نے عمرے بہت سے ادا کئے ہیں۔ اور حج کا سوال اس لئے پیدا نہیں ہوا کہ ابھی اسلام میں حج فرض نہیں ہوا۔ حج فرض ہوا ہے ۹ ہجری میں۔ اور میں نے اس سے پہلے بھی آپ کو بتایا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حج سن ۶ ہجری میں فرض ہو گیا تھا۔ لیکن علماء نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس کو رد کر دیا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ حج کے معاملے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ آپ کا ارشاد نہایت سنگین اور سخت ہے۔ آپؐ نے فرمایا اور حدیث قدسی کے طور پر آپؐ نے فرمایا کہ جس آدمی پر حج فرض ہو جائے اور وہ حج کو ٹالتا رہے۔ اس سال نہیں۔ اگلے سال اگلے سال

نہیں، اس سے اگلے سال۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کا ذمہ بری ہے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یہودی ہو کے مرے گا، یا نصرانی ہو کے مرے گا۔

جب خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حج کی تاخیر کے سلسلے میں اتنی ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں تو یہ بھلا! یہ بات کبھی سمجھ میں آتی ہے کہ حج ٦ ہجری کو فرض ہو جاتا اور ۹ ہجری تک آپ حج ادا نہ کرتے۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب حج آپؐ پر فرض ہو گیا اور آپ تو اس مقام اور اسی جگہ پر موجود ہیں کہ جہاں حج ادا کیا جاتا ہے۔ یعنی حجاز میں موجود ہیں۔

ہمارے اور آپؐ کی فرضیت میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اگر وہاں تک پہنچنے کے وسائل ہمارے اور آپ کے پاس موجود نہیں ہیں تو ابھی ہم پر حج فرض نہیں ہوا، اتنے پیسے نہیں ہیں کہ جو ہم کرایہ ادا کر سکیں یا اس مروجہ انتظام سے جا سکیں۔ لیکن جو آدمی جس کے پاس پیسے بھی نہ ہوں اگر وہ ایام حج میں اس سرزمین پر ہو کہ جہاں پر حج کیا جاتا ہے تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک شخص کسی ملازمت کے سلسلے میں کسی اور ضروری سفر کے سلسلے میں اتفاق سے ذی الحجہ کے پہلے عشرے میں مکہ میں موجود ہے اس لئے اس پر حج فرض ہو گیا۔ اب یہ ادا کرے گا اپنا حج فرض ادا کرے گا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حج سن ٦ ہجری میں فرض ہو جاتا، آپ سن ۷ ہجری میں نہ کرتے، ۸ ہجری میں نہ کرتے، ۹ ہجری میں آپؐ حج ادا کرتے۔ یہ ممکن نہیں۔ کہ آپؐ اس کو ۳ سال تک ٹالتے۔ بلکہ صحیح قول یہ ہے کہ حج فرض ہوا ہے سن ۹ ہجری میں۔ تو سب سے پہلے اگلا سال جب آیا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کیا۔ یہ آپ کا پہلا حج اور یہی آپ کا آخری حج ہے۔ اسی کو حجتہ الاسلام بھی کہتے ہیں، اس کو حجتہ الوداع بھی کہتے ہیں۔

حجتہ الاسلام تو اس لئے کہتے ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ حج فرض ہوا ہے۔ حجتہ الوداع اس لئے کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے اس حج میں رخصت ہو رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

اے میرے ساتھیو! مجھے حج کرتے ہوئے تم ذرا اچھی طرح غور سے دیکھنا اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس کے بعد پھر یہ صورت دیکھنے کی نوبت نہ آئے۔ اچھی طرح دیکھ لینا کہ حج کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ پھر شاید اس کے بعد مجھے حج کرتے ہوئے نہ دیکھو۔

آپؐ نے دسویں ہجری میں حج ادا کیا اور حج ادا کر کے واپس مدینہ تشریف لے آئے، ذی الحجہ کے کچھ دن، محرم، صفر دو مہینے اگلے سال کے گزرے کہ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ آپ نے حجۃ الوداع ادا کیا۔ تو ایک بات تو یہ پیش آئی کہ اسی حج کے موقعہ پر میدان عرفات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی ایک آیت دی گئی فرمایا کہ

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً

تکمیل دین کی بشارت سنادی گئی۔ اب دین کا کوئی ٹکڑا، دین کا کوئی حصہ، دین کا کوئی جز اب باقی نہیں رہا ہے۔ جتنا دین تھا سب دیا جا چکا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کی آیتوں میں سے یہ سب سے آخری آیت ہے۔ شاید آپ کو شبہ نہ ہو جائے، کبھی کبھی میں نے یہ بھی آپ کے سامنے کہا ہے کہ **اذا جاء نصر اللہ والفتح** یہ آخری سورت ہے۔ لیکن یہ دو باتیں الگ الگ ہیں۔

سب سے پہلے آیت، آیت کی حیثیت سے قرآن کریم کی جو نازل ہوئی ہے وہ **اقرا باسم ربک الذی خلق** ہے۔ لیکن سب سے پہلے سورت، سورت کی حیثیت سے، پوری سورت، وہ سورہ فاتحہ نازل ہوئی ہے۔

قرآن کریم کی آیتوں میں سے سب سے آخری آیت جو آیت اور ٹکڑے کے طور پر نازل ہوئی ہے، وہ **الیوم اکملت لکم دینکم** الخ ہے اور سورتوں میں سب سے آخری سورت **اذا جاء** ہے۔

جب آخری سورت آپؐ پر نازل ہوئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف رکھتے تھے، اور صحابہ موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ نے اپنے ایک بندے کو (اور وہ ایک بندے سے مراد خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے)۔

یہ اختیار دیا تھا کہ چاہے اور زیادہ دنیا میں قیام کرے اور چاہے تو اپنے رفیق اعلیٰ اور اللہ سے مل جائے۔ فرمایا کہ اللہ کے اس بندے نے دنیا کے قیام کو پسند نہیں فرمایا۔ رفیق اعلیٰ کی ملاقات کو پسند فرمایا ہے۔ بات ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زار و قطار

رونے لگے۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ اے ابوبکر صدیق! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ واقعہ ایک شخص کے بارے میں بیان کیا ہے۔ آپ کے رونے کی کیا بات ہے۔

بات یہ ہے کہ جس کو جتنی محبت ہوتی ہے، اتنا ہی اس پر اثر ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ ان حقائق کو سمجھنے والے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں تم سمجھے نہیں۔ یہ بات جو حضور نے ارشاد فرمائی ہے۔ یہ خود اپنے بارے میں فرمائی ہے اور کسی بندے کے بارے میں نہیں فرمائی۔ اور گویا کہ آج آپ اعلان فرما رہے ہیں کہ آپ نے سفر آخرت کا ارادہ کرلیا ہے۔ یہ اب آخری لمحات ہیں جو حضور کے ساتھ گزر رہے ہیں۔

جب ایک چیز منزل کمال تک پہنچ جاتی ہے۔ تو منزل کمال پر پہنچنا اس بات کی نشانی ہے کہ اب اترنے والی ہے دین مکمل ہو چکا۔ اب آپ کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ اب آپ تشریف لے جائیں گے۔ ایسا ہی ہوا۔

کہ آپؐ حج کر کے مدینہ میں تشریف لائے۔ ذی الحجہ، محرم کا مہینہ گزرا، صفر کے مہینہ میں آخری چہار شنبہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور بیماری کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ رات کو اٹھے اور جنت البقیع کی قبرستان کی طرف روانہ ہو گئے۔

جنت البقیع وہ ٹکڑا ہے جس میں لاکھوں خاصان خدا، صحابہ کرام، اولیاء اللہ، ازواج مطہرات، اہل بیت اور بہت سے اللہ کے مقبول بندے، اس کے اندر مدفون ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں جنت البقیع میں جاؤں اور اہل قبور کے لئے مغفرت کی دعا کروں۔ کیسی خوش قسمتی ہے ان قبر والوں کی کہ جن کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مغفرت کی دعا فرمائیں۔ آپؐ مغفرت کی دعا کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ کسی صاحب دل نے بہت اچھی بات کہیں۔ فرمایا کہ

کششے کہ عشق دارد نہ گزاردت بدینسان
بہ جنازہ گرنیائی بہ مزار خواہی آمد

یہ محبت کا کرشمہ ہے۔ یہ عشق کا کرشمہ ہے کہ اگر جنازے پر حاضری کی نوبت نہ ملی تو بہرحال مزار پر تو آنا ہو ہی گیا۔

اور جن کی مزار پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی دعا نہیں فرمائی ان کو بھی ایک شرف، ایک عزت اور فضیلت یہ ملنے والی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھیں گے...... کیسے؟

حدیث میں آتا ہے جو مسلمان اور اہل ایمان جہاں کسی ملک میں کسی سرزمین پر دفن کیا جائے گا۔ وہاں تین سوال ہوں گے۔ پہلا سوال یہ ہوگا۔ **من ربک**، آپ کا رب کون ہے۔ **وما دینک** اور آپ کا دین کا کیا نام ہے۔ **ومن ھذا الرجل** اور جن کی طرف ہم اشارہ کر کے پوچھ رہے ہیں۔ انہیں دیکھو اور بتاؤ یہ کون ہیں۔

یہ مقام تو حضرت رابعہ بصریہ کو حاصل ہے۔ فرمانے لگیں کہ اگر مجھ سے منکر نکیر نے یہی سوال کیا تو میں انہیں جواب دوں گی۔ ہم اور آپ تو نہیں کہہ سکتے، ہمیں تو اس وقت کے تصور سے خوف ہے کہ آیا ہمارے ہوش وحواس بھی درست ہوں گے یا نہیں۔ جواب دے سکیں گے یا نہیں دے سکیں گے۔ لیکن یہ مقام ناز کا مقام ہے، جو اللہ والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ فرماتی ہیں۔

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست　　گویم آنکس کہ ربودی دل دیوانہ ما

اگر فرشتوں نے مجھ سے آ کے یہ پوچھا کہ تیرا رب کون ہے۔ میں یہ کہوں گی کہ تو میرا رب پوچھتا ہے۔ میرا رب وہ ہے، جس کے لئے میں نے دونوں جہاں چھوڑ دیئے۔ جس کی خاطر میں نے اپنی ساری عمر وقف کر دی۔ وہ مرا رب ہے۔ ناز کے عالم میں، مستی کے عالم میں فرماتی ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اے عمرؓ!

قبر کی تنہائی میں جب یہ سوال کیا جائے گا کہ **من ربک وما دیناک ومن ھذا الرجل** تو کیا جواب دو گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ ایک بات یہ بتا دیجئے کہ ہمیں اس وقت ہوش ہوگا یا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہوش تو بہت زیادہ ہوگا۔ یہاں سے بھی زیادہ ہوگا۔ فرمایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر جب ہوش ہوگا تو پرواہ نہیں جواب دیں گے بیڑا پار ہو جائے گا۔ صحیح جواب دیں گے۔

تو میں نے عرض کیا کہ **ومن ھذا الرجل** یہ اشارہ کس کی طرف ہوگا، یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگا۔ علماء نے لکھا ہے کہ جب کسی میت سے سوال کیا جائے گا خواہ دنیا کے کسی خطے اور زمین کے اندر اس کو دفن کیا گیا ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں آرام فرما رہے ہیں وہاں سے لے کر اس میت کی قبر تک زمین کے جتنے حجابات اور

پردے ہیں وہ سب ہٹا دیے جائیں گے ایک مؤمن اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور یہ ایمان کا تقاضا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالتے ہی وہ یہ کہے گا کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپؐ کی محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ دنیا میں جس جگہ میں مؤمن کا انتقال اور وصال ہو آپؐ تشریف لاکر اس کے جنازے کی نماز پڑھائیں۔ لیکن ایسا ممکن نہیں۔

حضور اکرمِ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں اہل قبور کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے تشریف لے جارہے ہیں۔ جن کی مغفرت کے لئے حضور کے ہاتھ اٹھ جائیں۔ کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کیا وہ مغفرت سے بچ جائے گا۔ ضرور ہوگا۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بات لکھی ہے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے تو آپ کو یہ محسوس ہوا کہ یہ ایک پتھر ہے۔ یہ رو رہا ہے۔ آپ کہیں گے کہ پتھر میں تو حس نہیں ہے۔ ہمارے اور آپ کے اعتبار سے حس نہیں ہے لیکن اس میں حس ہے اور فرمایا کہ اگر پتھر میں حس نہیں تو **وان من الحجارة لما یتفجر منه الانهر وان منها لما یشقق فیخرج منه الماء وان منها لما یهبط من خشیة الله** کبھی کبھی پتھر اللہ کے خوف سے لرز کر اوپر سے نیچے گر جاتا ہے۔

پتھر میں خوف خدا ہے۔ اس میں بھی خشیت ہے۔ وہ رو رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تیرے رونے سے دل کٹا جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس لئے رو رہا ہوں جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ جہنم کے اندر، ایندھن کے طور پر جو چیز جلائی جائے گی وہ پتھر ہوں گے۔ **وقودها الناس والحجارة** میں اپنی قسمت پر رو رہا ہوں کہ ہائے میں پتھر پیدا کیا گیا۔ میں دوزخ کا ایندھن بن گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اس کے حق میں دعا مانگی اور فرمایا میں نے تیرے حق میں اللہ سے دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے بچا لیں گے۔ آپؐ تشریف لے گئے۔ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ برابر رونے میں مصروف ہے۔ آپؐ نے پھر پوچھا کہ تیرے رونے کی کیا بات ہے۔ اس نے کہا کہ

کان ذلک بکاء الخوف وهذا بکاء السرور۔ وہ خوف کا رونا تھا اور یہ خوشی کا

رونا ہے۔ کہاں میری قسمت کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں دعا فرمائیں یہ وہ خوشی ہے کہ جس کی وجہ سے میرے آنکھوں سے آنسو تھمتے نہیں۔

کششے کہ عشق دارد نہ گزاردت بدینسان بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

ہم اور آپ تو امتی ہیں۔ صاحب ایمان ہیں۔ اگر ہمارے دل میں یہ تقاضا ہو تو یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ اسلام کا تقاضا ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ جانوروں کے دل میں بھی یہ تقاضا ظاہر ہو جائے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے ہاتھ مبارک سے ۶۰ اونٹ ذبح کئے اور فرمایا کہ جب ایک اونٹ کو ذبح کر کے جب دوسرے کی باری آتی تھی تو وہ شوخیاں کرتا ہوا آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی گردن پیش کر دیتا۔

کلھن یزدلفن الیہ ایک سے ایک اونٹ بڑھ کر اپنی گردن پیش کرتا تھا۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف بامید آنکہ روزی بشکار خواہی آمد

فرمایا کہ۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اگر آپؐ کے ہاتھوں ذبح ہونا ہے تو میرا گلا بھی تیار ہے۔

بات بڑھ گئی! ع لذیذ بود حکایت، دراز تر گفتم۔

آپؐ آدھی رات کو جنت البقیع کی طرف تشریف لے گئے۔ اہل قبور کے لئے آپ نے مغفرت کی دعا فرمائی۔ واپس تشریف لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ وارأس، وارأس، راس کے معنی ہیں سر، ہائے میرا سر تو چلا۔ یعنی میرے سر میں سخت تکلیف ہے۔ آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کا اظہار کیا۔ سر کا درد بڑھتے بڑھتے بخار کی تکلیف میں تبدیل ہو گیا۔ اور بخار کی یہ کیفیت بہت بڑھ گئی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ جن کاموں کے لئے آپ تشریف لائے تھے ان کاموں کی طرف سے ذہن نہیں ہٹا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا جانے والا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو بھی بھیجا۔ اس لشکر میں سے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تیمارداری کے لئے تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضرت اسامہ بن زید سے اجازت لے کر آ گئے۔ مدینہ سے دو ایک میل کے فاصلے پر لشکر ٹھہرا ہوا ہے۔ آپ کی بیماری اور علالت کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ تکلیف ابھی تک قابل برداشت ہے۔

۱۳ یا ۱۴ دن آپ کے بیماری کے گزرے۔ جن میں سے ایک ہفتہ اس طریقے پر آپ نے گزارا، آج کس بیوی کے گھر جانا ہے۔ آج کس کے یہاں میرے جانے کا نمبر ہے۔ تاکہ بیویوں کی حق تلفی نہ ہو۔ حالانکہ قرآن کریم میں صاف اور واضح طور پر ایک آیت نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد فرمایا کہ اگر آپ ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے پاس بھی تشریف نہ لے جائیں تو یہ آپ کی کوتاہی میں شمار نہیں ہوگا۔ اور اس کا آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

نفحۃ الیمن ایک کتاب ہے عربی میں۔ اس میں حکایتیں ہیں۔ اس میں ایک حکایت ہم نے طالب علمی کے زمانے میں پڑھی تھی کہ ایک شخص نہایت بدشکل، کالا، ایک ایسی عورت کو مار رہا ہے کہ جو نہایت جمیل و حسین نہایت خوبصورت ہے۔ ایک راہگیر نے یہ کہا کہ تو کیوں اس کو مار رہا ہے۔ اسے غصہ آ گیا۔ اس نے کہا میں اس آدمی کو مار ڈالوں گا۔ اس حسین اور خوبصورت خاتون نے کہا، اے راہگیر تم میرے معاملے میں دخل نہ دو۔ یہ میرا شوہر ہے۔ میں اس کی بیوی ہوں۔ اس نے یقیناً دنیا میں کوئی ایسا کام کیا ہے۔

کہ ہم دونوں اپنا اپنا بدلہ پا رہے ہیں۔ تمہیں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں یہ اپنے کئے کا بدلہ پا رہا ہے۔ میں اپنے کئے کا بدلہ پا رہی ہوں۔ تم کون ہو بیچ میں مداخلت کرنے والے۔

اندازہ لگائیے۔ کیا سوچنے کا انداز تھا۔ اور ایک اور بات عرض کر دوں۔

میں نے دوستوں سے ہمیشہ یہی عرض کیا ہے کہ آپؐ نے آخری عمر میں جو نکاح فرمائے ہیں۔ درحقیقت اس کا مقصد کثرت ازواج نہیں ہے۔ مقصد ہی اس کا یہ تھا کہ عورتیں آپ کی بیوی بن کر آپ کی خانگی زندگی اور گھریلو زندگی کو دیکھیں اور ان حالات کو جمع کریں تاکہ آنے والی امت کے لئے شریعت اور دین کا کام دے سکیں۔ مگر اس کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دلداری فرما رہے ہیں۔ دلداری ہی نہیں بلکہ آپؐ نے بعض اوقات کبھی کبھی سخت قسم کا جواب بھی بیویوں کی طرف سے برداشت کیا ہے۔ آپ کی بیویوں میں سے ازواج مطہرات میں سے مزاج کے اعتبار سے ایک بیوی ایسی تھی اور نقل کفر کفر نباشد۔ ہمارا منہ نہیں ہے کہ ہم

ایسی بات کہیں۔ ہم تو صرف نقل کرنے والے ہیں۔ ورنہ ہم تو ان کے جوتوں کے خاک کے برابر بھی نہیں۔ ان کا مزاج تھوڑا سخت تھا اور وہ کبھی کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب بھی دے دیتی تھی۔ یہ کون تھی؟ یہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی ہیں۔ جس وقت وہ ذرا سختی سے بولتی تھیں۔ جواب دیتی تھیں۔ تیزی سے بولتی تھیں۔ آپ بڑے پیار و محبت کے الفاظ فرمایا کرتے تھے کتنا پیارا جملہ آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ هذه بنت ابيها یہ تو بالکل بنی بنائی اپنے باپ کی بیٹی ہے۔ یعنی جس طرح عمر فاروقؓ کا مزاج تھوڑا سخت ہے۔ بیٹی کا بھی ویسا ہی ہے۔ لیکن آپؐ برداشت کرتے تھے۔

حضرت شاہ ابوالخیر، حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ان کی بیوی بڑی سخت مزاج تھی یعنی جب کسی طالب علم کو کسی کام کے لئے وہ گھر بھیجتے تھے تو وہ طالب علم روتا ہوا آتا تھا۔ یہ پوچھا کرتے تھے۔ کیا! بیگم صاحبہ نے کچھ برا بھلا کہا ہے۔ تو وہ آگے چپ ہو جاتا تھا۔ سمجھ جاتے تھے کہ اس کا مزاج ہی ایسا ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت جب آپ کی بیوی اتنی بدمزاج ہے تو آپ اس کو طلاق کیوں نہیں دے دیتے۔ چھوڑ دیجئے۔ اور کسی اور سے نکاح کرلیں۔ یہ دیکھئے اللہ والے طلاق دینے میں کتنا احتیاط برتتے تھے۔ فرمایا آپ نے یہ بات جو کہہ دی۔ اس میں کوئی مشکل تو نہیں لیکن تمہیں معلوم ہے کہ وہ عورت ہے تو جوان، میں اگر اسے طلاق دے دوں گا تو بہرحال کوئی نہ کوئی مسلمان اس سے شادی کر ہی لے گا۔ تو یہ عورت بجائے میرے اس کو جا کے ستائے گی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی خود غرضی کے لئے اپنی بلا کسی دوسرے مسلمان بھائی کے گلے ڈال دوں۔ فرمایا نہیں۔ اس عورت کے بدلے میں میرے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا ہے۔

ایک اور بات عرض کردوں۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ طبیعت کے اعتبار سے نہایت حکیم بھی تھے۔ ظریف بھی تھے۔ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ وعظ میں ایسی بات منہ سے نکل جاتی ہے کہ عورتیں آ کے کہتی ہیں کہ یہ آپ نے کیا کیا، مرد تو ہمارے سروں پر چڑھ جائیں گے۔ اور کبھی کبھی مرد یہ کہتے تھے کہ حضور یہ آپ نے کیا وعظ میں کہہ دیا۔ عورتیں تو ہمارا ناک میں دم کر دیں گی۔

تو فرمانے لگے کہ ایک جگہ ایسا ہوا کہ میں نے وعظ میں یہ بیان کیا کہ بچے کو دودھ پلانا عورت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اپنے شوہر کی اولاد کو یا بچے سے محبت کرتے ہوئے

دودھ پلاتی ہے لیکن شرعاً اس کی ذمہ داری نہیں، کسی دودھ پلانے والی کو رکھے۔ تو مولانا نے جو یہ وعظ میں فرمایا تو لوگوں نے یہ کہا، کہ مولوی صاحب اب تو ہر عورت بچے کو ہماری گود میں ڈالے گی کہ لو اپنا بچہ اس کے لئے بندوبست کرو۔ ہماری کوئی شرعی ذمہ داری نہیں۔ یہ تو مصیبت آ جائے گی۔ فرمایا کہ اچھا! انتظار کرو۔ اگلے دن جو وعظ ہوگا میں اس کی تلافی کر دوں گا۔

اگلے دن وعظ میں مولانا نے یہ فرمایا کہ بیوی کے نان نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ہے لیکن اگر بیوی بیمار ہو جائے تو علاج کی ذمہ داری شرعاً شوہر پر نہیں ہے۔ تو مولانا نے فرمایا کہ اب اگر عورت کہے کہ بچے کو دودھ پلانے کا انتظام کرو۔ میری ذمہ داری نہیں۔ تو شوہر کہہ دے کہ بیمار ہو گی تو علاج کرانا میری ذمہ داری نہیں۔

قانون سے یہ تعلق نہیں چلتا ہے۔ یہ باہمی سمجھوتے سے چلتا ہے۔ باہمی محبت سے چلتا ہے۔ کتاب دیکھ دیکھ کر نہیں چلتا۔

بہر حال! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے گھر تشریف لے جا رہے ہیں۔ لیکن صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا۔ کمزوری زیادہ ہو گئی، بیماری شدت اختیار کر گئی۔ آپؐ نے فرمایا آج کونسا دن ہے۔ آج کس کے گھر جانا ہے۔ آج کس کے گھر میں قیام کرنا ہے۔ ازواج مطہرات فراست سے یہ بات سمجھ گئیں کہ غالباً تکلیف چونکہ آپ کو بہت سخت ہے۔ اس تکلیف کے زمانے میں غالباً آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گزارنا چاہتے ہیں۔ وہاں شاید آپ کو آرام ملے۔ ازواج مطہرات نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ہماری باری کا خیال نہ کریں۔ ہم خوشی سے عرض کرتی ہیں۔ اگر آپ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مکان پر آرام ملے تو ہم سب اپنی باری کو چھوڑنے کو تیار ہیں۔ اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم خود خدمت کے لئے حضرت عائشہؓ کے مکان پر حاضر ہو جایا کریں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لے آئے۔ یہاں بیماری اور شدید ہو گئی۔ اور یہی وہ موقع ہے کہ جب آپ نے امامت کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصلی حوالہ کر دیا فرمایا کہ نماز ابوبکر پڑھائیں گے۔ صرف ایک دن اور یہ تقریباً آخری دن ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ہٹا کر دیکھا، نماز ہو رہی ہے، آپؐ کے چہرے پر تبسم

تھا۔ اس دوران آپ کی طبیعت میں قدرے افاقہ ہوا ہے اور آپ منبر پر تشریف لائے۔ مسلمانوں کو کچھ کلمات پند ونصیحت کے طور پر وعظ کے طور پر فرمائے اور حجرے میں تشریف لے گئے۔ پیر کا دن ہے۔ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ ہے صبح کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے دیکھنے کے لئے آپ کی طبیعت ٹھیک تھی۔ بخار اتر گیا اور عام طور پر یہ تصور کر لیا گیا کہ آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہوگئی اور کچھ قدرت کی طرف سے نظام ایسا ہے کہ جب آخری وقت آتا ہے تو بیماری ختم ہو جاتی ہے اس کا نام ہے سنبھالا۔ سنبھالنے کے معنی یہ ہیں کہ بیماری تو ختم ہوگئی ہے لیکن جس کے اوپر بیماری ہے وہ بھی چند لمحوں کے مہمان ہیں۔

دیکھنے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ بیماری کے آثار ختم ہوگئے، حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی مطمئن ہوگئے اور صحابہ بھی مطمئن ہوگئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔ اجازت ہو۔ ایک میل کے فاصلے پر ان کا گھر ہے۔ وہاں پر جانا چاہتے ہیں۔ اجازت دے دیجئے۔

ادھر چاشت کا وقت آیا۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ زوال کا وقت شروع ہوگا۔ چاشت اور زوال میں کچھ فرق نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر نزع کی کیفیت شروع ہوگئی۔ ازواج مطہرات سب آپؐ کے پاس موجود ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں یہ خواہش رکھتی تھی کہ میں اللہ سے یہ دعا مانگوں گی کہ اے اللہ موت کے وقت میرا نزع آسان ہو لیکن میں نے جب یہ دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نزع بڑا شدید اور بڑا سخت تھا۔ یہ ارادہ چھوڑ دیا کہ اب میں اس کی دعا نہیں مانگوں گی۔ میں کون ہوں دعا مانگنے والی۔ اتنے میں میرے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کیا مسواک کریں گے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے یہ سمجھ کر کہ حضور کمزور ہیں۔ میں نے خود اپنے منہ میں اس مسواک کو چبایا اور چبا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ آخری عمل آپؐ کا مسواک تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل مسواک ہے۔ اس سے ایک بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ جو مسلمان مسواک

کی پابندی اختیار کرتا ہے۔ مرتے وقت اس کی زبان پر اسلام کا کلمہ ہو گا۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ یہ فخر بھی مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا کہ میرا لعاب دہن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کے ساتھ آخری وقت میں اس طریقے سے کہ میں نے مسواک چبا کر حضور کو دی ہے۔ یہ شرف بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آغوش میں ہے اور اسی حالت میں آپؐ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

جب یہ خبر پھیل گئی تو بعض لوگوں کی زبان پر یہ جملہ آیا کہ جن میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ خدا کی قسم! اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ہمارے پیغمبر کی موت واقع ہو گئی ہے تو میں اس تلوار سے اس کی گردن کاٹ دوں گا۔ آپ کی روح کہیں تشریف لے گئی ہے۔ واپس آئے گی۔ میں سننا نہیں چاہتا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور امت میں ابو بکر صدیق سے بڑھ کر کوئی عاشق نہیں۔ لیکن عشق اور محبت ہائے وائے کا نام نہیں جو لوگ یہ کہتے ہیں فلانے کو حال آ گیا۔ اور اس حال کی حقیقت بھی معاف کیجئے یہی ہے کہ سننے والا خود سمجھتا نہیں کہ کہنے والے نے کیا کہا اور حال آ جاتا ہے۔

ایک قوال یہ پڑھ رہا تھا کہ

بیکارم وبا کارم چوں مد بہ حساب اندر
این طرفہ تماشہ بین دریا بہ حباب اندر

ایک صاحب کو حال آ گیا۔ کسی نے پوچھا بھئی کس بات پر حال آیا کہنے لگا میں یہ سوچ رہا تھا کہ دریا بہ حباب اندر کہ جب بندر دریا میں نہا رہا ہو گا تو کیا مزہ آ رہا ہو گا۔ ارے ظالم، قوال نے تو دریا بہ حباب اندر کہا ہے تجھے اس بات پر حال کیسے آ گیا۔ یہ سب کچے لوگ ہیں۔

پکے لوگ وہ ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے۔ حضورؐ کے چہرے مبارک سے چادر ہٹائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندگی بھی طیب عطا فرمائی۔ موت بھی طیب عطاء فرمائی۔ اللہ تعالیٰ میرے نبی پر دو موتیں جمع نہیں فرمائیں گے۔

ابو بکر صدیقؓ باہر تشریف لائے، عمر فاروقؓ کا بازو پکڑا، کہا۔ آپ بیٹھئے میں آپ کو بتاتا

ہوں۔ مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ۔

ان کنتم تعبدون محمداً فان محمداً قدمات۔ اے مسلمانو! اگر آج تک تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتے تھے تو تمہارے معبود رخصت ہو گئے عبادت بھی ختم ہو گئی۔ **فان کنتم تعبدون اللہ** اور اگر تم اللہ کی عبادت کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کا طریقہ بتلانے کیلئے تشریف لائے تھے **فان اللہ حی قیوم لا یزال** تو اللہ بھی زندہ ہے۔ تمہاری عبادت بھی زندہ ہے۔ تمہاری ذمہ داری بھی زندہ ہے۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور دفن کا سوال تھا۔ جب یہ گفتگو آئی کہ آیا غسل کے لئے آپؐ کے کپڑے اتارے جائیں یا نہ اتارے جائیں۔ تو یہ لکھا ہے کہ اس وقت ایک غنودگی سی سب کے اوپر طاری ہو گئی اور آواز آئی کہ لباس نہ اتارا جائے۔ اور اسی طرح آپ کو غسل دیا گیا۔ اس کے بعد آپ کو کفن دیا گیا پھر سوال یہ پیدا ہوا کہ کس طرح پر آپ کو دفن کیا جائے۔ کس طریقے پر آپ کی نماز جنازہ ہو۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ مجھ سے حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ نبی کی وفات جس جگہ ہوتی ہے۔ اسی جگہ غسل دیا جاتا ہے۔ اسی جگہ قبر کھودی جاتی ہے۔ اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے۔ اور مزید فرمایا کہ جب میرا جنازہ تیار ہو جائے تو اسی حجرے کے اندر کہ جس میں میری وفات ہوئی ہے۔ جنازہ رکھ کے سب باہر آ جائیں کیونکہ سب سے پہلے جبرئیل امین آ کر میرے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔ ملائکۃ اللہ اور فرشتے جنازے کی نماز پڑھیں گے۔ پھر مسلمان مردوں کو جنازے کی نماز پڑھنی چاہئے پھر عورتوں کو۔ پھر بچوں کو اور نماز کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر شخص جائے گا اور جا کر تکبیر کہے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے گا۔

صلوٰۃ و سلام اور درود شریف پڑھ کر واپس آ جائے گا۔ یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنازے کی نماز تھی۔ امامت کے ساتھ، جماعت کے ساتھ آپ کی نماز جنازہ نہیں ہوئی۔ پھر تیسرے روز چہار شنبہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی حجرے کے اندر جو در حقیقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مکان ہے اسی میں آپ کو دفن کیا گیا اور اسی میں آج تک آپ آرام فرما رہے ہیں۔

اور علماء نے یہ لکھا ہے کہ ہم اور آپ جو نماز جنازہ پڑھتے ہیں وہ نماز جنازہ کی صورت

ہے اور نماز جنازہ کی جو حقیقت ہے وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ادا کی گئی۔ نماز جنازہ کو نماز تو کہتے ہیں وہ تو نماز ہے ہی نہیں۔ رکوع نہیں سجدہ نہیں سورۃ فاتحہ نہیں۔ اور کوئی سورۃ نہیں۔ بلکہ مغفرت کی دعا مانگی جاتی ہے۔ درود شریف پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد سلام پھیر دیا جاتا ہے۔

تو فرمایا کہ یہ حقیقت صلوٰۃ جنازہ ہے ہر ہر مسلمان جائے گا اسی طرح تیس ہزار مسلمان مرد عورتوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی۔

بہرحال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے یہ آخری لمحات تھے۔ یہ آپ کے وصال کے حالات تھے۔ اب دعا کیجئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حیات النبی

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روح مبارک علیین میں ہے آپ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا آپ کی قبر مبارک پر درود وسلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور غلط ہونیکی صورت میں بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ اور ایسے عقیدے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب: مبسملا و محمد لا و مصلیا و مسلما

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں آپکے مزار کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں آپ اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا تعلق بجسدہ و بروحہ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدے والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے حدیث میں ہے۔

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیا (الحدیث)

" مشکوة فی الجمعة رواه ابن ماجه ای باسناد جید عن المنذری وله طرق کثیرة بالفاظ مختلفة مرقات جدید" (ج ۳ ص ۲۳۸)

ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔

یہ حدیث مشکوۃ باب الجمعہ میں ہے اسکو ابن ماجہ نے عمدہ سند کے ساتھ منذری سے روایت کیا ہے اور یہ بہت سے طرق سے مروی ہے۔

وعن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اعلمته (رواه ابو الشیخ و سنده جید) القول البدیع ص ۱۱۶)

"مشکوة رواه البیهقی فی شعب الایمان وفی حاشیة اللمعات الجدیده (ج۲ص ۱۹۸)

اخرجه ابوبکر ابن ابی شیبه والعقیلی والطبرانی وفی المرقات رواه ابو الشیخ وابن حیان بسند جید. (ج۳ ص ۳۴۳)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے میری قبر کے پاس، میں اس کو سنتا ہوں اور جو درود پڑھے مجھ پر دور سے اسکی اطلاع کی جاتی ہے (اسکو ابوالشیخ نے روایت کیا اسکی سند عمدہ ہے) مشکوۃ میں ہے بیہقی نے اسکو روایت کیا ہے شعب الایمان میں اور لمعات میں ہے کہ ابوبکر بن ابی شیبہ اور عقیلی اور طبرانی نے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے اور مرقات میں ہے کہ اسکو ابوالشیخ اور ابن حیان نے عمدہ سند سے روایت کیا ہے۔

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الانبیاء (صلوة اللہ علیهم) احیاء فی قبورهم یصلون

(رواه ابن عدی رحمه اللہ والبیهقی رحمه اللہ) وغیرهما (شفاء السقام ص ۱۳۴)

اخرجه ابو یعلی فی مسنده والبیهقی انباء الاذکیا للسیوطی.

ترجمہ:۔ حضرت انس سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں (اسکو عدی اور بیہقی نے اور انکے علاوہ نے روایت کیا کتاب شفاء السقام میں ص ۱۳۴ پر یہ حدیث ذکر کی ہے ابو العلی نے اپنی مسند میں اور بیہقی سے انباء الاذکیا جو سیوطی کی ہے۔

دو تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس بات میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی ہے خارج از اہل سنت والجماعت ہے غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور آپ اپنے

مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب**

کتبہ السید مہدی حسن نقی دار العلوم دیو بند

الجواب صحیح جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۲۱ شوال ۱۳۷۶ھ اجاب المجیب واجاد محمد ضیاء الحق کان اللہ لہٗ مدرسہ جامعہ اشرفیہ، الجواب صواب، محمد رسول خان عفا اللہ عنہ.

ترجمہ:۔ مذکورہ جواب درست ہے جسکی تصحیح مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ مولانا ضیاء الحق صاحبؒ اور استاد الکل حضرت مولانا رسول خان صاحب نے کی ہے۔

الجواب: مبسملا و محمد لا و مصلیا و مسلما

حیات شہداء کے معنی

(۱) آیت شریفہ ”**ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات. بل احیاء ولکن لا تشعرون** (پ۲ع۳) (ترجمہ:۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انکی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے۔ (بیان القرآن ج۱ص۸۷) سے معلوم ہوا کہ شہدا کو مردہ یعنی مستمر الموت کہنا جائز نہیں حرام ہے ورنہ یقتل سے موت بیان ہو چکی ہے ”**اموات**“ مقولہ ہے جس کیلئے جملہ ہونا ضروری ”**ھم اموات**“ جملہ اسمیہ استمرار پر دال ہے۔ تو حرمت یہاں موت مستمر کہنے کی ہے۔

چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ ماتوا کہنا تو جائز ہے میت وموتی کہنا جائز نہیں ہے ایسے ہی ” **احیاء** “ یعنی ” **ھم احیاء** “ کے معنی یہ کہ وہ مستمر الحیات ہیں۔

یہ شبہ کہ ہم انکو زندہ نہیں دیکھتے اسکا استدراک ” **ولکن لا تشعرون** “ سے کر دیا گیا ہے کہ حیات کیلئے دوسروں کا احساس ضروری نہیں ہیں حی ہیں مگر تم لوگ محسوس نہیں کر سکتے شعور احساس کو یعنی ادراک بالحواس کو کہتے ہیں ان کی آواز سن کر، نبض چھو کر، آنکھ سے دیکھ کر، تم محسوس نہیں کر سکتے صرف وحی سے سے معلوم ہوگا اور ہو گیا۔ یہاں محض موت کی نفی نہیں موت مستمر کی نفی اور

حرمت ہے ورنہ یقتل سے خود موت یا مجارحہ ثابت شدہ ہے (روح المعانی ج ۲ ص ۱۹) پر ہے۔

ولیس فی الایة نهی عن نسبة الموت الیهم بالکلیة بحیث انهم ماذاقوه اصلا ولا طرفة عین والاالقال تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله ماتوا فحیث عدل عنه الیٰ ما تریٰ، علم انهم امتازوا بعد ان قتلوا بحیاة لائقة بهم مانعة ان یقال فی شانهم اموات .

ترجمہ:۔ آیت میں اس بات کی بالکلیہ نفی نہیں ہے کہ انہوں نے موت کا مزہ لمحہ بھر کیلئے بھی نہیں چکھا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے **ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله ماتوا**۔ پس جب اس سے عدول ان الفاظ کی طرف کیا گیا جو تم دیکھتے ہو سو معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل کئے جانے کے بعد ممتاز ہو گئے ایک ایسی حیات سے جو انکی شان کے لائق ہے لہٰذا ان کے حق میں مردہ کہنا مناسب نہیں۔

لہٰذا ایسی حیات ہے کہ مر گئے کہنا گو جائز ہے مگر مردہ کہنا حرام ہے یعنی انکی موت مستمر ہے یہ کہنا حرام ہے بلکہ حیات مستمر ہے گو ان پر موت کا واقع ہو جانا کہنا جائز ہے "**یقتل**" میں یہی فرمایا ہے "**بل احیاء**" کا عطف جیسے کہ قرب کا تقاضا ہے اموات پر ہے جیسے وہ مقولہ تھا یہ بھی مقولہ ہے جیسے وہ جملہ استمراریہ تھا یہ بھی جملہ استمراریہ ہے اور "**بل**" نے پہلے سے اعراض کا فائدہ دیا تو یہ معنی ہو گئے بلکہ یوں کہو کہ حیات مستمرہ سے زندہ ہیں نہی کے صیغہ "**ولا تقولوا**" سے اضراب امر بن جائے گا تو جیسے ان کو مستمر الموت کہنا حرام تھا اب مستمر الحیات کہنا واجب ہوا یہ تو شہیدوں کیلئے ہوا۔ اب حضرت انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب و ضروری ہوا یا نہیں اس پر غور کرنا ہے۔

انبیاء کو مستقل مردہ کہنا حرام ہے

(الف) انبیاء کا سب کا درجہ شہداء سے بالا در بالا ہے جو حکم شہیدوں کیلئے باعث اعزاز و امتیاز بنا ہے ان کے لئے بدرجہ اولی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ انبیاء کا درجہ و مقام تمام شہداء سے بہت بالا ہے اور آیت "**اولئک مع الذین انعم الله علیهم من النبیین والصدیقین والشهداء والصلحین**" کی ترتیب ذکری نے جو حکمت بالغہ سے خالی

نہیں ہوسکتا بتا دیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا درجہ سب سے اول ہے اور سب سے اعظم۔ لہذا انکو بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے۔

سب انبیاء شہید ہیں

(ب) انبیاء علیہم السلام سب کے سب شہید ہیں جو "فی سبیل اللہ" (اللہ کے راستے میں) تمام عمر مصائب اٹھاتے رہے ہیں اور کچھ قتل بھی ہوئے ہیں اور اگر قتل نہ بھی ہوں تو بھی شہید حکمی "فی سبیل اللہ" کی وجہ سے ضرور ہیں۔

علامہ سیوطی کا قول ہے **وما نبی الا وقد جمع معی النبوة وصف الشهادة**
(الحاوی للفتاوی، ج ۲ ص ۱۴۸)

ترجمہ:۔ کوئی نبی ایسا نہیں کہ اسکے ساتھ وصف شہادت کا جمع نہ کیا گیا ہو۔) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی شہادت حاصل ہے علامہ کے رسالہ انبا الاذکیاء میں ہے امام احمد وابو یعلی وطبرانی اور مستدرک میں حاکم اور دلائل النبوۃ میں امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت بیان کی ہے فرمایا۔ **لان احلف تسعا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قتل قتلا احب الی من ان احلف واحدة انه لم یقتل وذلک ان الله اتخذه نبیا واتخذه شهیدا.**

ترجمہ:۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میرے لئے ۹ مرتبہ یہ قسم کھانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا گیا ہے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ آپ کو قتل نہیں کیا اور یہ اسلئے ہے کہ اللہ نے آپ کو نبی بنایا ہے اور شہید بنایا ہے۔

زہر اور رگ پھٹنے سے واقع ہونے والی موت شہادت ہے

(ج) (حوالہ مذکور) امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے فرماتی ہیں۔ **کان النبی صلی الله علیه وسلم یقول فی مرضه الذی توفی فیه لم ازل اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر فهذا او ان انقطع ابهری من ذلک السم .**

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں فرماتے تھے جو (زہر آلود) کھانا میں نے خیبر میں کھایا تھا اسکی تکلیف مسلسل محسوس کرتا ہوں

بس میری رگ اس زہر کی وجہ سے پھٹی ہے۔

اور سب جانتے ہیں کہ زہر سے اور پھر رگ پھٹ جانے سے جو موت ہے وہ شہادت ہے اور شہیدوں کی حیات جاوید ثابت ہے ان کو مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے تو تمام انبیاء حضرات خصوصاً ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم'' کو زندہ مستقل کہنا واجب ہے اور مستقل مردہ کہنا حرام ہے۔

" ولکن لا تشعرون " کے معنی کی تحقیق

(د) '' لا تشعرون '' شعور سے بنا ہوا ہے جو ادراک بالحواس کا نام ہے اور صیغہ مخاطبین کا ہے یعنی تم جن وانس زندہ لوگ حواس سے محسوس نہیں کر سکتے اب اور کوئی کر سکتا یا نہیں؟ کشف ورفع حجابات سے معلوم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا صرف وحی والہام سے ہی معلوم ہوگا۔ یہ مسلے ہی یہاں سے غور طلب ہیں۔

پھر نفی صرف اس بات کی مفید ہو سکتی ہے جو عقلاً وعادۃً ممکن ہو مگر وہ واقع نہ ہوئی ہو جو چیز عقلاً وعادۃً ناممکن ہو اس کی نفی لغو عبث ہوتی ہے جو کلام الٰہی میں نہیں ہوگی کسی کا یہ کہنا کہ میں آسمان پر چھلانگ نہیں لگاتا۔ یا سارا کا سارا سمندر نہیں پی جاتا ایک لغو جملہ ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ معلوم ہے نہ کر سکتے تھے نہ کیا ہے۔ اس عام قاعدہ سے معلوم ہوا کہ حیات ایسی ہے کہ حواس بھی اس کا ادراک ممکن ہے مگر تم لوگوں کو بجز مستثنٰی کے عام طور سے وہ ادراک حاصل نہیں۔ اس سے حیات کی نوعیت معلوم ہو گئی کہ وہ ایسی نوع جس کا ادراک حواس سے ہونا ممکن ہو، یعنی جسم و روح کے مجموعہ کی حیات نہ کہ صرف روح کی آگے ان شاءاللہ اس پر دلائل قائم کیے جائیں گے۔

اور پھر نفی بھی مخاطبین سے کی جا رہی ہے کہ تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے گو فی الواقع ممکن ہو مگر اور مخلوق ادراک کر سکتے ہیں مثلاً فرشتے جانور وغیرہ۔ اور نفی حواس سے ادراک کرنے کی ہے عقل سے نہیں جس کا یقینی طریقہ وحی الٰہی ہے اور ظنی طریقہ کشف ہے۔ ان کی نفی نہیں اور تخمینی وتوہمی تو کالعدم ہے۔ لہٰذا وحی متلو آیات سے اور وحی غیر متلو احادیث سے اور کشف سے ادراک ممکن ہو۔ بلکہ واقع میں ہو رہا ہے اور غیر ثقلین (جن وانس) کے علاوہ کو حواس سے بھی ہوگا کہ دوسری مخلوقات کو جیسے کہ احادیث میں ہے حواس سے ادراک ہوتا

ہے اور مرنے کے بعد ثقلین ثقل والے نہیں رہتے ان کو بھی ادراک ہوتا ہے یہ بھی حدیثوں میں ہے ایسے ہی مجاہدات وریاضات والے ثقل سے بالا ہوتے ہیں، انکو گاہ گاہ ادراک ممکن ہے۔ جس کے بہت سے واقعات شاہد ہیں۔ کشف سے بھی آنکھ سے بھی۔

انبیاء کیلئے موت مستمر کا قول حرام اور حیات مستمر کا قول واجب ہے

آیت کریمہ **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اٰتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوابھم من خلفھم الاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ☆ یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل وان اللہ لا یضیع اجر المؤمنین** (پ ۴ ع۸ آیت ۱۶۹)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے انکو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں انکو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو انکو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطاء فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں انکی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں اور ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہونگے وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت وفضل خداوندی کے اور بوجہ اسکے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے (بیان القرآن آل عمران آیت ۱۷۱)

حکم بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کو ہے یا ایسے ہی ہر مخاطب کو ہے کہ ان کو مستقل مردہ بھی مت گمان کرو۔ کیونکہ امواتا فعل ''قتل'' کا مفعول ثانی ہے اور افعال قلوب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں جس سے استمرار کے معنی پیدا ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ کہنا تو کہنا، ایسا گمان کرنا بھی حرام ہے۔

اور احیاء بھی **ھم احیاء** جملہ اسمیہ خبریہ استمراریہ ہے جو حیات مستمرہ ومستقلہ کو ثابت کرتا ہے دونوں آیات سے جب موت مستمر کا قول اور موت دائم کا گمان کرنا حرام معلوم ہو

گیا تو اسکی نقیض عدم قول وعدم گمان موت مستمر واجب قرار پائی۔ اور جیسے اوپر کی آیت میں الف، ب، ج، د، جاری ہیں یہاں بھی جاری ہونگے اور حضرات انبیاء خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء میں موت مستمر کا قول اور موت مستقل کا گمان حرام اور حیات مستمر کا قول وگمان واجب قرار پاتا ہے۔

" لا تحسبن " صیغہ نہی ہے اور نون تاکید ثقیلہ سے اس کی بہت تاکید کر کے موت مستمر کے گمان کرنے کے حرام ہونیکا حکم دیا ہے اور زبان سے کہنا تعبیر ہے ذہنی خیال کی۔ جس کو اصطلاح یہ کہتے ہیں کہ قضیہ ملفوظہ حکایت ونقل ہے قضیہ معقولہ، کی جیسے کہ وہ واقعہ کی نقل ہے جب اصل ذہنی تخیل ہی حرام ہے تو زبان اور لفظوں سے نکالنا بھی حرام ہے دونوں خلاف واقع ہیں کذاب ہیں حرام ہیں۔

حیات انبیاء علیہم السلام کی حقیقت اور اس کے دلائل

" احیاء " کے بعد یہاں چند صفتیں بھی ہیں جن سے حیات کی نوعیت کی تشخیص ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اب اس پر غور کرنا ہے کہ جس حیات کا عقلی تخیل اور لفظوں میں بیان واجب ہے کونسی حیات ہے۔

سنئے حیات کے حقیقی معنی زندگی مراد ہو سکتے ہیں یا مجازی معنی علم یا ایمان یا شہرت ونام مراد ہو۔

اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جب تک حقیقی معنی بن سکتے ہوں ان سے ہٹانے والی کوئی بات نہ ہو مجازی معنی مراد لینا غلط ہے۔ اس لئے یہاں زندگی ہی کے معنی مراد ہوں گے پھر اس زندگی کی دو ہی صورتیں ہیں آخرت میں ہونا مراد ہوگا یا قبر میں ہونا مراد ہوگا، پھر قبر میں ہونے والی زندگی کی بھی دو ہی صورتیں ہیں صرف روح کی زندگی یا جسم وروح دونوں کی زندگی۔ عقلاً صرف یہی چار صورتیں بن سکتی ہیں۔ کیونکہ پانچویں صورت کہ صرف جسم بلا روح کی زندگی ہو یہ ناممکن عادی ہے۔ اب اس حیات سے آخرت کی حیات مراد لینا تو درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ "اموات" کہنے کی ممانعت کے بعد "احیاء" فرمایا ہے یہ کہنے کی ممانعت دنیا ہی میں ہے اور حیات ہونا اسی کی دلیل ہے جو دنیا ہی میں ہوسکنی ضروری ہے۔

دوسری دلیل: پھر بقول امام رازیؒ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہی ہے شہیدوں کو دنیا ہی میں فرمایا جا رہا ہے کہ احیاء ہیں تو اسی وقت کی حیات مراد ہوگی۔

تیسری دلیل: تیسرے یہ کہ یہاں انکی عزت اور امتیاز کا بیان ہے آخرت کی ابدی حیات تو سب کو حاصل ہوگی کافروں کو بھی خلود فی النار کی حیات ہوگی تو امتیاز اسی میں ہے کہ ابھی ابھی دنیا میں و قبر میں حیات ہے۔

چوتھی دلیل: چوتھے ثواب عذاب سے افضل ہے جب عذاب کیلئے اسی وقت کی حیات ہوگی تو ثواب کیلئے بدرجہ اولی ہوگی۔ کفار کیلئے ہے "**اغرقوا فادخلو نارا**" فا کی تعقیب بتاتی ہے کہ غرق ہوتے ہی نار میں داخل ہو گئے اور عذاب کیلئے حیات ضروری ہے قیامت سے پہلے غرق ہوتے ہی نار میں داخل ہوں تو یہ عذاب قبر اور حیات قبر ہی ہے۔

پانچویں دلیل: پانچویں آیت "**النار یعرضون علیها غدوا وعشیا**" صبح و شام کے نار پر پیش کرنے کے لئے جب حیات ہے تو ثواب کیلئے بدرجہ اولی ہے۔ آگے کی آیت "**یوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب**" سے معلوم ہوگیا کہ یہ قیامت سے پہلے ہے جو قبر ہی میں ہے حیات کے ساتھ ہے ورنہ جامدات کو کیا عذاب۔

چھٹی دلیل: چھٹے اگر قیامت کی زندگی مراد ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو " لاتحسبن" نہ فرماتے جبکہ تمام مومنین کی حیات قیامت میں کی معلوم ہے۔

ساتویں دلیل: ساتویں " **یستبشرون** " آیت میں ان لوگوں کے حال سے بشارت ہے جو ابھی تک ان سے نہیں ملے یہ دنیا میں ان کے حال سے بشارت حاصل کرنا بھی دنیا ہی میں قبل قیامت ہے اور حدیثوں سے دلیل حاصل ہے (تفسیر کبیر، ج ۳ ص ۱۳۸)

روح مع الجسم کی حیات کے دلائل

بلکہ امام صاحب نے فرمایا ہے۔ **والروایات فی هذا الباب کانها بلغت حد التواتر فکیف ممکن انکارها.**

ترجمہ:۔ اس باب (حیات النبی کے مسئلہ) میں روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں ان

سے انکار کیوں کر ممکن ہے۔

صرف روح کی زندگی مراد نہیں ہوگی کیونکہ یہ اعزاز و امتیاز کا موقعہ ہے اور وہ تو کافروں کو بھی حاصل ہوگی تو پھر امتیاز کیا ہوا۔

دوسری دلیل: دوسرے ایسا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "**لا تحسبن**" نہ فرمایا جاتا، موت کا عدم گمان حیات کا گمان ہوتا ہے حالانکہ خلود مومن و کافر سے یقینی حیات ہونا معلوم تھا صرف گمان نہ تھا۔

تیسری دلیل: تیسرے پہلی آیت میں "**احیاء**" کے بعد "**لا تشعرون**" ہے اگر صرف روحی حیات ہوتی تو ہر مسلمان جانتا کہ روحیں سب کی زندہ خلود جنت دوزخ سے ہونگی۔ پھر عدم شعور کیسا، وہاں تو شعور ہی شعور ہوگا۔

چوتھی دلیل: چوتھے اس آیت کا لفظ "**یستبشرون بالذین لم یلحقوا بهم**" دلیل ہے اسکی کیونکہ حصول بشارت جو خاصہ مجموعہ کا ہے زندہ لوگوں کے متعلق ہی کہا جا سکتا ہے کہ بشرہ جسم میں ہی تو ہے بشرہ کھال کو کہتے ہیں۔ استبشار اسی کا کھلوانا ہے یعنی خوشی ہے۔

پانچویں دلیل: پانچویں "**یرزقون**" فرمایا ہے۔ رزق کی ضرورت روح مع الجسم کو ہی ہوتی ہے۔

چھٹی دلیل: چھٹے جس قدر آیات و احادیث عذاب قبر کے بارے میں اور قبر میں جسم ہی ہوتا ہے مع الروح جمہور کے نزدیک اور بغیر روح کے عذاب و ثواب کا فادہ ہی نہیں نہ نقصان ہے نہ ثواب نہ عذاب۔ یہ سب دلیل ہیں کہ یہ حیات مجموعہ روح و جسم کی ہوتی ہے اور یہ مسئلہ تو تواتر سے ثابت ہے امام رازی کہتے ہیں۔ **الاخبار فی ثواب القبر و عذابه کالمتواترة** (ج ۲ ص ۵۳ تفسیر کبیر)

ترجمہ:۔ ثواب اور عذاب قبر کے بارے میں روایات مثل متواتر کے ہیں۔

آگے کچھ آیات نفس مسئلہ کے متعلق آنے والی ہیں جن سے روح و جسم کے مجموعہ کی حیات بھی ثابت ہوتی ہے بلکہ انبیاء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ مومن کی بھی خصوصیت نہیں کافر تک کو بھی ایک قسم کی حیات جسمی حاصل ہے۔

حیات برزخی کا ثبوت

(۳) عینی شرح بخاری جدید (ج ۸ ص ۱۴۵) پر ہے کہ آیت شریفہ "ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب آپ نے ہم کو دوبار مردہ رکھا اور دوبارہ زندگی عطاء کی۔ میں، اللہ تعالیٰ نے دو موتوں کا ذکر کیا ہے اور وہ اسطرح متحقق ہوسکتی ہیں کہ قبر کے اندر زندگی ہو اور موت ہو تا کہ ایک موت تو وہ ہو جو حیات دینوی کے بعد حاصل ہوئی اور دوسری وہ ہو جو اس حیات قبری کے بعد ہوگی۔"

جب تک حقیقی معنی موت وحیات کے ممکن ہوں مجاز کا کوئی قرینہ نہ ہو مجازی معنی لینا یقیناً درست نہیں حقیقی دو موتیں اسی طرح ہوسکتی ہیں ایک دینوی حیات کے بعد ایک قبر کی قبری حیات کے بعد لہذا اس سے حیات قبری ثابت ہے۔

شرح مواقف، ج ۸ ص ۳۱۸ پر ہے۔

> **وما المراد بالا ماتتین و الا حیائین فی هذه الاية الا الا ماته قبل مزار القبور ثم الاحياء فی القبر ثم الاماتة فيه ايضا بعد مسئلة منكر و نكير ثم الاحياء للحشر هذا هو الشائع المستفيض من اصحاب التفسير .**

ترجمہ:۔ اس آیت میں دو موتوں اور دو حیاتوں سے کیا مراد ہے سوائے اس کے کہ ایک موت قبر میں جانے سے پہلے ہو پھر قبر میں زندہ کہا جاتا ہو پھر اس میں موت واقع ہو منکر نکیر کے سوال جواب کے بعد پھر حیات ہو حشر کیلئے، اصحاب تفسیر سے یہی معنی مشہور و شائع ہیں۔

اس عبارت کی مزید توضیح وتشریح کیلئے کتاب کے آخر میں ضمیمہ ملاحظہ فرمائیں
(خلیل احمد تھانوی)

ثبوت عذاب قبر دلیل حیات ہے

(۴) عینی میں اس سے اوپر بیان ہے آیت "وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیها غدوا و عشیا"

ترجمہ:۔ سورۃ مومن آیت ۴۶ ترجمہ اور فرعون والوں پر موذی عذاب نازل ہوا وہ لوگ صبح وشام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں (بیان القرآن، ج ۱۰ ص ۳۹)

میں، بتایا ہے کہ یہ آیت اس باب میں صریح ہے کہ کافروں کو مرنے کے بعد ہی عذاب ہوگا عذاب قبر ہوگا۔ آگے اس پر دلیل دی ہے کہ اس کے بعد جو ہے "**ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب**"۔

ترجمہ:۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی فرعون والوں کو نہایت سخت آگ میں داخل کردو۔

اس میں عذاب آخرت کا عطف اس پر ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کے علاوہ ہے یعنی وہ عذاب جو قبل قیامت ہے عذاب قبر ہے پھر دلیل کی تکمیل کی ہے کہ جب عذاب دینا ثابت ہے اور زندہ کرنا اور قبر کا سوال جواب بھی ثابت ہے۔

کیونکہ **کل من قال بعذاب القبر قال بهما** جب ہر قائل عذاب قائل حیات ہے اور عکس نقیض موجبہ کلیہ کا موجبہ کلیہ لازم ہے یعنی **کل من لم یقل بهما لم یقل بعذاب القبر** تو منکر حیات منکر عذاب قبر ہوگا اور عذاب قبر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک قطعی دلائل سے ثابت ہے آیات سے بھی اور احادیث متواترہ سے بھی۔

علامہ خود آگے عذاب قبر کی احادیث کیلئے کہتے ہیں **ولنا ایضا احادیث صحیحة و اخبار متواترة.**

ترجمہ:۔ ہمارے لئے اس باب میں بھی احادیث صحیحہ اور اخبار متواترہ ہیں۔

پھر احادیث در احادیث (پھر بہت سی حدیثیں درج کی گئی ہیں۔) درج ہیں۔ صحیحہ و متواترہ کہنے کے بعد کسی حدیث کے کسی راوی کو کسی نے ضعیف کہہ بھی دیا ہو تو تواتر پر تو اسکا اثر ہو ہی نہیں سکتا۔ علامہ کے صحیح کہنے کے بعد ہو قابل اعتناء ہی نہیں ہوگا لہذا کسی کی بھی حیات کا انکار متواتر سے ثابت شدہ عذاب کا انکار ہوگا۔ جس سے اس کے اسلام کو بھی خطرہ کیونکہ ظاہر ہے کہ عذاب قبر ایسی چیز کو ہی ہو سکتا ہے جو قبر میں ہے اس لئے روح قبر میں ہونی ضروری ہے یہی تو حیات ہے ورنہ جسم خالی تو جمادات میں سے ہے عناصر اربعہ جامدہ کا مجموعہ ہے اس کو عذاب کے کیا معنیٰ؟ عذاب تو تفعیل کا اسم مصدر خاصیت سلب ہے عذوبۃ یعنی شرینی حیات (زندگی کی مٹھاس کو) کو سلب کرنا عذوبۃ حیات حیات کو ہی تو حاصل ہوگی اسی کا تو سلب

عذاب ہے یہ جمادات میں کیسے ممکن ہے (شرح مواقف، ج۸ص۳۱۸) پر ہے۔

واما ما ذهب اليه الصلحي من المعتزلة والطبری وطائفة من الكرامية من تجويز ذٰلک التعذيب على الموتٰى من غير احياء فخروج من المعقول لان الجماد لاحس له فيكف يتصور تعذيبه.

ترجمہ:۔ اور یہ بات کہ جس کی طرف معتزلہ میں سے صلحی طبری اور کرامیہ کی ایک جماعت گئی ہے کہ اموات کو بغیر زندہ کے عذاب دیا جائیگا یہ عقل سے خارج ہے اس لئے جماد میں حس نہیں ہوتی پس اس میں عذاب کا تصور کیسے ہوگا۔

ہر انسان کا قبر میں زندہ ہونا

(۵) سورۃ براءۃ میں کفار منافقین کے ذکر میں ہے

"سنعذبهم مرتين ثم يردون الٰى عذاب عظيم"۔

ترجمہ:۔ التوبۃ آیت ۱۰۱ ترجمہ ہم ان کو دہری سزا دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔

عذاب قیامت سے پہلے دو عذاب ہیں ایک عذاب دنیا کا ایک عذاب قبر کا ہے۔

"عینی شرح بخاری، ج ۸ ص ۱۹۹ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ **فهذا العذاب الاول حين اخرجهم من الجسد والعذاب الثانی عذاب القبر**"۔

ترجمہ:۔ پویہ پہلا عذاب ہے جب کہ انکو جسم سے نکالا جائیگا اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔

اور "فتح الباری، ج ۳ ص ۱۸۰" پر اس روایت کے بعد حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے مرتین عذاب دنیا وعذاب قبر ہے اور چونکہ قبر میں جسم موجود ہے اس لئے عذاب قبر جسم کو ہوگا اور جسم میں روح نہ ہو تو عذاب عذاب ہی نہیں رہتا جیسے بالوں اور ناخنوں کو کاٹنا باعث تکلیف نہیں ہے۔ ایسے ہی بے حیات کی کانٹ چھانٹ بھی عذاب نہیں ہے اس لئے عذاب قبر کی کل آیات واحادیث متواترہ سے ہر انسان میں خواہ وہ کافر ہی ہو حیات قبر ثابت ہو رہی ہے گو نوعیت اس حیات کی کچھ مختلف ہی ہو مگر جب تواتر سے عذاب قبر ثابت ہے تو تواتر سے ہی حیات قبر بھی ثابت ہے اس لئے شیخ ابن حجر فرماتے ہیں۔ **واستدل بها لی ان الارواح**

باقية بعد فراق الاجساد وهو قول اهل السنة۔ (فتح الباری، ج۳ص۱۸۰)

ترجمہ:۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ روح جسموں سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے اور یہی قول اہل سنت کا ہے۔

بلاحیات عذاب قبر ہونے کی نفی

(۶) سورۃ انعام میں ہے **"ولو ترى اذ الظلمون فى غمرات الموت والملائكة باسطوا ايديهم اخرجوا انفسكم اليوم تجزون عذاب الهون"**.

ترجمہ:۔ الانعام آیت ۹۴ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہونگے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہونگے ہاں اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائیگی (بیان القرآن)

الیوم کا عذاب قبل قیامت کا عذاب عذاب قبر ہے جو بلاحیات نہیں ہوتا بعض معتزلہ نے بلاحیات عذاب قبر تسلیم کیا ہے اس کے جواب میں علامہ عینی، ج ۸ ص ۱۴۷ پر کہتے ہیں۔ **وهذا خروج عن المعقول لان الجماد لاحس له فكيف يتصور تعذيبه** ۔ یہ اوپر شرح مواقف سے بھی نقل ہے۔

ترجمہ:۔ اور یہ بات عقل سے خارج ہے اس لئے کہ جماد میں حس نہیں ہوتی پس اس کے لئے عذاب کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔

تشریح آیت واثبات حیات فی القبر

(۷) يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فى الحيوة الدنيا وفى الآخرة.

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے (سورۃ ابراھیم آیت ۲۷)

بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔

> **عن البراء بن عازبؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: اذا اقعد المؤمن فى قبره اتى ثم شهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله فذالك قوله " يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فى الحيوة**

الدنيا وفي الآخرة " اوراس کے بعد ہے۔ **حدثنا شعبة بهذا وزاد "**
يثبت الله الذين آمنوا" نزلت في عذاب القبر.

ترجمہ:۔ براء بن عازب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جب بٹھایا جاتا ہے مومن اپنی قبر میں آتے ہیں اس کے پاس فرشتے پھر وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں پس یہ معنی ہیں اس آیت کے کہ "**يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحيوة الدنيا وفي الآخرة.** " اوراس کے بعد اسی روایت کو شعبہ سے بھی نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ بھی زیادہ ہیں کہ "**يثبت الله الذين آمنوا**" کی آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی (بخاری ج۱ص۱۸۳)

علامہ عینی نے مسلم سے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس سے اوپر ذکر ہے کہ ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث میں لفظ یہ ہیں۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم ذكر عذاب القبر فقال ان المسلم اذا شهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله الى آخر الحديث.
(ج۷ص۲۰۰)

ترجمہ:۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا عذاب قبر کو پس فرمایا کہ بیشک مسلمان جب گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ محمد اللہ کے رسول ہیں آخر حدیث تک۔

ان سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں قبر کا ہی معاملہ ہے اور مسلمانوں کو ثابت وقائم رکھنا قبر میں کا ہے جو دلیل ہے حیات فی القبر کی۔ یہ حدیثیں اس لئے پیش کی ہیں کہ آیت میں تاویل نہ کی جا سکے اور تیسری روایت سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب قبر کے متعلق ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قبر میں روح کے جسم سے تعلق اور عذاب قبر کی نوعیت

(۸) " الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها فيمسك التي قضىٰ عليها الموت ويرسل الاخرىٰ الىٰ اجل مسمى. "

ترجمہ:۔ اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو انکی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آتی ان کے سونے کے وقت پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا اور

باقی جانوں کو ایک معیاد معین تک کیلئے رہا کر دیتا ہے۔ (الزمر آیت ۴۲ بیان القرآن ج ۱۰ ص ۲۵)

"یتوفی" قبض کرنا ہے اس کے بذریعہ عطف دو مفعول ہیں ایک نفس (روح) **حین موتہا** دوسرے نفس (روح) نوم کے اندر یہ فعل دونوں پر وارد ہے ایک ہی فعل کے دونوں معمول ہیں لہذا جو بات یہاں ہے وہ وہاں ہے جو وہاں ہے جو یہاں ہے۔ اور سب دیکھتے ہیں کہ سونے میں باوجود قبض روح کے روح کو جسم سے اتنا تعلق رہتا ہے کہ پاؤں پر ضرب تک کو محسوس کرتا ہے اس لئے بعد موت بھی گو روح جسم سے باہر ہی ہو جیسے کہ سونے میں تھی جسم سے اس قدر تعلق رہنا ضروری ہے جس سے ادراک ہو سکے جیسے سونے میں ادراک ہوتا ہے گو کامل تعلق نہ ہو جیسے سونے میں نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ اور پھر آیت **"وھو الذی یتوفاکم باللیل"**

ترجمہ:۔ وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر دیتا ہے۔ الانعام آیت ۶۰ سے بھی قبض روح معلوم ہوتا ہے علامہ علی قاری نے کمالین علی الجلالین میں لکھا ہے۔

عن علی قال: یخرج الروح عند النوم ویبقی شعاعہ فی الجسد فاذا انتبہ من النوم عاد الروح الیٰ جسدہ باسرع من لحظۃ.

ترجمہ:۔ حضرت علی سے روایت ہے فرماتے ہیں نکلتی ہے روح نیند کے وقت اور اسکی شعاعیں باقی رہتی ہیں جسم میں پس جب آدمی بیدار ہوتا ہے نیند سے تو لوٹ آتی ہے اس کی روح جسم میں ایک لحہ سے بھی کم وقت میں۔

اور حاکم و طبرانی سے حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث بھی روح ہی کیلئے ہے کہ روح عرش تک جاتی ہے جو عرش کے قریب جاگتی ہے اس کو خواب سچا ہوتا ہے اور جو عرش سے نیچے ہو اس کا خواب جھوٹا ہوتا ہے اور نفس سے روح ہی مراد ہے۔

تفسیر روح المعانی، ج ۲۴ ص ۸ میں احادیث سے اسکو ثابت کیا ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں سونے کے وقت کی دعا میں ہے۔ **ان امسکت نفسی فارحمھا.**

ترجمہ:۔ اگر آپ روک لیں میری روح کو اس پر رحم فرمائیں۔

اور بخاری و صحاح کی حدیث میں فجر کی قضا ہونیکی حدیث میں ہے۔ **ان اللہ تعالیٰ قبض ارواحکم حین شاء۔**

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ تمہاری روحوں کو جب چاہے روک لیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا نفس روح ایک ہی ہے یہی مقبوض ہو کر بھی تعلق رکھتی ہے لہذا ضرور ہے کہ موت کے بعد بھی روح کی شعاعیں جسم سے متصل رہ کر ایک طرح کی حیات ہو۔ ہر انسان مسلم و کافر تک کو حاصل ہو۔ گو اعمال صالحہ سے اس کی قوت و ضعف کا فرق رہے سب سے اقوی انبیاء علیہم السلام کی، پھر صدیقین، پھر شہداء، پھر صالحین، پھر عامۃ المسلمین، اور پھر کفار کی ہو، جو سبب ہوگا تنعیمات و تکلیفات کا، جن کی تفصیلات احادیث شریفہ میں اور ارشارات آیات میں ہیں۔ اور جیسے نیند نیند میں فرق ہوتا ہے کہ کوئی ہوشیار دل سے بیدار آنکھیں بند، اور کوئی ہوشیار مثل بیدار کے، کوئی کم کوئی غافل مثل مردہ کے۔ اس طرح موت میں روح کے جسم سے تعلق میں درجات ہونگے۔ ایک مثل حیات کاملہ کے۔ گو کھانے، پینے، پیشاب، پاخانہ، سردی، گرمی اور احتیاجات سے پاک ہو۔ یہ تعلق اعلیٰ قسم کا ہے جسکے احکام اعلیٰ ہیں کہ جسم مٹی پر حرام عورت بیوہ نہیں مال ترکہ نہیں یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام میں ہے۔

دوسرا اس سے کم اس کے احکام بھی کم کہ غسل و کفن نہیں باقی سب ہیں یہ شہید ہیں جو حقیقی ہو۔

پھر اس سے کم جو شہید حکمی ہیں پھر صالح مومن کیلئے پھر سب سے کم کافر کیلئے۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ جتنا تعلق روح کا جسم سے قوی ہوگا تکلیف نہ ہوگی یا کمتر ہوگی جتنا ضعیف ہوگا تکلیف زائد ہوگی جیسے کہ قوی کو مرض و ضرب سے کم اور ضعیف و مریض، بچے کو زیادہ ہوتی ہے اور سوئے ہوئے عضو کو بہت دوسرے کو کم ہوتی ہے۔

عذاب قبر کافر کو سخت اور عاصی کو کم شہداء اور انبیاء صفر ہوگا۔

حدیث سے حیات النبی کا اثبات اور اسکی نوعیت

(۹) احادیث صحیحہ و متواترہ سے حیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت ہے عربی میں امام بیہقی اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ کے اس پر رسائل ہیں اور اردو میں زمانہ حال کے مولینا صفدر صاحب اور مولانا خالد محمود صاحب کے رسالے موجود ہیں۔

علامہ سیوطیؒ کتاب الحاوی للفتاوی (ج ۲ ص ۱۴۷) پر کہتے ہیں۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذالک وتواترت بہ الاخبار .

ترجمہ:۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی حیات ہمارے نزدیک علم قطعی کے طور پر معلوم ہے جبکہ اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث حد تواترہ کو پہنچ چکی ہیں۔

اور اس کے بعد بہت سی احادیث نقل کر کے علامہ قرطبی کا قول لکھا ہے۔

الی غیر ذالک مما یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لاندرکھم وان کانو موجودین احیاء وذالک کالحال فی الملائکۃ فانھم موجودون احیاء ولا یراھم احد من نوعنا الامن خصہ اللہ بکرامتہ من اولیائہ .

ترجمہ:۔ اس قسم کی روایات سے یہ بات قطعی طور پر حاصل ہوگئی ہے کہ موت انبیاء کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہیں کہ ہم ان کو پاتے نہیں اگرچہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں ان کا حال فرشتوں کا سا ہے کہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں انسانوں میں سے کوئی انکو نہیں دیکھ سکتا سوائے اس کے جس کو اللہ نے اپنے کرم سے خاص کر لیا ہو اولیاء میں سے۔

(شرح مواقف ج ۸ ص ۲۱۸) **والاحادیث الصحیحۃ الدالۃ علیہ ای عذاب القبر اکثر من ان تحصی بحیث تواتر القدر المشترک وان کان کل واحد منھا من قبیل الآحاد** ۔ اور اس کے بعد احادیث درج ہیں۔

ترجمہ:۔ اور احادیث صحیحہ اس بات پر کہ عذاب قبر ہوتا ہے اتنی زیادہ ہیں کہ انکا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ان میں عذاب قبر کا ہونا مشترک ہے اگرچہ ان میں سے ہر ایک از قبیل خبر واحد ہو۔

اور علامہ سیوطیؒ کی کتاب شرح الصدور فی شرح احوال الموتی والقبور (ص ۶۳ سے ص ۷۲) تک پچاس احادیث درج ہیں اور پھر کچھ لوگوں کے واقعات بھی درج کئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بلکہ تمام انسانوں کی حیات احادیث متواترہ سے ثابت شدہ نقل کرنے کے بعد ہم جیسوں کو احادیث نقل کرنیکی ضرورت ہی نہیں اور نہ کسی راوی کے ضعف وقوت پر نظر کرنیکی گنجائش رہی کہ تواتر اس سے بلند و بالا

حجت ہے اس لئے تواتر احادیث کے حوالے نقل کئے گئے نقل احادیث کی ضرورت نہیں۔

حیات النبی پر اجماع اہل حق ہے

(۱۰) اجماع اہل حق اسی پر ہے (الف) حاوی سیوطی، ۲، ص ۱۴۹ پر **شیخ الشافعية الاستاذ ابو المنصور عبد القاهر** کا قول لکھا ہے۔

> **قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا صلى الله عليه وسلم حی بعد وفاته وانهٗ يسر بطاعات امته ويحزن بمعاصی العصاة منهم وانهٗ تبلغه صلاة من يصلىٰ عليه من امته.**

ترجمہ:۔ ہمارے اصحاب میں سے متکلمین محققین نے فرمایا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور وہ اپنی امت کی طاعات سے خوش اور گناہگاروں کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں اور یہ کہ ان کو درود پہنچایا جاتا ہے جو انکی امت میں سے ان پر درود بھیجتا ہے۔

(ب) فقہ اکبر مصنفہ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول **واعادة الروح الى العبد فی قبره حق و ضغطة القبر حق و عذابه حق كائن للكفار كلهم اجمعين وبعض المسلمين.**

ترجمہ:۔ اور روح کا بندے کی طرف اسکی قبر میں لوٹایا جانا حق ہے اور قبر کا دبانا حق ہے اسکا عذاب حق ہے جو سب کافروں کیلئے اور بعض مسلمانوں کیلئے ہے۔

کی شرح میں، ص ۸۰ پر علی قاری کہتے ہیں۔

> **واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق فی الميت نوع حيوة فی القبر قدر مايتألم ويتلذذ ولكن اختلفوا فی انهٗ هل يعاد الروح. اذ جواب الملكين فعل اختياری فلا يتصور بدون الروح، وقيل يتصور الاترىٰ ان النائم يخرج روحه ويكون روحه متصلا بجسده حتىٰ يتالم فی المنام ويتنعم، وقدروی عنه عليه الصلوة والسلام انهٗ سئل كيف يوجع اللحم فی القبر ولم يكن فيه الروح، فقال عليه الصلوة والسلام كما يوجع بسنّک وليس فيه الروح.**

ترجمہ:۔ جان لو یہ بات کہ اصل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں اس قسم

کی حیات پیدا کرتا ہے کہ جس سے وہ تکلیف اور راحت محسوس کرتا ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ کیا لوٹائی جاتی ہے روح تا کہ فرشتوں کا جواب فعل اختیاری بن جائے کیونکہ وہ بغیر روح کے متصور نہیں ہوتا اور بعض کا قول ہے کہ بغیر روح کے بھی جواب متصور ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ سوئے ہوئے کی روح نکالی جاتی ہے پھر بھی روح کا اس کے جسم سے تعلق ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ نیند میں راحت و تکلیف محسوس کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ قبر میں گوشت میں درد کیسے ہوگا جبکہ اس میں روح نہ ہوگی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسے تمہارے دانت میں درد ہوتا ہے اور اس میں روح نہیں ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا جیسے روح دانت سے باہر رہ کر بھی اتصال رکھتی ہے اور سخت تکلیف کا سبب بنتی ہے ایسے ہی روح علیین و سجین میں رہتے ہوئے جسم سے اتصال رکھتی ہے اور سخت عذابات کا سبب بنتی ہے یہی تو حیات قبری ہے۔

اور اسی صفحہ کے آخر میں فرمایا ہے انعام و ایلام قبر کے باب میں ہے۔

واختلف فی انه بالروح او بالبدن اوبهما وهوا لا صح منهما الا انانؤمن بصحته ولا نشتغل بکیفیته .

ترجمہ:۔ انعام قبر اور عذاب قبر کے باب میں بیان فرماتے ہیں کہ اختلاف اس میں ہے کہ (عذاب وراحت) روح کو ہوگا یا بدن کو یا دونوں کو اور یہی صحیح ہے (کہ دونوں کو ہوگا) مگر یہ کہ ہم اس کے ہونے کا تو یقین کر سکتے ہیں البتہ کیفیت سے تعرض نہیں کرتے۔

(ج) فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۸۰ باب ماجاء فی عذاب قبر، جبکہ عذاب قبر کا ثبوت دلیل ہے روح کے قبر میں ہونیکی کہ جماد عذاب کا اہل نہیں ہے۔

واکتفٰی باثبات وجوده خلا فالمن نفاه مطلقا من الخوارج وبعض المعتزلة کضرار بن عمر و وبشیر المریسی ومن وافقهما وخالفهم فی ذالک اکثر المعتزلة و جمیع اهل السنة وغیر هم اکثرو من الاحتجاج له.

ترجمہ:۔ اور اکتفاء کیا ہے (امام بخاری) نے اس کے (عذاب قبر کے) وجود کو ثابت

کرنے پر بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے اسکی مطلق نفی کی ہے خوارج اور بعض معتزلہ میں سے جیسے کہ ضرار بن عمر اور بشیر المریسی اور وہ لوگ جنہوں نے ان دونوں کی موافقیت کی ہے۔ اور تمام اہل سنت اور اکثر معتزلہ نے ان کی مخالفت کی ہے اور اس سلسلے میں بہت سارے دلائل لئے ہیں۔

اہل سنت والجماعت اور اکثر امت کا عذاب قبر پر اتفاق حیات پر اتفاق ہوا جن میں اکثر معتزلہ بھی آگئے تو وہ بھی حیات قبر کے قائل ہیں۔

ایضا قوله (البخاری) و قوله تعالی "وحاق بال فرعون" الایة کے تحت، واستدلال بها علی ان الارواح باقية بعد فراق الاجساد وهو قول اهل السنة.

ترجمہ:۔ اور امام بخاری کا قول ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول وحاق بآل فرعون سے دلیل پکڑی ہے اس بات پر کہ ارواح جسموں سے جدا ہونے کے بعد باقی رہتی ہے اور یہی اہل سنت کا قول ہے۔

ایضاً ص۱۸۲ حدیث عائشہؓ "**انک لا تسمع الموتی** " کے تحت ہے۔

ترجمہ:۔ ایسے ہی ص۱۸۲ پر حضرت عائشہؓ کی حدیث کہ "بیشک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے" سے استدلال کیا ہے۔

وقد اخذ ابن جرير و جماعة من الكرامية من هذه القصة ان السوال فی القبریقع علی البدن فقط، ان الله يخلق فيه ادارکا بحيث يسمع ويعلم ويلذ ويالم. وذهب ابن حزم و ابن هبيرة ان السوال يقع علی الروح فقط من غير عود الی الجسد. وخالفهم الجمهور فقالوا: تعاد الروح الی الجسد او بعضه كما ثبت فی الحديث.

آگے ان کے شبہات کے جواب ہیں اور بخاری شریف کی متعدد حدیثوں سے عذاب والوں کا چلانا اور انس وجن کے علاوہ سب کا سننا وارد ہے جس سے عذاب قبر کا جسد وروح کے مجموعہ پر ہونا اور حیات ہونا ثابت ہے۔

ترجمہ:۔ ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت نے اس قصہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ

سوال قبر میں صرف بدن سے ہوگا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس میں ایسا ادراک پیدا فرمادیں گے کہ جس سے وہ سنے گا جانے گا تکلیف راحت محسوس کرے گا ابن جریر اور ابن ہبیرہ اس طرف گئے ہیں کہ سوال صرف روح سے ہوگا اس کے جسم میں لوٹائے بغیر اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح جسم میں لوٹائی جائے گی یا اس کا بعض لوٹایا جائیگا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

(د) عمدة القاری للعینی شرح بخاری ج ۸ ص ۱۴۵ پر جوتوں کی آواز سننے پر چیخوں کی آواز کے بعد ہے۔

فیہ اثبات عذاب القبر وھو منھب اھل السنة والجماعة وانکر ذالک ضرار بن عمرو بشر المریسی واکثر المتاخرین من المعتزلة.

ترجمہ:۔ اس میں عذاب قبر کا اثبات ہے اور یہی مذہت ہے اہل السنّت والجماعت کا اور ضرار بن عمر اور بشر المریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے اسکا انکار کیا ہے۔

(ہ) شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور للسیوطیؒ ص ۷۲

ومحلہ الروح البدن جمیعا باتفاق اھل السنة و کذ القول فی النعیم.

ترجمہ:۔ باتفاق اہل سنت اسکا محل روح اور بدن دونوں اکٹھے ہیں اور ایسا قول ہے، نعیم میں۔

(و) شرح مواقف مصری ج ۸ ص ۳۱۷

المقصد الحادی عشر احیا الموتی فی قبورھم ومسئلة منکر و نکیرلھم و عذاب القبر للکافر و الفاسق کلھا حق عندنا واتفق علیہ سلف الامة قبل ظھور الخلاف واتفق علیہ الاکثر بعدہ ای بعد الخلاف و ظھورہ وانکرہ مطلقا ضرار بن عمرو بشر المریسی واکثر المتاخرین من المعتزلة.

ترجمہ:۔ گیارہواں مقصد ہے اس بیان میں کہ مردے اپنے قبروں میں زندہ ہیں منکر نکیر کا سوال اور عذاب قبر کا فر و فاسق کیلئے ہمارے نزدیک سب حق ہے سلف امت اس مسئلہ میں اختلاف کے ظہور سے پہلے متفق تھے اور اکثر ان میں سے اختلاف کے ظہور کے بعد بھی

متفق ہیں اور ضرار بن عمر اور بشر المریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے اسکا انکار کیا ہے۔

(ز) حاشیہ چلپی اس صفحہ پر ہے۔

اتفق اهل الحق علٰی ان الله تعالٰی یعید الی المیت فی القبر نوع حیات قدر ما یتالم ویتلذذ.

ترجمہ:۔ اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کیلئے ایسی حیات لوٹاتے ہیں جس سے وہ تکلیف وراحت محسوس کرے۔

(ح) فقہ اکبر ص ۱۹ **وفی المسئلة خلاف المعتزلة و بعض الرفضة.**

ترجمہ:۔ اور اس مسئلہ میں معتزلہ اور بعض شیعہ کا اختلاف ہے۔

(ط) شامی ج ۱ ص ۷۷۳ **قبیل عیدین قال اهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق الی ان قال فیعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فیتالم الروح والجسد وان کان خارجا عنه.**

ترجمہ:۔ شامی ج ۱ ص ۷۷۳ میں باب عیدین سے قبل ہے اہل سنت والجماعت نے کہا کہ عذاب قبر حق ہے (اس قول تک) پس عذاب دیا جاتا ہے گوشت کو روح کے ساتھ اور روح کو جسم کے ساتھ پس تکلیف محسوس کرتی ہے روح بھی جسم بھی اگرچہ روح جسم سے باہر ہوتی ہے۔

(ی) احسن الفتاوی ص ۱۷۳ حضرت شیخ عبدالحقؒ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔

" حیات انبیاء متفق علیه است هیچ کس راوے خلافے نیست حیات انبیاء حقیقی نه حیات معنوی روحانی".

ترجمہ:۔ حیات انبیاء متفق علیہ ہے اس مسئلہ میں کسی کا خلاف نہیں ہے انبیاء کی حیات حقیقی ہے نہ کہ معنوی وروحانی۔

اور حیات القلوب میں فرماتے ہیں:

بدانکم در حیات انبیاء علیهم السلام و ثبوت این صفت مرایشان را و ترتب آثار و احکام آن هیچ کس را از علماء خلاف نیست۔

ترجمہ:۔ جاننا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات اور اس صفت پر اسکے ثبوت اور اس پر

آ ثار واحکام کے مرتب ہونے میں علماء میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

مراقی الفلاح شرح نورالایضاح (طحطاوی ص ۴۴۷) میں ہے:

ومما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حى يرزق فمتع بجميع الملا ذوالعبادات غير انه حجب عن ابصار القاصرين.

ترجمہ:۔ اور جو بات محققین کے نزدیک طے شدہ ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے پس آپ متمتع ہوتے ہیں تمام لذتوں سے اور عبادات سے سوائے اس کے کہ آپ پردہ فرمائے ہیں قاصرین کی نگاہوں سے۔

مرقات شرح مشکوۃ طبع جدید ج ۳ ص ۲۳۸

قال ابن حجر وما افاده من ثبوت حياة الانبياء حيوة بها يتعبدون ويصلون فى قبورهم مع استغنائهم عن الطعام والشراب كالملائكة امر لا مرية فيه.

ترجمہ:۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حیات انبیاء کے بارے میں جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسی حیات کے ساتھ زندہ ہیں کہ اپنی قبروں میں عبادت کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں کھانے پینے سے ایسے ہی مستغنی ہیں جیسے فرشتے یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

لہٰذا انکا حیات قبری کسی بھی فرد بشر کیلئے معتزلہ اور روافض وخوارج کا قول ہے اہل حق کا قول نہیں ہے۔ چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام اور سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اس کا انکار کتنا خطرناک ہے غور کیا جائے!!!

قیاس سے حیات النبی کا اثبات

(۱۱) چونکہ حدیث شریف میں ہے **وجعلت قرة عينى فى الصلوة** اگر حیات نہ ہو گی صلوۃ نہ ہو سکے گی قرۃ العین سے محرومی ہوگی یہ ایک عذاب بن جائیگا کہ عذاب ازالہ عذوبۃ حیات ہی ہوتا ہے العیاذ باللہ اس لئے قیاس بھی حیات قبر کی دلیل ہے۔

رفع تعارض

(۱۲) غلط فہمی یا شبہ اسلئے ہی پیش آ سکتا ہے کہ بعض احادیث وتفاسیر میں بعض سے

تعارض معلوم ہوتا ہے اسلئے جمع کی صورتیں بھی پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(الف) مشکوۃ کی حدیث **اکتبوا کتابه فی علیین واعیدوه الی الارض** کے تحت علی قاری نے مرقاۃ جدید ج ۴ ص ۲۵ میں لکھا ہے۔

ترجمہ:۔ ان کی تقدیر علیین میں لکھو پھر ان کو زمین کی طرف پھیر دو۔

> **قال العسقلانی فی فتاواه : ارواح المومنین فی علیین وارواح الکفار فی سجین ولکل روح بجسدها اتصال معنوی لا یشبه الاتصال فی الحیوة الدنیا بل اشبه شئی به حال النائم وان کان هو اشد من حال النائم اتصالا وبهذا یجمع بینما ورد ان مقرها فی علیین والسجین و بین مانقله ابن عبد البر عن الجمهور انها عند افنية قبورها قال ومع ذالک فهی ماذون لها فی التصرف وتاوی الی محلها من علیین او سجین، قال واذا نقل المیت من قبر الی قبر فالاتصال المذکور مستمر وکذالو تفرقت الاجزاء.**

ترجمہ:۔ عسقلانی نے اپنے فتاوی میں کہا ہے کہ مومنین کی ارواح علیین اور کفار کی ارواح سجین میں ہوتی ہے اور ہر روح کا اس کے جسم کے ساتھ معنوی اتصال ہوتا ہے وہ اتصال دنیوی زندگی کے مشابہ نہیں ہوتا بلکہ وہ سونے والے کے تعلق سے بھی شدید ہوتا ہے اس طرح ان دونوں باتوں کو جمع کیا جا سکتا ہے کہ جو روایت میں آیا ہے کہ روح کا مستقر تو علیین اور سجین ہے اور یہ بات کہ جس کو ابن عبد البر نے جمہور سے نقل کیا ہے کہ وہ جسم اپنی قبروں میں ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود اس روح کو اجازت تصرف ہوتی ہے اور وہ درد محسوس کرتی ہے اپنے محل علیین اور سجین میں رہتے ہوئے، فرماتے ہیں کہ جب کوئی میت ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کی جائے تو یہ اتصال مذکور وہاں بھی مستمر ہو جاتا ہے اسی طرح اگر اجزاء متفرق بھی ہو جائیں تب بھی اتصال رہتا ہے۔

(ب) امام شعرانی المیزان ج ۱ ص ۱۷۷ پر ایک اختلاف نقل کر کے جواب دے رہے ہیں۔

> **واجاب الاول بان الروح ماخرجت منه حقیقة ولکن ضعفت تدبیرها لتعلقها بعالمها العلوی فقط بدلیل سوال منکر و نکیر و عذابها فی**

القبر ونعيمها و احساس الميت بذالک وهنا اسرار يعرفها اهل الله لا تسطر في كتاب فان الكتاب يقع في يد اهله و غير اهله.

ترجمہ:۔ پہلا جواب یہ ہے کہ روح جسم سے حقیقۃً نکلتی نہیں ہے بلکہ اسکی تدبیر کمزور پڑ جاتی ہے اسکا تعلق عالم علوی سے قائم ہونیکی وجہ سے اسکی دلیل منکر نکیر کا سوال اور اسکو قبر میں عذاب و انعام کا ہونا اور میت کا اس کو محسوس کرنا ہے اور اس میں بہت سے اسرار ہیں جنکو اہل اللہ پہچانتے ہیں انکو اس کتاب میں بیان نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ کتاب تو ہر اہل و نااہل کے ہاتھ پڑتی ہے۔

یعنی علیین و سجین میں ہونے کے باوجود جسم سے تعلق غیر احتیاجی رہتا ہے مگر دنیوی تعلق سے کچھ ضعیف ہے کہ عالم علوی کی مشغول میں ہے اور نوم سے قوی ہے روح حقیقت میں خارج نہیں ہوتی توجہ دوسری طرف ہو جاتی ہے جہاں رد کا لفظ ہے وہاں رد توجہ ہی ہے۔

(ج) فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۸۲

والحامل للقائلين بان السوال يقع على الروح فقط ان الميت قد يشاهد في قبره حال المسئلة لا اثر فيه من اقعاد و غيره ولا ضيق قبره ولا سعة وكذالک غير المقبور كالمصلوب، وجوابهم ان ذالک غير ممتنع في القدرة بل له نظير في العادة وهو النائم فانه يجد لذة والما لا يدركه جليسه بل اليقظان قدر يدرک الما ولذة لما يسمعه او يفكر فيه ولا يدرک ذالک جليسه وانما اتى الغلط من قياس الغائب على الشاهد، واحوال مابعد الموت على ما قبله والظاهر ان الله تعالى صرف ابصار العباد واسماعهم عن مشاهدة ذالک وستره عنهم ابقاء عليهم. لئلا يتدافنوا وليست للجوارح الدنيوية قدرة على ادراک امور الملكوت الامن شاء الله وقد ثبتت الاحاديث بما ذهب اليه الجمهور كقوله "انه يسمع خفق نعالهم" وقوله تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله يسمع صوته اذا ضربه بالمطراق وقوله يضرب بين اذنيه وقوله فيقعد انه و كل ذالک من صفات الاجساد.

ترجمہ:۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہے کہ سوال صرف روح سے ہوگا کہتے ہیں کہ کبھی ہم قبر میں میت کا مشاہدہ اس حال میں کرتے ہیں کہ اس پر قبر میں بٹھائے جانے اور قبر کے کشادہ و تنگ ہونے کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ ہیں جن کو قبر میں دفن نہیں کیا جاتا جیسے پھانسی پر لٹکایا جانے والا شخص۔

انکی اس بات کا جواب یہ ہے کہ غیر ممتنع القدرت نہیں ہے بلکہ اسکی نظیر عادۃ موجود ہے اور وہ سونے والا ہے کہ کبھی کبھی وہ لذت و تکلیف محسوس کرتا ہے اور اسکے پاس بیٹھنے والا شخص محسوس نہیں کرتا بلکہ بیدار آدمی بھی کبھی لذت و راحت محسوس کرتا ہے جب وہ اسکو سنتا ہے یا اسکے بارے میں سوچتا ہے اور اسکے پاس بیٹھنے والا شخص اسکا ادراک بھی نہیں کرتا بلکہ یہ قیاس شاہد پر کرنا ہی غلط ہے اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا قبل موت کے واقعات پر قیاس غلط ہے۔

اور ظاہر بات یہ ہے کہ اللہ پاک نے اپنے بندوں کی نظروں اور کانوں کو اسکے مشاہدہ سے باز رکھا یہ معاملہ ان سے پوشیدہ رکھا ہے کہ کہیں وہ اپنے مردوں کو دفن ہی نہ کریں۔

اور دنیوی اعضاء جوارح کو عالم ملکوت کے معاملات دیکھنے کی قدرت ہی نہیں ہے سوائے انکے جن کو اللہ چاہے۔ اور احادیث سے وہ بات ثابت ہو چکی ہے جس کو جمہور نے اختیار کیا ہے کہ میت جوتوں کی کھڑ کھڑاہٹ سنتا ہے اور ان کا یہ قول کہ قبر کے ملنے سے اسکی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اور ان کا یہ قول کہ وہ سنتا ہے جب مارا جاتا ہے اس کو کوڑا۔

اور یہ قول کہ دونوں کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے اور اسکا یہ قول کہ وہ بیٹھتا ہے اور یہ سب کی سب جسم کی صفات ہیں۔

(د) عذاب قبر اور انواع عذابات کے بعد امام غزالیؒ نے جو تلقین فرمائی ہے وہ غور اور دلنشین کرنے کے قابل ہے۔

وارباب القلوب والبصائر یشاھدون بنور البصیرۃ ھذہ المھلکات، وانشعاب فروعھاء ان مقدار عددھا لا یوقف علیہ الا بنور النبوۃ فامثال ھذہ الاخبار لھا ظواھر صحیحۃ واسرار خفیۃ ولکنھا عند ارباب البصائر واضحۃ فمن لم تنکشف لہ دقائقھا فلا ینبغی ان ینکر ظواھر ھا بل اقل درجات الایمان التصدیق والتسلیم.

اسکو غور سے پڑھا جائے اور دیکھا کہ انکار کا کیا درجہ ہے۔

ترجمہ:۔ اہل دل اور اہل بصیرت اپنی نور بصیرت سے اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ مہلکات قبر کی بہت سی اقسام اور شعبے ہیں کہ جن کی تعداد اور مقدار سے انسان واقف نہیں ہوسکتا سوائے نور نبوت کے پس اس قسم کی خبریں کہ انکا ظاہر صحیح ہوتا ہے اور اسرار چھپے ہوتے ہیں لیکن وہ اسرار صاحب بصیرت لوگوں کیلئے واضح ہوتے ہیں پس جس پر وہ دقائق منکشف نہ ہوں تو اس کیلئے یہ مناسب نہیں کہ ان کے ظواہر کا انکار کرے بلکہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ان کی تصدیق کرنا اور تسلیم کرنا ہے۔

حل اشکالات

(۱۳) وجہ شبہ اور اس کا حل امام غزالی نے جو احیاء العلوم میں دیا ہے عبارت مذکورہ کے بعد ہے ترجمہ یہ ہے:

اگر تم یہ کہو کہ ہم تو کافر کو ایک مدت تک قبر میں دیکھتے ہیں اور نگرانی کرتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بات بھی دیکھ نہیں پاتے تو مشاہدہ کیخلاف کیسے تصدیق کر لی جائے تو سمجھ لو کہ ایسی باتوں کی تصدیق میں تمہارے لئے تین صورتیں ممکن ہیں۔

(۱) جو بہت ظاہر بہت صحیح ہے اور اسلم طریقہ یہی ہے کہ تم اسی کی تصدیق کر لو کہ یہ (۹۹ سانپ) موجود ہیں اور مردہ کو ڈستے ہیں لیکن تم دیکھتے ہو تو یہ آنکھ علم ملکوت کے امور کے دیکھ پانے کی اہل ہی نہیں ہے۔ اور امور آخرت سب امور ملکوت ہی ہیں۔ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ صحابہؓ جبریل کے نازل ہونے پر کیسے ایمان لے آئے تھے حالانکہ انکو دیکھ نہیں پاتے تھے اور اس پر بھی ایمان رکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے تھے۔ تو اگر تم اس پر بھی ایمان نہیں رکھتے تو فرشتوں اور وحی پر اصل ایمان کو صحیح کر لینا ہی تمہارے لئے بڑا اہم کام ہے (یعنی اپنا ایمان درست کر لو) اور اگر اس پر ایمان رکھتے ہو اور جائز قرار دیتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ جنکا امت مشاہدہ نہیں کر سکتی تو یہ میت کے بارے میں کیوں جائز نہیں رکھتے اور جیسے کہ فرشتہ آدمیوں کے اور جانوروں کے مشابہ نہیں ہوتا تو یہ زندگی اور سانپ بچھو بھی جو قبر میں ڈستے ہیں وہ ہمارے عالم کے سانپوں

کی جنس سے نہیں ہیں وہ دوسری جنس ہے جسکو ہم دوسری آنکھ ہی سے دیکھ سکتے ہیں۔

(۲) یہ کہ سوتے آدمی کی حالت کو یاد کرو۔ وہ سوتے میں دیکھتا ہے کہ سانپ اسکو ڈس رہا ہے وہ اسکی اذیت پاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لیتے ہو کہ وہ نیند میں چلاتا ہے اور اسکی پیشانی پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے اور کبھی جگہ سے اٹھ کر بھاگتا ہے تو یہ سب وہ اپنے اندر ہی محسوس کرتا ہے اور اس سے ایسی اذیت پاتا ہے جیسے بیدار آدمی مشاہدہ کر کے پاتا ہے۔ مگر تم اسکو سکون میں دیکھتے ہو اور اس کے آس پاس کوئی سانپ نہیں دیکھ پاتے ہو لیکن اس کے حق میں سانپ بھی موجود ہوتا ہے اور تکلیف بھی حاصل ہوتی ہے تو جبکہ اذیت ڈسنے میں ہوتی تو کوئی فرق نہیں ہوگا کہ اس کا تخیل ہو یا مشاہدہ ہو (یعنی خواب میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے مشاہدہ میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے)

(۳) تم جانتے ہو کہ سانپ خود اذیت نہیں دے سکتا بلکہ وہ زہر اذیت دیتا ہے جو اس سے تم کو پہنچتا ہے پھر زہر خود بھی اذیت نہیں دیتا بلکہ تمہارے اندر جو زہر سے اثر پیدا ہوتا ہے وہ اذیت ہے۔ تو ایسا ہی اثر اگر زہر کے علاوہ کسی اور شے سے پیدا ہوگا تو اذیت ایسی ہی شدید ترین ہوگی لیکن اس اذیت کی نوعیت کا بیان کرنا ممکن ہی نہیں سوائے اسکے کہ اس کے سبب کی طرف منسوب کر دیا جائے جو عادۃً اس کو پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً یہ کہ سانپ کے کاٹے کی اذیت ہے سبب کا ثمرہ تو حاصل ہوگا گو صورت نہ ہو اور مقصود و مراد ثمرہ ہی ہوتا ہے جسکے سبب کا ذکر ہوتا ہے نہ کہ خود سبب" فقط:

غرض یہ سب چیزیں مشاہدہ میں نہیں ہیں نہ بیان ہی میں آسکتی ہیں مگر سب اسکے معتقد ہوتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں عذاب کا عقیدہ نہ ہو اور جیسے اس سے پناہ مانگی جاتی ہے اور بچنے کی کوشش ہوتی ہے ایسے ہی اس سے ہونی چاہئے۔

منکر حیات النبی کا حکم

(۱۴) ایسے عقیدہ والے کے پیچھے نماز کا درست ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا درجہ اسلام میں کیا ہے تو اس کیلئے ہم سب کے دینی جد امجد حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کا فتویٰ پیش ہے گو ذرا سا فرق ہے یہاں سوال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق نہ ہونا بیان ہے اور وہاں ہر کس و ناکس کے متعلق سوال اور اس پر مدار فتویٰ کا ہے مگر یہاں تو وہ بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کا فتویٰ

عزیز الفتاوی جلد۱ صفحہ۹۳

سوال: انسان را بعد موت ادراک و شعور باقی ماند وزائران خود رامی شناسد و سلام و کلام ایشان رامی شنود یانے ؟

جواب: انسان را بعد موت ادراک باقی میماندبرایں معنی شرع شریف و قواعد فلسفی اجماع دارند. امادر شرع شریف پس عذاب قبر و تنعیم القبر بتواتر ثابت است و تفصیل آن دفتر طویل می خواهد.(در کتاب شرح الصدور فی احوال اموتی والقبور) که تصنیف شیخ جلال الدین سیوطیؒ است و دیگر کتب حدیث باید دید. در کتب کلامیه اثبات عذاب القبر می مابند حتی که بعض اهل کلام منکر آن راکافر میدانند، و عذاب و تنعیم بغیر ادراک و شعور نمی تواند شد. و نیز در احادیث صحیحه مشهوره در باب زیارت قبور و سلام برموتی و همکلامی بآنها که " انتم لنا سلف و نحن بالاثر وانا ان شاء الله بکم لاحقون" ثابت است. ودر بخاری و مسلم موجود است که آنحضرت صلی الله علیه وسلم باشهداء بدر خطاب فرمودند.

" هل وجد تم ما وعدتم ما وعد ربکم حقا" مردم عرض کردند " یا رسول الله اتتکلم من اجساد لیس فیها روح" فرمودند " ماانتم باسمع منهم ولکنهم لا یجیبون" در قرآن مجید ثابت است " لاتقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء عند ربهم یرزقون فرحین بما آتاهم الله مِن فضله" بلکه از احوال پس آئیندگان خودهم خوشی و بشارت ثابت است "ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بهم من خلفهم الاخوف علیهم ولا هم یحزنون"

بالجمله انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نه باشد دارالحاد بودن او شبه نیست.

واما قواعد فلسفیه پس بقائے روحانی بعد از مفارقت و بقاء شعور و ادراک و لذت روحانی مجمع علیه فلاسفه است الا

جالینوس، ولهذا اور ادرفلاسفه نشمرده اند. پس ظاهر است که بدن دائما در تحلل است و روح در شعور و ادراک دائما در ترقی است پس مفارقت بدن در سلب ادراک و شعور او چه قسم تاثیر تواند کرد.

سوال: اگر ادراک و شعور میماند بقدر حیات میماند یا زیاده وکم میشود؟

جواب: ادراک و شعور اهل قبور بعد موت در بعض امور زیاده می شود و در بعضے کم آنچه تعلق بامور غیب دارد ادراک آنها زیاده است وآنچ تعلق در امور دنیویه باشد ادراک آنها کم، سببش آنست که التفات و توجه ایشاں در امور غیبیه زیاده است. و در امور دینویه کم. بایں جهت تفاوت واقع می شود والا اصل ادراک و شعور یکساں است بلکه اگر تامل کرده شود در دنیا نیز توجه والتفات بزیادتی و کمی در شعور و ادراک واقع می شود چنانچه دقائق علمیه را وکلائے دربار کم می فهمند. وللذائذ طعام و محاسن نساء و کیفیات نغمات و اوتار را امیرازاده ها خوب ادراک میکنند. وعلماء وفضلاء در ادراک آن چیز ها بسیار قاصر اند. ایں همه سبب قلت توجه والتفات دانند و کثرت آن.

ترجمہ سوال:۔ انسان کا مرنے کے بعد ادراک وشعور باقی رہتا ہے اپنی قبر پر آنے والوں کو پہچانتا ہے ان کا سلام وکلام سنتا ہے یا نہیں؟

ترجمہ جواب: انسان کا ادراک وشعور باقی رہتا ہے اس بات پر شریعت اور قواعد فلسفیہ میں اجماع ہے پس باعتبار شریعت تو عذاب قبر اور قبر کی لذتوں کا پانا اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے جسکی تفصیل کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔ کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور جو کہ شیخ جلال الدین سیوطی کی تصنیف ہے میں اور دوسری کتب حدیث میں دیکھا جا سکتا ہے علم کلام کی کتابوں میں عذاب قبر کا ثبوت دیکھا جا سکتا ہے حتیٰ کہ بعض اہل کلام نے اس کے منکر کو کافر قرار دیا ہے اور عذاب وراحت بغیر ادراک وشعور کے نہیں ہو سکتے۔

نیز مشہور احادیث میں زیارت قبور کے باب میں مردوں کو سلام کرنا اور ان سے ہمکلام ہونے کا ذکر یوں ثابت ہے " **انتم لنا سلف و نحن بالاثر و انا انشاء الله بکم لا حقون** " آپ ہم سے پہلے چلے گئے ہیں اور ہم آپکے نقش قدم پر آرہے ہیں اور جلد ہی انشاء اللہ آپ سے مل جائیں گے اور بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء بدر سے یوں خطاب فرمایا:

"کیا تم نے اللہ کے وعدے کو سچ پالیا" لوگوں نے عرض کیا "یارسول اللہ کیا آپ ایسے جسموں سے کلام فرماتے ہیں جن میں روح نہیں" "فرمایا" تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دیتے"

قرآن پاک میں ثابت ہے "جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے انکو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں انکو انکے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے خوش ہوتے ہیں اس پر جو ان کو اللہ کے فضل سے ملتا ہے۔"

بلکہ اپنے پسماندگان کے احوال کے علم پر بھی انکی خوشی و بشارت ثابت ہے (قرآن میں ہے) "اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ (ان شواہدات کی روشنی میں) بالجملہ اگر اموات کے ادراک وشعور کا انکار کفر نہ بھی ہو تو اس کے الحاد ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

اور قواعد فلسفیہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو جسم سے روح کے جدا ہونے کے بعد اسکا باقی رہنا اور شعور وادراک ولذت روحانی کا باقی رہنا یہ فلاسفہ کا متفق علیہ موقف ہے سوائے جالینوس کے اور اسی وجہ سے اسکو فلاسفہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ پس یہ بات ظاہر ہے کہ بدن ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور روح کے شعور ادراک میں ہمیشہ ترقی ہوتی رہتی ہے پس روح کے جسم سے جدا ہونے کی صورت میں اس کے ادراک وشعور کے سلب ہونے کو ہم کس قسم میں شمار کریں گے۔

ترجمہ سوال: اگر ادراک وشعور باقی رہتا ہے تو کیا حیات تک باقی رہتا ہے یا کم وبیش؟

ترجمہ جواب: اہل قبور کا ادراک وشعور مرنے کے بعد بعض امور میں زیادہ ہو جاتا ہے اور بعض میں کم۔ جن امور کا تعلق غیب سے ہوتا ہے ان میں ادراک زیادہ ہوتا ہے اور جن امور کا

تعلق دنیا سے ہوتا ہے ان میں ادراک کم ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا التفات اور توجہ امور غیبیہ کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور امور دینویہ کی طرف کم۔ اس اعتبار سے فرق ہو جاتا ہے۔ مگر اصل کے اعتبار سے ادراک و شعور میں دونوں یکساں ہیں۔ اگر غور کرو تو دنیا میں بھی توجہ کی کمی زیادتی سے ادراک و شعور میں کم زیادتی ہوتی ہے چنانچہ علمی نکات اور درباری موشگافیوں کو کم لوگ سمجھ پاتے ہیں اور کھانوں کے ذائقوں عورتوں کی عشرہ طرازیاں اور گانوں کی کیفیات وغیرہ کو امراء خوب محسوس کرتے ہیں اور علماء وفضلاء عموماً ان چیزوں کے ادراک سے قاصر ہیں یہ سب فرق اصل میں توجہ اور التفات کی کم بیشی سے ہی تو ہوتا ہے۔ فقط: خلیل احمد تھانوی

منکر حیات النبی کی امامت کا حکم

اوپر آیت واحادیث متواتر و اجماع اہل حق وقبول عقل سلیم کے دلائل کے بعد شاہ صاحبؒ کا فتویٰ فیصلہ کن ہے۔

آیات کا انکار احادیث، متواترہ کا انکار، اجماع کا انکار، یہ سب ایسا تھا کہ اس پر اسلام کا باقی رہنا مشکل تھا۔ مگر بات یہ ہے قطعی الثبوت کے ساتھ قطعی الدلالت ہونا جب تک نہ ہو سکے انکار کو کفر نہیں کہا جاسکتا چونکہ بعض تاویلات ایسی ممکن ہیں جو قواعد عربیت پر صحیح بن جاتی ہیں گو دوسری آیات احادیث سے ان پر عمل درست نہ ہو۔

والحد و دتندرء بالشبهات۔ (شبہ پیدا ہونے سے حد ساقط ہو جاتی ہے)

اس لئے شاہ صاحبؒ نے فرمادیا ہے۔

"اگر کفر نہ باشد" (اگر کفر نہ ہو)

چونکہ یہ عقیدہ تمام اہل سنت کے خلاف ہے باطل فرقوں معتزلہ خارجیہ اور رافضیہ کا ہے اس لئے اس کو بدعت ضرور قرار دیا جائیگا۔ اور نماز کی امامت کا قاعدہ کے تحت آجائیگا جو فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز کا ہے ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا۔ اور جس کو اچھے امام کے پیچھے نماز ملتی ہو پھر اقتداء کرنا بھی امام بنانا ہے اسکی اور امام بنائے رکھنے والوں کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور جس کو ان دونوں سے یعنی امام بنائے رکھنے یا صحیح مل سکنے سے معذوری ہو اس کیلئے مکروہ تنزیہی ہوگی۔ کہ تنہا سے یہ جماعت افضل ہے جیسے کہ شامی میں بہ تفصیل احادیث

”من وقر فاسقا اور من وقر بدعیا“ (الحدیث)

”اور صلوا خلف کل برو فاجر“ حدیث سے ماخوذ کر کے بیان ہے (جیسے کہ شامی نے کیا ہے جو توقیر کرے فاسق کی اور توقیر کرے بدعتی کی، اور نماز پڑھو ہر نیک و فاجر کے پیچھے والی احادیث سے استدلال کر کے مسئلہ کی وضاحت کی ہے)۔ واللہ اعلم

(۱۵) چونکہ انبیاء علیہم السلام اور دوسروں کی حیات بعد الموت میں اہل السنت والجماعت کی مخالفت سلف کے باطل فرقوں نے کی تھی۔ کچھ عقلی و نقلی دلائل بھی پیش کئے تھے بزرگان ملت نے ان کو نقل کر کے انکا باطل ہونا ظاہر و ثابت کیا ہے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کیا کیا دلائل تجویز کرتے ہیں تو باطل ہونے کی دلیلیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ اگرچہ اہل السنت و الجماعت سے معتزلہ وغیرہ کی تقلید کی امید نہیں ہے اسلئے سر دست پیش نہیں کی گئیں۔

وما علینا الا البلاغ

وضاحت

برادر محترم جناب مولانا خلیل احمد تھانوی زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

آپ کا گرامی نامہ ملا آپ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی عبارت پر جو سوال تحریر کیا اس کا جواب حضرت والد صاحب مدظلہم نے تحریر فرما دیا ہے وہ اسکی توضیح کے طور پر ضمیمہ میں تحریر فرمادیں احقر نے بھی ایک تحریر لکھی ہے اگر مناسب ہو اسکو بھی شامل کرلیں۔

فقط

احقر سید عبدالقدوس ترمذی

۳ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

ضمیمہ نمبر ۱

از حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور صاحب ترمذی مدظلہم

شرح مواقف ج ۸ ص ۳۱۸ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایک موت قبر میں جان سے پہلے ہوتی ہے پھر قبر میں زندہ کیا جاتا ہے مگر یہ زندگی فی الجملہ بقدر مایتالم و یتلذذ ہوتی ہے حیات مطلقہ اور کامل حیات نہیں ہوتی، مگر سوال نکیرین کے وقت زیادہ قوی ہوتی ہے اس کے بعد کمزور اور ضعیف کر دی جاتی ہے جس سے تعذیب و تنعیم متصور ہو سکے اس تضعیف حیات کو ہی اماتت سے تعبیر کر دیا گیا ہے، مگر یہ اماتت من کل الوجوہ نہیں ہوتی فی الجملہ ہی ہوتی ہے تعذیب و تنعیم کا احساس باقی رہتا ہے اس قدر حیات باقی رہتی ہے۔ جس سے یہ احساس ہو سکے، اس کے بعد حشر میں حیات مطلقہ دی جاتی ہے۔

شرح مواقف کی عبارت میں ثم الاحیاء فی القبر ثم الاماتۃ فیہ ایضا بعد مسئلہ منکر ونکیر حیات وموت فی الجملہ مراد ہے کامل حیات وموت مراد نہیں ہے البتہ سوال نکیرین کے وقت کچھ زیادہ حیات دی جاتی جس کے بعد کم کر دی جاتی ہے۔ اسکو اماتت واحیاء سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اور بعض احادیث میں اس موت بعد السوال کو نوم سے تعبیر فرمایا گیا یہ جیسا کہ ”نم کنومۃ العروس“ وارد ہوا ہے۔

اب امید ہے کہ تنعیم وتعذیب فی القبر پر اشکال وارد نہ ہوگا۔ کہ سوال نکیرین کے بعد جب موت واقع کر دی گئی تو تنعیم وتعذیب کے وارد ہونے کی کیا صورت ہوگی کیونکہ حیات کے بغیر تو تنعیم وتعذیب غیر متصور ہے۔ واللہ اعلم

حاصل یہ ہے کہ موت وحیات کلی مشکک ہے اسکا حسب موقع اطلاق کہیں ضعیف اور کہیں قوی ہوتا ہے سب جگہ یکساں نہیں ہوتا کلی متواطی نہیں ہے۔

فقط

ھذا ما عندی والعلم عند اللہ العلیم الخبیر

عبدہ المذنب السید عبد الشکور ترمذی عفی عنہ ۴ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

ضمیمہ نمبر۲

ازمولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی

نمبر۳ کی عبارت سے مقصود صرف حیات فی القبر کا اثبات ہے اور ان لوگوں کا رد ہے جو اس کے منکر ہیں اور یہ مقصود قرآن کریم کی آیت **قالوا ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین الآیۃ** کی مذکورہ تفسیر اور شرح مواقف کی درج شدہ عبارت سے واضح طور پر ثابت ہے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بھی اس آیت مبارکہ اور شرح مواقف کی عبارۃ مذکورہ سے اسی استدلال فرمایا ہے جیسا کہ حضرتؒ کی عبارت، لہٰذا اس سے حیات قبری ثابت ہے، سے معلوم ہوا ہے۔ اب رہا یہ کہ اس سے حیات فی القبر کا اثبات کیسے ہوا ہے تو اس کی تقریر خود حضرتؒ کی عبارت میں صراحۃً موجود ہے۔ جو تقریباً شرح مواقف کی عربی عبارت کا حاصل ترجمہ ہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ آیت قرآن **قالوا ربنا الآیۃ** کی تفسیر اور جو تقریر شرح مواقف میں کی گئی ہے اس میں جو دو حیات اور دو موت کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دو موت اور حیات ہیں جو حقیقی ہوں اور برزخ قبر میں قائم وتلذذ کیلئے میت کو جو حیات حاصل ہوگی وہ من وجہ حیات ہے۔ جو دوسرے دلائل سے ثابت ہے اس آیت میں اصالۃً اس سے تعرض نہیں کیا گیا لہٰذا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا اثبات اس تقریر کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں اس کی نفی نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے اس کا ذکر نہیں اور عدم ذکر عدم شیء کو یقیناً مستلزم نہیں پھر جبکہ دلائل سے اس کا ثبوت ہو جائے تو اس کا انکار ہرگز صحیح نہیں۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ بقدر مایتالم و یتلذذ میت کو جو حیات قبر میں دی جاتی ہے وہ اس تقریر کے خلاف نہیں ہے۔

فحینئذ لا تعارض ولا اشکال واللہ اعلم بحقیقۃ المقال

احقر سید عبدالقدوس ترمذی

حیاتِ انبیاء

علیہم السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ

اس عقیدہ کو سمجھنے سے پہلے اس بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ

(الف) ساری کائنات میں سے اعلیٰ اور افضل اور مکرم اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا ہے، ارشاد قرآنی ہے: **ولقد کرمنا بنی آدم وحملنهم فی البر والبحر ورزقنهم من الطیبت وفضلنهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً** (الاسرأ نمبر ۷۰) اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔ ارشاد قرآنی ہے: **والتین والزیتون، وطور سینین، وهذا البلد الامین، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** (التین، نمبر ا تا ۴) قسم ہے انجیر کے درخت کی اور زیتون کے درخت کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

(ب) پھر انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور فرمانبرداروں کو اعلیٰ اور افضل قرار دیتے ہوئے فرمایا: **افنجعل المسلمین کالمجرمین، مالکم کیف تحکمون** (القلم، آیت نمبر ۳۵، ۳۶) بھلا کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے تمہیں کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔

ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلھم کالذین امنوا وعملوا الصلحت سوآء محیاھم ومماتھم سآء ما یحکمون (الجاثیہ، ۲۲) کیا خیال کرتے ہیں یہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے گا یہ برا حکم لگاتے ہیں۔

(ج) پھر فرمانبرداروں اور یقین والوں سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو فضیلت عطا فرمائی ہے جیسا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام نے اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: **وقال الحمدللہ الذی فضلنا علی کثیر من عبادہ المومنین** (النمل آیت نمبر ۱۵) اور کہا ان دونوں (داؤد اور سلیمان علیہما السلام) نے کہ تمام تعریفوں کا حقدار صرف وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی ہے۔

اس فضیلت کی تشریح میں قرآن کریم نے فرمایا: **اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ** (الانعام، آیت نمبر ۱۲۴) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جہاں اپنا پیغام رکھتا ہے (جس کو اپنا رسول بناتا ہے) **انھم عندنا لمن المصطفین الاخیار** (ص، نمبر ۴۷) بے شک یہ ہمارے ہاں چنے ہوئے پسندیدہ لوگ ہیں۔ **وکلاً فضلنا علی العالمین، ومن ابائھم وذریتھم واخوانھم واجتبیناھم وھدینھم الی صراط مستقیم** (الانعام، نمبر ۸۶، ۸۷) اور ان سب کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی اور ان کے باپوں سے اور ان کی اولادوں سے اور ان کے بھائیوں سے اور پسند کرلیا ہم نے ان کو اور چلا دیا ان کو سیدھی راہ کی طرف۔

انبیاء علیہم السلام انسانوں میں سے برگزیدہ اور چنے ہوئے سعادت مند ہیں‘ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے:۔ **قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ** (ابراہیم۔ آیت نمبر ۱۱) ان سے ان کے رسولوں نے کہا ہم تو یہی آدمی ہیں تم جیسے لیکن اللہ تعالیٰ احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں جب ان کی اقوام نے یہ کہا کہ تم ہم جیسے انسان ہی ہو اور اپنے جیسے انسان کی اطاعت اور فرمانبرداری سراسر نقصان ہے۔ **ولئن اطعتم بشراً مثلکم انکم اذا لخسرون** اور اگر تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو بیشک تم خراب ہوئے۔ (المومنین آیت نمبر ۳۴)

تو ان کے اس اعتراض کے جواب میں انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ

1- واقعی ہم تم جیسے بشر ہی ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں مگر

2- ہم پر اللہ تعالیٰ نے وہ احسان اور انعام کیا جو تم پر نہیں کیا اور یہ احسان اور اکرام اس کا عطیہ ہے، ہماری محنت اور کسب کا اس میں کوئی دخل نہیں وہ بشری خصوصیات لفظ نبی میں پائی جاتی ہیں، اس لئے حسب ارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز: "وپیدا است کہ نبی را از اں نبی گویند کہ از ہمہ غیر انبیاء قدرے بلند دارد چرا کہ نبوت بلندی را گویند" (امداد السلوک ص ۸۳)

(ترجمہ) اور یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کو نبی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ غیر انبیاء انسانوں سے بلند مرتبہ رکھتا ہے کیونکہ نبوت کا لفظی معنی بلندی ہے۔ وہ بلندی اور رفعت اس لحاظ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو پیغام پہنچانا تھا وہ انبیاء علیہم السلام کی معرفت پہنچایا ہر انسان اس قابل نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا امین اور مخاطب بلا واسطہ ہو سکے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **فان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجھین وجہ یاخذ من اللہ تعالیٰ ووجہ یعطی الخلق** (اعتقاد نامہ، ص ۳۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو رخ ہیں ایک رخ کا تقابل رب کریم سے ہوتا ہے اور اس سے اس کا کلام حاصل کر لیتا ہے اور دوسرے رخ سے اسی کلام اور پیغام کو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو پہنچا دیتا ہے۔

چنانچہ ہر نبی علیہ السلام کو بشر ہونے کے باوجود مافوق البشر خصوصیات عطا کی جاتی ہیں بالفاظ ڈاکٹر سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ: "جس طرح ہمارا نفس اور ہماری روح یا ہمارے جسم کی پراسرار مخفی قوت ہمارے کالبد خاکی پر حکمران ہے اور ہمارے اعضاء اور جوارح اس کے ایک ایک اشارہ پر حرکت کرتے ہیں اسی طرح نبوت کی روح اعظم اذن الٰہی سے سارے عالم جسمانی پر حکمران ہو جاتی ہے اور روحانی دنیا کے سنن و اصول عالم جسمانی کے قوانین پر غالب آ جاتے ہیں اس لئے وہ چشم زدن میں فرش زمین سے عرش بریں تک عروج کر جاتی ہے، سمندر اس کی ضرب سے تھم جاتا ہے، چاند اس کے اشارے سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے، اس کے ہاتھوں کی دی ہوئی چند روٹیاں ایک عالم کو سیر کر دیتی ہیں، اس کی انگلیاں پانی کی نہریں بہاتی ہیں، اس کے نفس پاک سے بیمار تندرست ہو جاتے ہیں اور مردے جی اٹھتے ہیں، وہ تنہا مٹھی بھر خاک سے پوری فوج کو تہ و بالا کر سکتا ہے، کوہ صحرا، بحر و بر، جاندار اور

بے جان، بحکم الٰہی سب اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں“ (سیرۃ النبی ج ۳ ص ۳)

حضرت سید سلیمان ندوی قدس سرہ العزیز کے اس مختصر مگر جامع ارشاد کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ:۔

”غیر نبی پر تو عناصر غالب ہیں مگر نبی علیہ السلام عناصر پر نہ صرف غالب ہوتا ہے بلکہ بامر خداوندی عناصر پر حکمران ہوتا ہے جیسا کہ اصول عناصر چہار ہیں، آگ، پانی، ہوا، مٹی، مگر آگ دوسروں کو تو جلاتی ہے لیکن نبی علیہ السلام کا بال تک نہیں جلا سکتی جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار بن گئی، پانی میں دوسرے انسان تو ڈوب جاتے ہیں جیسا کہ فرعون اور اس کی قوم کو تو غرق کر دیا مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بامر خداوندی راستے بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کیلئے راستے بن گئے۔ ہوا انسانی تصرف سے بالاتر ہے مگر سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے مسخر کر دی گئی تھی اور قوم عاد کیلئے تباہی کا سامان بن گئی، مٹی تو اس قدر ادب اور احترام کرتی ہے کہ بڑے سے بڑے جابر انسان کو چند دنوں میں کھا جاتی ہے مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے اجساد مبارکہ کو تو چھو بھی نہیں سکتی۔“

چنانچہ: خصائص انبیاء علیہم السلام میں سے یہ خاصہ بھی ہے کہ ان کے اجساد مبارکہ موت کے طاری ہونے کے بعد بھی اس لئے سلامت رہتے ہیں کہ ان میں حیات ہوتی ہے، یہی عقیدہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جمہور امت کا ہے، صرف چند لوگوں نے اس سے اپنے عقل خام کی پیروی میں اختلاف کیا ہے۔ اسی طرح تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اخلاقی کمزوریوں اور عملی بے راہ روی سے معصوم تھے، عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اسی طرح ان تمام بیماریوں سے محفوظ تھے جن کی وجہ سے تبلیغ میں رکاوٹ یا کمی آ سکتی ہو کیونکہ کوئی نبی علیہ السلام اندھا، بہرہ، لنگڑا اور گونگا نہیں تھا، اسی طرح ان تمام بیماریوں سے محفوظ تھے جن سے دوسروں کو کراہت آتی ہو یا اس بیماری کو نفرت کا سبب سمجھا جائے جیسا کہ کوڑھ وغیرہ۔ ہر نبی علیہ السلام نیند میں بھی شیطانی وساوس اور خطرات سے محفوظ تھے۔

(ف) حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے بدن اطہر سے کیڑے نکلتے تھے، وغیرہ۔ یہ بات درست نہیں، وہ سات سال یا اٹھارہ سال بیمار رہے اور ساتھ ہی مال اور اولاد بھی ختم ہو گئی تھی۔ بدنی بیماری سے بھی انسان پریشان ہو جاتا ہے مگر قرآن کریم کی شہادت ہے کہ وہ صابر رہے۔ (النبوۃ والانبیاء، ص ۲۸۸)

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام قرآن حکیم میں

(1) قرآن عزیز نے امام الانبیاء سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا

واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمان الهةً یعبدون (الزخرف، نمبر ۴۵)

اور آپؐ پوچھیں ان رسولوں سے جن کو ہم نے آپؐ سے پہلے بھیجا ہے کیا ہم نے رحمٰن کے بغیر اور معبود بنائے جن کی عبادت کی جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں علماء تفسیر نے یہ فرمایا ہے کہ:

یستدل به علی حیوة الانبیاء علیهم السلام (مشکلات القرآن ص۲۳۴)

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ جو لوگ مر گئے ہیں ان سے کسی بات کا پوچھنا یا پوچھنے کا حکم دینا یہ درست نہیں ہوسکتا، تمام مفسرین قرآن حکیم نے یہی تفسیر اور ترجمہ فرمایا ہے، چند تفاسیر کے حوالہ جات درج ہیں

تفسیر درمنثور جلد نمبر ۶ ص نمبر ۱۶ تفسیر روح المعانی جلد نمبر ۲۵ ص نمبر ۸۹
تفسیر جمل علی الجلالین جلد نمبر ۴ ص نمبر ۸۸ شیخ زادہ حنفی حاشیہ بیضاوی جلد نمبر ۳ ص نمبر ۲۹۸
علامہ خفاجی مصری حاشیہ بیضاوی جلد نمبر ۷ ص نمبر ۴۴۴

تفسیر روح البیان اور دوسری تفاسیر میں شب معراج میں اس سوال و جواب کو ذکر فرمایا ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ترجمان القرآن عبداللہ بن عباسؓ نے بھی اس کا تعلق معراج سے بتایا ہے۔

بیضاوی کے شارح علامہ صدرالدین قونوی حنفی نے فرمایا ہے کہ

''سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات کی طاقت عطا ہوئی تھی ورنہ اس حکم کا کیا فائدہ'' (جواہر البحار، ج ۱ص ۳۱۸)

(2) قرآن شریف نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی اطلاع دے دی تھی کہ آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ضرور ہوگی' ارشاد فرمایا:

ولقد اتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریة من لقآئه

اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی پس آپؐ ان کی ملاقات میں شک نہ کریں (الٓم السجدہ آیت نمبر ۲۳)

یعنی آپ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ضرور ہوگی' چنانچہ شب معراج تو آپؐ کی ملاقات بیت المقدس میں ہوئی اور پھر سماوی سفر میں آپؐ کے ساتھ نماز اور روزہ کی تعداد کے بارہ میں کئی بار ملاقات ہوئی' اور ویسے بھی کئی بار دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی' حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

''معراج کی رات میں ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار'' (موضح القرآن)

(3) قرآن عزیز نے شہداء کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

بل احیآء عند ربهم یرزقون، فرحین بما اتا هم الله من فضله (آل عمران، نمبر ۱۶۹)

بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے وہ خوش ہیں اس پر جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیا ہے۔

یعنی تم نہ تو شہداء کو مردہ کہو جیسا کہ سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۵۴ میں ارشاد فرمایا اور نہ شہداء کو مردہ سمجھو جیسا کہ اس آیت میں ہے بلکہ وہ تو زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے' تو جب وہ شہید جن کا مرتبہ اور درجہ انبیاء علیہم السلام سے بہت ہی کم ہے بلکہ ان کو یہ درجہ اور فضیلت بھی انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی تعلیمات پر یقین کی وجہ سے حاصل ہوئی کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ارشادات پر یقین رکھتے ہوئے ان کے تحفظ میں اپنی جان تو دے دی مگر ان کی تعلیمات کو نہ

چھوڑا' تو جب شہداء کو مردہ کہنے اور مردہ سمجھنے سے قرآن حکیم نے روکا اور ساتھ یہ بھی واضح فرمایا بل احیاء کہ وہ زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام کی حیات بطریق اولیٰ ثابت ہوگئی'

حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه' يقويه من حيث النظر كون الشهداء احياء بنص القرآن والانبياء افضل من الشهداء

اور جب قرآنی ارشادات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ شہید لوگ زندہ ہیں اور یہی بات عقل سے بھی بادلیل ثابت ہے تو وہ انبیاء کرام علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بلند اور بالاتر ہے ان کی حیات تو بطریق اولیٰ ثابت ہوگئی۔

(4) قرآن عزیز میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ موجود ہے کہ جب ان کی ناسوتی موت کا وقت آیا تو ان پر موت طاری کردی گئی مگر ان کا جسم اسی طرح لاٹھی کے سہارہ پر ایک سال تک کھڑا رہا اور وہ مٹی کی دست برد سے محفوظ رہا' ارشاد قرآنی ہے:

فلما قضينا عليه الموت مادلهم على موته الا دآبة الارض تاكل منسأته (السبأ آيت نمبر ۱۴)

پھر جب ہم نے ان پر موت کا فیصلہ کردیا تو ان کی موت کی جنات کو خبر نہ دی مگر گھن کے کیڑے نے جو کھاتا رہا ان کے عصا کو۔

غور کی بات یہ ہے کہ گھن کے کیڑے اور دوسرے کیڑوں کے سامنے دو چیزیں تھیں ایک تو گوشت پوست کا بدن اور ایک خشک لکڑی کی لاٹھی' ظاہر ہے کہ گوشت کو تو جلدی کیڑا لگ جاتا ہے' چیونٹی چمٹ جاتی ہے' بدن کی رنگت بدل جاتی ہے مگر خشک لکڑی کو تو کیڑے نے کھالیا لیکن نبی علیہ السلام کے مبارک بدن کو ہاتھ نہ لگا سکا یہی دلیل حیات الانبیاء کی ہے۔ علیہم السلام۔

تفسیری فائدہ:۔ قرآن عزیز نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد اطہر کے زمین پر آجانے کو خر کے ساتھ تعبیر فرمایا سقط کے ساتھ تعبیر نہیں فرمایا خر کا کلمہ قرآن حکیم میں زندہ انسانوں کے جھک جانے اور گر جانے کیلئے ارشاد فرمایا ہے جیسا کہ:۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کے بھائیوں کا سجدہ ریز ہونا قرآن عزیز

نے یوں ذکر فرمایا: **وخروا له سجدا** (یوسف آیت نمبر۱۰۰)

اور وہ سارے یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔

اسی طرح کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حالت بوقت دیدار تجلی کو قرآن عزیز نے یوں ارشاد فرمایا:

فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا وخر موسیٰ صعقاً

(الاعراف، آیت نمبر ۱۴۳)

پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تجلی نے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں انابت کا ذکر قرآن عزیز نے یوں فرمایا:

خر راکعاً واناب (ص، آیت نمبر۲۴)

اور سجدہ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔

ایماندار اہل کتاب نے جب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی بشارت کو سنا اور اس جمال ایمان افروز سے بہرہ ور ہوئے تو ان کی حالت انقیاد اور اطاعت کو قرآن عزیز نے یوں ارشاد فرمایا:

ان الذین اوتوا العلم من قبله اذا یتلیٰ علیهم یخرون للاذقان سجداً (اسراء، آیت نمبر ۱۰۷)

جن کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا یہ قرآن جب ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لانے والوں کی نشانی یہ بتائی کہ:

انما یؤمن بایتنا الذین اذا ذکروا بها خروا سجّداً وسبحوا بحمد ربهم وهم لا یستکبرون (الم السجدہ، آیت نمبر ۱۵)

ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں جب ان کو ان آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو سجدہ کرتے ہوئے جھک جاتے اور اپنے رب کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے۔

عبادالرحمان کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

والذین اذا ذکروا بایت ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا

(الفرقان، آیت نمبر ۷۳)

اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت ان کو اللہ تعالیٰ کے کلام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔

حدیث میں بھی اس کلمہ کا ذکر کسی زندہ انسان کیلئے ارشاد ہوا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے حدیث نعلین مبارکین کے ذکر میں فرمایا:

خردت لاستی (مشکوٰۃ) میں اپنے چوتڑوں کے بل گر پڑا۔

خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شفاعت میں اپنے سجدہ عبودیت و نیاز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **ثم اخر له ساجداً** (بخاری و مسلم) پھر سجدہ کرنے کیلئے گر پڑوں گا۔

(ف) قرآن و حدیث میں یہ کلمہ اور اس کے مشتقات حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آئے ہیں اور ان کے علاوہ بھی عبادالرحمان اور نیک لوگوں ہی کیلئے آئے ہیں، اس لئے اس کلمہ سے عزت ہی کا پہلو ظاہر ہے۔

اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد اطہر کے سلامت زمین پر آنے سے ان کی عرفی موت پر استدلال کرنا قرآنی علوم اور قرآن سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

(5) حضرت عزیرالسلام کا واقعہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۹ میں مذکور ہے جس کا اجمالی ذکر کتاب ھذا کے شروع میں ہو چکا ہے یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ!

(۱) موت فناء کا نام نہیں ورنہ سو سال تک مردہ رکھنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرنا کیا مطلب رکھ سکتا ہے۔

(۲) نبی علیہ السلام کا بدن بلا کسی محافظ اور نگران کے اس مٹی پر پڑا رہا جس میں آپ کے گدھے کی ہڈیاں اور گوشت پوست گل سڑ گیا۔

(۳) اسی طرح وہ کھانا جو آپ کے بدن کا جزو ہونا تھا وہ بھی سو سال تک صحیح رہا اس

میں نہ تو بدبو پیدا ہوئی اور نہ اس کی مقدار کم ہوئی اور نہ کسی چیز نے اس کو چھوا، اس واقعہ میں کتنی صاف دلیل ہے حیات الانبیاء اور عظمت انبیاء کی (علیہم السلام)

(۶) تفسیر خازن میں حضرت جرجیس علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کی بدنصیب قوم نے ان کو پکایا اور پھر جلایا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے (تفسیر خازن سورہ آل عمران)

(۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ قرآن عزیز میں موجود ہے کہ ان کی قوم نے جب ان کو آگ میں ڈالا تو وہ زندہ اور سلامت ہی رہے۔ (الانبیاء)

(۸) حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات پر یہودیوں نے حضرت موسیٰ پر قتل کا الزام لگایا تو ان کا جنازہ آسمان سے نظر آیا جس میں یہ آواز تھی کہ میں خود اپنی موت مرا ہوں اسی کو **فبراہ اللہ مما قالوا**۔ (الاحزاب آیت نمبر ۶۹ بحوالہ موضح القرآن)

(ف) تو بدن اور جسم کی سلامتی یہ اس امر کی دلیل ہے کہ روح کا تعلق اس بدن کے ساتھ ہے اس لئے اس کو حیات حاصل ہے، جیسا کہ اصحاب کہف کا واقعہ قرآن عزیز میں موجود ہے کہ:

ولبثوا فی کھفھم ثلث مائۃ سنین واز دادوا تسعاً (الکھف، آیت نمبر ۲۵)

اور وہ اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے نو بڑھا کر (۳۰۹)

اصحاب کہف اس غار میں تین سو نو سال تک رہے مگر جب ان کو جگایا گیا تو انہوں نے کیا کہا کہ ابھی آئے تھے **لبثنا یوما او بعض یوم** ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ یہ گویا ان کی برزخی زندگی تھی مگر دنیاوی زندگی کے لحاظ سے تو وہ ۳۰۹ سال تک اس غار میں رہے، اگر ذرا بھی انصاف سے کام لیا جائے تو بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر ان کے ناخن بڑھ گئے ہوتے یا کپڑے پھٹ گئے ہوتے یا بال بڑھ گئے ہوتے یا ان کے بدنوں میں اس قدر لمبا وقت گزرنے سے کوئی تبدیلی آجاتی تو یوں نہ کہتے۔ بدن کی سلامتی اسی لئے تھی کہ ان میں حیات تھی۔ یہی حالت سیدنا حضرت عزیر علیہ السلام کی ہے۔ جب آپ کو سو سال مردہ حالت میں رکھنے کے بعد زندہ کیا گیا اور پوچھا گیا!

کم لبثت قال لبثت یوماً او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام۔ (بقرہ، آیت نمبر ۲۵۹)

خداوند قدوس نے پوچھا کتنا زمانہ یہاں رہے؟ آپ نے عرض کیا ایک دن یا دن کا

کچھ حصہ فرمایا: نہیں! تو اسی حالت میں سو سال رہا۔

تو اگر ایک سو سال کے طویل عرصے میں آپ کے بدن یا لباس یا اعضاء پر کوئی خارجی یا داخلی اثر ہو جاتا تو کیا آپ یوں فرما سکتے تھے کہ ”ایک دن یا دن کا کچھ حصہ“ ان دونوں قصوں کو ملا کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت نیند کی طرح ہوتی ہے اور روح کا تعلق اسی طرح رہتا ہے جیسا کہ نیند میں روح کا تعلق رہتا ہے۔ اس لئے بدن کو موت کے عروض کے بعد بھی حیات حاصل رہتی ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز بانی دار العلوم دیو بند نے ارشاد فرمایا:

”حیات کو موجب حرمت کہیے اور حرمت کو احترام پر مبنی رکھیے“ (آب حیات ص ۲۹)

(۹) واذ اخذ اللہ میثاق النبین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جآء کم رسولٌ مصدقٌ لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ، قال ءاقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشھدین (آل عمران، آیت نمبر ۸۱)

اور جب اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آئے گا تمہارے پاس (بڑا) رسول کہ سچا بتائے گا جو تمہارے پاس ہے تو اس رسولؐ پر ضرور ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کہ تم نے اقرار کیا بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

اس آیت میں اس امر کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے اس امر کا عہد لیا تھا کہ جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو تم ان کی مدد کرو گے اور ان پر ایمان لاؤ گے۔ ظاہر ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء سے آخر میں تشریف لائے جملہ انبیاء کرام کو آپؐ سے زمانی تقدم حاصل تھا، اس لئے شب معراج سب انبیاء علیہم السلام نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور اس عہد کی عملی تصدیق کی۔

حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

فاعلم ان النبوۃ بداھا اللہ تعالی بادمؑ ثم جعلھا فی ذریۃ ادم الثانی وھو

نوحؑ ثم جعلها فی ذریة ابراهیمؑ وحصرها بعده فی نسله فقال تعالیٰ وجعلنا فی ذریته النبوة والکتاب ثم جعلها شعبتین شعبته بنی اسرائیل فبعث منهم رسلا وانبیاء تتری الی ان ختمها بعیسیٰؑ ورفعه حیاً وشعبة بنی اسماعیل وبعث منهم علی دعوة ابراهیمؑ خاتم الانبیاء نبیاً صلی الله علیه وسلم وقضیٰ له سیادة بنی آدم کلهم ولافخر وبیده لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذٍ اٰدم فمن سواه الاتحت لوائه فقد اخذ الله میثاق النبین الی منهم بنصرته ان ادرکوا زمانه وقداد رکوه فی المسجد الاقصیٰ. الخ (عقیدة الاسلام، طبع اول، ص۱۵)

"والرا جح ان المرادانه' اخذ المیثاق من سائر الانبیاء فی حق نبینا صلی الله علیه وسلم واللام فی النبین للاستغراق (ص۱۷)

ارشادات بالا کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے رسالت اور نبوت کا مقدس سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے خاندان میں رکھا اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اس سلسلہ نبوت کو مخصوص فرمادیا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی رسول اور نبی تشریف لائے وہ سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہی سے ہوئے ہیں۔ ایک شاخ سے بنی اسرائیل ہوئے یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے جن کے آخری نبی حضرت مسیح علیہ السلام ہوئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زندہ اسی جسم کے ساتھ اٹھالیا ہے۔ اور دوسری شاخ (اولاد اسماعیل علیہ السلام) سے سیدالانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا ہے' اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا تھا کہ آخری نبیؐ پر ایمان لائیں گے اور ان کے دین کی مدد کریں گے' چنانچہ:

(الف) وہ آخری نبی ان سب انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں کیونکہ وہ ان سب نبیوں کی رسالت اور نبوت کی تصدیق کرنے والے ہیں اور تصدیق کرنے والا اعلیٰ اور افضل ہوا کرتا ہے۔

(ب) سب انبیاء علیہم السلام نے بیت المقدس میں آپؐ سے ملاقات کی اور آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی شاید بیت المقدس کو اس قیادت کے عملی ظہور کو اس لئے مخصوص کیا گیا ہو

کہ بیت المقدس انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ رہا ہے تو عملاً یہ ثابت کرا دیا گیا ہے کہ اب سیادت اور قیادت امام الانبیاء کو حاصل ہو چکی ہے۔

(ج) ایمان کا اظہار اور عملی اطاعت کی تصدیق یہ سب امور حیاۃ الانبیاء کے لئے دلیل ہیں۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں سب انبیاء علیہم السلام پر سلام کہنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اجمالی طور پر تو یہ ارشاد فرمایا: **وسلامٌ علی المرسلین** (الصّفت، ۱۸۱)

اور سلام ہو سب رسولوں پر۔ مگر تفصیلی طور پر اس سورت میں چند انبیاء علیہم السلام کے نام لے کر ارشاد فرمایا: **وترکنا علیه فی الاخرین، سلمٌ علی نوحٍ فی العالمین** (الصّفت نمبر ۷۸، ۷۹)

اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان کیلئے یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو سب جہانوں میں۔

وترکنا علیه فی الاخرین، سلمٌ علیٰ ابرٰهیم (الصفت آیت نمبر ۱۰۸، ۱۰۹)

اور ہم نے پیچھے آنیوالوں میں ان کیلئے یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو ابراہیم پر۔

وترکنا علیهما فی الاخرین، سلمٌ علی موسیٰ وهرون (الصفت آیت نمبر ۱۱۹، ۱۲۰)

اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان دونوں کیلئے یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر

وترکنا علیه فی الاخرین، سلمٌ علی ال یاسین

اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان کیلئے یہ بات لکھ دی ہے کہ سلام ہو ال یاسین پر

(الصفت آیت نمبر ۱۲۹، ۱۳۰)

انبیاء علیہم السلام پر سلام کہنے کے حکم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کو برزخی حیات حاصل ہے اور سلام ان کو پہنچایا جاتا ہے۔

اور سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا:

یاَیّها الذین آمنوا صلّوا علیه وسلّموا تسلیماً اے ایمان والو تم بھی آپؐ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔ (احزاب، ۵۶) اللہ تعالیٰ نے امت کو یہ حکم دوامی دیا ہے اس لئے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ''تمہارا درود سلام مجھے پہنچتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

قرآنی صداقت واقعات کی روشنی میں

اگرچہ سعادت مند انسان اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور امام الانبیاء سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر بلا کسی چون و چرا کے ایمان لے آتا ہے مگر بعض کور باطن حرمان نصیب چون و چرا کرتے رہتے ہیں، شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے طور پر کبھی کبھی ایسے واقعات کا ظہور فرما دیتے ہیں جن سے ان ارشادات کی تائید اور تصدیق ہو جاتی ہے، جیسا کہ فرمایا:

سنریهم ایتنا فی الافاق وفی انفسهم حتیٰ یتبیّن لهم انّه الحقّ اولم یکف بربّک انّه علیٰ کلّ شیء شهید (حم السجدہ نمبر ۵۳)

اب ہم دکھلائیں گے اپنی قدرت کے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے کیا تیرا رب کافی نہیں بے شک وہ ہر چیز کو گھیر رہا ہے۔

چنانچہ حیات بعد الموت کو سمجھانے کیلئے چند واقعات کا ذکر تو قرآن عزیز میں ہے اور تاریخی طور پر بھی ایسے واقعات کا ظہور ہوا ہے جیسا کہ مشہور محقق اہل علم امام ابو عبید ثقفی م ۲۲۴ھ نے اپنی مستند کتاب ”کتاب الاموال“ میں مندرجہ ذیل واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ:

(۱) جب حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں سوس فتح ہوا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری وہاں کے عامل مقرر ہوئے تو انہوں نے وہاں جا کر دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام کا جسد مبارک پتھر کے ایک ٹب میں پڑا ہوا ہے اور اس کے پاس کافی مال و دولت موجود ہے۔ جس کے پاس ایک تحریر موجود ہے کہ جس کسی کو مال کی ضرورت ہو اس سے لے جائے اور پھر ضرورت پوری ہونے پر مال یہاں لا کر جمع کر دے ورنہ وہ کوڑھی ہو جائے گا، وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ اس پر عمل کیا جاتا ہے، چنانچہ آپ نے یہ حالت حضرت عمر فاروقؓ کو لکھ بھیجی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نبی علیہ السلام کا جنازہ پڑھ کر دفن کر دیں اور سارا مال بیت المال میں جمع کر دیں۔ (ص ۳۴۳)

(ف) حضرت دانیال علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً سات سو سال پہلے گزرے ہیں اور حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ خلافت حضرت دانیال علیہ السلام سے تقریباً چودہ سو سال بعد کا ہے اس لحاظ سے حضرت دانیال علیہ السلام کے بدن مبارک کو خداوند قدوس نے چودہ سو سال تک سلامت رکھا تا کہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں کہ نبی کی موت فناء کامل نہیں ہوتی بلکہ اس کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔

(۲) مشہور مورخ اسلام علامہ ذہبیؒ نے اپنی مستند کتاب العبر فی خبر من غبر میں فرمایا ہے کہ:

"۵۱۳ھ میں بیت المقدس میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی قبور اچانک ظاہر ہو گئیں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے ان کی زیارت کا شرف حاصل کیا، سب حضرات کے پاکیزہ جسم بالکل صحیح و سالم تھے" (جلد۴ ص۲۹)

تنبیہ:۔ جو لوگ حیات الانبیاء علیہم السلام کے منکر ہیں وہ یہ کہنے سے بھی باک نہیں کرتے ہیں:۔

"حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے ہمراہ رات کو مصر سے نکلے تو راستہ بھول گئے جب تشویش ہوئی تو علماء بنی اسرائیل نے فرمایا یوسف علیہ السلام نے ہم سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ جب وہ مصر سے جائیں تو میری ہڈیاں ہمراہ لے جائیں چنانچہ انہوں نے ہڈیاں نکالیں اور اپنے ہمراہ لے گئے" (الادلۃ القویۃ، ص۸۴) العیاذ باللہ)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو فلسطین کے بدکار بادشاہ ہیرودس نے اس طرح شہید کر دیا تھا کہ ان کا سر مبارک ان کے جسد سے علیحدہ کر دیا تھا۔

مشہور محدث حافظ ابن عساکرؒ نے زید بن واقد سے بیان کیا ہے کہ جب دمشق میں ایک مسجد بنانے کیلئے کھدائی کی گئی تو محراب کے قریب ایک ستون کے نیچے سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مبارک اسی طرح صحیح و سالم نکلا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی آپ کو شہید کیا گیا ہے۔ (النبوۃ والانبیاء ص۳۳۶ از محمد علی صابونی استاذ کلیہ شرعیہ مکہ مکرمہ)

حضرت یونس علیہ السلام کے بارہ میں سورۃ الصافات آیت نمبر ۱۴۴ میں فرمایا کہ اگر یونس علیہ السلام تسبیح پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک (زندہ) رہتے۔ (روح المعانی)

مچھلی یعنی ان کی قبر بھی سلامت رہتی اور وہ بھی زندہ رہتے۔ نبی علیہ السلام کی حیات اور قبر کی بقاء کی کس قدر واضح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء علیہم السلام

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

حیات الانبیاء علیہم السلام کے متعلق احادیث اس قدر زیادہ روایت کی گئی ہیں کہ ان کو تواتر کا درجہ حاصل ہے، معتبر کتب احادیث سے چند احادیث ترجمہ اور مختصر تشریح کے ساتھ درج کی جاتی ہیں۔

(۱) **الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون** انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔

محدث کبیر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ یہ روایت حضرت انسؓ سے بھی روایت ہے اور صحیح ہے'' (فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۱۱۷)

(۲) **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسریٰ بہ مر علیٰ موسیٰؑ وھو یصلی فی قبرہ**

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج موسیٰؑ کی قبر پر گزر ہوا اور موسیٰؑ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

(۳) **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتیت علی موسیٰؑ لیلۃ اسریٰ بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ.**

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میرا گزر موسیٰؑ کے قریب سے ہوا میں نے دیکھا کہ آپ اپنی قبر میں (جو کہ لال رنگ کے ٹیلے کے پاس ہے) کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس حدیث میں پوری تفصیل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ موسیٰؑ

کھڑے ہوکر اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور کھڑا ہونا تو بدن کا خاصہ ہے روح کیلئے کھڑا ہونا یا بیٹھنا نہیں ہوسکتا۔

(۴) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قد رأیتنی فی جماعةٍ من الانبیاء فاذا موسیٰ قائم یصلی فاذا رجل ضرب جعدٍ کانه من رجال شنوة واذا عیسیٰ بن مریم یصلی اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفی واذا ابراهیم قائم اشبه الناس به صاحبکم یعنی نفسه.

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت میں دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے ہیں اور اچانک میں نے دیکھا کہ مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام بھی نماز پڑھ رہے ہیں آپ شکل وشباہت میں عروہ بن مسعود ثقفی صحابی کے مشابہ ہیں اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا کہ وہ بھی کھڑے ہیں اور میرے مشابہ ہیں۔

اس حدیث کی شرح میں فرمایا گیا ہے:۔ **اما الانبیاء علیهم السلام احیاء بالحیوٰة الحقیقة بدلیل صلوٰة موسیٰؑ فی قبره وصلوٰة النبی صلی الله علیه وسلم بهم فی لیلة الاسر او لقائه بهم ونص علیٰ حیوٰتهم ابن عطیة والقضاعی۔** (اکمال شرح مسلم، ج٦ ص١٦٨) انبیاء علیہم السلام حقیقی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جس کی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اور خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء علیہم السلام کو شب معراج نماز پڑھانا اور ان کے ساتھ ملاقات فرمانا ہے' ابن عطیہؒ اور قضاعیؒ نے بھی انبیاء علیہم السلام کی حیات پر تصریح فرمائی ہے۔

(ف) شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ:۔

''اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم' حضرت عیسیٰ وغیرہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شکل وصورت ولباس وغیرہ کو صحابہ کرامؓ کے سامنے ذکر فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابر کی شکل اور صورت کو مخاطبین کے دماغ میں تمثل اور جگہ دینا مقصود ہے'' (مکاتیب شیخ الاسلام جلد۴ صفحہ٢٢١)

(۵) صحیح حدیث میں ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) اور یونس (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ لبّیک اللھمّ لبّیک کہہ رہے ہیں، یہ حدیث مسلم شریف میں موجود ہے۔ محدث کبیر حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث دلیل ہے اس پر کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (عقیدۃ الاسلام ص نمبر ۲۱)

(٦) ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء

اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسموں کو کھا سکے۔

اس کی وجہ مہاجر مدنی مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ شارح ابی داؤد نے یہ فرمائی ہے:

”اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں“ (بذل المجہود ج ۳ ص ۱٦۰)

(ف) شارح بیضاوی و شارح الشفاء علامہ خفاجی مصری نے فرمایا ہے کہ:

”متعدد روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام علیہم السلام کو جاگتے ہوئے آسمان پر اور زمین پر کئی مرتبہ دیکھا ہے اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔“
(نسیم الریاض جلد ۲ ص ۱۴۹)

(۷) وفی الصحیح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالمرسلین لیلۃ اسریٰ بہ رکعتین وانہ، سلّم علی ھارونؑ فدعالہ، بالرحمۃ ولامتہ وانہ، سلّم علی ادریسؑ فدعالہ، بالرحمۃ والامّتہ (الدرۃ الفاخرہ از امام سیوطیؒ، ص ۱۲)

صحیح حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب اسراء (بیت المقدس میں) سب انبیاء علیہم السلام کو دو رکعت نماز پڑھائی اور حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کو سلام دیا انہوں نے آپ کیلئے اور آپ کی امت کیلئے رحمت کی دعا کی۔

(۸) **فنبی اللہ حی یرزق** پس یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا ہر نبی زندہ ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔ (حقیقی اور معنوی) (مرقاۃ ج ۳ ص ۲۴۱)

(ف) جبکہ ہر مسلمان کی قبر پر حاضری کے وقت سلام کہا جاتا ہے تو حسب ارشاد صادق اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سلام کہنے والے کو جواب دیا جاتا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی سلام کا جواب فرماتے ہیں، جیسا کہ احادیث گزر چکی ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی سلام کا جواب فرماتے ہیں، جیسا کہ احادیث میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امت محمدیہ کو سلام بھیجنا ثابت ہے کہ:۔

”سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج ہوا میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی تو آپ نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دیں اور ان کو خبر کر دیں کہ جنت کی مٹی پاکیزہ ہے اور اس کا پانی بھی میٹھا ہے مگر ابھی تک اس میں کچھ نہیں بویا گیا اور اس کا بیج بونا یہ کلمات ہیں **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر** (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

چونکہ مسلمان بفضلہٖ تعالیٰ نماز میں اور نماز سے خارج بھی جو درود شریف پڑھتے ہیں اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود شریف پڑھا جاتا ہے شاید اسی لئے حضرت خلیل الرحمان علیہ السلام نے امت محمدیہ کو سلام بھیجا ہے۔

(الحمد للہ ثم الحمد للہ)

مآخذ و مصادر

جدید سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
تذکرۃ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ
رسول اللہ سے سچی محبت اور اسکی علامات
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں سے محبت
عصر حاضر کیلئے مشعل ہدایت
رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
مکتوبات امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ
اختلاف امت اور صراط مستقیم
خطبات مفکر اسلام
خطبات حضرت لاہوری
خطبات مفتی اعظم
خطبات احتشام
اصلاحی خطبات
اصلاحی مواعظ
مواعظ درد محبت
پر اسرار بندے
اصلاحی مضامین
مواعظ مولانا طارق جمیل مدظلہٗ
خطبات مسیح الامت
خطبات محمود
خطبات عارفی
خطبات مدراس
خوبصورت کشکول
خطبات شریعت
قرآنی افادات
کرنیں
راہ جنت
خطبات اکابر